مراثیِ نسیم جلد دوم

شاعرِ آلِ محمد حضرت نسیم امروہوی

کے

۲۸ مرثیوں کا مجموعہ

مقدمہ:

حضرت رئیس امروہوی

مراثیِ نسیم

جلد دوم

○

شاعرِ آلِ محمدؐ حضرت نسیم امروہوی

کے

۲۸ مرثیوں کا مجموعہ

ناشر

پاکستان ریڈرس گلڈ، کراچی

پوسٹ بکس ۷۸۷۵

برائے ایصالِ ثواب

جناب عبدالحسین صابؔر تھاریانی مرحوم

و

جناب محمد حسین دھالا بھائیؔ کانجی مرحوم

زیرِ نظر مجلّد کی فہرست مضامین

زیرِ نظر مجلّد کے مرثیوں کی فہرست

[illegible]

شاعرِ آلِ محمّد حضرت نسیم امروہوی کے بقیّہ مراثی کی فہرست جو اس جلد میں شامل نہیں

(بترتیبِ حروفِ تہجّی)

نمبر شمار	مطلع	موضوع
۱	ابوالبشر بشریت کی ہیں کتابِ عمل	خلقتِ آدمؑ، بحث خلافت آدمؑ، حوّا کی جدائی میں گریہ، تذکرۂ سیدِ سجادؑ
۲	اخلاص کی دلیل ہے رؤیائے صادقہ	مولانا منتخب الحق (کراچی یونیورسٹی) کا حضرت انیس کو خواب میں دیکھنا، تذکرۂ علم و عون و محمد
۳	اسدِ بیشۂ ضرغامِ خدا ہیں عبّاسؑ	حضرت علیؑ کی دعا سے جنابِ عبّاسؑ کی ولادت، سقائی، فرات کی جنگ، دفاعی، شہادت
۴	اسلام پہ اس وقت عجب وقت پڑا ہے	دورِ خلافتِ یزید، امام حسینؑ کا مدینے سے سفر
۵	اسلام کے امیر جنابِ امیرؑ ہیں	فضائلِ جناب علی ابن ابی طالبؑ و مصائبِ جنابِ سیدہؑ اور وفات
۶	اسلام کے عروج کا زینہ حسینؑ ہیں	اسلام (خلفائے اربعہ کے بعد) مصائبِ کربلا، امام حسینؑ
۷	افقِ مطلعِ خورشیدِ وفا ہیں عبّاسؑ	جنابِ عبّاسؑ، کربلا میں امام علیہ السّلام کا ورود اور کنارِ فرات انتصابِ خیام پر فوجِ یزید سے تکرار، مصائب
۸	اکبرؑ سے شرف نعرۂ تکبیر نے پایا	ولادتِ جنابِ علی اکبرؑ سے شہادت تک
۹	اکسیر ہے خاکِ پا علیؑ کی	فضائل جناب علی ابن ابی طالبؑ، ساقی نامہ، مصائبِ امام حسینؑ
۱۰	امامِ پاک کو جب اشقیا نے گھیر لیا	شبِ عاشور کے مناظر
۱۱	انسان کے حقوق کی ضامن ہے کربلا	کربلائے معلّیٰ کی عظمت اور فضائل و مصائبِ شہدائے کربلا
۱۲	انیسؔ ہیں ہمۂ انقلابِ شعر و سخن	(انیسؔ کی صد سالہ یادگار کے موقع پر) آمد، دفاعی حرب و ضرب و شہادتِ جنابِ علی اکبرؑ، انیسؔ کے لہجے میں (مرثیہ نمبر ۲۸ اس مرثیہ کا پہلا حصّہ ہے)
۱۳	اے اہلِ عزا پھر الم و غم کے دن آئے	محرّم کی آمد، محبّانِ حسینؑ کے گھروں میں عزاداری کی تیاری، اور شہادت پسرانِ مسلمؑ (کوفے میں)
۱۴	اے چرخ کس کا غم ہے کہ تو نیلہ پوش ہے	کوفہ و شام کے بازاروں میں اہلبیت کی تشہیر، دربارِ یزید، زندانِ شام میں ہند کا آنا
۱۵	اے طوس تیری ارضِ مقدس بھی نجف ہے	امام ضامن ثامن کے فیوضِ روحانی اور شہادت
۱۶	اے منشیٔ گردونِ قلم نخلِ ولادے	(دبیرؔ کی صد سالہ یادگار کے موقع پر) حضرت علی اکبرؑ کے لیے شاہِ حلب کی بیٹی کا پیام، حضرت علی اکبرؑ کی رخصت، دفاعی جنگ اور شہادت، حلب میں ماتم۔ دبیرؔ کے لہجے میں

شاعرِ آلِ محمدؐ نسیم امروہوی کی دیگر تالیفات و تصنیفات

(۱) تفسیرِ اصفیٰ (عربی) سورۂ بقرہ و آلِ عمران کی تصحیح و تحشیہ، (شاملِ نصاب مولوی الٰہ آباد بورڈ) ناشر: مدرسہ عربی نورالمدارس امروہہ۔
(۲) معیار الاشعار (محققِ طوسیؒ) کا حل اور تلخیص (شامل نصاب کامل الٰہ آباد بورڈ) ناشر: انوارِ احمدی پریس الٰہ آباد۔
(۳) حدائق البلاغہ کا حل اور تلخیص (شامل نصاب کامل الٰہ آباد) ناشر: انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۴) شرحِ مصباحِ فارسی (شاملِ نصاب منشی الٰہ آباد) ناشر: انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۵) شرحِ جواہرِ فارسی (شامل نصاب کامل الٰہ آباد) ناشر: انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۶) شرحِ انتخاب میر و غالب (شامل نصاب منشی الٰہ آباد) ناشر: انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۷) تلخیص شعرالہند (شاملِ نصاب منشی الٰہ آباد) ناشر: انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۸) شرحِ دفترِ ابوالفضل ۱ و ۲ (شامل نصاب منشی فاضل پنجاب و کامل الٰہ آباد) ناشر: جان محمد الٰہی بخش، لاہور۔
(۹) الفلسفہ، حصّہ دوم (امدادی، برائے مولوی فاضل پنجاب) ناشر: جان محمد الٰہی بخش، تاجرانِ کتب، لاہور۔
(۱۰) معلم المکاتب، حصّہ ۱ تا ۸ (شامل نصاب مکاتب پنجاب) ناشر: رائے بہادر گلاب سنگھ، لاہور۔
(۱۱) نظمِ اردو (شامل نصاب جماعت نہم و دہم، یوپی) ناشر: اشاعتِ اردو، خیالی گنج، لاہور۔
(۱۲) چراغِ زندگی، حصّہ ۱ و ۲ (شامل نصاب جماعت ہفتم و ہشتم مدارس ثانوی، یوپی) ناشر: کدار ناتھ، پٹنہ۔
(۱۳) و (۱۴) ہندوستانی بول چال، نیز کوہِ نور ریڈر، ہر ایک حصّہ ۱ تا ۸ (جو صرف رسم الخط کے تغیر سے اردو اور ہندی میں شائع اور ابتدائی و ثانوی مدارس یوپی کے نصاب میں شامل تھیں) ناشر: (علی الترتیب) یونائیٹڈ پبلشرز لکھنؤ و نند کشور بھارگو، بنارس۔
(۱۵) جنگِ عالمگیر۔ (دوسری جنگِ عظیم کے محرکات و واقعات) ناشر: اشاعتِ اردو، خیالی گنج لکھنؤ۔
(۱۶) مرقعِ غم (مجموعۂ مراثی) ناشر: نادری پریس، جبل پور، سی پی۔
(۱۷) نسیم البلاغت (شامل جماعت یازدہم و دوازدہم، یوپی) انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۱۸) قِرآن السعدین (مرثیہ جس میں جناب فاطمہ زہراؑ کا عقد تفصیل سے نظم کیا گیا ہے) ناشر: انجمن یادگارِ شہیدِ ثالثؒ، آگرہ۔
(۱۹) رموزِ غیب (تین مرثیوں کا مجموعہ) ناشر: اشاعتِ اردو، خیالی گنج، لکھنؤ۔
(۲۰) روحِ انقلاب (مرثیہ) ناشر: نظامی پریس، لکھنؤ۔
(۲۱) رضوانِ جنّت سے کشمکش (مرثیہ) ناشر: خنداں لکھنوی، منیجر سرفراز لکھنؤ۔
(۲۲) فلسفۂ غم (مرثیہ) ناشر: شیعہ اسکول، جونپور۔
(۲۳) تسہیل القواعد (استقرائی طرز پر اردو قواعد کے ۴ حصّے) ناشر: انوارِ احمدی پریس، الٰہ آباد۔
(۲۴) ہنسوں کی رانی (روسی طرز کی کہانیاں) ناشر: سرلش بکڈپو، لکھنؤ۔

(۲۵) خطباتِ مشران (مقدمہ اور چند خطبے شامل نصاب بی اے آنرز لکھنؤ یونیورسٹی و ایم اے آگرہ یونیورسٹی) ناشر: جگموہن نرائن مشران لکھنؤ.
(۲۶) برق و باراں (آزاد مسلم ریاست کے تصور کی تائید و تشریح کے موضوع پر ایک سیاسی مسدس) ناشر: مست قلندر پبلشنگ ہاؤس، لاہور
(۲۷) و (۲۸) الصرف والنحو (عربی صرف و نحو کے قواعد) ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۲۹) دوست بنو دوست بناؤ (نفسیات) ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۳۰) ملاپ (ڈراما) ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۳۱) آئینِ اردو (استقرائی طرز پر اردو صرف و نحو اور انشا پردازی) حصہ ا تا ۸. ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۳۲) رئیس اللغات (اردو لغت) ناشر: ملک دین محمد، لاہور.
(۳۳) اردو ادب، از حصہ ا تا ۸ (شامل نصاب مدارسِ ثانوی پنجاب، سندھ، بلوچستان، بہاولپور) ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
(۳۴) و (۳۵) نثرِ اردو و نظمِ اردو (شامل نصاب جماعت نہم و دہم سندھ و کراچی) ناشر: انوار بک ڈپو، کراچی.
(۳۶) نسیمِ اردو، از حصہ ا تا ۸ (شامل نصاب مدارسِ ثانوی کراچی) ناشر: کتاب منزل، لاہور.
(۳۷) ادبی کہانیاں (لغت تلمیحات) ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۳۸) نسیم اللغات (اردو لغت) ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۳۹) گلزارِ نسیم (پاکستانی بچوں کے لیے نظمیں) از حصہ ا تا ۶. ناشر: کتاب منزل، لاہور.
(۴۰) ترجمہ و تحشیہ صحیفۂ کاملہ (عربی) امام زین العابدین علیہ السلام. ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور.
(۴۱) تاریخِ خیرپور. ناشر: مراد برقی پریس، خیرپور میرس.
(۴۲) مراثیِ نسیم. جلد اول، ناشر: سید علی اطہر جعفری مرحوم، کراچی
(۴۳) کلیاتِ ناز (ہزہائینس میر علی نواز خاں تالپور آف ریاست خیرپور کی غزلیں، قصائد اور سلام وغیرہ)
(۴۴) چشمۂ غم (سوز خوانی کے مرثیے) ناشر: انجمن فروغِ مرثیہ، کراچی.
(۴۵) مومنِ آلِ ابراہیم (۲ مرثیے در حال حضرت ابوطالبؑ و حضرت ام المومنین خدیجہؑ) ناشر: کل پاکستان فروغِ مرثیہ، کراچی.
(۴۶) مسدسِ نسیم (نعت و رحلت آنحضرت صلعم) ناشر: سید علی سید امروہوی.
(۴۷) مراثی از ۱۹۲۳ء تا حال ۱۹۷۳ء، فہرست صفحہ د، ہ، و پر مندرج ہے.
(۴۸) ترجمۂ توضیح المسائل از حضرت ابوالقاسم الخوئی (عربی سے) ناشر:
(۴۹) ترجمۂ مناسکِ حج، از حضرت ابوالقاسم الخوئی (عربی سے) ناشر: ایین مرچنٹ، ۱۶ لکشمی بلڈنگ ایم اے جناح روڈ کراچی
(۵۰) تسبیحِ فاطمہؑ (مسدس بتقریبِ ولادت بضعۃ الرسول) ناشر: طیبی دواخانہ، کراچی
(۵۱) سازِ حریت (مرثیہ) مع مقدمہ (انگریزی) پنڈت برج ناتھ شرغا (اردو) جناب ممتاز احمد نقوی ایم اے (تبصرہ) جناب نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی (ناشر) اشاعت اردو خیالی گنج لکھنؤ.

تعارفِ ذات، ذاتی قلم سے!

نام: سیّد قائم رضا، **تخلص:** (سنہ ۱۹۲۴ء تک) قائمؔ (اس کے بعد) نسیمؔ، **نسب:** (والد) سید برجیس حسین برجیسؔ، (دادا) فرزدقِ ہند سیّد جواد حسین شمیمؔ، (جدِّ اعلیٰ) سیّد حید حسین یکتاؔ (جن سے شعر و سخن کا سلسلہ شروع ہوا۔ (والدہ) سیّدہ تقوی، (مورثِ اعلیٰ) سیّد محمد اشرف دانشمند .. .. .. موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی علیہ السّلام۔

پیدائش: ۲۷ رجب ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۰۸ء، دوشنبہ، (وقت) اذانِ صبح، (موسم) شدید برسات (مقام) امروہہ ضلع مرادآباد، یوپی (بھارت)

کتابی تعلیم کا آغاز: ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء، چہارشنبہ (عمر ۳½ سال) **ختمِ قرآن و ابتدائی اردو؎:** ۱۷ رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۱۴ء، جمعرات (عمر ۶ سال)، **آغازِ شعر گوئی:** صفر ۱۳۳۷ھ مطابق نومبر ۱۹۱۸ء (عمر ۱۱ سال)

تعلیم: (الہ آباد بورڈ سے) منشیؔعہ کامل، مولوی، عالم، فاضلِ ادب (مع انگریزی)، فاضلِ فقہ، (درسِ نظامی) نورالافاضل۔

تصنیفِ مرثیۂ اوّل: اکتوبر ۱۹۲۳ء (میں اُس وقت پنجاب یونیورسٹی سے منشی، اور الہ آباد بورڈ سے منشی و مولوی کے امتحانات پاس کر چکا تھا، **شعر و سخن میں تلمذ:** کسی کے سامنے زانوے ادب تہ نہیں کیا، البتہ اپنے ادبیاتِ عربی کے استاد مولانا سید انوار الحسن مرحوم اعلی اللہ مقامہ (جہانگیر آبادی، مقیمِ امروہہ) کو اپنا ہر شعر سناتا، اور اُن کے اعتراضات کی روشنی میں رد و بدل کرتا اور اس وقت تک کرتا رہتا جب تک وہ صاد نہ فرما دیتے۔

قیامِ لکھنؤ: دسمبر ۱۹۳۰ء سے اگست ۱۹۴۷ء تک **قیامِ رام پور:** اگست ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتے سے ۱۴ مئی ۱۹۵۰ء تک، **ہجرتِ پاکستان:** ۱۵ مئی ۱۹۵۰ء،

مشاغل: (**ہجرت سے پہلے**) معلّمِ عربی دارالعلوم نورالمدارس امروہہ، صدر مدرس دارالعلوم باب العلم نوگانواں، معلّمِ عربی و فارسی منصبیہ عربی کالج میرٹھ و مدرسۂ دارالعلوم میرٹھ، معلّمِ عربی جوبلی انٹر کالج لکھنؤ، ہیڈ مولوی چرچ مشن (نیشنل) ہائی اسکول لکھنؤ، پروفیسر و انچارج شعبۂ فارسی اورینٹل کالج رامپور (سابق مدرسۂ عالیہ) نیز خدمتِ خاص ہز ہائینس رضا علی خاں مرحوم والیِ رامپور (بسلسلۂ شعر و سخن)

(**ہجرت کے بعد**) ریاست خیرپور (سندھ) سے سہ روزہ "مراد" اخبار کا اجراء اور اس کی ادارت (جس کا نصف حصّہ اردو میں اور نصف سندھی میں شائع ہوتا تھا (سنہ ۱۹۵۱ء سے سنہ ۱۹۶۱ء تک)

مرکزی حکومت پاکستان کے قائم کردہ "ترقیِ اردو بورڈ کراچی" میں "محیطِ اردو" (اردو زبان کی بسیط لغت) کی ادارت جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔

نسیم امروہوی

؎ مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی پانچوں ریڈریں۔ عہ یہ امتحان پنجاب یونیورسٹی سے بھی پاس کیا۔

نسیم امروہوی ـــــ شخص و شاعر

کسی نے کہا ـــــــــ :

نسیم امروہوی ـــــــ :

ـــــــ اور یکایک حافظے کا دریچہ کُھل گیا ۔ اور پچھلی پچاس سالہ زندگی کی رنگارنگ، جھلکیاں نظر کے سامنے گذرنے لگیں ۔ نسیم صاحب کے مقرّبین میں سب سے زیادہ اُن سے قریب ترین میں ہوں ، کیونکہ ہم نے نجی زندگی کے خارزاروں اور حیاتِ شخصی کے چمنستانوں میں بھی ایک دوسرے کی کافی ہم سفری کی ہے ، میرا اُن سے صرف معاصرانہ رشتہ نہیں، اور بھی بہت سے رشتے ہیں اور بہت سے رابطے ہیں : برادرانہ ، بزرگانہ ، دوستانہ ، محرمانہ ۔ ہم دونوں میں عجیب قسم کی ہم مذاقی اور ہم مزاجی پائی جاتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ چالیس سالہ رفاقت کے دَوران ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ ہمارے درمیان حجابِ بیگانگی حائل ہوا ہو ۔ مَیں اُن انسانوں میں ہوں جنھیں "مرکبٌ من الخطاءِ والنّسیان" ہونے کا سب سے زیادہ دعویٰ ہے ۔ نسیم صاحب نے ہمیشہ میری لغزشوں سے درگذر کیا ، عیوب پوشی کی ، بزرگی جتائے بغیر زندگی بسر کرنے کے بہت سے گُہنر سکھائے ۔ درحقیقت ہماری روحیں محبت و تعلق کے ایسے نادیدہ سلسلوں میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں جن کی وضاحت ، ان کی نزاکت کی متحمل نہیں ہوسکتی ۔ نسیم امروہوی ـــ یعنی شاعرِ آلِ محمدؐ مولانا سیّد قائم رضا نسیم ـــ (جانشین فرزدقِ ہند حضرت شمیم امروہوی اعلی اللہ مقامہ) کا تعلق شمالی ہند کے ایک ممتاز قبیلے سے ہے ـــــ یعنی ساداتِ امروہہ ـــ ان کے مزاج و کردار میں برِّکوچک کی مسلم تہذیب کے اعلیٰ اقدار اتنے حسن کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں کہ بعض دفعہ اُن کے ملاقاتی سحرزدہ ہوجاتے ہیں ۔ ان کی گفتگو کا جادو ، ان کی تقریر کی دل نشینی ، ان کے تبسم کی لطافت اور اُن کے حیا آمیز شریفانہ اطوار ! یہ سب اُن کے وجود کا اِس طرح احاطہ کرلیتے ہیں جیسے سورج کے گرد نورانی ہالہ !

نسیم صاحب مجھ سے عمر میں کچھ بڑے ہیں ، میں جس زمانے میں امروہہ کے مشہور دارالعلوم "سیّد المدارس" میں متعلم تھا ، اس وقت وہ وہیں کے دوسرے قدیم دارالعلوم "نورالمدارس" میں معلّم کی حیثیت سے عربی و فارسی کے درسیات پڑھاتے تھے ـــ شعر و سخن کا چرچا نہ صرف میرے گھرانے میں ، بلکہ پورے امروہہ میں اتنی عمومیت کے ساتھ تھا ، جتنی عمومیت اور شہروں میں ہاکی اور فٹبال کے کھیلوں کو حاصل ہوتی ہے ۔ تعلیم کے ضروری مشاغل سے فراغت پانے کے بعد میرا پورا وقت شعر و سخن ، بیت بازی اور میرؔ و غالبؔ اور انیسؔ کی شعر خوانی میں گزرتا تھا ۔ والدِ مرحوم (حضرت علّامہ شفیق حسن اعلی اللہ مقامہ) اور خدا بخشے چچا غنی حسن صاحب مرحوم شعر کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے ، اور میری اس مشغولیت سے ان کی روح اس قدر بالیدگی محسوس کرتی تھی جس کا اظہار اکثر اُن کے چہروں کی شگفتگی سے ہوتا تھا ، وہ خود بھی اکثر مرحلوں پر رہنمائی کے لیے ایک فریقِ قسیم کے طور پر اس مشغولیت میں شریک ہوجاتے تھے ۔ عمِّ محترم جناب غنی حسن صاحب مرحوم کو جناب نسیم امروہوی کے جدِ امجد فرزدقِ ہند حضرت شمیم (طاب ثراہ) سے حد درجہ عقیدت تھی ۔ ان کی اکثر بیتیں پڑھتے اور گھنٹوں لطف لیتے ۔ کبھی کبھی مرحوم کی زبان پر نسیم صاحب

کا بھی ذکر آتا اور فرماتے کہ ہمارے استاد شمیم صاحب کی مسندِ شاعری جو ایک مدّت سے سونی پڑی تھی، بحمد اللہ اب اس کا وارث پیدا ہو گیا ہے اور خوب خوب کہتا ہے۔ مرحوم کے ان کلمات سے اکثر مجھے نسیم صاحب کے سننے اور ان کے کلام سے محظوظ ہونے کا اشتیاق پیدا ہوتا تھا، لیکن بدقسمتی سے ایسا موقع میسر نہ آتا تھا کہ آمنے سامنے بیٹھ کر کچھ سُن سکوں اور نسیم صاحب کی معرفت حاصل کر سکوں ـــــ نسیم صاحب کا آبائی مکان میرے گھر سے کافی فاصلے پر واقع تھا، بلکہ یہ کہیے تو غلط نہ ہوگا کہ امروہہ کے ایک سرے پر وہ رہتے تھے اور دوسرے سرے پر میں، بنابریں طالب علمی کی مشغولیتوں میں اتنی دور جانا، پھر ایک ایسے شہر میں جہاں خاطر خواہ سواریاں بھی آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی تھیں، کچھ آسان نہ تھا۔ گاہے ماہے کنبے کی تقریبات میں نسیم صاحب بھی نظر آجاتے تھے اور بس! نسیم صاحب کی علمی منزلت کیا ہے؟ اور وہ کیسے شاعر ہیں؟ یہ سوالات دل میں تو اُٹھتے لیکن اُن کا جواب معلوم نہ تھا۔

میں خود بھی شعر کہتا تھا اور قریب قریب ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ رجب کے مہینے میں بابا نے مجھ سے کہا! میاں رئیس! اس دفعہ تم بھی ۱۳ ر رجب کی محفل میں ہمارے ساتھ چلنا اور کچھ پڑھنا، چنانچہ میں نے بارھویں رجب کو ایک منقبت کہی اور بابا کے ساتھ محفل میں پہنچا۔ سیّد محمد تقی سلمہٗ بھی ساتھ تھے اور انھوں نے بھی اس محفل کے لیے چند شعر کہے تھے۔ یہ محفل امروہہ کے مشہور محلّہ "کٹکوئی"، کی امام بارگاہ میں تقریباً دو تین صدی سے منعقد ہوتی تھی اور اس میں امروہہ کے کُل شعرا بلالحاظ مذہب و ملّت شرکت کرتے تھے، اور اس طرح ۸ بجے سے مغرب تک پورا دن غذائے روحانی کے مختلف مزے اٹھانے میں بسر ہوتا تھا۔ محفل میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ نسیم صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں ـــــ آج میں نے نسیم صاحب کو قریب سے دیکھا ـــــ سِن و سال میں مجھ سے تین چار سال بڑے ہوں گے، لیکن چہرے پر عالمانہ متانت کے آثار نمایاں تھے۔ محفل شروع ہوئی، شعرا پڑھتے رہے، لطف آتا رہا، نسیم صاحب نے بھی چند مقامات پر مجھے جی کھول کر داد دی، میرے بعد کئی بزرگوں نے قصائد پڑھے، طبیعت بے چین تھی کہ جلد نسیم صاحب کو دعوتِ کلام دی جائے اور ان کے شعر اُن کی زبان سے پہلی بار سننے کا موقع ملے ـــــ شاعری، نسیم صاحب کا خاندانی مشغلہ تھی، ان کے والد، ان کے دادا اور پر دادا امروہہ میں حکمت استادی کی حیثیت کے مالک تھے، ہر طبقے کے لوگ اُن کا لوہا مانتے تھے، اور انھیں کی نسبت سے ایسی محفلوں میں نسیم صاحب کو سب سے آخر میں پڑھوایا جاتا تھا ـــــ خدا خدا کر کے مغرب سے کچھ پہلے نسیم صاحب کے پڑھنے کی باری آئی، اور وہ پھولوں کی بارش اور استقبالیہ پٹاخوں کی گونج میں منبر پر تشریف لے گئے، بہت اچھی منقبت پڑھی، سن کر دل خوش ہو گیا، تین شعر ابھی تک یاد ہیں:

نبیؐ کو یہ حیرت تھی معراج کی شب	کہ باتیں کسی کی ہیں، لہجہ کسی کا
وہ پیری، وہ موسٰی، وہ ڈر کر جھجکنا	وہ جھولا، وہ اژدر، وہ بازو علیؑ کا
نمک، اور، علیؑ کے عدد ہیں برابر	بغیر علیؑ دینِ احمدؐ ہے پھیکا

درود کے نعروں میں محفل ختم ہوئی، نسیم صاحب نے شہر کے بزرگوں سے مصافحہ کیا اور چچا غنی حسن مرحوم کی طرف بڑھے اور بڑے انکسار سے جھک کر تسلیم کی اور معذرت کے طور پر والد مرحوم اعلی اللہ مقامہ سے کہا کہ میں آپ کی صحبت سے فیض اٹھانا چاہتا ہوں مگر بدقسمتی سے اتنا مشغول رہتا ہوں کہ حاضری اور قدم بوسی کی سعادت ارادے کے باوجود نصیب نہیں ہوتی۔ چچا غنی حسن نے فرمایا کہ ایسی بھی کیا مشغولیت ہے کہ تھوڑا سا وقت نہیں نکال سکتے۔ تمھیں دیکھ کر استاد یاد آجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اُن سے

مل لیے۔ اس موقع پر نسیم صاحب نے اپنی مشغولیت کا مختصر حال سنایا ـــ جسے سُن کر میں دنگ رہ گیا، اللہ! ایک نوجوان اتنے سارے کام کرتا اور اتنی مشقت جھیلتا ہے اور پھر ایسے اچھے شعر کہہ لیتا ہے ـــ نسیم صاحب نے بتایا کہ وہ صبح کی اذان سے پہلے اٹھتے ہیں اور ضروریات سے اتنے جلد فارغ ہوجاتے ہیں کہ اذان ہوتے ہی فریضۂ صبح ادا کر کے گھر سے نکل پڑتے ہیں۔ اور سیدھے ہمارے محلّے کی طرف سے گزرتے ہوئے مدرسۂ باب العلم نوگانواں سادات، میں پڑھانے کے لیے پیدل چلے جاتے ہیں ـــ یہ نوگانواں سادات ایک قصبہ ہے جو ایک کچی سڑک کے ذریعے ہمارے محلّے سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر واقع ہے، نسیم صاحب کے گھر سے کوئی ساڑھے آٹھ میل دور ہوگا، راستے میں گھنجان بانسوں کا ایک بھیانک بَن پڑتا ہے ـــ دوپہر تک وہاں عربی کے درسیات پڑھانے کے بعد امروہہ آتے ہیں اور یہاں چار بجے سے مغرب تک دارالعلوم "نورالمدارس" کے طلبا کو عربی کے مختلف علوم پڑھاتے ہیں، اس طرح آپ روزانہ تقریباً ۱۷ میل پیدل چلتے ہیں، دن بھر تعلیم میں منہمک رہتے ہیں، اور رات کو دس گیارہ بجے تک اُن کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو دوسرے دن پڑھانا ہیں، اور اسی میں کچھ وقت شعر و شاعری کے لیے بھی نکال لیتے ہیں۔ چچا غنی حسن اور والدِ مرحوم نے فرمایا کہ اتنی محنت نہیں کرنا چاہیے ورنہ صحت پر بُرا اثر پڑے گا، نسیم صاحب نے جواب دیا کہ کنبے کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے، اگر ایک مدرسے کی ملازمت پر اکتفا کی جائے تو وہ اتنی تنخواہ نہیں دے سکتا جو ضروریات کے لیے کافی ہو۔

نسیم صاحب کی عمر اُس وقت سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی، میں نے اور غالباً ان سب رفقا نے جو گرد و پیش موجود تھے، نسیم صاحب کے مشاغل کا حال سُن کر دو باتیں اخذ کیں: ایک، اپنی ذمہ داری کا احساس، دوسری: مستقل محنتِ شاقہ کرنا، اور اس سے نہ گھبرانا ـــ میرے نزدیک نسیم صاحب کی کامیابی کا راز انھیں دو عادتوں میں مضمر ہے، اور مجھے ذرّہ بھر حیرت نہیں ہوتی، جب آج میں کراچی میں لوگوں سے یہ سنتا ہوں کہ نسیم صاحب روزانہ سورج نکلتے وقت "ترقیِ اردو بورڈ"، کے دفتر میں پہنچ جاتے ہیں اور اکثر وہاں شام تک بلکہ بعض اوقات رات تک مسلسل کام کرتے رہتے ہیں اور اسی کے ساتھ شعر و سخن کا سلسلہ بھی اتنی فراوانی کے ساتھ جاری ہے جس کا ذکر پاکستان کے مشہور ادیبوں اور نقادوں نے سالِ گزشتہ نسیم صاحب کی شعر گوئی کے "جشنِ زرّیں"، کے موقع پر اپنے طویل مقالوں میں کیا ہے اور وہ مقالے ۴۳۲ صفحات کی ضخیم کتاب "عرفانِ نسیم"، میں، انجمن ساداتِ امروہہ (کراچی) کے زیرِ اہتمام شائع ہوئے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ زندگی کے اُس دَور میں نسیم صاحب کی کارکردگی صرف تعلیم و تعلّم تک محدود نہ تھی بلکہ اسی زمانے میں انھوں نے طالب علموں کی مشکلات حل کرنے کے لیے متعدد امدادی کتب بھی تصنیف و تالیف کیں جو انوارِ احمدی پریس الہ آباد سے پے در پے شائع ہوتی رہیں۔ بہت دن کی بات ہوگئی مگر جہاں تک مجھے یاد ہے، معانی و بیان کی مشہور کتاب "حدائق البلاغت" اور محققِ طوسیؒ کی "معیار الاشعار"، بزبانِ فارسی کا اردو میں خلاصہ، جواہرِ فارسی اور دفاترِ ابوالفضل کی شرحیں، عالم و فاضل کے طالب علموں کے لیے "الفلسفہ"، حصّہ دوم، استقرائی طرز پر اُردو قواعد صرف و نحو کی کتاب "تسہیل القواعد"، کے کئی حصّے، اور علمِ عروض و قافیہ میں "معراج العروض"، اور ایسی ہی چند اور کتابیں، جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے، سب اسی زمانے کی قلم فرسائی کا نتیجہ ہیں جو آج بھی بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یا نسیم صاحب ہی بتا سکتے ہیں یا خدا ہی کو علم ہے کہ وہ ان سب کاموں کے لیے کہاں سے وقت

نکالتے تھے ۔ نسیم صاحب کی زندگی کے ان شب و روز پر نظر کر کے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر انسان پختہ ارادہ کرے، دل میں لگن ہو اور محنت بھی کرے تو کوئی کام ایسا نہیں جسے وہ انجام نہ دے سکے ۔ "عزم" اور "عمل" دونوں انسان کی مٹھی میں ہیں جن سے وہ ہر وقت کام لے سکتا ہے ۔ نسیم صاحب اپنی زندگی میں ہر مرحلے پر ان سے کام لیتے رہے ہیں اور یہ دونوں اس حد تک ان کے خمیر اور سرشت میں شامل ہیں کہ آج اُن کے پورے کلام کو پڑھ جائیے (عام اس سے کہ وہ مرثیہ ہو یا نظم یا غزل) تو اُس میں ہر جگہ عزم و عمل کی کارفرمائی نظر آئے گی ۔ میں نے جناب پروفیسر وقار عظیم کا طویل مقالہ جو "عرفانِ نسیم" میں شامل ہے شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور اس کا ماحصل یہی ہے کہ نسیم صاحب "عزم و عمل" کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور یہی ان کے مرثیوں کی روح ہے جس سے ایک طرف قوم میں عام بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے اور دوسری طرف ان کی اس سعی و کاوش نے صنفِ مرثیہ کا درجہ اردو ادب میں بہت بلند کر دیا ہے جو آپ سے پہلے اس صنف کو نصیب نہیں ہوا تھا ۔

یہ ایک جملۂ معترضہ تھا، جو اپنے خیال کی تائید میں حوالے کے طور پر لکھ دیا گیا، دراصل یہ بتانا مقصود تھا کہ امروہہ اور نوگانواں کی درس گاہوں کے سالانہ نتائج سے نسیم صاحب کی معلمانہ مہارت کا شہرہ دور دور تک پہنچا، چنانچہ آپ کو منصبیہ عربی کالج میرٹھ میں معلمِ عربی کے عہدے پر بلا لیا گیا ۔ وہاں پہنچ کر آپ صبح کے وقت مذکورہ کالج میں فرائضِ منصبی ادا کرتے تھے اور ۳ بجے سے "دارالعلوم میرٹھ" میں فارسی کے منتہی طلبا کو پڑھاتے تھے ۔ اسی دارالعلوم میں عربی کی چند کتابوں کا درس ڈاکٹر شوکت سبزواری کے سپرد تھا، اور وہ صبح کی نشست میں پڑھاتے تھے، یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ جس طرح زندگی کے ابتدائی دور میں یہ دونوں بزرگ معلم کی حیثیت سے ایک دوسرے کے رفیق تھے اسی طرح آخری دور میں پہنچ کر بھی "ترقیِ اردو بورڈ" میں "مدیر" کی حیثیت سے ایک دوسرے کے رفیقِ کار رہے ۔ غرض ایک دو سال کے بعد نسیم صاحب میرٹھ سے لکھنؤ چلے گئے، اور اب علمی عظمت کے ساتھ آپ کی شاعری اور مرثیہ گوئی کو ابھرنے کی فضا ملی، جس نے آپ کو جدید مرثیے کے بانیوں میں سرِفہرست جگہ دی اور مرثیہ کی تاریخ میں آپ کو وہ مقام عطا کیا جس کے استحقاق کی صلاحیت آپ مبدءِ فیاض کی بارگاہ سے لے کر آئے تھے ۔

میں رسالہ "مسافر" کی ادارت کے سبب مستقلاً مرادآباد میں رہنے لگا ۔ جس کا دفتر اسلامیہ مسافر خانہ ریلوے اسٹیشن کے بالکل سامنے واقع ہے ۔ برابر نسیم صاحب لکھنؤ سے امروہہ آتے، مرادآباد ایسا جنکشن تھا جہاں لکھنؤ سے آ کر امروہہ کی طرف جانے والے مسافروں کو دوسری گاڑی کے انتظار میں بسا اوقات کئی کئی گھنٹے اسٹیشن پر رکنا پڑتا تھا، مسافر کا دفتر اسٹیشن سے کوئی سو قدم کے فاصلے پر تھا، نسیم صاحب لکھنؤ کی گاڑی سے اترتے اور میرے دفتر میں آ جاتے اب ان تعلقات کا دور شروع ہوا، جنھیں برادرانہ، بے تکلفانہ، اور دوستانہ کہہ سکتے ہیں، میں اپنا نیا کلام یا کوئی اور مضمون سناتا، وہ اپنے نئے مرثیے سناتے، کبھی کبھی کوکبؔ مرحوم اور عادل ادیب مرحوم بھی اس صحبت میں شرکت کرتے اور محظوظ ہوتے ۔ لکھنؤ دیکھنے کو میرا بھی دل چاہتا تھا، چنانچہ نسیم صاحب کی اخوتِ معنوی کے وسیلے سے میں بھی دو تین دفعہ لکھنؤ گیا، نسیم صاحب کی مجلسوں میں ان کے نئے مرثیے سُنے، ان مجلسوں میں تقریباً کل علما اور شعرا سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ نسیم صاحب، خیالی گنج میں رہتے تھے، قریب ہی قیصر باغ تھا، جہاں راجا صاحب محمود آباد اور راجا صاحب سلیم پور کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا اور انھوں نے ضیافت سے بھی نوازا، ہائے کیا زمانے تھے ع

یاد باد از روزگاراں یاد باد

اسی زمانے میں دو سال مسلسل اربعین کے عشرے میں نسیم صاحب کو سننے کے لیے میں روزانہ امروہہ جاتا رہا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ نسیم صاحب کے خاندان میں دو عزاخانے خاص تھے، ایک نورالحسن مرحوم کا عزاخانہ کہلاتا تھا اور دوسرا اکبر علی مرحوم کا، اوّل الذکر عزاخانے میں مولانا ابنِ حسن صاحب قبلہ نونہروی دام ظلہٗ ۱۰ صفر سے ۱۹ صفر تک مجلس پڑھتے تھے، یہ مجلس دن میں ۱۲ بجے تک ختم ہو جاتی تھی، آخر الذکر امام باڑے میں لکھنؤ سے نسیم صاحب کو عشرہ پڑھنے کے لیے بلوایا گیا۔ یہ مجلس ۴ بجے شروع ہوتی تھی، نسیم صاحب نے یہ التزام کیا تھا کہ صبح کی مجلس میں قبلہ نونہروی صاحب جو حال پڑھتے تھے شام کی مجلس میں نسیم صاحب بھی اسی حال کا مرثیہ سناتے تھے، جس کے لیے انھیں ۱۲ بجے سے ۴ بجے تک کے وقفے میں بہت سے نئے بند کہنا پڑتے تھے۔
اس التزام سے دونوں مجلسوں کی رونق میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا، شہر کے ہزاروں سامعین دونوں مجلسوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، عزاخانے کھچا کھچ بھر جاتے تھے، کھوے سے کھوا چھلتا تھا، تل دھرنے کی جگہ نہ ملتی تھی، خود قبلہ نونہروی صاحب بھی نسیم صاحب کی مجلس میں منبر تحت فرماتے تھے ___ موصوف اگرچہ نسیم صاحب سے بہت دور لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں مگر اب تک اس واقعے کو نسیم صاحب کے اعترافِ کمال کے طور پر بیان فرماتے ہیں ___ میں بھی مرثیہ سننے کے اشتیاق میں مرادآباد سے امروہہ جاتا اور شب میں کسی وقت واپس آجاتا ___ ان مجالس کو سننے کے بعد میں نے اُسی زمانے میں نسیم صاحب کی شاعری سے متعلق یہ رائے قائم کر لی تھی کہ وہ خوش گو، خوش فکر، قادر الکلام اور بلاغت کے ہر پہلو پر عبور رکھنے والے شاعر ہیں، اور تاریخِ ادب ان کے کمالِ فن کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتی۔
تکلف برطرف، آج نسیم صاحب میرے مزاج داں ہیں اور میں ان کا نظر شناس! چالیس سال گذر چکے ہیں آج تک ہمارے پرخلوص تعلقات ایک نہج پر قائم ہیں۔
مولانا کی سیرت میں ایک بہت ہی خاص بات قابلِ ذکر ہے کہ "ان کی زندگی اُن کے شعر سے اور شعر زندگی سے" ہم آہنگ ہے مثلاً آپ نے ایک مرثیے میں حضرت عون و محمدؑ کے اخلاق کی مدح کی ہے جو کمسنی میں چھوٹے اور بڑے ماموں جان کے ساتھ فوجِ مخالف کے مقابل کھڑے ہوئے ہیں:

ہیں بردبار بھی یہ بہادر، غضب کے ساتھ   غصّے میں ہیں بھرے ہوئے، لیکن ادب کے ساتھ

___ آپ کے اس شعر کو آپ کی زندگی سے ملائیے تو حرف بحرف ہم آہنگ پائیے گا، اتنا پاسِ ادب جتنا کہ آپ میں ہے، شاید ہی کسی میں ہو ___ جب کوئی بزرگ آتا ہے چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، آپ سلام میں سبقت کرتے ہیں اور حسبِ موقع سروقد یا نیم قد اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اتنی عمر آئی مگر کبھی آپ کو کسی چھوٹے سے بھی "تو" یا "تم" سے مخاطب کرتے نہیں دیکھا، بیٹوں کو البتہ "تم" سے خطاب کرتے ہیں۔
ایک جگہ نعت میں فرمایا ہے۔ ع

دل چھین لیا اُس کا جو سر لینے کو آیا

___ یہ خوبی آپ میں اس حد تک پائی جاتی ہے کہ جو ایک دفعہ آپ سے مل لیتا ہے، اس کے دل میں آپ کا گھر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ آپ کے حریف اور دشمن بھی آپ کی خوش خلقی، تواضع اور حسنِ سلوک کا کھلے لفظوں میں اعتراف کرتے ہیں۔ نعت کے

مذکورہ مصرع کے بعد فرماتے ہیں۔ ع

ادنیٰ کو بھی پاس اپنے تواضع سے بٹھایا

—— آپ کے پاس کوئی بھی مہمان آئے اور کیسا ہی خستہ حال کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ بعض اوقات ملازم کو بھی بشرطیکہ وہ (آپ کے لفظوں میں) نماز روزے کا پابند ہو، اپنے پاس بٹھاتے اور اپنی مثل کھلاتے اور پہناتے ہیں۔ جنابِ سرورِ کائنات صلعم اور ائمہ اہلبیت کی سیر چشمی، سخاوت اور ایثار کی آپ نے جابجا مدح کی ہے:

ایسے تھے سیر چشم کہ جینے سے سیر تھے

جَو کھا کے جواہر کے خزانوں کو لٹایا

فقر میں محوِ سخاوت تھے امیرالمومنین — مال پر ہے کچھ امیری، دل تونگر چاہیے

خدا کی راہ میں سر دیدیے سخی ایسے

قدسیوں سے عرش پر سُن سُن کے زہرا کی عطا — ھَلْ اَتیٰ بھی ڈھونڈتا آیا ہے بابِ فاطمہؑ

—— یہ سب اوصاف نسیم صاحب میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں محنتِ شاقہ اور عرق ریزی سے ہزارہا روپے کمائے مگر کبھی سرمائے کی صورت میں ایک جھنجھی کوڑی جمع نہیں کی، احباب یا اعزہ کی ضرورت میں بطور نذر جو کچھ انھیں دیدیا پھر کبھی واپسی کی تمنا نہیں کی، یگانے اور بیگانے طالب علموں کی فیس ادا کر دی، کتابیں منگوادیں، سردی کے کپڑے بنوادیے، کتنی ہی بیواؤں اور یتیموں کی مستقل اور عارضی اعانت کر دی، لاوارث بچیوں کا جہیز مہیا کر دیا، مساکین کے لیے آزوقہ فراہم کر دیا، غرض آپ کی جیب ہمیشہ کے لیے حضرت شمیم مرحوم اعلی اللہ مقامہ کے اس شعر کا مصداق رہی:

جو کچھ خدا سے ملا دے دیا فقیروں کو — خدا کے ہاتھ کی مٹھی کبھی بھری نہ رہی

گھر میں جا کر دیکھیے تو معمولی پلنگ، بستر، کرسی، میز، ضروری برتن اور سیدھے سادے سامان کے علاوہ ریڈیو تک نظر نہ آئے گا، جو آج کل لازمۂ زندگی ہے۔ یہ سادگی دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی کلاس ون گریڈ کے ملازم کا گھر ہے۔ بچوں کی آسائش اور گھر کے کام کاج کے لیے ایک دو ملازم ضرور رکھتے ہیں لیکن اپنی چلم خود بھرتے ہیں، اپنا راشن بازار سے آپ لاتے ہیں، اور ضرورت پڑنے پر کھانا بھی خود ہی پکا لیتے ہیں، ہر کسی سے انکسار کے ساتھ ملتے ہیں، "الکاظمین الغیظ والعافین عن النّاس"، کا مجسمہ ہیں، حق اللہ سے زیادہ حقوق العباد کا خیال رکھتے ہیں، جیسا کہ ایک مرثیے میں بھی کہا ہے:

نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و خمس و جہاد — تمھیں جو رہ گئے لے دے کے چھ فریضے یاد

غضب کی جا ہے کہ بھولے نبی کا یہ ارشاد — کہ ہے عبادتِ حق بعد، پہلے حقِ عباد

ہر ایک طاعتِ خالق کی ہے قضا ممکن

یہ فرض ہو جو قضا پھر ادا ہے نا ممکن

—— جس محلے میں جا کر رہتے ہیں وہاں کے لوگ اپنے معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے ہیں اور باہمی نزاعات کے فیصلے میں آپ کو "حَکَم" بناتے ہیں۔ یہ سب وہ اخلاق ہیں جو آپ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی سیرت کے مطالعہ سے اخذ کر کے جا بجا اپنے مراثی میں نظم کیے ہیں، اس طرح آپ کی زندگی اور آپ کے شعر میں مطلقاً تضاد نہیں پایا جاتا۔ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ نسیم صاحب قدیم محاسنِ اخلاق کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں، ان سے مل کر طبیعت کو عجیب قسم کی بشاشت کا احساس ہوتا ہے، جیسے نسیمِ صبح کا ایک جھونکا کسی مقفل قید خانے میں در آیا اور ہر گوشۂ تاریک کو مہکا گیا۔

کسی مبالغے کے بغیر عرض کر رہا ہوں کہ نسیم صاحب کی علمی صحبتوں سے میں نے بیحد فیض اٹھایا ہے، ہم گھنٹوں نکاتِ شعر پر گفتگو کرتے اور معانی کے نئے نئے گوشے سامنے آتے۔ حضرت شمیم اعلی اللہ مقامہ کے بارے میں بزرگوں سے سنا ہے کہ وہ بیک وقت غزل، مرثیہ، قصیدہ اور گیت اپنے تلامذہ کو املا کراتے اور ایک ایک صحبت میں کئی کئی اصنافِ سخن کے خزانے معمور کر دیتے، نسیم صاحب کی ذکاوتِ طبع کا عالم بھی یہی ہے، میں نے ان سے زیادہ مستعد اور مشاق شاعر آج تک نہیں دیکھا، وہ جم کر بیٹھتے ہیں اور پورا مرثیہ کہہ کر اٹھتے ہیں اور جس رنگ میں چاہتے ہیں کہہ لیتے ہیں۔ نسیم صاحب کا مرثیہ عہدِ جدید کا مرثیہ ہے، زبان، بیان، فنی اسلوب، پیرایۂ اظہار اور معانی و معیار کے لحاظ سے اُن کے مراثی اردو ادب کا بیش بہا ذخیرہ ہیں، مگر ان کی شاعرانہ شخصیت کو فقط مرثیہ گوئی تک محدود کر دینا بہت ستم ظریفی ہے، وہ ہر صنفِ سخن کے شاعر ہیں اور قادر الکلام! نظم میں ہی نہیں نثر میں بھی بیشتر اصناف کو انھوں نے اپنے قلم سے مالا مال کیا ہے۔ نسیم صاحب یو۔ پی میں نصابی کتابوں کے سب سے بڑے مصنف تھے، ان کی بے شمار کتابیں درس میں شامل تھیں، یہاں آ کر بھی نصاب نویسی سے غافل نہیں رہے، پھر متعدد علمی و تاریخی تصانیف بھی ان کے قلم سے نکل چکی ہیں[1]، ان کی "نسیم اللغات" سے کس نے استفادہ نہیں کیا —— اور اب تو وہ پاکستان کی مرکزی حکومت کے قائم کردہ "ترقیٔ اردو بورڈ کراچی" میں پندرہ سولہ سال سے ایک ایسی اردو لغت کی تدوین میں مصروف اور اس کے مدیرِ اول ہیں جو آکسفورڈ ڈکشنری کے بعد مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پہلی یادگار فرہنگ ہوگی، جس میں کئی صدی کے اردو لٹریچر کے الفاظ اور ان کے ماخذ و اسناد کو دور بدور سمیٹ کر یکجا کر دیا گیا ہے۔ اور جس کی گیارہ جلدیں نسیم صاحب کی سربراہی میں مرتب ہو چکی ہیں، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے حرفِ ن، و، ہ اور ی سے شروع ہونے والے الفاظ کی تشریح و تدوین و ترتیب باقی ہے، یہ لغت رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو نسیم امروہوی کی یاد دلاتی رہے گی۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، وہ کونسی صنفِ سخن ہے جس پر نسیم امروہوی کو قدرت حاصل نہیں۔ غزل، قصیدہ، گیت، مثنوی، اور نظم وغیرہ انھوں نے سب کچھ کہا ہے۔ ان کا سیاسی مسدس "برق و باراں"[2] جو مسدسِ حالی کی بحر میں ۲۸۷ بند پر مشتمل ہے، بھلا کس نے نہیں سنا ہوگا، جسے ۱۹۴۶ء میں برِ صغیر کی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دیگر مسلم درس گاہوں کے طلبا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے نہ صرف شہر میں بلکہ گاؤں گاؤں پڑھتے پھرتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے اجتہادِ شعری کا سب سے عظیم الشان اور حیران کن مظہر ان کی مرثیہ نگاری ہے، جس کے امتیازی خصوصیات پر آگے چل کر روشنی ڈالی جائے گی۔

---

[1] جن کی فہرست صفحہ ۷۰ پر درج ہے۔ [2] شائع کردہ مست قلندر پبلشنگ ہاؤس لاہور (۱۹۴۱ء)

میر انیس، مرزا دبیر اور اُن کے تلامذہ نے مرثیے کو تکمیل کے اس درجے تک پہنچا دیا تھا کہ بظاہر اس صنف میں مزید ترقی کی راہیں بند ہوگئی تھیں، اور اب صرف یہی صورت رہ گئی تھی کہ مرثیے کی قائم شدہ روایات ہی کا اتباع کیا جائے۔ نسیم صاحب کو مرثیہ گوئی کی روایت اپنے جدِ محترم حضرت شمیم امروہوی (اعلی اللہ مقامہ) سے ورثے میں ملی تھی۔ انھوں نے تقاضاے ماحول اور اقتضائے طبیعت کے تحت مرثیہ کہنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اپنے لیے ایک نئی راہ نکال لی، چنانچہ ان کے مرثیے میں، ان جملہ خصوصیات کے علاوہ جو متاخرین نے میر انیس یا مرزا دبیر کے مراثی سے اخذ کی ہیں اور بھی کئی خصوصی اوصاف پائے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ :

(۱) انھوں نے منطقی و استقرائی[۱] و افتراقی طرزِ استدلال سے مرثیے کو روشناس کیا، اور اس رنگ کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا، آج بھی ان کے مراثی کی خوبی اور خصوصیت یہی ہے کہ وہ تمام تر شاعرانہ سجاوٹوں اور فنی حسن و جمال کے ساتھ منطقیانہ و عالمانہ استدلال کا شاہکار ہوتے ہیں، کیسا عجیب کمال ہے، زیرِ نظر مجموعے میں کئی مراثی اور بہت سے بند اسی رنگ میں ہیں۔

(۲) اسی کے ساتھ انھوں نے فنِ مرثیہ کی روایات میں ایک اور توانا اور خوبصورت روایت کا اضافہ کیا۔ یعنی مستقل موضوعات پر مرثیے کہنے شروع کیے ــــ خمسۂ متحیرہ (شائع شدہ ۱۹۳۱ء، بمقام لکھنؤ) میں قصبہ گونی ضلع بجنور (یو، پی) کے مشہور عالم و واعظ مولانا سید شمس الحسن مرحوم (ممتاز الافاضل) رقمطراز ہیں کہ ۱۹۳۰ء میں حضرۃ خطیب اعظم شمس العلماء مولانا سید سبطِ حسن صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے نسیم صاحب کو اُس سال کے نئے مرثیے کے لیے ایک خاص موضوع دیا ــــ "فضائلِ علیؑ قرآن و حدیث کی روشنی میں"۔ اور نسیم صاحب نے اس موضوع پر نہایت کامیاب مرثیہ کہہ کر اپنے نئے مرثیے کی سالانہ مجلس میں پڑھا۔ یہ مرثیہ زیرِ نظر مجموعے میں موجود ہے۔ مطلع یہ ہے : ع

"شمع افروزِ حیاتِ ابدی ہے شاعر"

اس مرثیے کے مقطع میں دو مصرعے خاص طور پر زیرِ بحث مسئلے سے تعلق رکھتے ہیں جن سے جمل کے حساب سے سنہ تصنیف بھی استخراج ہوتا ہے، مصرعے یہ ہیں ؎

امتحاں کا الف اٹھ کر[۲] یہ پکارا حق بات　　　ایک سو چودہ احادیث اور اکیس آیات

۱۳۴۹ — ۱ = ۱۳۴۸ھ

موضوع پر مرثیہ کہنے کا یہ سلسلہ ابھی لکھنؤ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ۱۹۳۵ء میں فیض آباد کی مشہور سالانہ مجالس میں ایک مجلس پڑھنے کی دعوت دی گئی ــــ ان مجالس میں برِّصغیر کے مشہور واعظین رونق افروزِ منبر ہوتے تھے اور دور[۳] دور سے جوق در جوق اربابِ ذوق سننے کے لیے آتے تھے ــــ فیض آباد کے مشہور ایڈووکیٹ جناب حیدر مہدی تسکین مرحوم نے جو اس سال کی مجالس کے ناظم و مہتمم تھے، نسیم صاحب کو مرثیے کے لیے "سیاستِ علویہ" کا موضوع لکھ بھیجا، اور نسیم صاحب نے حسبِ ذیل مرثیہ تصنیف کیا ؎

سیاستِ علوی حکمتِ الٰہی تھی　　　لباسِ فقر میں گویا جہاں پناہی تھی

اپنے موضوع پر یہ انتہائی دلنشیں مرثیہ اس قدر مقبول ہوا کہ اہلِ ذوق کی طرف سے مسلسل تقاضے ہونے لگے کہ اہم تاریخی اور نظریاتی موضوعات

---

[۱] دیکھیے مقدمہ مولانا منتخب الحق سابق صدر شعبۂ اسلامیات کراچی یونیورسٹی جو موصوف نے مومنِ آلِ ابراہیم (مرثیہ نسیم امروہوی) پر تحریر فرمایا ہے۔
[۲] تخرجے کی طرف اشارہ۔ [۳] یوپی، پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان، سی پی، دکن وغیرہ۔

پرمکمل مراثی کہے جائیں ، چنانچہ فیض آباد کی مجالس کے فوراً بعد حضرۃ مولانا سید نجم الحسن کراروی (حال مجتہد پشاور) کے وطنِ مالوف میں ایک مجلس منعقد ہوئی ، جس میں نسیم صاحب نے مولانائے موصوف اور ان کے بزرگوں کی خواہش پر اپنے مرثیے میں "وجود و غیبتِ امامِ زمانہؑ" کے علمی مباحث نظم کیے ، جس کی دھوم مچ گئی ، یہ مرثیہ زیرِ نظر مجموعے میں موجود ہے ۔ مطلع یہ ہے :

جنت کی آرزو ہے نہ خوفِ سقر مجھے

پھر تو موضوعاتی مرثیوں کا ایک سلسلہ بندھ گیا اور شاعرِ آلِ محمدؐ نے بہت سے موضوعات پر ، مثلاً اصلاحِ رسوم ، تجدید و احیائے روحِ اسلامی ، فلسفۂ مسرت و غم ، جائزۂ نفس ، تطہیرِ نفس وغیرہ — پر متعدد مرثیے تصنیف کیے جن میں سے اکثر زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہیں ، اس طرح مرثیے کی دنیا میں ایک اور انقلاب انگیز روایت کا آغاز ہوا اور اس کی عام طور پر تقلید کی جانے لگی ، اور رفتہ رفتہ مرثیہ گوئی کا ایک نیا مکتبۂ فکر ، وجود میں آگیا ۔

(۳) نسیم صاحب کی ایک اور تخلیقی اور علمی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مرثیے کی تقدیس کے پیشِ نظر اسے ذاتی اور محض قیاس و فکر کی جولانگاہ نہیں بناتے بلکہ اپنے مرثیوں میں جا بجا احادیث اور آیات کے تراجم و مفاہیم سے کام لیتے ہیں اور اس خوبی سے کہ فنِ حدیث و تفسیر سے ناآشنا سامعین اسے ایک مستقل مضمون سمجھ کر محظوظ ہوتے ہیں ، اور اہلِ علم و خبر عظمتِ حدیث اور لطفِ سخن دونوں سے مستفید ہوتے ہیں ، مثلاً :

عیش میں زہد بھی معبود سے پھر جاتا ہے غم میں کافر کو بھی اللہ ہی یاد آتا ہے

اس شعر میں حدیث کسرِ سفینہ ، کی طرف کتنا بلیغ و لطیف اشارہ ہو گیا ، قارئینِ کرام کو پیشِ نظر مراثی کے مطالعے سے اندازہ ہو گا کہ نسیم صاحب کا یہ رنگ ان کے ہر مرثیے میں بدرجۂ کمال پایا جاتا ہے ۔

(۴) نسیم صاحب عہدِ حاضر کے ذہنی رویے ، نسلِ تازہ کے اندازِ نظر اور جدید معاشرتی اور سیاسی رجحانات کی عالمانہ پرکھ رکھتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے متعدد مرثیوں کے چہرے میں مسائلِ حیات کے بعض الجھے ہوئے عقدوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے اور ایسی قادر الکلامی بلکہ نادر الکلامی کے ساتھ کہ مرثیے کی شاعرانہ لطافت کو ذرا بھی گزند نہیں پہنچی بلکہ حسنِ سخن دوبالا اور تاثیرِ شعر دہ چند ہو گئی ۔ اس سلسلے میں ان کے پسندیدہ موضوعات و مضامین یہ ہیں : حریت ، انقلاب ، جہدِ حیات ، بقائے اصلح ، اجتہادِ فکر و نظر ، جذبۂ عزم و عمل ، موازنۂ عقل و عشق ، طہارتِ علم و دانش ، اتحادِ ملت ، اسلامِ عالمگیر ، اور ہمہ گیر انسانیت وغیرہ ، انھوں نے تقلیدی انداز نہیں ، اجتہادی اسلوب اختیار کر کے ان مسائل کو نظم کیا ہے ، جس سے نظم کی عظمت ، اور مرثیے کی روایت میں بے مثال اضافے ہوئے ہیں ، اگر آپ ان کے کُل مرثیوں کے صرف چہرے ، یعنی تمہیدی بند پڑھ جائیں تو یہ سب موضوعات بیک وقت آپ کی نظر سے گزریں گے ۔

(۵) شعر و سخن کے بیانیہ حصے میں — یا یوں کہیے کہ بیانیہ شاعری میں جو مرثیے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے — عموماً سامع کے لیے دلچسپی کے دواعی و اسباب مفقود ہوتے ہیں جس کے باعث توجہ بٹ کر اور ہٹ کر طبیعت میں ایک طرح کا انقباض پیدا ہو جاتا ہے ، اور اس کا نتیجہ سخن سے محظوظ و متاثر ہونے پر بُرا اثر پڑتا ہے ، اور اس طرح کلام کی غرض و غایت ختم ہو کر رہ جاتی ہے ، ایسے مقامات پر شاعر کا کمالِ فن یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع کے تمہیدی حصے یا سلسلے کے اشعار کو صنائع و بدائع ، محاورہ بندی ، لطفِ زبان اور نادر اسالیبِ بیان سے اس قدر مرصع ، دل نشین اور مؤثر بنا دے کہ سامعین و قارئین نتیجہ برآمد ہونے یعنی مضمون کے نقطۂ عروج پر پہنچنے تک مسحور اور ہمہ تن گوش رہیں اور پھر یکایک ان پر ایک جہانِ معانی منکشف ہو جائے اور جب وہ محویتِ کلام سے چونکیں تو انھیں محسوس ہو کہ فکر کا ایک بُعد

اور خیال کا ایک نیا نظام ان کے ذہن میں جگمگا رہا ہے ۔ نسیم امروہوی اِس شیوۂ سحر بیانی میں منفرد اہمیت رکھتے ہیں، اگرچہ سطحی اور سرسری نظر سے دیکھنے والے اس حصّۂ کلام کو تناسبِ لفظی اور صنعت گری سے تعبیر کرتے ہیں، مگر یہی صنعت گری بقول نیاز فتحپوری مرحوم ایک طرف موضوع کی بھرپور تاثیر مرتب ہونے کا فرض انجام دیتی ہے جو شاعر کا اصلی مقصود ہے، اور دوسری طرف ضمناً روزمرّہ اور محاورے وغیرہ کا محلِ استعمال متعین کر کے "زبان" کی گرانقدر خدمت انجام دیتی ہے۔ اگر اس اصول کو سامنے رکھ کر آپ زیرِ نظر مجموعے میں خصوصیت کے ساتھ، بیانیہ مرثیوں کا مطالعہ کریں تو یہ نکتہ پوری طرح واضح ہو جائے گا، اور آپ چند ہی لمحوں میں یہ محسوس کر لیں گے کہ یہ نسیم صاحب کا "انفرادی" وصف ہے کہ وہ اپنے مرثیے میں کسی مقام پر خشکی اور بے کیفی پیدا نہیں ہونے دیتے، اور اُس حصّے کو بھی جو محض سلسلۂ سخن مربوط و مستحکم کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، شاعرانہ "لطافتوں" سے دلچسپ بنا دیتے ہیں، لیکن اس کا مقصدِ اصلی یہ "لطافتیں" نہیں ہوتیں بلکہ نتیجۂ سخن تک پہنچنے کے وقفے میں سامعین و قارئین کو متوجہ رکھنا مقصود ہوتا ہے۔

(۶) تمثیلی اور الیگوریکل انداز مرثیے میں مفقود تھا، نسیم صاحب نے اِس طرز پر کئی مرثیے کہے، جن میں سے بعض زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہیں۔ مثلاً زمین سے جنّت تک سفر، اور پھر سیرِ جنّت، اور رضوانِ جنت سے ڈرامائی مکالمہ وغیرہ[۱]، چاند کی زبان سے واقعاتِ کربلا کا بیان[۲]، سورج کی زبان سے واقعاتِ کربلا اور اس کے اسباب کی تفصیل و تحلیل وغیرہ[۳]۔

شاعرِ آلِ محمد صلعم کی طبیعت ہمہ گیر اور فنِ مرثیہ میں اُن کا اندازِ سخن بشش جہتی ہے، انھوں نے حسبِ ضرورت ہر رنگ میں مرثیے کہے ہیں اور ہر آہنگ میں سخن سرائی کی ہے، اور اس قدر جامعیت اور قدرت کے ساتھ کہ سبحان اللہ! بیانیہ مرثیے انیس کے لب و لہجہ میں ہیں، استدلالی اور واعظانہ مراثی کا وہ لب و لہجہ ہے جو مفکر اور صاحبِ دعوت کا ہوتا ہے، احادیث و آیات کی تلمیح اور ترجمے میں پوری عالمانہ شان برقرار ہے، جن مرثیوں کا موضوع اصلاح و تجدید ہے ان میں قدرتی طور پر حالی و اقبال کا لہجہ نمایاں طور پر گونج رہا ہے، مگر حالی کی طرح یاسیت نہیں ۔ انھوں نے انیس کی صد سالہ یادگار کے موقع پر جو مرثیہ لکھا ہے وہ نہ صرف یہ کہ طرزِ انیس کا شاہکار نمونہ ہے بلکہ اردو زبان میں پہلا منظوم تبصرہ ہے، جس میں انیس کے خصوصیات کو ایسی خوبی، خوش اسلوبی اور دِقتِ نظر سے نظم کر دیا ہے کہ نثر میں بھی اتنے دل نشین انداز میں آسانی کے ساتھ نہیں لکھا جا سکتا۔ مثلاً:

کہاں تھی شعر میں اردو کے یہ سخن دانی ۔۔۔ وہ نظم کہتے ہیں تمثیل جس کو یونانی
مکالمے میں سجایا مرقعِ مانی ۔۔۔ مگر انیس! زہے یہ تری گل افشانی
بیک نظر وہ مناظر دکھا دیے گویا
گرا دیے کبھی پردے، اٹھا دیے گویا

۱؎ دیکھیے مرثیہ: "بادۂ شوق سے لبریز ہے پیمانۂ دل"

۲؎ دیکھیے مرثیہ: "عہدِ رفتہ کی طرح گو منتشر اب ہم نہیں"

۳؎ یہ مرثیہ زیرِ نظر مجموعے میں شامل نہیں، اس کا پہلا بند یہ ہے: ؎

خاکی نژاد اور فلک انجمن ہوں میں ۔۔۔ ذرہ ہوں آفتاب سے گرمِ سخن ہوں میں
اے شمس دیکھ خاکِ درِ پنجتن ہوں میں ۔۔۔ خورشیدِ آسمانِ ولا کی کرن ہوں میں
صد شکر! بستۂ کششِ بوتراب ہوں
خورد نہ ہو کسی سے میں وہ آفتاب ہوں

مرزا دبیر کی یادگار صد سالہ کی تقریب میں نسیم صاحب نے یہ کمال دکھایا کہ پورا مرثیہ مرزا صاحب کے انداز میں کہا اور جامعہ امامیہ کی ایک معرکۃ آلارا مجلس میں پڑھا۔ اس مرثیے پر دبیریت اس قدر غالب تھی کہ مجلس کے بعد جناب مرزا عالمگیر (لکھنؤ) نے مزاحاً پوچھا کہ نسیم صاحب! یہ مرثیہ مرزا صاحب کی کونسی جلد میں ہے؟ اِس مرثیے کا پہلا بند یہ ہے:

اے منشیِ گردوں قلمِ نخلِ وِلا دے — سو سال جو پہلے کا ہے وہ رنگ دکھا دے
ماضی کو پھر اے دورِ زماں حال بنا دے — اسلوبِ دبیر آج کے لفظوں میں مزا دے
جب مرثیہ گوئی کو قلم ہاتھ میں آئے
دل جس سے غنی ہو وہ رقم ہاتھ میں آئے

عالمانہ مباحث سے، نہ صرف مرثیے کو بلکہ اردو ادب کو مالا مال کرنے کے سلسلے میں جناب نسیم کی ایک اور کاوش بھی قابلِ ذکر ہے۔ جس سے اُن کی قادر الکلامی پر بھی مزید روشنی پڑتی ہے ــــ اور وہ یہ کہ حضرت علامہ رشید ترابی مرحوم اعلی اللہ مقامہ کا اواخرِ حیات میں یہ معمول تھا کہ موصوف ماہِ رمضان المبارک میں، پہلی سے انتیسویں تک، روزانہ عشا کے بعد، اپنے دولتکدے پر کسی ایک سورۂ قرآنی کی تفسیر بیان فرماتے تھے، جسے ہزارہا سامعین بڑی دلچسپی اور شغف و انہماک سے سنتے تھے۔ موصوف اپنی تقریر کے دوران بار بار یہ اعلان فرماتے رہتے تھے کہ چاندرات کی نشست میں "جناب نسیم امروہوی مدظلہٗ" اس سورہ کی تفسیر مرثیے کی صورت میں پیش کریں گے۔ اس طرح جناب نسیم نے سورۂ "سبحان الذی اسریٰ"، سورۂ "یٰسین" اور سورۂ "والنجم" وغیرہ کی تفسیریں اپنے مراثی میں نظم فرمائیں، اور علامہ کے منبر پر تفسیر قرآن کی آخری نشست میں پڑھیں۔ کمال یہ ہے کہ نسیم صاحب اس "وادیِ غیر ذی زرع" میں بھی اسی طمطراق سے گامزن ہوئے جو اُن کے ایسے خوش فکر اور خوش گو شاعر کو زیب دیتا ہے۔ علامہ مرحوم نے اپنی وفات سے متصل رمضان میں سورۂ والنجم کی تفسیر بیان فرمائی تھی، جسے نسیم صاحب نے مرثیے کے ۳۹ بند میں نظم کیا تھا۔ آغاز کے دو بند ملاحظہ ہوں:

والنجم اذا ھویٰ ماضلَّ صاحبکم وما غویٰ:

شاہِ والنجم کی قسمت کے ستارے کی قسم — جس میں آیا ہے یہ سورہ اسی پارے کی قسم
گھر میں حیدر کے اتارے ہوئے تارے کی قسم — اس لطافت سے وصایت کے اشارے کی قسم
آئے ماتھوں پہ عرق، شرم کے مارے ڈوبے
تارہ اترا تو حریفوں کے ستارے ڈوبے

بدگماں ہو کے یہ کہنے لگے بعضے احباب — بھائی کی چاہ میں ہیں غرق شہِ عرش جناب
تب یہ کہتا ہوا غصّے میں چلا بڑھ کے شتاب — شکل "مَاضَلَّ" میں توسین سے اک تیرِ شہاب
یہ تو ممکن ہی نہیں "صَاحِبُکم" ہو گمراہ
تم ضلالت میں گرفتار ہو، تم ہو گمراہ

جہاں تک مرثیے میں ترقی پسند مکتبۂ فکر کا تعلق ہے تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نسیم صاحب دنیائے مرثیہ میں اس دبستانِ سخن

کے بانیوں میں ہیں، جیسا کہ ان کے ۱۹۲۳ء کے کہے ہوئے مرثیے سے ظاہر ہے، یعنی اردو ادب میں باضابطہ ترقی پسندانہ تحریک شروع ہونے سے تیرہ سال پہلے نسیم صاحب نے اردو مرثیے کو اس اندازِ نظر سے آشنا کیا تھا، ایک روز میں نے نسیم صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت! آخر یہ کیا ماجرا ہے، ایک طرف اس قدر نکھرا ہوا رنگِ جدید، دوسری طرف اتنا سنورا ہوا طرزِ قدیم! انھوں نے مسکرا کر کہا کہ میں نے جب لکھنؤ میں رنگِ جدید اور نئے لب و لہجے کے مرثیے پڑھے تو بعض اساتذہ اور ان کے بعض متوسلین نے یہ تصریح کی کہ چونکہ انیسؔ و دبیرؔ کے رنگ میں مرثیہ سرائی ممکن نہیں لہٰذا اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار کر مرثیے سے مشابہ ایک چیز کہہ کر منبر پر پڑھ دی جاتی ہے، یہ سن کر مجھے بھی قدما کے رنگ میں انھیں لوازمات و تحدیدات کے ساتھ مرثیے کہنے پڑے، جو آبائے مرثیہ کی خصوصیات ہیں، اور اس کے بعد ان تاویلاتِ بیجا کی گنجائش نہ رہی۔

شعر کی پسندیدگی اور مقبولیت کا کوئی ایک معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا، کسی کو سوداؔ کی جزالت پسند ہے تو کسی کو میرؔ کی سادگی، کوئی ذوقؔ کی محاورہ بندی کا دلدادہ ہے تو کوئی غالبؔ کی مشکل پسندی کا، کسی کو میر انیسؔ سے عقیدت ہے تو کسی کو مرزا دبیرؔ سے۔ لیکن نسیم صاحب کے مرثیے میں عجیب قسم کی پہلودار جاذبیت اور بے پناہ قبولِ عام کی دورخی اور ہمہ گیر کیفیت ہے۔ چنانچہ جو طبقہ انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیے کا قائل ہے وہ بھی نسیم صاحب کے مرثیے کا لوہا مانتا ہے اور جو عصرِ جدید کے ترقی پسندانہ ادب کا فریفتہ ہے وہ بھی نسیم صاحب کا معترف ہے، اگر — ایک طرف سکھر میں جناب اختر زیدی نے نسیم صاحب کے کم و بیش ۳۰، ۴۰ مرثیے زبانی یاد کر لیے ہیں اور اپنی پاٹ دار آواز میں، پڑھت کے روایتی تیوروں کے ساتھ بڑے طمطراق سے پڑھتے ہیں، اور اسی طرح کراچی میں جناب انجم اعظمی کی زبان سے (جو ہمیشہ سے انیسؔ اور صرف انیسؔ کا مرثیہ پڑھنے کے عادی اور اس کی رزم و بزم کو مخصوص طرزِ ادا اور لہجے میں ادا کرنے کے ماہر ہیں) نسیم صاحب کے مرثیے بھی سنے جاتے ہیں — تو دوسری طرف ادبِ جدید کی رعنائیوں سے حظ اٹھانے اور اس کے اسرار و غوامض کو سمجھنے اور پرکھنے والے ادیب اور نقاد مثلاً پروفیسر وقار عظیم (لاہور) ڈاکٹر سید صفدر حسین پی ایچ ڈی (ڈائریکٹر سررشتۂ تعلیمات لاہور)، ڈاکٹر فرمان فتح پوری (کراچی یونیورسٹی)، اور ایسے ہی بہت سے دیگر ناقدینِ شعر و سخن نسیم صاحب کے مرثیے کی مدح سرائی میں رطب اللسان نظر آتے ہیں — اس مقام پر اپنے خیال کی تائید میں یہ حقیقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ تجدد پسندوں کے پیش رو اور مسلم الثبوت انقلابی شاعر، جناب جوش ملیح آبادی نے چند سال پہلے، ایک نوجوان، نوخیز اور زمانہ حال کے شاعر ہلال نقوی کو مشورہ دیا تھا کہ "وہ جناب نسیم کی خدمت میں اپنا کلام بغرضِ اصلاح پیش کیا کریں"۔ ان سب حقائق پر گہری نظر ڈالنے اور نسیم صاحب کے زیرِ نظر مراثی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، یہ دورویہ مقبولیت آج مرثیے کی دنیا میں جناب نسیم ہی کو حاصل ہے جسے ان کے کلام پر تبصرہ کرتے وقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

زیرِ نظر جلد میں ہر مرثیہ پر سنہ تصنیف درج ہے، سب سے پہلے مرثیے کا سنہ تصنیف ۱۹۲۳ء ہے، یعنی نسیم صاحب نے آج سے ترپن سال قبل فنِ مرثیہ گوئی کا جو پرچم بلند کیا تھا، وہ آج تک بحمد اللہ کاخِ فن و قصرِ سخن پر بہزار عظمت لہرا رہا ہے، پھر ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک کسی مرثیے کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ میں نے اس کا سبب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ مسلسل سات سال مرثیہ کہتے اور چاک کر ڈالتے رہے، یہ گویا مشق و مزاولت کا دور تھا، چنانچہ ۱۹۳۰ء تک ہر سال اربعین کو تعزیے کے ساتھ چاک شدہ مرثیوں کا ایک بوری کاغذ بھی زمین میں دفن کیا جاتا، اس ایک واقعے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ نسیم صاحب نے اس فن کی تکمیل کس ریاضت اور کس مجاہدے سے کی ہے! مرثیوں کی ترتیب، تدوین اور نظرِ ثانی کا کام اب تک ایسی حالت میں ہو رہا ہے کہ آپ کا

ے دیکھیے "مقتل و مشعل" مصنفہ ہلال نقوی، صفحہ ۶، مطبوعہ ۱۹۷۶ء، کراچی

عہ سید سبط حسن انجم اعظمی

سارا دن (چھ سات بجے صبح سے اکثر چار یا پانچ بجے شام تک) دفترِ ترقیِ اردو بورڈ میں گذرتا ہے، آپ اردو کی عظیم لغت "محیطِ اردو" (جو آکسفورڈ ڈکشنری کے نمونے پر تیار ہو رہی ہے) کے مدیرِ اوّل ہیں، آپ کی نگرانی میں اور آپ کے قلم سے اس لغت کی گیارہ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں، پریس کاپی آپ ہی کی تیار کردہ ہے جو عنقریب بغرضِ اشاعت پریس میں جانے والی ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ میں نے نسیم صاحب کا ایسا محنتی بلکہ محنت کش انسان نہیں دیکھا۔ ان کے قلم سے لاکھوں نہیں کروڑوں الفاظ نثر و نظم میں نکلے ہیں، اور منوں کاغذ استعمال میں آیا ہے، نسیم صاحب نے پوری زندگی مجاہدانہ انداز سے گذاری ہے اور آج ۷۰ سال کی عمر میں بھی ان کے دستِ قلم کش اور پنجۂ خامہ گیر کی رفتار وہی ہے جو اوائلِ عمر میں تھی — ساڑھے چار سال کی عمر تھی کہ والدِ بزرگوار (حضرت برجیس امروہوی) کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور اس دُرِّ یتیم کو دادا کی آغوشِ شفقت میں پناہ ملی۔ ساڑھے پانچ سال کے تھے کہ دادا کے دامنِ تربیت و عافیت سے محروم ہو گئے،[1] دادا — یعنی حضرت شمیم اعلی اللہ مقامہ کے بعد مرحوم کے مرثیوں کا بستہ بزرگِ خاندان مولانا و مولوی استاد المجتہدین حاجی سید مرتضیٰ حسین مرحوم اعلی اللہ مقامہ کے پاس امانتہً رکھ دیا گیا، جو حضرت شمیم کے سب سے بڑے بیٹے جناب سید معجز حسین مرحوم کے خلفِ اکبر جناب سید منظور حسین نعیم (مرحوم) کو وراثتہً ملا۔ نسیم صاحب کے والد کا انتقال حضرت فرزدقِ ہند کی حیات میں ہو گیا تھا، چنانچہ وہ اپنے جدِ بزرگوار کی وراثت سے محروم رہے۔ اپنے لڑکپن کے ایک قصیدے کی تشبیب میں اس حقیقت کو اس طرح نظم کیا ہے:

میری طینت میں ملی ہے آلِ طٰہٰ کی وِلا — کارگاہِ کُن فکاں سے پائی ہے یہ کیمیا
میرے فطری ذوق سے ہیں باخبر افرادِ قوم — چھوڑ کر آغوشِ مادر مَیں سرِ منبر گیا
عہدِ طفلی سے تھا مجکو شوقِ ذکرِ اہلبیت — پر متاعِ غیر سے یک گونہ ننگ و عار تھا
اس لیے چاہا کہ کچھ مل جائے دادا کا کلام — بد نصیبی سے مگر نا اہل میں سمجھا گیا
جب نظر آئی نہ کوئی شکل انجاحِ مرام — کی یہ اوقاتِ اجابت میں تہِ دل سے دعا
خالقِ ذوقِ سخن! مجکو نہ رکھ محتاجِ غیر — قابلیت شعر گوئی کی مجھے کر دے عطا
شکرِ خالق، کھل گیا میرے لیے بابِ سخن — مل گئی سرکارِ عالی سے مجھے طبعِ رسا
کرتے ہیں منسوب دادا کی طرف میرا کلام — بے بضاعت جانتے ہیں مجھ کو اربابِ صفا
اس گمانِ بدگمانی سے بھی میں ہوں مطمئن — اس سے ہوتا ہے عیاں معیار میرے شعر کا
مدح کی تاکید ہو جاتی ہے ذم سے بھی کبھی — ہے تفنن میں اسے اہلِ بلاغت نے لکھا

نسیم صاحب کا بیان ہے کہ والدِ مرحوم کی جو چند کتابیں والدہ (مرحومہ) کے پاس تھیں اُن میں دادا یا والد کے مسودات کے چند بے ترتیب شعر یا بند مل جاتے تو میں انھیں کی بحر اور قافیے یا موضوع پر طبع آزمائی کرنے لگتا اور فطرتاً یہ کوشش ہوتی کہ اس معیار اور انداز کے مطابق کچھ کہا جائے، اس طرح بھی چند قصائد، سلام اور مرثیے مرتب ہوئے،[2] جن میں سے بعض اس مجموعے میں شامل ہیں۔

یہ چند سطور شاعرِ آلِ محمدؐ — مستند مصنف، ممتاز اہلِ قلم اور معیاری لغت نگار — مولانا نسیم امروہوی مدفیوضہٗ کی شخصیت و شاعری کا بہت اجمالی خاکہ ہیں، اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ان کی ادبی زندگی ہشت پہلو ہے، انھوں نے درسی کتابیں بھی لکھی ہیں

---

[1] دیکھیے زیرِ نظر مجموعے میں یہ مرثیہ: "تجھ میں اے باغِ وطن اب گلِ خوش رنگ نہیں"
[2] مرثیہ ۲۷ اسی طرح مرتب و مکمل ہوا۔

(تیسرے درجے سے ایم اے تک) اور علمی و تاریخی تصانیف بھی ان کے قلم سے نکلی ہیں، ترجمے بھی کیے ہیں، تاریخیں بھی مرتب کی ہیں، عجب نہیں کہ ان کی تصانیف نثر و نظم کا شمار تین ہندسوں (سیکڑوں) میں کرنا پڑے ۔ جبکہ ان کے کہے ہوئے مراثی کی تعداد ۱۶۱ کے لگ بھگ ہے ۔

نسیم صاحب کے قدر شناسوں نے ان کی مرثیہ گوئی کے جشنِ زریں (۱۹۷۴ء) کے موقع پر ایک مجموعۂ مضامین کتابی صورت میں شائع کیا تھا، یہ مجموعہ سید سبطِ حسن انجم، سید حسن مجتبیٰ نقوی، صہبا اختر، سید قائم علی شاہ وزیرِ مملکت برائے صنعت (پاکستان)، پیر سید حسام الدین راشدی، جمیل نقوی، سید تصویر حسین نقوی، پروفیسر وقار عظیم، حسین اعظمی، عبد الرؤف عروج، پروفیسر طاہر نقوی، ساحر لکھنوی، ہلال نقوی، فاضلِ مشرقیات مولانا شبیہ الحسنین، جون ایلیا سلمہٗ اور راقم الحروف کے مضامین و مقالات پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ یہ خوبصورت کتاب "نسیم شناسی" کے سلسلے میں ابتدائی کوشش کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن ابھی بہت کچھ کہنے کو باقی ہے، اور ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو خود حضرت نسیم کو ابتدا کرنا چاہیے ۔ ہر شخص کے سوانح حیات انسانیت کے اجتماعی مطالعے کے ضمن میں ایک پیش قدمی کی حیثیت رکھتے ہیں، چہ جائیکہ وہ شخص جس نے عظمت کی منزلیں سینے کے بل چل کر طے کی ہوں، پانچ سال کی عمر میں وہ ایک بے سہارا یتیم تھے، ستر برس کی عمر میں وہ صفِ مشاہیر کے ایک ممتاز رکن ہیں، ان کے سوانح حیات کتنے بصیرت افروز ہوں گے، اس کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے ۔ جناب نسیم امروہوی اردو ادب اور اردو کے فنِ تذکرہ نگاری پر مزید احسان کریں گے، اگر وہ اپنے سوانح حیات خود قلمبند فرما دیں۔ امروہے سے میرٹھ، میرٹھ سے لکھنؤ، لکھنؤ سے رامپور، رامپور سے کراچی، کراچی سے خیرپور اور خیرپور سے دفترِ ترقیِ اردو بورڈ کراچی تک انھوں نے بہت کچھ دیکھا ہے، بہت کچھ برتا ہے، اور اس "بہت کچھ" میں سے "کچھ نہ کچھ" حصہ اہلِ ذوق کو بھی ملنا چاہیے:

تو نخلِ خوش ثمر کیستی کہ اہلِ چمن
ہمہ ز خویش گسستند و با تو پیوستند

رئیس امروہوی

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۷۶ء



میں نے اِس مجموعے میں اپنے اُن مرثیوں کی فہرست بھی (مع خاکہ) شائع کرادی ہے جواب تک طبع نہیں ہوئے ، میں اپنی عمر کی ستّر منزلیں طے کرچکا ہوں اور اب ہر وقت منزلِ آخر کا انتظار ہے ، اگر انتظار کے یہ لمحات خلافِ توقع کچھ طویل ہوئے ، تو ممکن ہے کہ ایک آدھ مجموعہ اور میری زندگی میں شائع ہو جائے ، لیکن ظاہرا میری انحطاط پذیر صحت کے پیشِ نظر اس کے امکانات بہت کم ہیں . بہر حال یہ کام میری حیات میں تکمیل پذیر ہو یا نہ ہو ، میرا دل قوی اور مطمئن ہے کہ یہ کلام جو میرا عمر بھر کا سرمایہ ہے انشاء اللہ کسی دستبرد کی نذر نہیں ہوگا ، کیونکہ میرے اخلاف میں قسیم سلمہٗ بحمد اللہ اب خود بھی تین چار سال سے مرثیہ کہنے لگے ہیں ، اور مرثیے کی ادبی قدر و قیمت سے بڑی حد تک واقف ہوچکے ہیں . ان کے علاوہ وسیم سلمہٗ کا ذوق و شوق بھی روز بروز ترقی پر ہے اور ذاکری کی حد تک اُن کی بے تکلف طرزِ ادا پسندِ عام کی سند حاصل کرنے لگی ہے ، بنا بریں مجھے یقین ہے کہ میرے بعد یہ دونوں بھائی میرے غیر مطبوعہ مراثی کو شائع کرانے کی جد وجہد میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھیں گے .

نسیم امروہوی
۲۰ اکتوبر ۷۶ء



١٩٧٢ء

نبی کا دین ہے اک امتحانِ فکر و نظر — کتاب حق کی زباں سے بیانِ فکر و نظر
درِ علوم کا در آستانِ فکر و نظر — زمیں پہ ختمِ رسل آسمانِ فکر و نظر

نظر میں سب ہیں مناظر جو حمد و ذکر میں ہیں
نقوشِ لوح بھی محفوظ ان کی فکر میں ہیں

یہ فکر، فکرِ بشر سے ہے مختلف اک نور — ہیں اس نظر کے مناظر نگاہِ عام سے دور
ہماری فکر، ہماری نظر، قیاس و شعور — نبیؐ کی فکر، نبیؐ کی نظر، خدا کے امور

نبیؐ کی فکر و نظر غیب کی حقیقت ہے
یہ غیب فکر و نظر کی بشر کو دعوت ہے

نبیؐ کی فکر لقب جس کا وحی اور الہام — ہر اک جگہ ہے اَفَلا تعقلون کا پیغام
بقدرِ عقل ہے سب سے تخاطبِ اسلام — بحدِ علم ہر اک سے تعلقِ احکام

غلط کہ تیغ کے جوہر سے دین پھیلا ہے
فقط علوم کے منبر سے دین پھیلا ہے

ہے ان علوم کا مرکز علوم کا عرفان — اسی کا نام شریعت میں غیب پر ایمان
رسول ایسے مفکر کہ فارق و فرقان — یہ فکر ہے، یہ نظر ہے، کہ عَلَّمَ القرآن

حدیث حاصلِ مقصد تو وحی مقصد ہے
زبانِ خالقِ اکبر لبِ محمدؐ ہے

کلامِ غیب جو آیا وہ مصطفیٰؐ نے کہا — جو مصطفیٰؐ نے بتایا وہ مرتضیٰؑ نے کہا
جو مرتضیٰؑ نے سنایا وہ مجتبیٰؑ نے کہا — جو مجتبیٰؑ نے کہا شاہِ کربلاؑ نے کہا

عجیب شان سے یہ معرفت کی شانیں ہیں
مآل ایک ہے بدلی ہوئی زبانیں ہیں

جوان زبانوں پہ آیا وہ آیت و تفسیر   جوان کی فکر سے باہر وہ خار دامنگیر
سخن میں ان کے ہے لطف کلام ربِ قدیر   جو بات ان کی سلونی۔ تو پُر نمک تقریر
رہے زباں سے جو گلریز ہر زمانے میں
عمل کے پھول کھلے علم کے گھرانے میں

یہ بات کے تھے دھنی۔ ان کو تھی یہی اک دھن   کہ سُن کے وہ بھی تو سمجھیں دماغ جن کے ہیں سُن
ہر ایک ان میں خطیب فرازِ منبرِ کُن   امام نطق۔ رسول بیاں۔ خدائے سخن
جو تلخیاں بھی ہوتیں، لذت بیاں نہ گئی
میانِ قید بھی آزادیٔ زباں نہ گئی

حکومتوں نے اگر کی کبھی زباں بندی   ہجوم غم میں زباں روک لی بخورسندی
مگر گھٹی نہ ہدایت کی آرزومندی   معین کار ہوئی قدرت خداوندی
دعا کی شکل میں تبلیغ و رہنمائی کی
خدا کے ذکر میں بندوں کی ناخدائی کی

اسی عمل کا نمونہ ہے سیرت سجّاد   دعا میں رشد و ہدایت طریقت سجّاد
زبورِ آلِ محمد فصاحتِ سجّاد   خلیل بتکدۂ شام حضرت سجّاد
ہزار قلب و جگر پر پڑے تھے تیشۂ غم
مگر دبا نہ کسی سے یہ شیر بیشۂ غم

نبیرۂ اسد کردگار ہیں سجّاد   جلالت شہ دلدل سوار ہیں سجّاد
حشم میں ہاشم گردوں وقار ہیں سجّاد   یزیدیت کے لیے ذوالفقار ہیں سجّاد
قدم میں دم ہے شہ دستگیر کی صورت
علی ہیں یہ بھی جنابِ امیر کی صورت

وہ تھا گھُٹے ہوئے بازو میں زور وہ طاقت   کہ جس کی شیر دلوں کے دلوں پہ تھی ہیبت
ہوئی نہ اتنی کسی ماں کے لال میں ہمت   جوان سے بڑھ کے یہ کہتا کہ کیجیے بیعت
حسینؑ اگرچہ اسی معرکے کو جھیلے تھے
مگر وہ پھر بھی بہتّر تھے یہ اکیلے تھے

یہ ہیں مجاہد راہ خدا شجاع ازل — جو بل کرے کوئی موذی ابھی نکالیں بل
لیے ہوئے سپر عزم اور تیغ عمل — جہاد حق میں رہے صبح و شام حسب محل
جہاں اصول کی بات آئی اس لڑائی میں
سمٹ کے خون علی آگیا کلائی میں

شجاع ایسے کہ جب تک ہوئے نہ تھے بیمار — صلاح لیتا تھا عباس سا علمبردار
کیے تھے رن میں دفاعی جو مورچے تیار — کہا تھا آ کے انھیں سے کہ وارثِ کرار
کرو جو ردو بدل کچھ ہر آئنہ کرلو
محاذِ جنگ کا چل کر معائنہ کرلو

یہ بہہ دید گئے، مشورہ دیا نہ دیا — وہ تھے چچا یہ بھتیجے کسی کو دخل ہے کیا
یہ تھے امام تو وہ جانشیں شیرِ خدا — ہر ایک خورد کے استاد تھے وہ ان کے سوا
ہنر اُنھیں جو علومِ نبی کے در سے ملے
تو ہاتھوں ہاتھ اِنھیں جد کے فن پدر سے ملے

خلیل پاک کا ترکہ ہے ان کی تاب و تواں — رگوں میں نفسِ پیمبر کا خون ہے جولاں
وہ ضرب تھی جو عبادت دو جہاں سے گراں — ملا ہے ارث امامت میں اسکا زور بھی ہاں
جو تپ نہ ہوتی تو عشرے کو حشر ڈھا دیتے
ابو تراب کی صورت زمیں ہلا دیتے

مغالطے میں نہ ڈالے وہ گریہ و زاری — کسی کا خوف بجز کبریا نہیں طاری
یہ جانشین نبی، یہ خلیفۂ باری — بڑھے جو حد سے کوئی آپ حد کریں جاری
زراہِ خلق پیمبر مزاج ہیں سجاد
مگر لہو میں علی امتزاج ہیں سجاد

سجودِ عشق میں ہر دم ہیں سیدِ سجاد — جبھی تو آپ مجسم ہیں سیدِ سجاد
عمل کی رُو سے مُکرم ہیں سید سجاد — بتا رہی ہے نظر ہم ہیں سید سجاد
جو داغ سجدہ جبیں پہ ہے بدر کی صورت
تو زُلف مصحف رُخ میں ہے قدر کی سورت

دمِ قیام، اقامت فدا ہے قامت پر — رکوع میں ہوں تو رکعت گلے ملے جھک کر
سجود اٹھ کے جبیں چوم لے جھکائیں جو سر — قعود بیٹھے دو زانو ادب سے پیشِ نظر
نماز میں جو قدم بوس یہ مصلّٰے ہے
نہ کربلا ہے نہ عرش اور پھر معلّٰی ہے

یہ رعب و داب کا عالم تھا گو چڑھا تھا بخار — جو آئے قتل کو لرزہ چڑھا انھیں ہر بار
تپِ شدید سے غرق عرق تھا جسمِ نزار — عرق کی موج میں طوفانِ نوح تھا بیدار
چھلک تھی خونِ یداللہ کی پسینے میں
رسول کا تھا کلیجہ علیؑ کے سینے میں

عمل میں علم میں حیدر ہیں سید سجّاد — علی کا نقش مکرر ہیں سید سجاد
امینِ نسلِ پیمبر ہیں سید سجاد — حسینِ خلد ہیں، کوثر ہیں سید سجاد
وہ نوحِ کشتیِ امت ہیں مصطفٰے کی قسم
نبی کی آل میں آدم ہیں یہ خدا کی قسم

جو ہرزہ گرد ہیں گردانتے ہیں وہ بھی انہیں — جو حق شناس نہیں، جانتے ہیں وہ بھی انہیں
جو کچھ نہ مانے کبھی، مانتے ہیں وہ بھی انہیں — جو مانتے نہیں پہچانتے ہیں وہ بھی انہیں
عبادتوں کے شرف جن کو اک معمّا ہیں
وہ معترف ہیں کہ یہ اسم با مسمّٰی ہیں

دعائیں ان کی ہیں یا کارساز کی باتیں — میانِ عاشق و معشوق ناز کی باتیں
حقیقتِ ابدی سے مجاز کی باتیں — وہ بے نیاز سے راز و نیاز کی باتیں
سب ان کے وردِ ائمہؑ کا بھی وظیفہ ہیں
نہیں رسول مگر صاحبِ صحیفہ ہیں

نبیؐ کی فکر ہے ان کا بیان صلِ علیٰ — وہی دہن وہی لب اور زبان صلِ علیٰ
حسنؑ حسینؑ کے دل اور جان صلِ علیٰ — علیؑ کی شان۔ محمد کی آن صلِ علیٰ
ولی بھی جس کے موالی ہیں وہ ولی دیکھو
نبی کے چوتھے خلیفہ ہیں یہ علیؑ دیکھو

درِ قبول ہے ان کا رِواقِ صلِ علیٰ　　درود و حمد سیاق و سباق صلِ علیٰ
یہ زہد و کلفت مالا یُطاق صلِ علیٰ　　گلے میں طوقِ قیادت ہیں طاق صلِ علیٰ
علیؑ ہے نام بھی اور یوں بھی ہیں ولی سجاد
ہر اعتبار سے ہیں دوسرے علیؑ سجاد

وہ سر پہ بارِ امامت وہ پاؤں میں زنجیر　　نحیف اور جلالت کی سربسر تصویر
وہ صبر و شکر سے تبلیغ دینِ عالم گیر　　بشر کے بھیس میں گویا ہے سیرتِ شبیرؑ
اسیرِ ظلم بھی تھے سطوتِ حسینؑ بھی تھے
یہ ایک وقت میں عابدؑ بھی تھے حسینؑ بھی تھے

علیؑ تھے جیسے شہنشاہِ ذوالمنن کے بعد　　حسنؑ تھے جیسے امامِ صنم شکن کے بعد
حسینؑ جیسے تھے نامِ خدا حسنؑ کے بعد　　ہر اک شرف میں یہ ایسے ہیں پنجتنؑ کے بعد
ملی ہے حشر سے حد آپ کے عزائم کی
کہ منتظر ہے قیامت انھیں کے قائمؑ کی

عبائے کہنہ میں زین العباد و فخرِ عباد　　مُرید ان کے ملائک یہ دو جہاں کی مراد
جسد تھا قید، ضمیر و زبان و دل آزاد　　جہاد ان کا عبادت، عبادت ان کی جہاد
جہاں بھی تھے یہ بہر حال راہِ عشق میں تھے
شریکِ معرکۂ کربلا دمشق میں تھے

وقوعِ معرکۂ کربلا کے بعد کا دور　　وہ اک زمانۂ تاریخ ساز۔ سازشِ جور
وہ زر خرید خلیفہ بہر طریقہ و طور　　زبان و قلب و ضمیر و نگاہ و جراتِ غور
جو کہتے کچھ تو زباں قطع ایک دم ہوتی
جو لکھتے کچھ تو قلم کی زباں قلم ہوتی

دلوں میں تیرِ فضائل کے گھاؤ تھے گہرے　　جو بند تھیں زباں پر تو گوش پر پہرے
بھرے ہوئے تھے جو زہرِ نفاق سے زہرے　　بناوٹی تھے وہ گونگے بنے ہوئے بہرے
بیاں کو لب نہ ہلانے کی وہ زباں دیتے
اذاں بھی کہتے تو کانوں میں انگلیاں دیتے

وفاکے حلق پہ چلتی تھی تیغ جور و جفا	نبی کے دین کی صورت بدلتی تھی دنیا
گھرے تھے ایسی فضا میں علیِؑ زین عبا	کہیں تو خود ہوں فنا۔ چپ رہیں تو حق ہو فنا
ضرور تھا کہ اعادہ ہو روحِ خیبر کا
علومِ ختمِ رسل کا۔ شکوہ حیدر کا

نبی کے عزم کی پھر وقت کو ضرورت تھی	بجز مریض کسی میں کہاں یہ ہمت تھی
یہ قامتِ تپ و لرزہ میں استقامت تھی	مرض نہ تھا وہ حیاتِ عمل کی صورت تھی
تصورات سے ذوقِ طلب زیادہ تھا
بشر کے قلب میں اللہ کا ارادہ تھا

نفاق و کفر بڑھے تھے پرے جمائے ہوئے	جو دل سے دل تو قدم سے قدم ملائے ہوئے
یہ دبدبے سے ہر اک شور و شر دبائے ہوئے	خدا کے دین کو چھاتی سے تھے لگائے ہوئے
عدم کی سیل میں ڈوبے وہ طنطنے بہہ کر
علی بڑھے جو اِدھر سے علی علی کہہ کر

اٹھائی تیغ نہ پہنی زرہ نہ خون بہا	مگر دعا سے جو ملتا، ملا بغیر وغا
خطاب و وعظ و خطابت کا چونکہ اذن نہ تھا	دعا کی شکل میں بتلائی ہر مرض کی دوا
اندھیری رات میں لوگ ان سے ذکرِ رب سنتے
بلند ہوتی تھی آواز جس کو سب سنتے

حیاتِ قوم کے ضامن تھے جو امورِ عظیم	دعا میں ان کی بھی ڈنکے کی چوٹ دی تعلیم
کفیلِ قوت و طاقت جو زر کی ہے تقسیم	یہ چاہتی ہے معاشی و عسکری تنظیم
دعا میں کہہ گئے جو راہِ حق کا راہی ہو
فضول خرچ نہ ہو۔ شیر دل سپاہی ہو

بغیر نظمِ معیشت محال تھا جینا	تو اک دعا میں یہ کہہ کر دکھایا آئینہ
الٰہی مجھ کو عطا کر وہ دیدۂ بینا	کہ دخل و خرج کا پہلے بناؤں تخمینہ[1]
دکھائے تو کوئی ایسی مثال پہلے کی
یہ فکر آل ہے چودہ سو سال پہلے کی

[1] بجٹ

نہ قرض مانگے کبھی میری غیرتِ علوی　　بقدرِ دخل رہے خرچ میں میانہ روی
کروں نہ صرف، نہ جب تک ہو احتیاج قوی　　زبانِ حال میں جس طرح قافیے میں روی
یہ سب نکات دعائے ادائے قرض میں ہیں
فروع دین ہیں، فرضی نہیں ہیں فرض میں ہیں

پھر اک جگہ جو گھرے کافروں میں اہلِ ثغور　　نہ تھا کوئی جو سکھاتا جہاد کے دستور
دعا میں زینِ عبا نے کہا کہ ربِّ غفور　　یہ شہر ہو دور مسلماں کو دے وہ فہم وشعور
کریں خود اپنی مدد اور تجھے بھی یاد کریں
ضعیف گھر میں رہیں اور جواں جہاد کریں

سلاح جنگ کو یوں اور یوں کریں صیقل　　رسد بھی چاہیے آغازِ جنگ سے اول
کھڑے ہوں مخبر و جاسوس ہر قدم ہر پل　　شریکِ معرکہ ہوں مال و زر سے اہلِ دُوَل
محاذِ جنگ پہ دنیا بھی اور دین بھی ہو
کہ اتحاد بھی تنظیم بھی یقین بھی ہو

یہ اتحاد، یہ تنظیم یہ یقین جو آج　　زمانے بھر میں ہے رائج فقط بطورِ رواج
نہ شاعروں کی ہے جدت نہ قائدوں کا مزاج　　ہے اس کی فکر جو تھا ابنِ صاحبِ معراج
جو آج اہلِ بصیرت کے ہاتھ آئے ہیں
یہ دُر نبیرہ درِ نجف سے پائے ہیں

دعا سے ان کی کوئی اب چلے کہ ہاتھ ملے　　یہ باغِ علم و عمل کے تھے پھول پھولے پھلے
پسر تھے ان کے جو زہرا کی گود کے تھے پلے　　نبی کے ذہن سے سوچا۔ چلن علیؑ کے چلے
جلال و زہد کے قائل تھے نیک بھی بد بھی
یہ اپنے وقت کے حیدر بھی تھے محمدؐ بھی

نبی کے خُلق کے وارث، یہ خلق کے مختار　　حرم کے قافلے میں حق کے قافلہ سالار
زمینِ شام سے پوچھو جلال و جاہ و وقار　　بندھے تھے ہاتھ مگر صدق کے علم بردار
یہ ترجمانِ فروع و اصول بن کے گئے
امام وقت تھے بالکل رسول بن کے گئے

نبی کا سلسلۂ علم و سیرت و اقوال — بیان غیر تھا کچھ، اور کچھ روایت آل
مگر شہید ہوئے جب حسین صدق مقال — انھیں کے ساتھ ہوا دفن سب وہ ماضی حال
اگر نہ حضرت عابد کی ذات رہ جاتی
تو ہر حدیث میں غیروں کی بات رہ جاتی

اگر نہ عابد ذی جاہ سے جری ہوتے — تو پھر نہ باقرِ علم پیمبری ہوتے
نہ فقۂ جعفر صادق نہ جعفری ہوتے — نہ شہر علم، نہ حیدر، نہ حیدری ہوتے
خدا کے دین کی تذلیل ہو کے رہ جاتی
کتابِ پاک بھی انجیل ہو کے رہ جاتی

یہ ایسے عقدہ کشا جب تھے بیڑیوں میں اسیر — تو آ گئی تھی وہ منزل بھی اک بڑے امیر
ٹپک رہا تھا نظر سے جلال خیبر گیر — بھرے تھے غیظ میں یہ پانو پڑتی تھی زنجیر
جو منہ تھا سرخ تو رخسار تمتمائے ہوئے
ہژبر جیسے بپھرتا ہے چوٹ کھائے ہوئے

اگرچہ سارے مقاتل میں ہے رقم یہ بات — یزیدیوں کی زبانی مگر ہیں تفصیلات
جو مختلف ہیں بمنشائے شاہ و فرقِ رُوات — انھیں تو کام ہی تھا خلط ملط سحر و رات
رہے وہ شک میں عقائد ہی جن کے کچے ہیں
یہ دُر ملے تو ہیں جھوٹوں سے پھر بھی سچے ہیں

اگرچہ اصل خبر میں نہیں ہے جائے کلام — مگر ہے غیر کے لفظوں میں واقعہ یہ تمام
فضا کی لوح پہ محفوظ ہے کلامِ امام — بس اب تو گوشِ عقیدت ہے اور لبِ الہام
زراہِ فکر سوئے شام جا رہا ہوں میں
اساسِ صدق پہ اک گھر بنا رہا ہوں میں

مری زباں میں بیانات اہل جور سنو — روایتوں کا جو ہے ماحصل بغور سنو
سخن کی طرز سنو گفتگو کا طور سنو — بتول سننے کو تشریف لائیں، اور سنو
حضور آئیں تو رحمت کا بھی نزول ہوا
ہزار شکر مرا مرثیہ قبول ہوا

کھلی جو چشم تصور، زمیں ہوئی ہموار ہٹے۔ جو ریب و گمان و شکوک کے تھے غبار
نظر پڑا وہ یزید اور وہ بھرا دربار کہ جس میں سات سو کرسی نشیں اور اک بیمار
شراب و ساز، خلافت تبار محفل میں
یہ ذہنیت کے ہیں آئینہ دار محفل میں

وہ رعب و دبدبۂ سلطنت وہ جاہ و حشم وہ چوبدار سنانیں لیے قدم بقدم
مہیب ان کی وہ شکلیں نفس بھی صاعقہ دم کرے جو چوں بھی کوئی۔ گرز کھائے سر بو تلم
لیے یزید سے وہ قتل کے نوشتے تھے
وہ جیسی روح تھی ویسے ہی وہ فرشتے تھے

یہ حکم تھا کہ ابھرنے نہ دیں صدائے ضمیر جو بات حق ہو وہ منہ سے نہ کہنے پائے ضمیر
نہ تیوریوں کی شکن سے بھی ہو ادائے ضمیر نفاق کے تھے معلم وہ سب برائے ضمیر
پھرے جو تخت سے دنیا بھلی بُری پھر جائے
گلے پہ جرات اخلاق کے چھری پھر جائے

با ایں تجمل شاہی نگاہ حاکم شام اٹھی بچشم خماریں سوئے امام انام
بصد غرور حکومت کیا شقی نے کلام کہو خیال ہے کیا اے حسین کے گلفام
جو خیر خواہ بنے کچھ نہ کچھ صلا پایا
حسین نے مری بیعت نہ کی تو کیا پایا

یہ لفظ سنتے ہی بپھرا جو وارث کرار تو بہرے والوں کے ہاتھوں سے گر پڑے ہتھیار
لرز رہا تھا جو غصے کی تھرتھری سے بخار تو بیڑیوں کی گئی دور دور تک جھنکار
کہا ڈپٹ کے طریق بیاں سنبھال شقی
حسین اور تری بیعت۔ زباں سنبھال شقی

ذلیل کیا کوئی ناچار مجھ کو سمجھا ہے نحیف و عاجز و بیمار مجھ کو سمجھا ہے
کچھ اپنی طرح سے فرار مجھ کو سمجھا ہے عمر سے پوچھ یہ سو بار مجھ کو سمجھا ہے
قیامت آئے جو غصے میں آستیں الٹوں
انھیں بندھے ہوئے ہاتھوں سے میں زمیں الٹوں

نہ لے حسینؑ کا نام اپنے ساتھ بدتہذیب   حسینؑ پیکرِ صدق و صفا ہیں تو کِذّیب
وہ اپنے جد کے توسّل سے کبریا کے حبیب   خدا کی خلق میں تیرے سلف خدا کے رقیب
سناں کی نوک پہ بھی اُن کے ساتھ میں قرآں
نفاق دل میں ترے اور ہاتھ میں قرآں

بھلا حسینؑ کا اعزاز تو نے پایا ہے ؟   ترے لیے بھی ۔ بذبحٍ عظیم ۔ آیا ہے ؟
نبیؐ کو تو نے بھی ناقہ کبھی بنایا ہے ؟   کسی ملک نے بھی جھولا تجھے جھلایا ہے ؟
ارے بتا ترا نانا جہاں کا ہادی ہے ؟
زباں سے بول تری ماں رسول زادی ہے ؟

ترے گھرانے میں کوئی فلک جناب ہوا ؟   کسی دلیر کا شیرِ خدا خطاب ہوا ؟
جہاں میں کس کا پدر مالک الرقاب ہوا ؟   کسی کا باپ زمیں پر ابوتراب ہوا ؟
ہمارے جد کو تو بندے خدا سمجھتے ہیں
نبیؐ سے پوچھ ترے جد کو کیا سمجھتے ہیں

علی نبی کے برادر بھی، دل کا چین بھی تھے   درِ علوم بھی خیبر کی زیب و زین بھی تھے
فروغ بدر بھی تھے فاتح حنین بھی تھے   اور ان کے بعد حسن بھی تھے پھر حسینؑ بھی تھے
وہی چلن تھے وہی طرز کارزار بھی تھی
علی کا زور بھی قبضے میں ذوالفقار بھی تھی

ذہم کو بھی شہ مرداں کی شان سے وہ لڑے   دمِ دفاع بڑی آن بان سے وہ لڑے
جو خود اُدھر سے بڑھا اس جوان سے وہ لڑے   پہل نہ کی کبھی جس پہلوان سے وہ لڑے
امام وقت تھے خود امتحان لیتے تھے
کسی کو جرم سے پہلے سزا نہ دیتے تھے

مچا تھا شور کہ دیکھا نہ شہسوار ایسا   ملک بھی جس کے جلو میں ہیں اقتدار ایسا
فلک رکاب پہ جھک جائے ذی وقار ایسا   کسی کی تیغ نہ ایسی نہ راہوار ایسا
یہ مصطفٰےؐ کی نشانی ، وہ یادگارِ علیؑ
یہ ذوالجناح پیمبرؐ ، وہ ذوالفقارِ علیؑ

پھری وہ جس پہ جہاں سے وہ نابکار چلا — اُسی نے وار دیا سر کو جس پہ وار چلا
پلک کے آ گئی جس پر وہ سوئے نار چلا — سقر کو شوم طویلے کو راہوار چلا
پکاری روح کوئی شے نہ میرے ساتھ چلی
یہیں جیسے آئی تھی ویسے ہی خالی ہاتھ چلی

جگر تپاں تھے ہر اک جاں الم سے تفتہ تھی — زباں کیا کہ صدا بھی گلو گرفتہ تھی
سقر کی سمت کو عمر رواں بھی رفتہ تھی — کبھی ہلال وہ تھی گہ مہِ دو ہفتہ تھی
کوئی نظر نہ ٹھہرتی تھی ضو کا حال یہ تھا
چمک سے فوج کو کاہش ہوئی کمال یہ تھا

وہ یوں حریف سے لیتی تھی جان جیسے قرض — خمِ فلک میں اماں کو چھپا تھا خطۂ ارض
حلال رزق ملے کچھ۔ صیام کی تھی یہ عرض — نماز کہتی تھی مجھ پر ہے تیری طاعت فرض
جہاں ہو تو میں ترا احترام کرتی ہوں
چلاتے جو تجھے اس کو سلام کرتی ہوں

پکارا صور کہ جھنکار ہو تو ایسی ہو — لہو کی نہر بہی دھار ہو تو ایسی ہو
خدا کے ہاتھ کی تلوار ہو تو ایسی ہو — جہاں یہ آئی ہے سرکار ہو تو ایسی ہو
خود اس کو مان گئے جبرئیل ایسی تھی
پروں کی اصل نہ سمجھی اصیل ایسی تھی

بشر تو کیا ہیں فرشتوں کو یاد تھی اس کی — جو تھا ارادۂ حق وہ مراد تھی اس کی
عجیب شان بوقت جہاد تھی اس کی — یہ قدر تھی کہ قضا خانہ زاد تھی اس کی
کبھی وغا میں اجل کا نہ کوئی داؤں چلا
اسی کے سائے میں پیک قضا بھی پانو چلا

حسام شاہ سے ناری غضب میں گھر کے مرے — تری سیاہ سے آنکھوں کی طرح بھر کے مرے
سوار خون میں مچھلی کی طرح تر کے مرے — ہزار مر کے گرے، دو ہزار گر کے مرے
اجل کی رو میں ہزاروں کنارِ جُو سے بہے
لہو تنوں سے بہا اور تن لہو سے بہے

یہ رنگ دیکھتے ہی بیدلوں کے دل بھاگے دغا کا نقش یہ بیٹھا کہ بدعمل بھاگے
جو چل سکے نہ قدم سے وہ سر کے بل بھاگے نہیب شیر سے آہو کی طرح بل بھاگے
یہ تیغ پھینک کے جامہ سمیٹ کے بھاگا
وہ ہاتھ جوڑ کے دامن لپیٹ کے بھاگا

پکارتا تھا یہ پیاسا نہ جاؤ تھم کے لڑو جو دھوپ تیز ہو تو سائے میں علم کے لڑو
عرب نہیں ہو تو انداز سے عجم کے لڑو پھر آؤ کھیت میں دو چار ہاتھ جم کے لڑو
نہیں جگانے کو خود جاگنے کو آتے تھے!
دغا کو آئے تھے یا بھاگنے کو آئے تھے!

مچا تھا شور کہ یہ سر اٹھا کے دم لیں گے بنائے شر کو جہاں سے مٹا کے دم لیں گے
پروں کو موج ہوا پر اڑا کے دم لیں گے خدائی ٹوٹ پڑے تو بھگا کے دم لیں گے
وہ اک تو غیظ میں حیدر کے لالہ فام کی جنگ
وہ دوسرے بنے حق تیسرے امام کی جنگ

دکھا رہا تھا سلف کا جو خون اپنا اثر فرار خیبر و بدر و احد کا تھا منظر
یہ سن کے غیظ میں جھلا گیا وہ بانئ شر دیا یہ حکم کہ اس خوش بیاں کا کاٹ لو سر
مخدرات یہ سنتے ہی جان کھونے لگیں
مریض خستہ جگر سے لپٹ کے رونے لگیں

بلک بلک کے جو رونے لگے تمام اہل حرم بنا یزید کا دربار مجلس ماتم
کلیجہ تھامے تھیں ہاتھوں سے زینب پرغم پکارتا تھا دل مضطرب کہ ہائے ستم
وہ چپکے چپکے طمانچوں کے ڈر سے روتا ہے
صغیر سن مرا باقر یتیم ہوتا ہے

عجب نہیں یہ کہا ہو کہ یا علی فریاد پھنسی ہے تازہ مصیبت میں آپ کی اولاد
مریض پر یہ ستم ناتواں پہ یہ بیداد تمام گھر تو لٹا رہ گیا ہے اک سجاد
نہ ہو جو یہ بھی تو دکھیوں کا کون ہے بابا
نہ چھوٹا بھائی نہ اکبر نہ عون ہے بابا

خوشی میں محوِ طرب تھا جو حاکمِ گمراہ　　کہا تو ہو گا یہ اس سے پھپی نے بھر کر آہ
ارے لعیں مرے بچے پہ رحم کر للّٰہ　　مرے اخی کی نشانی ہے اب یہ غیرتِ ماہ
اسی پہ کیا ہے سبھی دل جلوں پہ تیغ پھرا
یزید، پہلے ہمارے گلوں پہ تیغ پھرا

اٹھائے تیغ برہنہ جو آرہا تھا شقی　　سکینہ سینہ سپر ہو گئی بھتیں بھائی کی
نگاہِ قہر یہ درباریوں سے کہتی تھی　　ارے خدا سے ڈرو میں علی کی ہوں پوتی
ابھی شقی کو ستم کا مزہ چکھاتی ہوں
رسن کھلے تو چچا کو بلا کے لاتی ہوں

بڑھا شقی سوئے عابد جو کھینچ کر تلوار　　پکڑ کے بیڑیوں کو اٹھ کھڑا ہوا بیمار
عیاں تھے رخ سے وہ غیظ و جلال کے آثار　　کہ جیسے قبرِ پیمبر پہ حیدرِ کرار
پکارتی تھی نظر کچھ نہ کچھ سزا دیں گے
اک آہ کھینچ کے بجلی ابھی گرا دیں گے

یہ رنگ دیکھ کے وہ نابکار گھبرایا　　لکھا ہے پنجۂ شیرِ خدا نظر آیا
جو یہ نہیں تو جلالت سے ان کی تھرایا　　لرز کے چیخ کے گھگھیا کے ڈر کے غش کھایا
بڑھی تھیں ہاتھ پکڑنے کو رک گئیں زینب
سجودِ شکر میں خوش ہو کے جھک گئیں زینب

وفورِ خوف سے سب اٹھ کھڑے ہوئے اک بار　　حرم کو لے گئے زندانِ غم میں ظلم شعار
یزیدِ نحس کو دہشت سے ہوش تھا نہ قرار　　گیا جو گھر میں تو رویا وہاں بھی زار و قطار
جو نیند آئی تو منہ کو دل و جگر آئے
رسول خواب میں روتے ہوئے نظر آئے

نبی کی آہ سے ڈر کر اٹھا جو بدکردار　　حرم کو قیدِ ستم سے رہا کیا ناچار
بلا سے چھٹ کے سوئے کربلا چلے نادار　　وہاں پہنچ کے بنائے مسافروں کے مزار
لگا کے پار شریعت کے اس سفینے کو
دیارِ کرب و بلا سے چلے مدینے کو

عماریاں وہ سیہ پوش وہ نبی کے حرم
پھٹی ردائیں سروں پر گواہ ظلم و ستم
مریض قافلہ سالار دل شکستۂ غم
لیے تھا دوش مبارک پہ اک سیاہ علم

وہ بی بیوں کی فغاں ہائے دل کے چین حسین
کبھی بکا، کبھی نوحہ، کبھی حسین حسین

فغان و مجلس و ماتم میں کاٹ کر وہ سفر
وطن کے پاس پکاری یہ دختر حیدر
سلام لے مرے نانا کے بلدۂ انور
مدینۂ نبوی! آپ مجھے قبول نہ کر

تمام اپنے عزیزوں کو کھو کے آئی ہوں
میں کربلا میں بھرے گھر کو رو کے آئی ہوں

دلا نہ یاد مجھے وہ سوئے سفر جانا
وہ محملوں کے قریں بھائی جان کا آنا
قنات روک کے عباس کا مجھے لانا
وہ ہاتھ تھام کے ناقے پہ آپ بٹھلانا

پھری ہوں یوں کہ وہ سب اقربا بھی سر پہ نہیں
یہ دن ہے آج کہ ثابت ردا بھی سر پہ نہیں

اُدھر نبیؐ کے مدینے میں عید گھر گھر ہے
یہ شور ہے کہ وطن میں ورود سرور ہے
خوشی میں کوئی جواں محوِ ذکر اکبر ہے
کسی کو شوقِ جمال نشانِ حیدر ہے

یہی ہے غل کہ شہ مشرقین آتے ہیں
چلو مزار نبی پر حسین آتے ہیں

محلۂ بنی ہاشم میں جب گئی یہ خبر
تو جمع ہو گئیں سب عورتیں بتول کے گھر
کسی نے ہنس کے کہا۔ شکر خالق اکبر
کوئی یہ فاطمہ صغرا سے بولی چلا کر

مریض تیرے مسیحا پھرے مبارک ہو
شفا ہوئی ترے بابا پھرے مبارک ہو

سفر سے بنت علی شاد کام آتی ہیں
وطن میں خواہر شاہ انام آتی ہیں
حرم میں ہو کے ذوی الاحترام آتی ہیں
تمہاری مادر عالی مقام آتی ہیں

ہر ایک شے کو ابھی دیکھ بھال لو صغرا
وہ ننھے بھائی کا جھولا نکال لو صغرا

کسی نے حضرتِ ام البنین سے ہنس کے کہا مبارک آپ کو اے زوجۂ ولی خدا
سفر سے آپ کا عبّاس شہ کے ساتھ پھرا دعائیں دے کے پکاری وہ ثانی سارا
خدا کا شکر کہ زہرؑا کا نونہال پھرا
بڑی خوشی تو یہ ہے فاطمہ کا لال پھرا

قریب آئی ادھر عترت جناب امیر وہ گرد راہ رخوں پر وہ غم سے حال تغیر
کبھی فغاں تو کبھی ذکر ظلم فوج شریر قدم قدم پہ یہ پیہم پکارتا ہے بشیر
سفر میں فاطمہ کے نور عین قتل ہوئے
مدینے والو تمہارے حسین قتل ہوئے

قیامت آئی جدھر کو یہ بے دیار آئے غم حسین میں بیتاب و بے قرار آئے
جناب عابد بیمار اشک بار آئے مزار احمد مرسل پہ سوگوار آئے
بُکا سے روضہ عالی وقار ہلنے لگا
فغاں وہ کی کہ نبی کا مزار ہلنے لگا

کوئی پکاری کہ نانا فلک ستائی ہوں میں شرم سے یہاں آنے میں تھرتھرائی ہوئی
یہ نذر آپ کے روضے پہ لے کے آئی ہوں تمہارے ۔۔ نقا کی سنانی لائی ہوں
یہ لیجیے مرے بھائی کا سرخ جامہ ہے
لہو بھرا ہوا یہ آپ کا عمامہ ہے

کسی کا غل تھا کہ بازار میں گئی نانا شُتُر پہ بلوۂ کفار میں گئی نانا
غضب ہے مجلس مے خوار میں گئی نانا یزید خس کے دربار میں گئی نانا
شقی کی بزم میں کیا کیا نہ شور و شر دیکھا
ہزار ناریوں نے مجھ کو ننگے سر دیکھا

کسی نے فاطمہ صغرا سے بھی یہ جا کے کہا نبی کی قبر پہ اتری ہے آل خیر الورا
یہ سن کے گھر سے چلی دختر امام ہدا وہ شاد حضرت ام البنین وہ خوش صغرا
یہاں جو آئیں تو کچھ اور ہی سماں دیکھا
کہ چند بی بیوں کو مائل فغاں دیکھا

نبی کی قبر پہ وہ بے قرار بیٹھتی ہیں — الم میں خاک بسر دلفگار بیٹھتی ہیں
فغاں میں سینہ و سر بار بار پیٹتی ہیں — سیہ لباس میں وہ سوگوار بیٹھتی ہیں
الم میں دیکھنے والوں کی جان گھٹتی ہے
لحد پہ ایک ضعیفہ تو یوں تڑپتی ہے

یہ اس سے کہنے لگی فاطمہ جگر افگار — تمہارے حال پہ بی بی نہ صبر ہے نہ قرار
کہاں سے آئی ہو کیا نام ہے میں تم پہ نثار — خبر ہو کچھ تو کہو حال سید ابرار
سنا تھا ہم نے کہ تشریف لا رہے ہیں حسین
کہیں ٹھہر گئے یا گھر کو آ رہے ہیں حسین

شناخت کر کے یہ بولیں بدرد رنج و تعب — ارے مجھے نہیں پہچانتی ہو تم بھی اب
رسول رب کی نواسی ہوں بنت ضیغم رب — میں واری فاطمہ تیری پھوپی ہوں میں زینب
بدل گئی مری صورت وہ غم شدید ہوئے
میں قید میں گئی ، بابا ترے شہید ہوئے

سفر میں قاسم بے پر بھی مر گئے صغرا — پھوپی کے دونوں دلاور بھی مر گئے صغرا
مرے جواں علی اکبر بھی مر گئے صغرا — تمہارے ننھے برادر بھی مر گئے صغرا
سنانیوں نے جگر رکھ دیا جو برما کے
گری زمین پہ صغرا مریض غش کھا کے

لحد پہ شور فغاں سے بپا ہوا محشر — تڑپ کے رہ گئیں ام البنین خستہ جگر
سنی خلاف توقع جو کربلا کی خبر — عصا کو ٹیک کے اٹھیں جلال میں بھر کر
کہا یہ دختر زہرا سے کیا نہ تھا عباس
یہ ظلم ہو گئے اور دیکھتا رہا عباس

شہید ہو گئے مقتل میں سب یہ ماہ لقا — سر اس نے کیوں نہ کٹایا بجائے شاہ ہدا
مجھے پسر نے الٰہی کہیں کا بھی نہ رکھا — میں اب بتول کو کیا منہ دکھاؤں گی مولا
قسم خدا کی یہ تقصیر میں نہ بخشوں گی
جو یوں ہوا ہے تو پھر شیر میں نہ بخشوں گی

وہ رو کے بولیں کہ اماں یہ بات لب پہ نہ لاؤ
مرے اخی کی محبت مجھے نہ یاد دلاؤ
وہ میرے بھائی کے شیدا تھے اُن پہ طیش نہ کھاؤ
یہ دیکھو بیٹھی ہیں بھابی انھیں گلے سے لگاؤ
وہ مرتے مرتے مطیع امام بن کے رہے
یہ لونڈی بن کے رہیں وہ غلام بن کے رہے

بہو کی سمت بڑھیں یہ جو ہاتھ پھیلا کر
گلے لگا کے یہ بولیں۔ نثار میں تجھ پر
قدم پکڑنے کو رو کر اٹھی وہ خستہ جگر
مرے حسین پہ تو نے فدا کیا شوہر
نبی کی قبر پہ زہرا بھی جان کھوتی تھیں
نسیم ساس بہو یوں لپٹ کے روتی تھیں

۱۹۷۰ء

تمام خلق کا خدمت گزار ہے پانی   رگوں میں خون، بدن میں نکھار ہے پانی
گلوں میں حُسن، چمن میں بہار ہے پانی   نمو کی بزم میں، پروردگار ہے پانی

نگاہِ خلق سے غائب جو ہے فضاؤں میں
امامِ غیب کا بھرتا ہے دَم ہواؤں میں

بفطرتِ ازلی بے غبار ہے پانی   جمالِ قدس کا آئینہ دار ہے پانی
فضا میں خالقِ ابرِ بہار ہے پانی   زمیں پہ رحمتِ پروردگار ہے پانی

یہ آب و رنگ، یہ سب رنگ و بو ہے پانی سے
عروسِ خاک! تری آبرو ہے پانی سے

کہیں یہ اشک کا گوہر، کہیں دُرِ شبنم   کہیں خوشی کا ہے آنسو، کہیں ہے گریۂ غم
خوشا لطافتِ آب و خوشا طہارتِ یم   بہشت میں ہے یہ تسنیم، خاک پر زمزم

یہ پاک ساقیِ کوثر کے اِنتساب سے ہے
کہ جیسے خاک کی تطہیر بوتراب سے ہے

نہ کیوں ہو چار عناصر میں آب کو تفضیل   بقولِ حق ہے اِسی سے حیات کی تشکیل
جو مس ہو تن سے نجاست، کثیر ہو کہ قلیل   تو پاک کرنے کو یہ سلسبیل کی ہے سبیل

عجیب جوہرِ تطہیر اس کی ذات میں ہے
کہ سب سے پہلے یہ شرعاً مطہّرات میں ہے

یہ چار حرف کی ترکیب کس قدر ہے عظیم   کبھی زمین، کبھی آسمان اِس کا ندیم
کبھی ہے کوہ کی آغوش میں بصد تکریم   کبھی فضا میں مُعلّق، بدوشِ موجِ نسیم

سبیلِ عام کبھی راہ باٹ کا پانی
پیا ہے اس نے غرض گھاٹ گھاٹ کا پانی

عجیب چیز زبانِ لغت میں پانی ہے
کہ جس کے ذکر میں آمد ہے اور روانی ہے
قلم بھی وقتِ رقم محوِ دُرفشانی ہے
یہ ایک لفظ اور اک قلزمِ معانی ہے

چڑھے جو بامِ فلک پر سحاب ہو جائے
جو کھینچ لیں تو عرق ہو، شراب ہو جائے

اگر یہ سہل کی صفت ہو تو سمجھو پھیکا ہے
جو ذکر شیر میں آئے، رقیق ہوتا ہے
جو وصفِ آہن و فولاد ہو تو، ٹھنڈا ہے
ہوں اصل و نسل کے معنی، تو استعارا ہے

یہ روزمرّہ ہے مشہور مرزبانی کا
کہ جانور ہے بہت اچھے کھیت پانی کا

کسی کسان سے معنی جو پوچھے، اُس نے کہا
کہ میرا کھیت ہے محتاج ایک پانی کا
کبھی کسی کو اگر آگیا کہیں غصّا
طمانچہ کھا کے وہ پانی ہوا، تو نرم پڑا

جو یاد ہو کبھی پانی کی اہلِ جوھر میں
چمک ہے تیغ میں یہ، اور دمک ہے گوہر میں

ہوئی جو کام میں مشکل کے بعد آسانی
وہاں بھی اس کے سہارے چلی زباں دانی
کہیں یہ جیسے، کہ پیاسوں نے دل میں جب ٹھانی
تو جو بھی آئیں کڑی منزلیں ہوئیں پانی

کبھی ہے حوصلہ و عزم کے معانی میں
کہ جیسے مدِّ مقابل ہے کتنے پانی میں

تَری کا ہے مترادف جو آبلے سے بہا
اسی کو کہتے آنسو جب آنکھ میں اُمڈا
یہ موتیا ہے اگر مردمک تک آ پہنچا
کبھی اسی کے ہیں معنی خجل بفرطِ حیا

شمیمِ خاکِ شفا جیسے وہ سہانی ہے
کہ جس کے سامنے کوثر کی نہر پانی ہے

بہت وسیع ہے پانی کا دامنِ سیّال
یہ سب کثیر معانی ہیں اس کے فیض پہ دال
محاورات میں ان کے سوا ہے استعمال
جو بوند بوند نہیں، لاکھ ہیں پکھال پکھال

کہیں جو ماہیِ فکر اُن کی تہ میں کھو جائے
تو بحرِ شعر و سخن آب آب ہو جائے

بیانِ آب کا اُبلا جو قلزمِ زخّار برس پڑا ہے تخیّل کا ابرِ دریا بار
زمینِ شعر کا یوں دھو گیا ہے گرد و غبار ورق ورق میں ہے طوبیٰ کی پتّیوں کا نکھار
جو اس بہانے سے کوثر کی راہ کھل جائے
یقین ہے مری فردِ حساب دُھل جائے

شکوہِ دجلہ و فرِّ فرات ہے پانی گلوں کی جان ہے، شبنم کی ذات ہے پانی
مری زبان میں شہد و نبات ہے پانی مذاقِ خضر میں آبِ حیات ہے پانی
یہ روحِ قافلہ ہے تشنگی کے خطروں میں
حیات بستی ہے اُس کے لطیف قطروں میں

عجیب سادہ مزاجی، عجیب فطرت ہے نہ ذائقہ ہے کچھ اس میں، نہ بُو، نہ رنگت ہے
مگر کسی پہ اگر تشنگی کی شدّت ہے پھر اُس سے پوچھیے پانی میں کیا حلاوت ہے
نہ ترش و تلخ نہ شیریں ہے یہ نہ سیٹھا ہے
مگر مزہ تو یہ ہے جان سے بھی میٹھا ہے

سُبک، مُفرّحِ دل، جاں فروز، روح نواز لطیف و خوش مزہ و خوش گوار و نرم و گداز
کبھی یہ خاک نشیں، اور کبھی فلک پرواز قدم قدم پہ ہے دیکھے ہوئے نشیب و فراز
زمیں سے اُٹھ کے جو گردوں کی راہ لیتا ہے
یہ ارتقا کا زمانے کو درس دیتا ہے

یہ کائنات حقیقت میں ہے دخان و شرر اِسی دُخان و شرر سے بنے ہیں شمس و قمر
زمیں بھی پارۂ آتش تھی ابتدا میں، مگر یہ آگ راکھ بنی مدتوں میں بجھ بجھ کر
ٹلا یہ امرِ مشیّت جو لاگ پر پانی
سحابِ فضل نے چھڑکا اس آگ پر پانی

ہزاروں سال فضا میں رہا محیطِ سحاب جھما جھمی سے ہوئیں بارشیں، زمیں سیراب
بجائے شعلۂ بیتاب اب تھے وہ گرداب نِگل کے آگ، اُگلتے تھے جو دُرِ نایاب
بفیضِ آب نویدِ گل و گلاب آئی
زمین خاک تھی، پانی سے آب و تاب آئی

نمودِ حسنِ جگر دوز و دل نشیں ، پانی — وجودِ نیشکر و شہد و انگبیں ، پانی
جہاں میں نسخۂ ایجادِ ماء و طیں ، پانی — ہے آفرینشِ انساں، صد آفریں ، پانی
نمو میں ہے حرکت آب کی روانی سے
اُگا ہے خلق میں نخلِ حیات پانی سے

ہے جزوِ جامۂ خلقت جو آستیں کی طرح — لیے ہے گود میں خلقت کو یہ، زمیں کی طرح
زمیں جو گول ہے انگشترِ حسیں کی طرح — چمک رہا ہے انگوٹھی میں یہ نگیں کی طرح
جہانِ خاک میں پانی کا یہ قرینہ ہے
کہ خاک دانِ حقیقت میں آبگینہ ہے

کبھی مسیح کے نسخے میں موجِ رحمتِ حق — کبھی مریض کی آنکھوں میں وجہِ سدِّ رمق
کبھی افق کی تراوٹ، کبھی ہے رنگِ شفق — کبھی شراب، کبھی شیخ کی جبیں کا عَرق
کبھی الست کے مستوں کی روحِ مینا ہے
کبھی علیؑ کا چھلکتا ہوا پسینا ہے

بزیرِ خاک ہے سرچشمۂ نمو ، پانی — بروئے شاخ ہے، شوخیِ رنگ و بُو، پانی
سمومِ تند میں ، دہقاں کی آرزو ، پانی — بھری بہار میں، پھولوں سے سرخرو، پانی
شفق کے رنگ سے تازہ یہ گُل کھلاتا ہے
کہ آسماں کو حنائی زمیں بناتا ہے

جو بن گیا دُرِ شہوار یہ تو زینتِ تاج — کسی کی پیاس بجھا دی ، دیا عطا کو رواج
مگر تضاد پسندی بھی ہے شریکِ مزاج — یہ معتدل حرکت ، یہ تلاطمِ امواج
اُبل اُبل کے اگر یہ کبھی بپھرتا ہے
زبانِ موج سے باتیں فلک سے کرتا ہے

چمن میں ہے تو یہ گُل ، بن میں ہے تو خارِ بلا — زمیں پر ہے تو دریا ، فضا میں ہے تو گھٹا
صدف کے بطن میں موتی ، کنارِ جُو ذرّا — گلے میں ہے تو حیات ، اور گلے گلے تو قضا
لپک ہے آگ کی ، سیلاب کی روانی ہے
اگر گرے تو ہے بجلی ، بکھرے تو پانی ہے

دَوا میں ہے تو یہ حنظل، غذا میں ہے تو عسل　　جو باغ میں ہے تو لالہ، جو رود میں تو کنول
جو کاہ میں ہے تو دلکش، جو راہ میں تو خلل　　جو نہر میں ہے تو شربت، جو زہر میں تو اجل
کبھی ہے برف، کبھی کشتیِ دُخانی ہے
عجب جمود کا عالم، عجب روانی ہے

ذوی العقول میں شامل نہیں یہ نیک نہاد　　مگر تمیزِ بد و نیک کی ہیں راہیں یاد
بہاؤ ایک ہے، وقت ایک اور اثر متضاد　　برائے خَیر ہے رحمت، برائے شر جلّاد
جو حق ہے پار تو باطل ہے غرق یا کہ نہیں
جنابِ نوحؑ! کہو، ہے یہ فرق یا کہ نہیں

سمائے سب کی رگ و پے میں اور جُدا بھی رہے　　فرازِ سر بھی چڑھے، اور زیرِ پا بھی رہے
رفیقِ شاہ بنے، مونسِ گدا بھی رہے　　بہا بہا بھی پھرے، اور بے بہا بھی رہے
زمیں یہ اس کا ہے گھر، چوٹیوں پہ بستا ہے
عجیب بات کہ انمول اور سستا ہے

کھُلی فضا میں یہ راتیں گزارنے والا　　خمارِ سرخوشی و بے خودی کا متوالا
جو انجماد کے نقطے پر آئے، تو، ژالا　　جو پھیل جائے، تو کہرے کی گود کا پالا
بڑھے جو حد سے نہ اپنی، تو بارہ ماسا ہے
جو سر اُٹھائے، تو پانی کا یہ بتاسا ہے

کوئی ہوں، کیسے بھی ہوں، بے شعور، اہلِ شعور　　غنی، غریب، قوی، ناتواں، شکور، کفور
لہو غریبوں کا پی پی کے فربہ و مغرور　　تباہ کردۂ رسمِ معاشرہ، مزدور
یہ سب جہاں ہیں مساوی وہ موڑ ہے پانی
ربوبیت کے عمل کا نچوڑ ہے پانی

نقیبِ اردی و مشاطۂ ربیع و خریف　　جمیل، صاف، مُصفّا، حَسیں، لطیف، نظیف
صدف میں گوہرِ یکتا، خزف میں آبِ کثیف　　طبیعت اس کی ملایم، مزاج اِس کا شریف
جو شکل پوچھیے کیسی ہے، جسم کیسا ہے
تو ہر جگہ پہ یہ ویسا ہے، ظرف جیسا ہے

اُچھل رہا ہے کہیں، اور چھلک رہا ہے کہیں — اُبل رہا ہے کہیں، اور بھٹک رہا ہے کہیں
چمک رہا ہے کہیں، اور جھلک رہا ہے کہیں — ہے سربلند کہیں، سرپٹک رہا ہے کہیں

نہیں پسند رعونت اسے زمانے کی
تلاش کرتا ہے راہیں زمیں پہ آنے کی

صفت ہے جس کی تواضع، یہ ہے وہ پاک گہر — کریں بلند تو پھر جھک کے رکھ دے خاک پہ سر
یہ عاجزی ہے، مگر رعب اس سے بھی بڑھ کر — کہ ناچتے ہیں بھنور رات دن اشاروں پر

یہ انکسار بلے چاہے سب زمانے سے
مگر یہ دب نہیں سکتا کبھی دبانے سے

یہ رحمتِ ابدی ہے، نہ ہو جو طغیانی — اسی کی بوند میں رقصاں ہے کشت بارانی
گھٹا میں دیکھیے قطروں کی اس کے جولانی — خمِ شراب پہ جس سے پڑے گھڑوں پانی

یہ کیاریوں میں جھک کر گھر سے جڑتا ہے
بلائے قحط سے یہ بیچ کھیت لڑتا ہے

گیاہِ خشک میں روحِ نمو، نمی اس کی — دعا و ذکر کی دعوت ہے، برہمی اس کی
نمازِ خاص کی تحریک ہے، کمی اس کی — ثنا کرے بلبِ حمد، آدمی اس کی

لیے ہوئے ہے جو سینے میں برقِ سینا کو
بڑھائے جاتا ہے دو قُل کا ورد مینا کو

حلاوتِ مئے کوثر ہے اس کی شیرینی — ہے اس سے گردگلوں میں جو ہے مہک بھینی
دھنک حسین ہے پر اک عیب بھی ہے آئینی — کجی ہے اُس میں، اور اس میں کمال رنگینی

جہاں سحاب سا سقّائے فیضِ جاری ہے
اسی کے تحت وہ تنظیمِ آبداری ہے

رواں دواں ہے یہی بطن خاک میں پیہم — یہی ہے لذتِ انگور و کیف ساغرِ جم
عطیہ ہائے خدا میں ہے یہ خدا کی قسم — عطا کی آن، سخا کا حشم، کرم کا بھرم

یہ فیض دیکھے تو سونا ورق ورق ہو جائے
یہ جودسن لے تو دریا عرق عرق ہو جائے

نہ پوچھیے کہ رسا ہے کہاں کہاں پانی — کہیں نہاں ہے نظر سے، کہیں عیاں پانی
جہاں جہاں یہ جہاں ہے، وہاں وہاں پانی — وہاں حیات معطل، نہیں جہاں پانی
فضا و کوہ میں حاضر ہے، فرش پر موجود
نبیؐ کے ہاتھ دُھلانے کو عرش پر موجود

گلوں کی پنکھڑیوں میں اسی سے رس قائم — نمو کی لہر ہے جس میں رواں وہ نس قائم
اسی کی وجہ سے برگ و ثمر کا جس قائم — اسی کے دم سے ہیں سانسیں نفس نفس قائم
وہ ہیں اسی سے، فضاؤں میں جو ہوائیں ہیں
ہر ایک بوند کی مٹھی میں دو ہوائیں ہیں

یہ دو ہوائیں تشخص میں دو ہیں اور پھر ایک — مظاہرے ہیں الگ مرکز منظا ہر ایک
یہ برق و باد کے ہیں مختلف مناظر ایک — جُدا جُدا ہے اثر، فاعل و مؤثر ایک
دوئی ہے صاف عیاں اور ظہور واحد ہیں
یونہی علیؑ و پیمبر بھی نورِ واحد ہیں

یہ قلب میں ہے سکوں، جسم میں ہے نشو و نما — جگر میں تاب و تواں پتلیوں میں نور و ضیا
بصر فروز و بصیرت فزود و جاں افزا — بہشت پرور و طوبیٰ نواز و کوثر زا
یہ اس شراب میں شامل وِلا کے ہاتھ سے ہے
جو مومنین کی قسمت خدا کے ہاتھ سے ہے

کبھی عمارتِ گردوں جناب ہے پانی — کبھی خرابیِ دارالخراب ہے پانی
کبھی ہے برق، کبھی آب و تاب ہے پانی — جو اعتدال نہ ہو اک عذاب ہے پانی
کسی کی آنکھ کا پانی ذرا جو ڈھل جائے
نظامِ عصمت و اخلاق ہی بدل جائے

نبیؐ کے سر پہ جو رہتا تھا ابر کا سایا — نظر کو آپ کا سایہ کہاں نظر آیا
یہ معجزہ جو کرامت خدا نے فرمایا — تو اس کو حجتِ پیغمبری بھی ٹھہرایا
نگاہِ خلق میں یہ ابر ہے، جو پانی ہے
مری نظر میں نبوت کی یہ نشانی ہے

کبھی جو رحمتِ باری کی شان دکھلائے
زمیں پہ خلد سے نزہت کو کھینچ کر لائے
جو کف اُگل کے تلاطم بکف کبھی آئے
عرق میں نوحؑ کا طوفان غرق ہو جائے
خدا کا فضل ہے، قہرِ قدیر ہے پانی
مطیعِ شاہِ بشیر و نذیر ہے پانی

جو موج میں ہے تو گویا چُنا ہوا جامہ
حباب میں ہے تو آبِ رواں کا عمامہ
قلم میں ہے تو نویدِ نگارشِ نامہ
دوات میں ہے تو سجدہ گزار ہر خامہ
رُکا رہے تو مزاجِ خسیس ہے پانی
رواں ہو جب تو زبانِ انیسؔ ہے پانی

یہ آب جو ہے قوامِ حیات میں شامل
رگوں میں، خون میں، تخمیرِ ذات میں شامل
ازل سے آب و گِلِ کائنات میں شامل
عمل کی راہ سے ہے معجزات میں شامل
یہ جسم، دُر ہے جو اجرامِ آسمانی پر
قوی ہے کوہ سے بھی اور بنا ہے پانی پر

اگرچہ نرم مزاجی ہے اس کی سب پہ عیاں
مگر ہے سخت بھی اتنا، پہاڑ پر ہے گراں
اُبل اُبل کے کبھی ہو جو یہ رواں دواں
ہوا ہو گرد، تو آندھی کے ہوش ہوں پرّاں
جو کوہ سامنے ہوں تیوریوں پہ بل ڈالے
تو دستِ موج کی چٹکی سے یہ مسل ڈالے

فضا میں تھی جو ہوا روز و شب پراگندا
گراں تھا آب پہ یہ صبح و شام کا دھندا
گلے میں بادِ بہاری کے ڈال کر پھندا
بنا لیا اُسے آزادہ گام سے بندا
یہ بندشیں جو نہ ہوں دم میں کیا سے کیا ہو جائے
گرہ کھلے تو پھر آندھی بنے ہوا ہو جائے

جو آ کے غیر کوئی اس کی بزم میں ہو دخیل
اُبل پڑے یہ بغیظ و غضب بصورتِ نیل
تھپیڑے مار کے کردے ڈبو ڈبو کے ذلیل
سوائے شاخِ شجر، وہ خفیف ہو کہ ثقیل
عصائے حضرتِ موسیٰ جو یاد آتا ہے
ہر ایک چوب کو اب تک یہ سر چڑھاتا ہے

گلاب ، نسترن ، یاسمین ، مولسری   گلِ انار ، مدن بان ، رات کی رانی
سدا بہار ، گلِ آفتاب ، داؤدی   گڑھل ، کنول ، گلِ عبّاس ، جعفری ، خیری
چمن چمن جو یہ کھل کھل کے رنگ لائے ہیں
یہ رنگ رنگ کے پانی نے گل کھلائے ہیں

کمان ، تیر ، سروہی ، سنان ، بھال ، خدنگ   چھری ، کٹار ، فلاخن ، عصا ، طمنچہ ، سنگ
کمند ، گرز ، شکنجہ ، بنوٹ ، بانک ، تفنگ   حسامِ شعلہ مزاج ، آبدار ، صاعقہ رنگ
برس پڑیں تو نہ ٹوٹے گی دھار پانی کی
سپر ہے رحمتِ پروردگار پانی کی

خلیج ، نہر ، ندی ، جوئبار ، جھیل ، کنواں   غرض جہاں یہ مکیں ہو ، جہاں ہو اس کا مکاں
اٹھا کے ٹھوس قدم جب کبھی کوئی آئے وہاں   یہ اس کو دل میں بٹھا لے ، نہ طبع پر ہو گراں
ملے جو ظرف کا ہلکا اچھال دے اس کو
بہا بہا کے کنارے پہ ڈال دے اس کو

جو پھینک دے کوئی اس کو بذلت و خواری   وہ غم میں ہو ، تو کرے پھر یہ اس کی غمخواری
ہر ایک کافر و مسلم سے ہے رواداری   نبیؐ و آلِ نبیؐ کا یہ فیض ہے جاری
جنابِ فاطمہؑ زہرا کا مہر ہے پانی
جو اُن سے بغض رکھے اس کو زہر ہے پانی

جو ریگِ گرم میں دم بھر نہ یہ کسی کو ملے   تڑپ کے قافلۂ تشنہ کام دم توڑے
جو کاروانِ مدینہ کی چھاگلوں میں رہے   عطش میں حُر کے رسالے کو زندگی بخشے
فرات میں ہے تو ارماں کسی حزینہ کا
چچا کی مشک میں ہے آسرا سکینہ کا

جو گھر میں ہو تو گھرانے کا ہے یہ مونسِ جاں   کنویں میں ہو تو کُل اطراف میں ہے فیض رساں
جو چشمہ سار سے پھوٹے ، جو نہر میں ہو رواں   تو فیضیاب سب اِنسان و جانور یکساں
ادھر سے شدتِ گرما میں جو گزرتے ہیں
تو قافلے سرِ ساحل قیام کرتے ہیں

تمام حاکم و محکوم و منعم و نادار　　تمام کافر و دیندار و زاہد و بدکار
وحوش و طیر و بُز و گرگ و مرکب واسوار　　ہیں بے مزاحمت اس وقفِ عام سے سرشار
روا ہر اک کے لیے بے گزند ہے پانی
مگر حسینؑ کے بچّوں پہ بند ہے پانی

یہ تین روز کے پیاسے کھڑے ہیں ڈیوڑھی پر　　شباب پر ہے تمازت، سموم کا ہے گزر
بھبک رہی ہیں فضائیں، برس رہے ہیں شرر　　فرات سامنے ہے، پی رہا ہے سب لشکر
قیامت اور یہ بچّوں پہ ڈھا رہے ہیں شقی
دکھا کے پیاس میں پانی بہا رہے ہیں شقی

وہ مسلمِ جگر افگار کے یتیم پسر　　وہ بنتِ فاطمہؑ کے لال عون اور جعفر
وہ جانِ شبّرِ مسموم قاسمِ مضطر　　وہ آسرا شہِ مظلوم کا علی اکبر
یہ سب پیمبرِ اسلام کے نواسے ہیں
جو کلمہ گویوں کی بستی میں آج پیاسے ہیں

حبیب و مسلم و ضرغامہ و بُریر و ہلال　　زہیرِ قین جگردار و وہبِ نیک خصال
جنابِ جَونِ جری، دشتِ کربلا کے بلال　　یہ سب بھی تین شب و روز کی عطش سے نڈھال
لیے تھے سینوں میں لیکن یہ آرزو پیاسے
عدوِ آل کا پی جائیں گے لہو پیاسے

خیامِ پاک میں ذُرّیتِ نبیؐ بے آب　　کہ جن میں زینبؑ و کلثومؑ دلفگار و رباب
پھر اُن کی گود میں اطفالِ مضطر و بیتاب　　سکینہ پیاس سے غش میں پڑی ہیں سینہ کباب
جو چونکتی ہیں، نکلتا ہے مُنہ سے یا عبّاسؑ
کہیں سے پانی منگا دیجیے چچا عبّاسؑ

ہے ایک خیمۂ عصمت میں بیکس و مظلوم　　وہ اک جوان جو بیمار و مضطر و مغموم
ولی و زاہد و سجّاد و عابد و معصوم　　مریضِ تپ سے جلے اور ہو آب سے محروم
وفورِ کرب میں غش سے جو آنکھ کھُلتی ہے
زبانِ خشک کے کانٹوں میں پیاس تُلتی ہے

پڑا تھا جھولے میں اک شیر خوار جانِ علیؑ　　یہ چھ مہینے کی جان اور بلائے تشنہ لبی
لگی تھی پیاس سے ہچکی، ڈھلا تھا منکا بھی　　یہ ضعف تھا کہ نہ کھلتی تھی آنکھ اصغرؑ کی
بلکنا چاہتے تھے اور بلک نہ سکتے تھے
حسینؑ یاس سے بچّے کے منہ کو تکتے تھے

جو پوچھیے کہ یہ معصوم کب سے تھے بے آب　　تو خیمے میں شبِ ہشتم بھی آب تھا نایاب
بُریر لائے تھے مشکیزہ بھر کے جب تو شتاب　　نہ جانے کب سے تھے بچّے عطش سے سینہ کباب
سب آ کے ٹوٹ پڑے جب نظر پڑا پانی
کشاکشی میں کُھلی مشک، بہ گیا پانی

تڑپ کے رہ گئے اطفالِ سیّدِ کونین　　کیا وہ نوحہ و ماتم کہ سُن کے روئے حسینؑ
وہ مشک بیچ میں، بچّے وہ گرد، لب پہ وہ بَین　　کسی کی لاش پہ ہوتا ہے جیسے شیون و شین
نمی سے آتشِ دل میں کمی جو ہوتی تھی
سکینہ مشک پہ رخسار رکھ کے روتی تھی

وہ شب گزرنے پہ آئی جو آٹھویں کی سحر　　ہوئے تھے سوکھ کے کانٹا وہ لب جو تھے گُلِ تر
عجب ہے، پیاس سے تھی جن کی جان ہونٹوں پر　　وہ تین روز جیے اور تشنہ لب کیوں کر
یہ کیا تھا جس نے انھیں اس قدر دلیر کیا
کہ تشنگی سے لڑے، فطرتوں کو زیر کیا

عطش سے گرچہ تھے برہم، مزاجِ شکر پسند　　یقین جامِ شہادت سے تھے مگر خورسند
رضائے حق پہ تھے شاکر، وہ صبر کے پابند　　مگر خیام میں فریادِ العطش تھی بلند
یہ تازیانۂ گریہ، سوالِ آب نہ تھا
جھنجوڑتے تھے شقاوت کو اضطراب نہ تھا

دہم کی صبح کو یہ تشنگی کا عالم تھا　　زباں تھی اینٹھی ہوئی، خشک خار دار گلا
جو بات کرتے تھے لگتا تھا منہ میں نشتر سا　　رجز کا وقت جو آیا بہا دیے دریا
بڑھے جو سیل کی صورت اُٹھا کے سینوں کو
ڈبو دیا عرقِ شرم میں لعینوں کو

اُٹھا اُٹھا کے حساموں کی آب سے طوفاں — پہنچ پہنچ گئے ساحل کے پاس شیرِ ژیاں
وہیں تو نہر تھی جاری یہ لڑ رہے تھے جہاں — نظر اُٹھا کے بھی دیکھا نہ سوئے آبِ رواں
بڑھا دیا تھا بہت ضبط نے وقار ان کا
بتولؑ کو لبِ کوثر تھا انتظار ان کا

پھر اُس کے بعد یہ منظر بھی فوج نے دیکھا — کہ اک جری درِ خیمہ سے سوئے نہر چلا
عَلم تھا دوشِ مبارک پہ ہاتھ میں نیزا — لیے تھا مشک بھی، جیسے کسی کا ہے سقا
مزاحمت سے نبٹتا ہوا لڑائی میں
سفیرِ تشنہ لباں تھا، رُکا ترائی میں

پسینہ پونچھ کے انگڑائی لی جو ضیغم نے — جو رہ گئے تھے وہ پہرے بھی نہر سے بھاگے
اُتر کے زین سے پہنے جری نے دستانے — کہ مشک بھرنے میں پانی نہ مس ہو ہاتھوں سے
وفا کا پاس جو کروٹ نہ اس گھڑی لیتا
فرات قبضے میں تھی چاہتا تو پی لیتا

جری نے مشک بھری اور تشنہ کام پھرا — پلٹ کے فوج نے نرغہ کیا بہ مکر و دغا
ہوئے وہ ہاتھ قلم، مشک پر بھی تیر لگا — عَلم کے ساتھ، یہ پانی گرا، وہ شیر گرا
ہوا انتشار عَلم پر شہِ مدینہ کے
لہو سبیل بنا، نام پر سکینہ کے

اب اک جوان تھا پیاسا، جو بہرِ جنگ چلا — بھگا کے فوج جو اظہارِ تشنگی کا کیا
زباں چُسانے کو اپنی بڑھے امامِ ہُدا — مِلا دہن سے دہن، منہ پسر نے پھیر لیا
کہا کہ ہائے یہ کلفت یہ امتحانِ حسینؑ
ہے چوبِ خشک سے بھی خشک تر زبانِ حسینؑ

یہ کہہ کے رَن میں دوبارہ گئے، جہاد کیا — سناں جو کھائی تو صغرا بہن کو یاد کیا
مرادوں والے نے اماں کو نامراد کیا — پدر سے عرض یہ رد کر بہ اعتماد کیا
نہ شکل دیکھے گا ناچیز جامِ کوثر کی
حضور پیاس نہ جب تک بجھے گی اصغرؑ کی

یہ کہتے کہتے پسینے جو موت کے آئے — پسر نے توڑ کے دم باپ پر ستم ڈھائے
جنازہ لے کے چلے شاہ بال بکھرائے — جواں کو لے کے گئے، شیر خوار کو لائے
خدا کی راہ میں ایثار کی جو ٹھانی ہے
وہ لاش اُٹھا چکے یہ لاش اب اٹھانی ہے

سپاہِ شام کو صورت دکھا کے بچّے کی — کہا کہ وہ بھی سنیں جو کہ ہوں شقی سے شقی
یہ چھ مہینے کا گل رُو، یہ جان ننھی سی — ہمارے ساتھ ہے پامالِ جورِ تشنہ لبی
یزیدیو! یہ گلِ تر بہت نڑا سا ہے
قصور کچھ نہیں اور تین دن کا پیاسا ہے

یہ سُن کے سب نے جو دیکھا نظر اُٹھا کے ادھر — شقی بھی رو دیے دل تھام تھام کر اکثر
کمان اِتنے میں کڑکی، بپا ہوا محشر — گلے پہ تیر لگا، مُسکرا دیے اصغرؑ
حسینؑ بولے، میں اس ضبط کے فدا بیٹا
تمھاری پیاس بجھی، حلق تر ہوا بیٹا

قبا پہ خون جو ٹپکا ہوئی یہ حیرانی — کہاں سے دھوئیں اسے پینے کو نہیں پانی
اور اس میں سب سے زیادہ تھی یہ پریشانی — کسے مدد کو پکارے بتولؑ کا جانی
" نہ لشکرے، نہ سپاہے، نہ کثرت الناسے
نہ قاسمے، نہ علی اکبرے، نہ عبّاسے "

کوئی رفیق نہ ہمدم نہ مونس و یاور — فقط صغیر کا لاشہ تھا اور داغِ جگر
علیؑ کی تیغ سے بولے امامِ جن و بشر — بس اب سنبھل کہ بناتے ہیں تربتِ اصغرؑ
یہ کہہ کے بارِ بلائے کثیر کھینچ لیا
پسر کے حلق سے صابر نے تیر کھینچ لیا

غضب کی جا ہے کہ یہ کلفتیں اٹھائے حسینؑ — علیؑ کی تیغ سے خود اک لحد بنائے حسینؑ
اتارے قبر میں بیٹے کو باپ، ہائے حسینؑ — بجز رضاً بقضا کچھ نہ لب پہ لائے حسینؑ
نہ تھا چھڑکنے کو پانی پسر کی تربت پر
چڑھائے آنسوؤں کے پھول ننھی تربت پر

خیالِ آب نہ تھا، یاد آ گئے بھائی   نگاہِ یاس ترائی سے جا کے ٹکرائی

زمیں لرز گئی، غازی کی لاش تھرّائی   تڑپ کے غیرتِ انسانیت یہ چلّائی

ارے فرات کے کم ظرف و بد گہر پانی

نہ مل سکا علی اصغر کو، ڈوب مر پانی

۱۹۷۱ء

زیورِ شاہدِ اسلام ہے انساں ہونا
عمل خیر کا انجام ہے انساں ہونا
کارناموں سے بڑا کام ہے انساں ہونا
دین کا حاصلِ پیغام ہے انساں ہونا
رنگِ آدم کا نہ سب میں ہے نہ بوٗ آدم کی
ابنِ آدم ہے وہی، جس میں ہو خوٗ آدم کی

آدمی وہ نہیں دراصل جو ہو آدم زاد
عقل اور عشق ہیں انساں کی اساس و بنیاد
عقل سے پائے بشر معرفتِ حق کی مراد
عشق سے ذوقِ عبادت، خلشِ حقِ عباد
عقل سے فرقِ حقیقی و مجازی سیکھے
عشق سے بندگی و بندہ نوازی سیکھے

عقل کے پانو سے طے کرکے دو عالم کے طبق
عشق کے ہاتھ سے تحریر کرے دل کا ورق
عقل کی آنکھ سے کرتا ہوا نظارۂ حق
عشق کے کان سے رہ رہ کے سنے غم کا سبق
عقل سے مُلکِ طلب فتح کرے مرد بنے
عشق کے فیض سے فیاض ہو ہمدرد بنے

عقل کے نور سے ہر سود و زیاں پر ہو نظر
عشق اُس سود و زیاں سے ہو بہت بالاتر
عقل تجدید و تجدد کی بنے راہ گزر
عشق قائم رہے ہر حال میں اک حالت پر
عقل ہو فکر بسر، فکر کی بنیاد ہو عشق
عقل حالات کی پابند ہو آزاد ہو عشق

عقل ہو مصحفِ تدبیر و تدبّر کا ورق
عشق تلقینِ عقیدت کا دل افروز سبق
عقل جذبات میں ناحق کو نہ ٹھہرائے حق
عشق وجدانِ حقائق کا ہو ذوقِ مطلق
عقل کو جادۂ بینش میں پس و پیش نہ ہو
عشق ہو مصلحِ کُل مصلحت اندیش نہ ہو

عقل ہو فاتح ابوابِ رموزِ قدرت　　　عشق ہر باب سے ہو داخلِ قصرِ عظمت
عقل ہو دل کی گرہ عشق ہو دل کی بہجت　　　عقل ہو سعی و طلب عشق خمیر و فطرت

عقل کو نور ملے عشق کی تنویروں سے
عقل اقدار سے واقف ہو یہ تقدیروں سے

عقل ہو جزوِ مزاج اور ہو عشق آب و گل　　　وہ تفکر یہ تاثر وہ دماغ اور یہ دل
عقل دل کی حرکت عشق اسی کا حاصل　　　عقل ہو راہ نما عشق حصولِ منزل

عقل ادراک ہو احساس کی طغیانی کا
عشق احساس ہو کیفیتِ روحانی کا

نہ فقط عقل کی اینٹیں ہوں بنائے مسکن　　　نہ فقط عشق کے غنچے ہوں بہارِ گلشن
جامہ زیبِ تنِ فطرت ہے وہی پیراہن　　　عقل اور عشق بہم جس کے ہوں چولی دامن

رشتۂ عزم سے ہر بند بندھے یوں کس کے
نہ تو دامن ہی لٹک جائے نہ چولی مسکے

عقل جلوت بنظر عشق ہو خلوت بکنار　　　عقل ہو عینِ نظر، عشق نگاہِ سرشار
عقل ہو قافلۂ عشق کے جادے کا غبار　　　ناقۂ عشق کی ہو عقل کے ہاتھوں میں مہار

عشق بتلائے خطِ عقل کی پرکار ہے کون
عقل تجویز کرے عشق کا حقدار ہے کون

عقل مخلوق سے تا ہستیٔ خالق ہو رسا　　　عشق خالق سے ہو مخلوق کے دل میں القا
عقل فرماتے، سب اس کے ہیں جو رب ہے، سب کا　　　عشق کی سب پہ عنایت ہو بنامِ مولا

دہر ہے آبِ رواں جو بھی پیے۔ پینے دو
خود بھی دنیا میں جیو غیر کو بھی جینے دو

سب کو دیتا ہے وہ روزی وہ ہوں اچھے کہ بُرے　　　پیٹ بھرنے کے لیے پیٹ میں بھونکو نہ چھرے
نہ کرو تلخ کلامی سے اَرے اور تُرے　　　نیک و بد سب ہیں یہاں ایک ہی گاڑی کے دُھرے

اپنی اولاد کو جب رزقِ مقدر بخشو
شربت و شیر کا قاتل کو بھی ساغر بخشو

جس میں اس زاویۂ فکر سے ہو خوئے کرم — بس وہی وارثِ آدم ہے نہ تُم اور نہ ہم
وہی انساں ہے وہ انسان، ملک جس کے خُدم — ہے مثال اس کی مگر بزمِ کم و کیف میں کم
صور ہو جس کا نفس حشر اٹھانے کے لیے
آپ مرجائے جو مُرتوں کو جِلانے کے لیے

سب کی قیمت وہ اسی ایک نظر سے آنکے — نوکِ مژگاں سے بھرے زخم میں سبکے ٹانکے
غیر کی دولت و نعمت کو نہ تاکے جھانکے — زر لٹاتا رہے، اور آپ بھُنے جَو پھانکے
خوں میں گرمی کی جگہ سوز ہو پروانوں کا
دل میں نُقطے کے عوض دَرد ہو انسانوں کا

شوکت و حشمت و جاہ و حشم و دولت و مال — فرق و جان و جسد و مسکن و ناموس و عیال
بہرِ بہبودِ بشر اس کا ہو سب کچھ پامال — سنگِ غم سے نہ پڑے، آئنۂ قلب میں بال
نفس سے لڑکے جو یوں دہر پہ چھا جاتا ہے
ایسے انسان کو انسان کہا جاتا ہے

راہِ پُرخار ہے انسان کا انساں ہونا — تیغ کی دھار ہے انسان کا انساں ہونا
سخت دشوار ہے انسان کا انساں ہونا — رسن و دار ہے انسان کا انساں ہونا
کس میں ہمت ہے کہ یوں خلق کی خاطر سر دے
سرِ نیزہ ہو اور انسان کا سر اونچا کردے

یہ بنی نوع کی امداد کا جذبہ یہ عطا — ابنِ زہرا کا مقدر ہے بتوفیقِ خُدا
عہدِ طفلی میں بھی ایثار کا یہ عالم تھا — آپ بھوکے رہے بھوکوں کو کھِلایا کھانا
ان کا مخصوص ہے دَر فقر کی شاہی کے لیے
ہل اتیٰ آیا ہے قرآں میں گواہی کے لیے

پانچ چھ سال کے سِن میں یہ کرم عالمگیر — شیرِ مادر کا اثر، خونِ پدر کی تاثیر
خلق جب روزِ ازل انکے ہوئے قلب و ضمیر — آبِ رحمت میں گُندھا جذبۂ خدمت کا خمیر
کہتے تھے غیر بھی سُن سُن کے کہانی ان کی
جب یہ بچپن ہے تو کیا ہوگی جوانی ان کی

سب کو تھی جس کی تمنا وہ جوانی آئی — دردمندی کا شباب اپنے جِلو میں لائی
اُموی دَور نے انسانوں پہ آفت ڈھائی — بہرِ امداد اُٹھے عزم نے لی انگڑائی

کربلا کو انہیں تاریخ نے جاتے دیکھا
راہ میں قاتلوں کی پیاس بجھاتے دیکھا

بھول سکتا نہیں ماضی یہ بھیانک منظر — بچے ہمراہ، کڑے کوس، پہاڑوں کا سفر
قطرۂ آب، نہ تالاب، نہ سایہ، نہ شجر — ہر طرف ریت بھبکتی ہوئی تا حدِّ نظر

ساتھیوں سے بھی ہے کم ساتھ ہے جتنا پانی
اتنے سارے رفقا اور فقط اتنا پانی

کُرۂ نار تھا صحرا تو جہنم تھی فضا — خوفِ حدت سے تھی روپوش حبابوں میں ہوا
ایسے عالم میں مِلا حر کا رسالہ پیاسا — قطرے قطرے کو ترستے تھے وہ محرومِ وفا

صبح سے تھا نہ میسر اُنہیں آیا پانی
موت کے گھاٹ بھی اترے تو نہ پایا پانی

جانے پہچانے ہوئے گو کہ وہ تھے دشمنِ جاں — بندہ پرور کی نگاہوں میں تھے پھر بھی انساں
دیکھ کر ہو گئے بے چین امامِ دوجہاں — قلزمِ دل میں اٹھے رحم و کرم کے طوفاں

مڑ کے فرمایا۔ اخی خدمتِ احباب کرو
بھائی عباسِ دلاور اِنھیں سیراب کرو

وہ تو ہر حکم کی تعمیل پہ باندھے تھے کمر — قافلہ روک کے سقوں کو ندا دی بڑھ کر
عرض کی اور رفیقوں نے کہ زہرا کے پسر — ساتھ بچوں کا ہے۔ پانی نہ لٹائیں سرور

یہ جو مرتے ہیں، عطش سے تو بلا سے مرجائیں
خون کے پیاسے ہیں یہ خوب ہے پیاسے مرجائیں

بھر کے اک آہِ جگر سوز پکارے شہ دیں — یہ اگر خون کے پیاسے ہیں تو ہوں میں تو نہیں
میرے بچوں کی طرح ان میں بھی ہے۔ جانِ حزیں — حق کے جلوے ہیں عیاں ان کی بھی شہ رگ کے قریں

یہ بجا ہے کہ یہ سب ظالم و گمراہ تو ہیں
اِن کا فعل اِن کے لیے بندۂ اللہ تو ہیں

ہو گئے سن کے یہ خاموش جو وہ رتبہ شناس
کھول کر مشکوں کے تسمے یہ پکارے عباس
آؤ اے بھائیو پانی سے بجھا جاؤ پیاس
میرِ کوثر کا یہ صدقہ ہے پیو بے وسواس
جلد پی لو کہ عطش سے نہ بنے جانوں پر
وقف ہے فاطمہ کا مہر مسلمانوں پر

سن کے یہ پھول کی صورت ہوئے پیاسے شاداب
گردِ مشکوں کے بہم بیٹھ گئے شیخ و شاب
پیاس اعدا کی بجھانے لگے انصارِ جناب
ریگ صحرا پہ برسنے لگا رحمت کا سحاب
یوں نہ برسات میں بادل کبھی پیہم برسا
جھوم جھوم ابرِ کرم خوب جھما جھم برسا

دیر سے لو کے تھپیڑوں میں جو تھے تشنہ دہن
ٹوٹے پڑتے تھے پیالوں پہ وہ سب عہد شکن
تھا ہر اک بار یہ ارشادِ شہنشاہ زمن
بھائیو جام ہیں کم اوکھ سے پی لو فوراً
علی اکبر ادھر آؤ یہ پیالے بھر دو
ایک ہی جام پیا ہے ابھی، دو ساغر دو

وہ اک انبوہِ گراں اور ادھر چند نفر
دیے جاتے ہیں یہ بھر بھر کے برابر ساغر
جام ملنے میں جو ہوتا ہے توقف دم بھر
پیاس سے لوٹتے ہیں مثلِ کبوتر مضطر
آبروئے سیرتِ اجداد کی بڑھ کر رکھ لی
مشک سقائے سکینہ نے کمر پر رکھ لی

مشک اٹھائے تھا جو پوتا وہ ابو طالب کا
سب کی نظروں میں پھرا موسم حج کا نقشا
وہ سقایت وہ حرم اور وہ ان کے دادا
وہ پیمبر کے چچا، یہ علی اکبر کے چچا
ظلم ہے اب بھی اگر ان کو کنشتی کہیے
اس عمل کا ہے تقاضا کہ بہشتی کہیے

محوِ الطاف جو تھا ساقیٔ کوثر کا پسر
یا درِ شہ بھی دیے جاتے تھے پیہم ساغر
رونق افروز تھے کرسی پہ شہ جن و بشر
شہ کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک تشنہ جگر
عرض کی دل پہ مرے خنجرِ غم چلتا ہے
ساقیا جام عطا کر کہ جگر جلتا ہے

روبرو شاہ کے رکھے تھے لبالب کئی جام — حکم فرمایا اشارے سے کہ پی لے ناکام
بڑھتے ہی ضعف سے غش کھاکے گرا تشنہ کام — مضطرب ہو کے اٹھے آپ شہنشاہِ انام
ہاتھ سے کھول کے لب، منہ میں چوایا پانی
دستِ فیاض سے خود شہ نے پلایا پانی

دوستو یوں جو مصیبت سے چھڑا دیتے ہیں — جاں بلب ہوتے ہیں جو ان کو جلا دیتے ہیں
اپنا غم فکر میں غیروں کی بھلا دیتے ہیں — اس عنایت کی یہی اُن کو سزا دیتے ہیں
ایک قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہ دیا
تین دن فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیا

آب پی کر ہوئے شاداب جو حر کے احباب — سیر چشموں کی عطا سے ہوئے گھوڑے سیراب
فرضِ خدمت کو ادا کر کے چلے فیض مآب — جذبۂ خیر عمل شاہ کی تھامے تھا رکاب
توسنِ شہ جو بڑھا شیر کو لُوکا حر نے
یہ جسارت تو سنو خضر کو روکا حر نے

عرض کی اور کسی سمت نہ جانا ہوگا — قافلہ شہ کا سوئے شام روانا ہوگا
بولے شبیر کہ تنہا ہمیں جانا ہوگا — مفت یہ خون بہانے کا بہانا ہوگا
خوف کس کا ہے کہ جانِ اسد اللہ رکے
کوئی منزل ہے جو یاں فاطمہ کا ماہ رکے

اس جسارت پہ تھی عباس کو پھر تاب کہاں — غیظ میں بھر کے ڈکارے صفت شیر ژیاں
ہائیں یہ خیر گئی دبے ادبی او ناداں — تیرا ہاتھ اور سمندِ شہِ ذی شاں کی عناں
سامنا کس کا ہے اس کا بھی تجھے پاس نہیں
انگلیاں کاٹ نہ دی ہوں تو میں عباس نہیں

تیرا یہ منہ کہ کرے جانِ علی سے یہ کلام — تیری یہ تاب کہ ہو سدِّ رہِ شاہِ انام
سورما کتنا ہے تو ہم بھی تو دیکھیں ناکام — اب تو گستاخ ذرا آنکھ اٹھا سوئے لجام
کیوں رہِ حق میں پیمبر کا نواسہ رک جائے
غیر ممکن ہے کہ واجب کا ارادہ رک جائے

کس کے منہ چڑھتے ہیں کچھ دل میں نہ سوچا سمجھا
وارث کلمۂ توحید کو تنہا سمجھا
شام والوں کی طرح کیا کوئی بوڈا سمجھا
ہم بھی سمجھیں گے تجھے تو نے ہمیں کیا سمجھا
حیدری شان سے تیور جو بدل جائیں ابھی
توڑ کر قلعۂ گردوں کو نکل جائیں ابھی

حق کی تلوار ہوں میں کوئی سپر روک تو لے
گرز شمشیر سناں تیر تبر روک تو لے
سورما شیرِ جری، اہلِ جگر روک تو لے
ہاتھ کٹوا دوں مرا ہاتھ مگر روک تو لے
میرے ان بازوؤں میں زورِ یداللہ کا ہے
میرے سینے میں کلیجہ اسداللہ کا ہے

اک رسالے کے بھروسے پہ یہ زعم اور یہ اُمنگ
جم بھی سکتا ہے کوئی اپنے مقابل دمِ جنگ
گر اُٹھے غیظ میں تیغِ نگہِ صاعقہ رنگ
ہمرہِ شیرِ فلک گاوِ زمیں ہو چورنگ
نام کوفے کا مٹے۔ شام کی شامت آئے
صور کا دم ہو فنا، اور قیامت آئے

حر نے کی عرض کہ ہے حکم کا بندہ یہ غلام
مجھ سے ناراض نہ ہوں بازوئے سلطان انام
حکمِ شاہی ہے کہ دربار میں حاضر ہوں امام
عذر ہو کچھ تو حراست ہے پھر اس کا انجام
میں خطا دار ہوں خود سے جو کوئی بات کہوں
حکم حاکم ہے اسے مرگِ مُفاجات کہوں

برہمی اور بڑھی سنتے ہی حر کا یہ بیاں
تن کے گونجا اسدِ بیشۂ شاہِ مرداں
حاکمِ شام کے محکوم نہیں شاہِ زماں
کام کیا ہے ہمیں خود کام سے کیوں جائیں وہاں
بے حیا مجلسِ مے خوار میں ہم جائیں گے
سر بھی جائے تو نہ ہرگز یہ قدم جائیں گے

جا کے حاکم کو سنا دے یہ ہمارا پیغام
اس کی تابع تو نہیں ہے کوئی مرضیِ امام
حاکمِ شرع پر اُس کے نہ چلیں گے احکام
اس قدر جامے سے باہر نہ ہو ننگِ اسلام
نشۂ بادۂ نخوت کی خبر آج ملی
مل گئی شام تو گویا شبِ معراج ملی

بے خطا اپنے کو سمجھا ہے جو او خانہ خراب　　کی نہیں بے ادبی تو نے ابھی دے تو جواب
رہبرِ شرع سے یہ کج روئی طرزِ خطاب　　کون سی راہ سے روکی ہے بھلا راہِ صواب
کیا رسالے سے ترے وارثِ قرآن رکیں
چیونٹیاں مورچے باندھیں تو سلیمان رکیں

کیا ہمیں لے گا حراست میں بھلا وہ اظلم　　بند ہوتے ہیں کہیں عقدہ کشائے عالم
خضر کی راہ میں آئیں گے جو اربابِ ستم　　بوترابی ہیں ملا دیں گے انہیں خاک میں ہم
دَب نہیں سکتے جو ارماں ہوں نکلنے والے
کِس سے رُکتے ہیں رہِ شوق میں چلنے والے

غیظ میں گونج رہا تھا جو علی کا صفدر　　ہاشمی شیر تھے باندھے ہوئے نصرت پہ کمر
قاسم و اکبرِ غازی کے وہ بگڑے تیور　　ہاتھ قبضوں پہ۔ نظر حر پہ۔ شکن ماتھے پر
اُس پہ جا پڑتے دلاور کوئی کب مانع تھا
شاہ کا رعب۔ تو عمو کا ادب مانع تھا

زیرِ لب کہتے تھے یہ پیس کے دانتوں کو دلیر　　حر ہے کیا مال جو مرحب ہو تو ہم کر دیں زیر
تھا یہ اکبر کا سخن ایسا کہاں کا ہے یہ شیر　　میرے اک وار میں ہو جائے ابھی خاک کا ڈھیر
رستمِ وقت ہو یا عمرو کا یہ ثانی ہو
ایک تکبیر میں اکبر کی، جگر پانی ہو

ڈال کر ماتھے پہ بل کہتے تھے یہ ابنِ حسن　　اس کی کیا اصل ہے۔ دیں اذن اگر شاہِ زمن
ہم دکھائیں ابھی اندازِ شہِ قلعہ شکن　　پیس دیں مثلِ حنا دم میں تہمتن کا بدن
وہ ہمیں ہیں جو لڑائی کے چلن جانتے ہیں
موت کو بیاہ، شہادت کو دلھن جانتے ہیں

آستیں الٹے ہوئے زینبِ ذیجاہ کے لال　　کہتے تھے ہونٹ چبا کر یہ بصد جاہ و جلال
چھوٹے ماموں کے مقابل ہو یہ حر کی ہے مجال　　ان کے شاگرد ہیں ہم۔ ہم سے کرے بڑھ کے جدال
رقص کرتے ہوئے خوں میں ابھی لاشے دیکھے
پہلے لڑکوں کی لڑائی کے تماشے دیکھے

غیظ اِن سب کے جو حر دیکھ رہا تھا ہر بار — عرض کرتا تھا کہ مجکو نہیں اذنِ پیکار
ہاں مگر پاؤں بڑھانا ہے یہاں سے دشوار — باگ ہٹو انس کے عباس پکارے ہشیار
یہ تجھے ضِد ہے نواب شاہِ امم جاتے ہیں
بڑھ کے تُو روک تو لے دیکھ یہ ہم جاتے ہیں

دیکھ کر بھائی کا یہ غیظ پکارے شبیر — روک سکتا ہے نہیں کون بجز ربِ قدیر
کام لو صبر سے لیکن پسرِ خیبر گیر — صبر زہرا کی ہے میراث ۔ علی کی جاگیر
یہ تو پہلا ہے قدم دُور ابھی جانا ہے
جس پہ مامور ہیں وہ اَمر بجا لانا ہے

سن کے یہ رہ جو گیا سر کو جھکا کر ضرِ غام — حُر کی جانب متوجہ ہوئے آقائے انام
ڈال دیں آنکھوں میں آنکھیں جو بہ اندازِ امام — ہم سخن حُر سے ہوا غیب ، بطورِ الہام
لبِ توفیق نے جتنے بھی سوالات کیے
مُنقلِب اُن کے جوابوں نے خیالات کیے

شاہ زہرا کے پسر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں — نفسِ احمد کے جگر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں
وارثِ خیر بشر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں — نیک دل پاک نظر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں
تیرے حاکم میں یہ اوصاف ہیں بولا کہ نہیں
رجس سے قلب و نظر صاف ہیں بولا کہ نہیں

شہ نے روزہ کوئی چھوڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں — منہ کبھی سجدے سے موڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں
دل کسی شخص کا توڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں — خونِ حُرمت کا نچوڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں
تیرے حاکم میں ہیں یہ عیب ؟ کہا بے شک ہیں
اور بھی عیب ہیں لاریب ؟ کہا بے شک ہیں

شہ میں ہے کوئی برائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں — حُرمتِ شرع گنوائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں
دین پر ضرب لگائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں — ظلم کی تیغ اٹھائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں
تیرے حاکم میں یہ باتیں ہیں ؟ کہا اس نے کہ ہیں
اور کچھ ایسی ہی گھاتیں ہیں ؟ کہا اس نے کہ ہیں

شہ گناہوں میں گرفتار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
ترکِ واجب کے خطادار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
بدعقیدت ہیں، زبوں کار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
بنتِ آدم کے گنہگار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
تیرا حاکم بھی ہے زد میں کہ نہیں ؟ بولا ہے
ہے وہ ستّودرّوں کی حد میں کہ نہیں ؟ بولا ہے

شہ کے ایماں میں خلل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
نیّتِ خیر میں بَل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
بزم میں مکر و دغل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
مئے گلگوں کا عمل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
تیرے حاکم میں یہ سب ہے کہ نہیں ؟ بولا ہاں
پھر تولے دوست غضب ہے کہ نہیں ؟ بولا ہاں

حر کی جانب نگراں تھے جو شہ فیض مآب
شرمگیں ہو کے یہ چپکے سے کیا اس نے خطاب
یہ فقط فوج کے دکھلانے کی باتیں ہیں جناب
آپ پھر جائیں مدینے کو تو ہے عین صواب
مشورے شر کے ہیں، نیّت میں فتور آئے ہیں
اور ہی رنگ ہے جس دن سے حضور آئے ہیں

آج کی رات یہیں کیجیے رک کر آرام
آپ سے دُور بپا کرتا ہوں میں اپنے خیام
پردۂ شب میں چلے جائیں کسی سمت امام
مستعدِ خوں بہانے پہ ہیں یہ ساکنِ شام
ہو جو مُہلت تو کہوں غم کا فسانہ مولا
مختصر یہ ہے کہ دشمن ہے زمانہ مولا

کیا کہوں آپ سے عزمِ نجسِ حاکمِ شام
یہ ارادے ہیں کہ ہو کام شریعت کا تمام
آل کے خون سے رنگیں ہو قبائے اسلام
عترتِ فاطمہ زہرا کا مِٹے خَلق سے نام
ذکرِ بیعت میں نہاں قتل کی تدبیریں ہیں
ایک گردن کے لیے سیکڑوں شمشیریں ہیں

حر کی یہ مصلحت آمیز سُنی جب تقریر
شب میں ٹھہرے اُسی جنگل میں جنابِ شبیر
صبح سے پہلے کیا کوچ، توکّل بہ قدیر
لے گیا کھینچ کے تربت کی طرف جوشِ ضمیر
جس جگہ آ کے کبھی کوئی نہ دل شاد ہوا
چمنِ فاطمہ اس دشت میں آباد ہوا

بولے عباس دلاور سے شہِ جن و بشر — واہ کیا خوب یہ خطہ ہے عزیمت پرور
یہ فضا دشت کی یہ نہر بسانِ کوثر — لطف آ جائے جو ساحل پہ بنے آپ کا گھر
کتنی پیاری یہ جگہ ہے مرے پیاروں کے لیے
ہم خریدیں گے اسے اپنے مزاروں کے لیے

دیکھیے مُڑ کے اُدھر اکبر و قاسم کو ذرا — کھا رہے ہیں وہ ہوا کھولے ہوئے بندِ قبا
پھول ہیں زینب و مسلم کے شگفتہ کیا کیا — کس قدر بھائی ہے شیروں کو سُہانی یہ فضا
بوئے اُنس آتی ہے سب پھولوں سے اور خاروں سے
نرخ طے کیجیے بستی کے زمینداروں سے

سُن کے آقائے جہاں کا سُخنِ وحی اساس — سب زمینداروں کو لے آئے بُلا کر عباس
حاضرِ خدمتِ اقدس جو ہوئے رُتبہ شناس — دی جگہ خُلقِ مجسم نے انھیں اپنے پاس
بولے شفقت سے ۔ عنایت کے طلبگار ہیں ہم
یہ تمہاری ہے زمیں ؟ اس کے خریدار ہیں ہم

یکزباں ہو کے انہوں نے یہ کیا شہ سے خطاب — ہم تو خدام ہیں ، مالک ہیں شہِ فیض مآب
کی ادا قیمتِ مطلوب یہ سنتے ہی شتاب — پھر ہبہ کر دی یہ کہہ کر وہ زمینِ شاداب
بھائیو اور بھی کچھ مانگو تو انکار نہیں
چند قبروں کے سوا کچھ ہمیں درکار نہیں

جب یہ بانو نے سنا شہ نے خریدی ہے زمیں — رو کے بولیں کہ نہ اب جائیں گے گھر کو شہِ دیں
علی اکبر مری صغرا کو بھی لے آؤ یہیں — مر نہ جائے یہ خبر سن کے وہ بیمار حزیں
آپ بھی بھائی کی خدمت میں گزارش کیجیے
بی بی زینب مری بچی کی سفارش کیجیے

ذکرِ صغرا پہ حرم میں جو مچا اک کہرام — رو دیا جھولے میں بے شیر بھی سنتے ہی یہ نام
مسندِ پاک سے گھبرا کے اٹھے شاہِ انام — اُن زمینداروں سے بولے دمِ رخصت یہ امام
خود ہیں نادار و مسافر تمہیں کیا دیں گے ہم
اک کرم اور کروگے تو دعا دیں گے ہم

سب وہ بولے بہ ادب حکم تو فرمائیں امام — آہ بھر کر یہ پکارا پسرِ خیرِ انام
چند ہی روز ہے اس دیس میں بیکس کا قیام — ذبح ہو جائیں گے عشرے کو یہاں سب سرِ شام
منحرف ہم سے جو غربت میں زمانہ ہوگا
قافلہ پیاسوں کا جنت کو روانہ ہوگا

میرے انصار کا بہہ جائے گا مقتل میں لہو — ماؤں کے سامنے سر کاٹیں گے بچوں کا عدو
نیزہ کھائے گا کلیجے پہ کوئی آئینہ رُو — کاٹے جائیں گے لبِ نہر کسی کے بازو
اِک شقی تیرِ جفا سے یہ ستم توڑے گا
میرا بے شیر مری گود میں دم توڑے گا

چادریں چھین کے ناموس کی، سفاکِ زمن — شام تک باندھ کے لے جائینگے شانوں میں رسن
چھوڑ جائیں گے مری لاش کو بے گور و کفن — تم ترس کھا کے مسافر کا بنانا مدفن
نہ کفن مجکو نہ تابوت نہ کاندھا دینا
جس جگہ لاش پڑی ہو وہیں دفنا دینا

عورتیں آئی تھیں جو سن کے شہِ دیں کی خبر — اُن سے پھر ہو کے مخاطب یہ پکارے سرور
بی بیو مرد تمہارے نہ اِدھر آئیں اگر — اِن سے کہنا یہ خدا کے لیے تم پیٹ کے سر
کوئی جس کا نہ ہو سب اس پہ ترس کھاتے ہیں
تم نہیں جاتے تو دفنانے کو ہم جاتے ہیں

وہ تو سب رونے لگیں سُن کے یہ پُردرد بیاں — بولے اطفال سے اُن کے یہ امامِ دو جہاں
آسکیں گر نہ کسی وجہ سے ماں باپ یہاں — کیجیو تم مجھے محتاج سمجھ کر احساں
کھیلتے کھیلتے یاں تک جو چلے آؤ گے
خاک اڑا کر بھی مری لاش چھپا جاؤ گے

رو کے اطفال پکارے کہ ضرور آئیں گے — مرد چلائے کہ ہم حکم بجا لائیں گے
عورتیں بولیں کہ جب تک نہ یہ دفنائیں گے — اِن کو کھانا نہ کھلائیں گے نہ خود کھائینگے
بولے شبیر خدا اِس کا صلہ دے تم کو
فاطمہ کہتی تھیں اللہ جزا دے تم کو

تم مرے لال کا غربت میں بناؤ گے مزار ‏ ‏ میں شفاعت کو تمھاری ہوں ابھی سے تیار
تم اسے روؤ گے سر پیٹ کے، زہرا ہو نثار ‏ ‏ رو سکے گی نہ جسے ہائے بہن بھی ناچار

بیکس و مضطر و دلگیر کے رونے والو
السلام اے مرے شبیر کے رونے والو

١٩٦٧ء

(واقعاتِ کربلا چاند کی زبانی)

عہدِ رفتہ کی طرح گو منتشر اب ہم نہیں　　پھر بھی رفتارِ عمل مربوط و مستحکم نہیں
خیر، جو کچھ کھو چکے، کھو ہی چکے، کچھ غم نہیں　　ہو گیا تنظیم کا سودا، یہ قیمت کم نہیں
ذکرِ ماضی برطرف فی الحال کرنا چاہیے
بڑھ کے مستقبل کا استقبال کرنا چاہیے

کر رہے ہیں روحِ ملت سے عمل کا احتساب　　فکر و دانش کے فرشتے بے حساب و بے کتاب
چہرۂ آیاتِ قدرت سے الٹتے ہیں نقاب　　عزم، محکم سعی پیہم۔ آزمائش انقلاب
حسن یوسف بن کے، روحِ زندگانی آ گئی
ہر ارادے پر زلیخا کی جوانی آ گئی

ایسے عالم میں کہ سب ہیں کامیابِ زندگی　　وقت نے بڑھ کر الٹ دی ہے نقابِ زندگی
کھولتا ہوں موت کی منزل میں بابِ زندگی　　خون کی سرخی ہے عنوانِ کتابِ زندگی
دفن کر کے عصرِ کہنہ کی پرانی لاش کو
سوزنِ ہمت سے سیتا ہوں دلِ صد پاش کو

منزلِ جہد و طلب میں تھا جو کچھ کچھ مضمحل　　اب دھڑکتا ہے نئے احساسِ قوت سے وہ دل
منجمد سمجھی تھی جس کو کائناتِ آب و گل　　بجلیاں سی دوڑتی ہیں اس لہو میں متصل
کون کہتا ہے ہمیں بیدار ہونا چاہیے
ہاں یہ سچ ہے اختتامِ کار ہونا چاہیے

دے رہی ہے اک صلائے عام تنظیمِ حیات　　ہاں کدھر ہیں اہلِ ہمت، فاتحانِ کائنات
ہو رہا ہے امتحانِ جرأت و عزم و ثبات　　مل رہی ہے تا بجد جستجو غم سے نجات
لیلیٰ مقصد اسی نسبت سے ہم آغوش ہے
جس قدر بازو میں طاقت دل میں جتنا جوش ہے

کروٹیں لیتی ہے ذہنوں میں ترقی کی امنگ
منزل تقدیر میں تدبیر کا جمتا ہے رنگ
کیا حیات آموز ہے صہبائے جرأت کی ترنگ
ضرب سے نبضِ عمل کی بج رہا ہے طبلِ جنگ

زور و زر اس عزم کو مغلوب کر سکتے نہیں
قوم کے جذبات دب سکتے ہیں مر سکتے نہیں

قوم بھی وہ قوم جو تیغوں کے سائے میں پلی
سر کٹانا جس کا ادنیٰ کھیل ایسی منچلی
جس کا خوں تاریخ جانبازی کا عنوانِ جلی
رزم گاہِ دہر میں نعرہ ہے جس کا یا علیؑ

زندگی جس کی شجاعت، جس کا میداں کربلا
تن مدینہ۔ سر نجف ۔ دل سامرا ۔ جاں کربلا

ہر نفس جس کا جلال نعرۂ تکبیر ہے
مصحف ایماں کی جو منہ بولتی تفسیر ہے
جس کی شمع راہ منزل اسوۂ شبیرؑ ہے
پشت پر جس کی علیؑ کا دست خیبر گیر ہے

دم فنا ہو جائے دم میں یہ جسے للکار دے
ایسے ویسے کی نہیں پیر دکہ ہمت ہار دے

مرکز عرفان حق ہے جس کا ذوق جستجو
جس کے ماتھے کا پسینہ ہمسر آب وضو
ہر قدم جس کا ہے رہبرانِ شہیدوں کا لہو
رن میں جو مردانِ میدانِ عمل تھے سرخرو

مر مٹے جو زندہ دل انسانیت کے نام پر
خون کی جن کے ہیں مہریں دفتر اسلام پر

مرد جس کے بندگان آستان بوتراب،
عورتیں جس کی کنیز زینب عصمت مآب
جس کے بچوں میں علی اصغر کا عزم کامیاب
نوجوانوں کو عمل آموز اکبر کا شباب

وقت مشکل جس کے بوڑھوں تک کے سینے تن گئے
جب کمر کس لی حبیب ابن مظاہر بن گئے

حکمت و تدبیر سے لبریز ہیں جس کے دماغ
گلشن تہذیب ہے پھولوں سے جسکے باغ باغ
آسمان زندگی کا چاند جس کے دل کے داغ
جس کے خون گرم سے روشن ہیں دانش کے چراغ

جس کی شمع علم سے دل جلوہ گاہ طور ہے
بزم حق میں تا قیامت جس کا قائم نور ہے

ہے امارت جس کے جمہوری تصور کی رقیب
جس کا شجرہ اہل بیت اور اصل خالق کا حبیب
کر دیا جس کو ذوی القربیٰ نے خالق سے قریب
غیب سے ہر دم ہے ناظر جس کا روحانی طبیب
فتحمندی پھر صدا دیتی ہے جس کو دور سے
جس کو نسبت ہے امام فاتح و منصور سے

جس کی طینت میں ہے شامل عشق دین مصطفیٰ
چومتی ہے جس کے لب کیفیت جام ولا
جس کے ہونٹوں پر ہے نازاں بادۂ صبر و رضا
خاص جس کے میکدے .. بطحا - مدینہ - کربلا
انگلیاں جس کی درِ خیبر گرانے کے لیے
اور کمر لاشیں جوانوں کی اٹھانے کے لیے

جس کا گریہ خندۂ صبح ازل سے کم نہیں
قوتِ بازو کی گویا مشق ہے ماتم نہیں ،
جس کے قابل جز غم شبیر کوئی غم نہیں
جس کی ہستی مستقل ہے مدغم و منضم نہیں
وصف جس کا حریت - قید قفس کے بعد بھی
مر کے جو زندہ ہے تیرہ سو برس کے بعد بھی

ہے جسے سن ساٹھ سے حاصل یہ نظم و انصرام
فیض مجلس سے سمٹ آتے ہیں یکجا خاص و عام
زندگانی کے ہر اک شعبے میں ہے ذوق تمام
منضبط علم و تمدن - مستقل دینی نظام
جس کا قرآں ، وہ خزانہ جس کی کنجی آل ہے
دولتِ اسلام کا ہر طرح راسُ المال ہے

جس کا مسلک ہے سیاسی نکتہ چینوں سے الگ
دینوی تہذیب کے جھوٹے نگینوں سے الگ
ہے نظر ماضی پہ جس کی سطح بینوں سے الگ
آسماں جس کا نشیمن ہے زمینوں سے الگ
یہ عروج و ارتقا جس کا نہیں کچھ آج سے
دائمی رشتہ ہے محکم صاحب معراج سے

تخت شاہی مقصد تخلیق ہے جس کا نہ تاج
مختلف دنیا سے ہے جس کی سیاست کا مزاج
مضطرب ہے روح جس کی قتل و خونریزی سے آج
جسکے ذمے ہے زمانے بھر کا روحانی علاج
یہ کفن دزدان عالم کیا سنواریں گے اُسے
اس کے جوہر خود جلا دیکر نکھاریں گے اُسے

کون ہے وہ قوم۔ سطحِ خاک پر گردوں نشیں   سربراہِ اوّلیں جس کے ہیں ختم المرسلیں
یاد رکھیں آسماں والے۔ سنیں اہلِ زمیں   والقمر کی رو سے ہم ہیں وارثِ ماہِ مبیں

چھپکے چھپکے ہوتے رہتے ہیں اشارے چاند سے
گفتگو کرتے ہیں بچے تک ہمارے چاند سے

اے خلا پیما فضائے پُر فضا کے رہ نورد   یہ خلائیں جو بظاہر ہیں سیہ، خاموش، سرد
ان خلاؤں میں بزیرِ آسمانِ لاجورد   منتشر اب تک ہمارے کاروانوں کی ہے گرد

پوچھ لو قوسین کی منزل کتاب اللہ سے
ہم گئے ہیں لامکاں تک کہکشاں کی راہ سے

تھا شبِ اسریٰ ہمارا پہلا زینہ یہ قمر   آج للچائی ہوئی پڑتی ہے جس پر ہر نظر
اُنس ہے اہلِ زمیں سے اُس قمر کو اس قدر   ہو کے دو ٹکڑے گواہی دی نبی کی چرخ پر

پہلے دل میرا لبھاتا تھا بہت اس کا کمال
ہم سخن ہے اب یہ مجھ سے دیکھ کر میرا کمال

مجھ سے کہتا ہے اشاروں میں کہ اے روحی فداک   طینتِ مہرِ عرب کا ہے بقیہ تیری خاک
نقشِ پائے صاحبِ لولاک پر چل بے تپاک   جنبشِ انگشت سے کر دے ہر اک پردے کو چاک

نفسِ امارہ سے اول جنگ کر عمار بن
پھر فضائے ارتقا میں جعفرِ طیار بن

تو ہے اس کا مستحق اے قدوۂ نوعِ بشر   چاند پر پہلے ترا نقشِ قدم ہو جلوہ گر
تیرے قائد کے سوا دنیا میں کس کا ہے وہ گھر   چرخ نے تارا اتارا جس کی ارضِ پاک پر

پھیرنا قسمت کا کیا مشکل نبی کے واسطے
ڈوب کر پلٹا نہ تھا سورج علیؑ کے واسطے

تیرا رشتہ اس جلالِ کبریا سے استوار   جو براقِ برقِ ایمن کا حقیقی شہسوار
کل ستارے جس کی گردِ پائے دلدل پر نثار   ایک صورت، پانچ جلوے، قدرتِ پروردگار

مقصدِ تطہیر ان پانچوں سے پورا ہو گیا
مصحفِ عصمت کا گویا پنجسورہ ہو گیا

ہیں انہیں جلووں کے سائے آدمی کے خضرِ راہ — جن کی بیدار عمل راتوں کا میں عینی گواہ
ان کی سیرت منبع تہذیب اربابِ نگاہ — ان کی الفت دیدبان حملۂ جرم و گناہ

ایک نادیدہ تجلی عالمِ محسوس میں
اک چراغِ کبریائی جسم کے فانوس میں

ان نفوسِ پاک کی الفت کا جو ہے مدعی — فرض ہے اس پر تولا کے سوا کچھ اور بھی
یہ ہے اک مانا ہوا محکم اصولِ زندگی — دوست کی مرضی پہ چلنا ہے شعارِ دوستی

عشقِ صادق ذوقِ تسلیم و رضا کا نام ہے
یہ نہ ہو تو دوستی ناکام، الفت خام ہے

دوستی کی شرط کیا ہے جذبہ نصرت سے پوچھ — منزلیں اس کی کلام اللہ کی آیت سے پوچھ
بسترِ ختم الرسل سے اور شبِ ہجرت سے پوچھ — دل میں جو کفار کے بیٹھی تھی اس ہیبت سے پوچھ

دوستی کا مدعی۔ محبوب کے فرمان سے
سو رہا تھا زد میں تلواروں کی اطمینان سے

میں نے مانا یہ عزیمت یہ شکوہ آہنیں — چند ہی ذاتوں کا ہے بس منظر عین الیقیں
لیکن اس کی گرد کو پانا تو مشکل تر نہیں — اٹھ۔ کمر کس لے۔ بدل تیور۔ چڑھا لے آستیں

الفتِ شبیر کا رشتہ عمل سے جوڑ دے
پسلیوں سے پھر اگر چاہے تو بھالیں توڑ دے

میں نے یہ مانا کہ گریہ ہے ترا اک فرضِ عین — جو ہے صدیوں سے شعورِ انجمن کی زیب و زین
باادب اتنی گزارش ہے کہ وقتِ شور و شین — آنسوؤں کے آئنے میں دیکھ کردارِ حسینؑ

راس آیا تجکو رونا۔ خوب رو جی کھول کر
روح کو نیکی ترازوے ولا میں تول کر

چاند کے منہ سے یکایک سن کے یہ مطلب کی بات — بولا اٹھا شاعر کہ اے نورِ حیاتِ کائنات
اور کچھ اس مسئلے کے واضح و روشن نکات — میری نظروں میں تو انساں کی عمل سے ہے نجات

فلسفے کی رو سے گریہ ایک ایسا کام ہے
یاسیت جس کا نتیجہ۔ بزدلی انجام ہے

چاند اس فقرے سے چمکا اور کہا بازیب و زین — اے مطیع ملّت پیغمبر بدر و حنین
بزدلی کرتا اگر پیدا کہیں یہ شور و شین — مر چکے ہوتے کبھی کے سب عزادار حسینؑ

جس میں ہو احساس کی شدت تہور ہے وہی
اشک کے جو دُر لٹاتا ہے بہادر ہے وہی

فلسفہ کتنی ہی گو بحثیں کرے با شدّ و مد — کیا دلیلوں سے کہیں احساس کا ممکن ہے رد
فلسفہ دراصل ہے اک عقل ظاہر بیں کی حد — فلسفہ مبنی ہے ظنّیات پر اے ذی خرد

فلسفہ وہم و گماں ہے ذہن کی پرواز ہے
اشک غم دل کا یقیں ہے درد کا اعجاز ہے

مختلف نوعیتیں رونے کی ہیں سمجھے کوئی — ایک وہ رونا ہے جب طاقت سے دب کر آدمی
کرب میں رونے لگے ظاہر ہو جس سے بے بسی — التجا اشکوں سے ٹپکے رحم کی، امداد کی

یہ فغان و آہ فقدانِ خودی کی بات ہے
اس طرح رونا یقیناً بزدلی کی بات ہے

لیکن اک مظلوم کا جب درد پیہم ہو بیاں — خون کھولے جسکو سن کر تیز ہو نبضِ رواں
انتقام ظلم کے جذبات لیں انگڑائیاں — اور ظالم ایسے عالم میں ہو نظروں سے نہاں

آنکھ سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں فرطِ جوش میں
کیا یہ گریہ بزدلی ہے چشم اہل ہوش میں

مطلقاً رونے کو سمجھا ہے جو تو نے بزدلی — ایسی کیفیت نہیں طاری ہوئی تجھ پر کبھی
ان کا حصہ ہے یہ کیفیت یہ غم کی بے خودی — موجزن دل میں ہے جن کے قلزم حب علیؑ

اس طرح کی ضرب غم سے جب ترا دل شق نہیں
تجکو انجام عزا پر تبصرے کا حق نہیں

میں ہوں شاہد اور اجرام سماوی سب گواہ — گریہ کن ملّت سے کتنے ہی اٹھے اہل نگاہ
فلسفی، شاعر، مورخ، اہل دل، اہل سپاہ — فاتح عالم، مصنف، موجد فن، باج خواہ

خود بھی ابھرے، کفر کی کشتی ڈبوتے بھی رہے
اور یہ سب مظلوم کی مجلس میں روتے بھی رہے

ایک فطری شے ہے رونا وہ بھی اس مظلوم پر، جو نبی کا دل، علیؑ کی روح، زہرا کا جگر
جو مفاد عامہ کی راہ میں گھر چھوڑ کر، ایک مدت تک رہا گرمی میں سرگرم سفر

اُس کا صدقہ ہے کہ اب بازار ظلمت سرد ہے
چاندنی میری اسی کے کارواں کی گرد ہے

کتنی راتیں تھیں کہ جا کر میں نے اس کے روبرو، کی خطوطِ رخ سے پیہم رازِ دل کی جستجو
قلب کی گہرائیوں میں تھی یہی اک آرزو، دین ہم مٹنے نہ دیں گے چاہے بہہ جائے لہو

بستیوں کی سمت رخ تھا اور نہ جنگل کی طرف
جذبِ حق کھینچے لئے جاتا تھا مقتل کی طرف

تیسویں ذی الحجہ کو اک منزل پہ میں نے وقت شام، دور سے جھک کر کیا مہر امامت کو سلام
جیسے واقف تھے کہ رویت ہے شہادت کا پیام، دیر تک دیکھا کیے کس پیار سے مجھکو امام

جوش قربانی رگِ گردن کو تڑپاتا رہا
آئنے میں شمر کا خنجر نظر آتا رہا

میں تو رخصت ہو گیا۔ مجبور رخصت تھا مگر، دوسرے دن شام کو تاروں نے دی مجھ کو خبر
ماہ زہرا نے اسی منزل پہ وہ شب کی بسر، تربیت دی حسب مقصد ساتھیوں کو رات بھر

شوق سے جانباز قائد کے سخن سنتے رہے
فکر خوش ہوتی رہی۔ جذبات سر دھنتے رہے

تھا مدلل اس قدر جان پیمبر کا بیاں، تھی دہان پاک میں گویا محمدؐ کی زباں
ہاتھ رکھ دیتے تھے قبضوں پہ سن سن کر جواں، جوش میں مٹ مٹ گئیں بوڑھوں کے رخ کی جھریاں

بات کی تاثیر بھی تھی شاہ کا اقبال بھی
تان کر سینے کھڑے ہو ہو گئے اطفال بھی

ذکر مردوں کا ہے کیا عورات پر تھا یہ اثر، کہہ رہی تھیں بنت زہرا کس کے ہمت کی کمر
بی بیو سنتی ہو، باطل دین پر ہے حملہ ور، میں بھی صدقے میرے بچے بھی فدا اسلام پر

صبر و استقلال کی مانگو دعا میرے لیے
آج سے اک اک نفس ہے کربلا میرے لیے

وہ شبِ غرّہ انہی باتوں میں فرما کر بسر
منزلِ مقصود پر آیا محمّد کا قمر

کربلا میں بالتسلسل تھیں مرے پیش نظر
دس شبیں ذی قدر جو وَالفجر میں ہیں مستتر

محترم اتنی کہ شامل دین میں ایمان میں
کھائی ہے جن کی قسم اللہ نے قرآن میں

کربلا کی یہ شبیں دنیا میں تھیں محشر بدوش
مضطرب جن میں دو عالم ۔ مطمئن ارباب ہوش

بھر دیا تھا دل میں شیروں کے قیادت نے وہ جوش
فکرِ مقصد کا جو تابع ۔ دفعِ شر میں سخت کوش

ظلم کے طوفاں فضا کی گود میں پلتے رہے
یہ چراغ ان آندھیوں میں متصل جلتے رہے

دل میں تھا ہر شمع کے قلب بشر کا سوز و ساز
اور نسیم نینوا میں کیف خوشبوے حجاز

رفتہ رفتہ آ گئی وہ اک شبِ تاریخ ساز
جس کے سینے میں بہتّر تھے دل انساں نواز

کفر سوز و حق فروز و مطلع الانوار تھی
عالم انسانیت کا طالع بیدار تھی

میں نے دیکھی ہے بچشم حال لے اہل نگاہ
وہ شب عاشور اہل شام کا بخت سیاہ

یا حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھیوں کا دود آہ
یا ابوسفیان کی پھیلی ہوئی فرد گناہ

یہ جو اک دھبّا سا ظاہر روئے نورانی میں ہے
داغ اس شب کا ابھی تک میری پیشانی میں ہے

اک طرف وہ قرب ساحل ظلمت فسق و فجور
اک طرف ریتی کے ہر ذرے میں برق کوہِ طور

ایک جانب تیرگی و تیرہ بختی کا وفور
دوسری جانب تجلی ۔ روشنی ۔ تطہیر ۔ نور

کفر اُدھر، ایماں اِدھر، مستی اُدھر عرفاں اِدھر
رقص اُدھر، طاعت اِدھر، نغمے اُدھر قرآں اِدھر

وہ شب غم تیرہ و تار اہل ظلمت کے لیے
صبح نو لیکن مہیائے شہادت کے لیے

لیلۃ القدر اس جہانِ عزم و ہمت کے لیے
اِک شب معراج چشم و دل کی رفعت کے لیے

ہر طرف پھیلی ہوئی توحید کی تنویر تھی
چاندنی میری بھی زیر چادر تطہیر تھی

یاد ہے مجکو کہ اک خیمہ بشکل امتیاز نصب تھا اس دشت میں، بچھی تھی جس میں جانماز
نافلہ خواں تھے یہاں خلوت میں سلطان حجاز ایک عبد پر نیاز اور اک خدائے بے نیاز

روح و دل فرش زمیں پر عرش سے چمٹے ہوئے
ایک خیمے میں مکان و لامکاں سمٹے ہوئے

وہ قراءت کی ادا داؤد کو جس سے نشاط سورۂ "الحمد" محو حمد رب کو انبساط
"نعبدُ" اور "نستعینُ" میں خدا سے اختلاط "اِہدِنا" سنکر پکاریں خضر۔ مولا! "اَلصّراطَ"

لفظ "انعمتَ" ہر اک مغضوب حق پر بار ہو
ضاآلیں کے واسطے مد کی کشش تلوار ہو

وہ مصلّٰی وہ مصلّی وہ وظیفہ وہ نماز وہ تعبّد جس پہ خود اخلاص نیت کو ہے ناز
یوں جھکے بہر سجود حق بصد عجز و نیاز ہوگیا سجدہ بھی پیشانی سے ان کی سرفراز

نور عرفاں کا جبین ضو فشاں گنجینہ تھی
عکس حق تھا جلوہ پرور سجدہ گہ آئینہ تھی

کیا وہ سجدہ تھا مصمم عزم قربانی کے ساتھ جس کا مقصد حل مشکل، اور آسانی کے ساتھ
ملّت بیضا کا احیا نور ایمانی کے ساتھ سب کے حق کا پاس بھی حق کی نگہبانی کے ساتھ

دید کو گردوں پہ سیارے جھجک کر رک گئے
ایک پیشانی کے جھکتے ہی دو عالم جھک گئے

نصف شب کے تھے مناظر کچھ عجب ذوق آفریں وہ بشاشت رُخ پہ تھی پیاسوں کے جو دیکھی نہیں
سب کے سب تھے باوفا، خوددار، ضابطہ بایقیں دائرے میں عزم کے اخلاص کا حصن حصیں

مرتکز جن کی نظر تھی ہم پیام وقت پر
اور آنکھیں چشم و ابروئے امام وقت پر

وہ حبیب ابن مظاہر وہ بریر ذی وقار وہ ہلال ماہ پیکر وہ زہیر نامدار
پیاس جن کی چشمۂ آب بقا سے ہمکنار پپڑیاں ہونٹوں کی وہ اوراق گل جن پر نثار

تشنۂ صہبائے نصرت زندگی سے سیر تھے
نہر کے دستے انہی پیاسوں کے ڈر سے زیر تھے

سورما، جانباز، غازی، پرجگر، شیر ژیاں　　علم کے دریائے بے پایاں، عمل میں بیکراں
حافظ قرآن، راوی، واعظ شیریں بیاں　　عمر کی رو سے مسن اور عزم کی رو سے جواں

جب کمر کس کر ہوئے تیار نصرت کے لیے
خود پلٹ آیا شباب ان کی زیارت کے لیے

ایک جا عون و محمد با حمیت باادب　　فرد، چیدہ، برگزیدہ، حق رسیدہ، منتخب
بعد سبطین رسولِ پاک مابین عرب　　بس یہی ہیں مادری جن کی زباں قرآن رب

سن ہیں کم لیکن بڑے عرفان کے درجے پائے ہیں
معنی نصرت سمجھ کر بہر نصرت آئے ہیں

وہ علی اکبرؑ کہ تصویر رسولؐ بحر و بر　　میں نے دیکھا تھا انہیں بھی یہ بھی تھے پیش نظر
شکل میں رفتار میں لہجے میں خو میں سر بسر　　جیسے اٹھارہ برس کی عمر میں خیر البشر

فرق نقطے کا نہیں بالکل وہی عنوان ہے
حال میں حل ہو گیا ماضی خدا کی شان ہے

اللہ اللہ اس جری کی مادر عالیجناب　　ام لیلا نام اور ہمرشتہ ام الکتاب
محرم اسرار نصرت ابتلا میں کامیاب　　عزم قربانی کی جن کے روح اکبر کا شباب

یہ تمنا ہر قدم پر یہ دعا ہر گام پر
سب سے پہلے میرا بیٹا ہو فدا اسلام پر

حضرت عباس غازی دلبر شاہ حنین　　کربلا میں دست و بازوے امام مشرقین
کھو دیا تھا پیاس نے بچوں کی جنکے دل کا چین　　چھین لیں دریا کو تنہا گر نہ مانع ہوں حسینؑ

ضبط جذبات وغا سے منقبض ہوتے رہے
تیغ کی صیقل سے زنگ طبع کو دھوتے رہے

جنگ کے فن میں بھی کامل، فقہ میں بھی محترم　　مالک سیف و قلم اور وارث عِلم و عَلم
ناصر حق باوفا حمزہ شیم جعفر حشم　　حیدری اوصاف کے حامل بفرق بیش و کم

پاسبان آل۔ نائب شاہ خیبر گیر کے
حافظ قرآن ناطق۔ معتمد شبیرؑ کے

اپنی اپنی خیمہ گاہوں میں زنانِ خاندان — دل کے ٹکڑوں کو لیے بیٹھی تھیں بہرِ امتحاں
پوچھتی تھی اپنے مہ پارے سے یہ ایک ایک ماں — کیا کروگے تم سحر کو رن پڑے گا جب یہاں
کہتے تھے کل رو جہادِ حق میں مارے جائیں گے
خون میں ڈوبیں گے کوثر کے کنارے جائیں گے

کیا سناؤں ان حسینانِ بنی ہاشم کا حال — بھولی بھولی صورتیں تھیں اور جھنڈولے انکے بال
اپنی عمروں سے سوا حق فہمی و جاہ و جلال — دودھ کی تاثیر اور زورِ قیادت کا کمال
اف وہ کیا کیا ظلم اس سن میں خوشی سے سہہ گئے
بن کے شبنم میرے آنسو بھی ٹپک کر رہ گئے

ام فروا بیوہ شبّر بقلبِ بے قرار — لے کے قاسم کی بلائیں کہہ رہی تھیں بار بار
صبح جب فوجِ خدا پر حملہ ور ہوں نابکار — تم علی اکبر سے پہلے سر کٹانا میں نثار
سرخرو ہو جلد نانا سے اسی میں خیر ہے
بات کہنے میں نہ آجائے کہ بھاوج غیر ہے

ایک گہوارے میں دیکھا ایک طفلِ نیم جاں — پیاس سے منکا ڈھلا تھا منہ سے نکلی تھی زباں
ماں کی ہمت اللہ اللہ جس کی تھیں یہ لوریاں — شیر کے پوتے ہو، لو انگڑائی، اٹھو میری جاں
کل لڑائی ہے سپاہِ ظلم کی شبیر سے
سب کی تلواریں چلیں گی کھیلنا تم تیر سے

میں نے ان باتوں سے جانبازوں کی پرکھی تھی جو خو — روزِ عاشورہ نے کی تصدیق اس کی مو بمو
ان عزائم پر عمل کی تجکو ہے گر جستجو — شمس سے اس باب میں کرنا کسی دن گفتگو
موت اسی کے سامنے ان غازیوں سے پست تھی
رات تک مقتل میں قربانی ہی بالادست تھی

گیارھویں شب! مجکو لگ جاتا گہن اس شب میں کاش — دیکھنا پڑتے نہ وہ منظر بھیانک دل خراش
بے کفن عریاں، زمیں پر سبطِ پیغمبر کی لاش — جسمِ آغشتہ بخون و پائمال و پاش پاش
اف سناں کی نوک پر سر مصطفیٰ کی جان کا
حال دُہراتا ہوا صفین اور قرآن کا

اک طرف جھلسے ہوئے آلِ پیمبر کے خیام
اُن میں تھا اسباب جتنا جل چکا تھا وہ تمام
ادھ جلی چیزیں خصوصیت سے عبرت کا مقام
ایک وہ کرتہ جو پہنے تھی سکینہ وقتِ شام
ایک جھولا شیرخوار سیّد ابرار کا
ایک تکیہ ایک بستر عابدِ بیمار کا

چند بچے ایک جانب سہمے سمٹے نیم جاں
ظالموں کی انگلیوں کے جن کے گالوں پر نشاں
بے رِدا کچھ بی بیاں ، آمادۂ صد امتحاں
جنکے کرُتے پشت سے چپکے ہوئے اور خوں فشاں
کہتی ہیں شکلیں کہ ہمت میں کمی آئی نہیں
تھک گئے ظلم وستم لیکن یہ گھبرائی نہیں

خواہرِ شبیر بارِ غم سے خم جن کی کمر
گرد ان خیموں کے مصروف طلایہ بے خطر
ہاتھ میں اک چوبِ نیزہ ہوشیار و باخبر
پاسبانوں کی طرح چاروں طرف پیہم نظر
دل میں اندیشہ نہ خاطر میں جگہ وسواس کی
جانشینی کر رہی تھیں اکبر و عباس کی

دوش پر ان کے جو تھا بارِ امانات امام
تھی نظر پیہم فرائض پر بحسن اہتمام
چونک پڑتا تھا اگر سوتے میں کوئی لالہ فام
دوڑ کر آتی تھیں گھر میں خواہرِ شاہِ انام
غمزدہ اطفال کی خدمت بجا لاتی تھیں آپ
پھر طلایے کے لیے اٹھ کر چلی جاتی تھیں آپ

کہہ رہا تھا میں بھی تارے بھی فلک بھی عرش بھی
مرحبا اے سرپرستِ عترتِ پیغمبری
وہ عمل ہے آپ کا جس کا محل ہے مقتضی
گھر میں بنجاتی ہیں زہرا گھر کے باہر ہیں علیؑ
نقش ہیں یہ حوصلے اب صفحۂ آفاق پر
ختم ہے تاریخ مظلومی انہی اوراق پر

گشت میں مصروف تھیں جانِ نبی کی سوگوار
ناگہاں دیکھا کہ آتا ہے نجف سے اک سوار
چوبِ نیزہ تان کر بنتِ علی نے ایک بار
دی صدا للکار کر او آنے والے ہوشیار
روک لے فوراً عناں اب توسنِ چالاک کی
اِس جگہ عترت فرد کش ہے رسولِ پاک کی

سن کے یہ رد کا نہ جب اس نے سمندِ تیز پا　　بڑھ کے یہ بولیں کہ اے راکب خدارا رحم کھا
سوتے ہیں بچے ابھی رو رو کے بے آب و غذا　　چونک اٹھیں گے تری آہٹ سے غم کے مبتلا

نیمجاں دردِ یتیمی سے ہیں گھبرائے ہوئے
بھوکے پیاسے زخم خوردہ سیلیاں کھائے ہوئے

جب یہ سنکر اور بھی تیزی سے وہ راکب بڑھا　　غیظ میں بھر کر پکاریں دخترِ خیر النسا
بات سنتا ہی نہیں آخر مجھے سمجھا ہے کیا　　میں ہوں زینب۔ خواہر عباس۔ بنت مرتضیٰ

لٹ چکے ہیں جو انہیں پھر لوٹنے آتا ہے تو
غیرتِ منظلومیت کو جوش میں لاتا ہے تو

التجا زینب کی جب یہ بھی نہ راکب نے سنی　　تھا یہی فرضِ نگہبانی کہ پھر مہلت نہ دی
باگ گھوڑے کی بصد جرات جھپٹ کر تھام لی　　دی صدا راکب نے زینب! میں علیؑ ہوں میں علیؑ

مرحبا یہ استقامت ہے تو پھر کچھ غم نہیں
تو ادائے فرض میں بھائی سے اپنے کم نہیں

عرض کی رو کر لٹا سب گھر، کہاں تھے یا علیؑ　　جبکہ بچھڑے اکبر و اصغر کہاں تھے یا علیؑ
جب کٹا میرے اخی کا سر کہاں تھے یا علیؑ　　جب چھنی رن میں مری چادر کہاں تھے یا علیؑ

یہ بیاں سُن سُن کے حیدر جان کھوتے تھے نسیم
باپ اور بیٹی گلے مل مل کے روتے تھے نسیم

۱۹۷۴ء

علم ہے جانِ عمل علم سے ہے شانِ عمل
علم ہی شانہ کشِ زلفِ پریشانِ عمل
دیدۂ عقل جو پائے کہیں پایانِ عمل
علم ہی علم ملے تا حدِ امکانِ عمل

باعمل تھے نہ عمل ہی نے جنم پایا تھا
عَلَّمَ آدَمَ الاَسماءَ تو جب آیا تھا

بحثِ فی الارض خلیفہ کا یہ مضمون ہوا اٹل
پست ہیں علم کی رفعت سے ملائک کے عمل
مفتخر تھے جو وہ تسبیح پہ اوّل اوّل
کہہ کے لا علمَ لَنا خود یہ گرہ کر دی حل

شاہد اس فیصلۂ غیب کا قرآن ہوا
جس نے کی علم کی تحقیر وہ شیطان ہوا

علم کی نہر رواں قلزمِ قدرت سے بہی
اک نمی جس کی ہے کونین کی بالغ نگہی
علم نے گوشِ خرد میں مرے یہ بات کہی
میں ہوں اک وصفِ الٰہی، وہ مجازاً ہی سہی

عینِ ذات اُس کا ہے علم اس سے جدا ہی کب ہے
یہ جدا ہو تو خودی ہے وہ خدا ہی کب ہے

علم تخمیرِ چمن، علم شجر، علم ثمر
علم تقدیرِ زمن، علم قضا، علم قدر
علم نظارہ کشِ ناظر و منظور و نظر
علم ہی پردہ درِ غیب و حجابِ اکبر

قابِ قوسین بھی ہے وحی کا ہمراز بھی ہے
علم محبوب کے محبوب کی آواز بھی ہے

علم مشاطۂ تخلیق کا ہے خمیازہ
علم آوازِ سرِ طور کا ہے آوازہ
علم اقدار کا اندازۂ بے اندازہ
علم روئے سحرِ کُن فیکوں کا غازہ

تا سَلُونی، یہ قدامت کا مزہ تازہ ہے
علم ہی شہر ہے اور علم ہی دروازہ ہے

علم ہے کاشفِ اسرار بھی اور راز بھی ہے　　طائرِ عالمِ ہُو کا پر پرواز بھی ہے
سر بسجدہ بھی ہے، سجدے میں سرفراز بھی ہے　　سوزِ دل سوز بھی ہے، سازِ خدا ساز بھی ہے
جب ہو خاموش تو قرآن مبیں ہوتا ہے
بول اٹھے تو یہی روحِ امیں ہوتا ہے

منصبِ خضر پہ ہر راہ میں مامور ہے علم　　دور ہے منزلِ مقصد بھی اگر دور ہے علم
جہل ہے سنگِ گراں صاعقۂ طور ہے علم　　چشمِ یعقوب بصیرت کے لیے نور ہے علم
ظلمتوں میں بھی وہ دیکھے گا جو ہوگا بینا
جلوہ گاہوں میں بھی پائے گا نہ کچھ نابینا

علم کے ہاتھ میں ہے توسنِ جودت کی لگام　　خرد و عقل ہیں بے علم ہمیشہ ناکام
علم سے دور جو ہو اس کا ابوجہل ہے نام　　اور جو ہو علم میں راسخ وہ نبی یا ہے امام
علم کی شان فقیری میں نہ شاہی میں ہے
بات سیدھی سی یہ ہے علم الٰہی میں ہے

فیض سب علمِ الٰہی سے نبی نے پایا　　جو ملا حق سے نبی کو وہ علی نے پایا
سب نے ہی پایا۔ بعینہٖ نہ کسی نے پایا　　پھول کا رنگ جو پایا تو کلی نے پایا
حق نے بھیجا جو نبی کے لیے حقّاً حقّا
نفس کو اپنے دیا آپ نے زقّاً زقّا

علمِ احمد جو شہ عقدہ کشا تک پہنچا　　راست وہ سب حسنِ سبز قبا تک پہنچا
سبطِ اصغر کو ملا، زینِ عبا تک پہنچا　　شکلِ قرآں میں آیا تھا، دعا تک پہنچا
بعد اجمال کے تشریح کی باری آئی
گھر میں سجاد کے باقر کی سواری آئی

وارثِ مسندِ احمد ہیں جنابِ باقر　　جانشینِ جدِ امجد ہیں جنابِ باقر
جعفری فقہ کے مسند ہیں جنابِ باقر　　باقرِ علمِ محمد ہیں جنابِ باقر
بال کی کھال اتاری، رگ و ریشہ چیرا
نشترِ فکر سے ذرّات کا سینہ چیرا

علم ہی علم ہے، آغاز بھی انجام بھی وہ — نور ہی نور ہے بس، صبح بھی وہ شام بھی وہ
جس کو خود کام بھی اچھا ہی کہیں، کام بھی وہ — جو محمد کا لقب نامِ خدا نام بھی وہ
دل میں محفوظ بھی ہیں، لوح میں مرقوم بھی ہیں
پانچویں ہادیِ دیں، ساتویں معصوم بھی ہیں

پارۂ مصحفِ اعجازشہ بدر و حنین — سورۂ محکم تفسیر رسول الثقلین
آنکھیں آیات کی دیکھا کریں وہ نور العین — ان کی ماں بنت حسن ان کے پدر جانِ حسین
کُل ائمہ میں یہی وہ دُرِ یکدانہ ہیں
اک امام آپ کے دادا ہیں تو اک نانا ہیں

ہر سخن مدرسۂ فکر شہ بدر و حنین — شکل انساں میں احادیث رسول الثقلین
زندگی زہد، غذا علم، بکا نصب العین — شامل کرب و بلا یوسف یعقوب حسین
راہ مولا میں جو بچپن سے کنویں جھانکے ہیں
جامۂ حق میں بصیرت کے گہر ٹانکے ہیں

دم سے ان کے حق و باطل کی رہی حد قائم — علم باقی ہے تو ہے علم کی مسند قائم
رہ گئے ان کی جد و کد سے اب و جد قائم — اک محمد سے انھیں کے ہیں محمد قائم
جد علی باپ علی وہ گُل گلزار علی
اس محمد کے گھرانے میں ہوئے چار علی

دے دیا ہے جو محمد نے انھیں اپنا نام — سحر و شام انھیں علم محمد سے ہے کام
جب تو ہے چشم نبی میں وہ بلند ان کا مقام — یا تو زہرا کو کیا آپ نے یا ان کو سلام
میری خاطر سے نہیں، دیں کی خاطر پوچھو
جاؤ اصحاب میں ہوں گے کہیں جابر پوچھو

شکل ظاہر کے مرقع کی ہیں آیات مبیں — قد میانہ تو چمکتے ہوئے رخسار حسیں
بال بھورے، کئی بل کھائے ہوئے، نرم جبیں — حسن یوسف میں صباحت تو یہ حسن نمکیں
رنگ پھیکا ہو نہ کیونکر مہ کنعانی کا
کچھ زمانے میں مزہ ہے تو نمک پانی کا

چشمۂ فیض سے تھے علم کے دریا جاری | جن کی ہر موج سے کونین کو تھی سرشاری
تشنگان مئے عرفاں بہ صف میخواری | فیض باری سے عطاگیر تھے باری باری

یوں تو ہونے کو صد و بست ہیں شاگردوں میں
بوحنیفہ سر فہرست ہیں شاگردوں میں

دَر پہ لٹتے تھے دُرِ علم جوہر دم بیہم | مجتمع رہتے تھے ڈیوڑھی پہ طلبگار کرم
راوی و قاری و حفاظ عرب ہوں کہ عجم | بھیک سب لے کے چلے کوئی زیادہ کوئی کم

اپنی اپنی تھی طلب، صرف تھا اپنا اپنا
بخل دریا کا نہ تھا، ظرف تھا اپنا اپنا

آپ کے عہد میں بنتا تھا خلافت کا کفیل | حاکم شام ہشام ابل شعار تھا بیل
حج کو اک بار جو آیا کہیں وہ صاحب فیل | حرم پاک میں موجود تھے یہ فخر خلیل

آل تھے آپ تو قرآن لب گویا تھا
یہ نہ ہوتے تو پھر اللہ کے گھر میں کیا تھا

اک دن اک خطبے میں ارشاد بصد ناز کیا | شکر صد شکر خدا نے ہمیں ممتاز کیا
میرے نانا کو رسالت سے سرافراز کیا | وحی کی ۔ علم دیا ۔ صاحب اعجاز کیا

جس کی عادت ہے سعادت وہ ہمیں جانے گا
جو ہمیں جانے گا اللہ کو پہچانے گا

مثل قرآن رسالت کا صحیفہ ہم ہیں | جد کی نسبت سے عبادت کا وظیفہ ہم ہیں
منتخب از رہ آیات شریفہ ہم ہیں | جب محمد کے خلف ہیں تو خلیفہ ہم ہیں

اپنا پیرو جو ہے وہ جادۂ انصاف میں ہے
جو مخالف ہے وہ شیطان کے اخلاف میں ہے

دشمن آل نبی تھا جو خرد سے عاری | جل گیا مالک جنت کے سخن سے ناری
مانع قتل حرم میں جو رہی ناچاری | منہ سے اف بھی نہ کہا اف رے تری عیاری

گھر پہ جاتے ہی تُلا ان کو بلانے کے لیے
کربلا شام کے خطے میں بنانے کے لیے

والی شہر مدینہ کو کیا خط تحریر   شام میں بھیج دے باقر کو بحسن تدبیر
جب سر صفحہ یہ الفاظ ہوئے تھے تسطیر   غوطہ زن خون کے دریا میں تھا ظالم کا ضمیر
نیت قتل، کیے دل میں جو پنہاں لکھا
ہاتھ سے اپنے یہ اپنا خط عصیاں لکھا

باقر علم پیمبر نے جو پائی یہ خبر   رخ کیا شام کی جانب صفت نور سحر
پیرہن علم تو دانش کا عمامہ سر پر   راحلہ رحمت معبود تو حق زاد سفر
افق نور سے رہبر مع جعفر نکلا
صبح صادق کو لیے مہر منور نکلا

جادہ پیما ہوئے دونوں دل و جان اسلام   ایک بالقوۃ امام ایک تھے بالفعل امام
ہر قدم اٹھ کے کیا گرد نے رستے میں سلام   صبح اور شام چلے تب کہیں پہنچے سر شام
حق کی تبلیغ کو قرآن کے پارے اترے
شام میں منزل زہرا کے ستارے اترے

مہماں قصر ہشامی میں فروکش ہوئے جب   تین دن تک نہ ملا ان سے رعونت کے سبب
ہنس کے کہتا تھا خلافت کا گرامی منصب   ایسا کج خلق اور اپنائے خلیفہ کا لقب
باقر علم جو تھے حلم میں نانا کی طرح
گھر میں فرعون کے ٹھہرے رہے موسیٰ کی طرح

تیسرے روز بصد سازش و حیلہ سازی   منعقد کی گئی دربار میں تیر اندازی
ہوگئے جمع اکھاڑے کی حدوں کے غازی   بازیاں لگ کے ہوئی خوب نشانہ بازی
ذوق شاہی سے بن آئی تھی کمانداروں کی
تیر تُکّوں پہ تھی گزران خطا کاروں کی

آئی بھرپور جوانی پہ جو وہ محفل عام   طلبی شہ کی ہوئی، آئے سر بزم امام
طنز کے لہجے میں بولا لب باطل سے ہشام   اے یداللہ کے دلبر، پسر خیر انام
اہلِ اعزاز بھی ہو، وارثِ اعجاز بھی ہو
تابع حکم قضا، تم قدر انداز بھی ہو

بولے باقر کہ ضعیفوں میں یہ طاقت ہے کہاں — خود مری پشت ہے ہونے کو کوئی دن میں کماں
عذر یہ سن کے بھی چھوڑی جو نہ اس شوم نے جاں — تب بڑھے کس کے کمر لے کے کماں شاہ زماں
اس ستمگار کے تارِ رگِ جاں کو کھینچا
یوں جگر گوشۂ حیدر نے کماں کو کھینچا

سر کیا تیر، نشانے کی طرف سر سے چلا — قلبِ نقطہ میں در آیا صفتِ تیرِ قضا
دوسرا۔ پہلے کے سوفار میں جا کر بیٹھا — تیسرا۔ دوسرے پیکان کی چٹکی میں گڑا
کھو گئی عقل یہ فن دیکھ کے بے پیروں کی
شاخ در شاخ جو چھڑ بن گئی تیروں کی

نُو فلک جھک کے پکارے کہ مہارت دیکھو — نو بنو طرز ہیں، نو تیروں کی صورت دیکھو
سب کے نتھنوں میں دیے تیر یہ جرأت دیکھو — تیر ہو جاؤ، نہ بے وجہ ندامت دیکھو
دل کا ارماں نہ دلِ شعلہ فشاں سے نکلا
وقت ہاتھوں سے گیا، تیر کماں سے نکلا

بادشہ تیرِ الم دل پہ جو کھائے ہوئے تھا — شرم سے دشمنِ دیں آنکھ چرائے ہوئے تھا
ہاتھ ماتھے پہ رکھے، سر کو جھکائے ہوئے تھا — آستیں جانِ یداللہ چڑھائے ہوئے تھا
وقت کہتا تھا کہ دولت پہ زوال آیا ہے
آفتابِ شہِ مرداں کو جلال آیا ہے

مصلحت بیں تھا ہوا بڑھ کے بغلگیر ہشام — کس لجاجت سے یہ کی عرض کہ یا شاہِ انام
عبدِ ناچیز غلام آپ امام ابنِ امام — بیٹھیے چل کے اُدھر تخت پہ لے عرش مقام
تخت کا بخت پھرا، سرورِ ذیشاں بیٹھے
صورتِ نقشِ نگیں فخرِ سلیماں بیٹھے

قدرداں بن کے تصنع سے خلیفہ نے کہا — کہیے حضرت یہ ہنر آپ نے کس سے سیکھا
بولے باقر کہ ہمیں سیکھنے کی حاجت کیا — کس نے جبریل کو پرواز بتائی یہ بتا
مور کو شعبۂ آواز سکھایا کس نے
شیر کو صید کا انداز سکھایا کس نے

لوگ سیکھیں گے یہ انداز، بھلا سیکھ تو لیں　　طرزِ جبریل کو شہباز، بھلا سیکھ تو لیں
لال، داؤد کی آواز، بھلا سیکھ تو لیں　　ناخدا، نوح کا اعجاز، بھلا سیکھ تو لیں

مکتبِ حق میں جو قرآں مع تفسیر پڑھے
نہ وہ لکھے نہ پڑھے اور خطِ تقدیر پڑھے

اپنی رحمت سے جسے چاہے وہ ہر جوہر دے　　ہو صدف پر جو نظر، موتیوں سے منہ بھر دے
ظرف ہی جس کا ہو ہلکا وہ اسے کیونکر دے　　موت آجائے جو چیونٹی کو کہیں شہپر دے

ہم کو ہر وصف دیا، جو ہر قابل ہم ہیں
فلکِ علم ہے گیتی، مہ کامل ہم ہیں

عرض کی اس نے کوئی اس کی سند یا شہ دیں　　بولے اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آیا کہ نہیں
نعمتیں ختم جو ہیں، وہ ہیں یہی علم و یقیں　　یہ درِ علم کی میراث ہیں، وارث ہیں ہمیں

تم نے چھینے یہ شرف، اہلِ خدا ہو نہ گئے
بت مسلط تھے حرم پر تو خدا ہو نہ گئے

بے جھجک صاف جو حق بات تھی جاری لب پر　　دنگ تھا جرأتِ اخلاق پہ وہ بانیٔ شر
آتشِ بغض و حسد سے جو بھڑکتا تھا جگر　　دل سلگتا تھا سرِ بزم کہ جلتا تھا اگر

دیر تک سوزشِ جاں سب سے چھپائی اس نے
غیظ جس وقت گھٹا، بحث بڑھائی اس نے

ایک مورث کے ہم اور آپ ہیں دونوں دلدار　　پھر ہیں کیوں فاضل و مفضول یہ کیا ہے اسرار
ہنس کے مولا نے کہا، حکمِ خدائے غفار　　دیکھ وہ شاخ میں ہیں پہلو بہ پہلو گل و خار

کیا بھلا ریت میں قطرے کا اثر ہوتا ہے
وہی قطرہ ہے صدف میں جو گہر ہوتا ہے

ان جوابات مدلل سے وہ عاجز جو ہوا　　عاجزی سے یہ کہا اے شہ اعجاز نما
کوئی حاجت ہو تو فرمائیں امامِ دوسرا　　بولے کچھ ہم کو نہیں چاہیے، رخصت کے سوا

آن کی آن میں پوری جو یہ امید ہوئی
شام سے گھر کو چلے، رجعتِ خورشید ہوئی

رخ کیے تھے جو مدینے کی طرف علم کے در
پہلی منزل پہ نظر آئے ہزاروں اکفر
فکر جعفر کو ہوئی، خیر سے کیسا ہے یہ شر
باقر علم نے دی علم امامت سے خبر
خلق اک پیر سے ملنے کو یہاں آئی ہے
کل کو جو کچھ بھی وہ ہو۔ آج تو عیسائی ہے

خیمہ انداز تھا جس کوہ پہ وہ مرد خدا
آگئے بڑھ کے اسی کوہ پہ فخر موسیٰ
پیر وہ اپنے مریدوں کا، نحیف اتنا تھا
جیسے تشریحِ بدن میں کسی تن کا ڈھانچا
پہلے آنکھوں کی پہیلی نہ کسی نے بوجھی
پٹی باندھی گئی ابرو پہ تو پتلی سوجھی

کی نظر اس نے ابھر کر جو اِدھر اور اُدھر
مردم غیر کو پہچان گیا اہل نظر
کر کے انگلی سے اشارہ یہ پکارا اٹھ کر
تم ہو کون۔ آئے ہو کیوں، کس لیے نہوڑائے ہو سر
فرض ہے زندہ دلی، کس لیے مغموم سے ہو
قوم عیسیٰ سے ہو یا امت مرحوم سے ہو

بولے ہم امتِ مرحوم سے ہیں، غم کیسا
عرض کی عالم دیں ہو کہ شریکِ جہلا
بولے حضرت جہلا سے نہیں یہ عبد خدا
اس نے پوچھا کہ پھر اس پیر سے کچھ پوچھیے گا
ہم کو سب علم ہے لا سے کہ نعم سے پوچھیں
آپ بولے کہ نہیں، آپ ہی ہم سے پوچھیں

بولا وہ، لوگ یہ اللہ کی قدرت دیکھیں
سر محفل یہ مسلماں کی جسارت دیکھیں
مجھ سے عالم کی یہ تحقیر، یہ جرأت دیکھیں
اب میں کیا پوچھتا ہوں آپ سے حضرت دیکھیں
کون سا وقت وہ ہر روز کی ساعات میں ہے
ہے زمانے میں، مگر دن میں نہ وہ رات میں ہے

ہنس کے فرمایا کہ مابعد اذاں قبل طلوع
جبکہ پو پھٹنے کو ہو، چاند ہو مائل بہ رکوع
ظلمتیں بھاگتی ہوں، روشنی ہوتی ہو شروع
خود بخود آئے طبیعت میں صفا، دل میں رجوع
روز جنت میں کچھ ایسا ہی سویرا ہوگا
دھوپ ہوگی نہ وہاں اور نہ اندھیرا ہوگا

عرض کی اس نے کہ لاریب درست اور بجا
اب یہ فرمائیے اسلام کو ہے یہ دعویٰ
خلد میں کھائیں پئیں گے جو بشر آب و غذا
رفع حاجت کی نہ ہوگی کوئی حاجت اصلا

دل میں منکر کے بھی یہ بات بٹھا سکتے ہو
کوئی دنیا میں مثال اس کی بتا سکتے ہو

مسکراتے ہوئے بولے یہ شہ نیک خصال
اس کی تمثیل جو پوچھے وہی خود اس کی مثال
عالم حمل میں جو خون ہے روزیٔ حلال
اس کا فضلہ کہاں جاتا ہے، کہو کیا ہے خیال

عرض کی۔ تم نے کہا تھا علما سے میں نہیں
بولے لفظیں نہ بدل۔ ہاں جہلا سے میں نہیں

سن کے یہ عرق عرق ہوگئی راہب کی جبیں
عرض کی اور بھی اک بات کا مشکل ہے یقیں
میوۂ خلد عجب ہے کبھی گھٹتا ہی نہیں
جتنا کھاتے رہو پھر اتنے کا اتنا ہے وہیں

بولے بٹ جائے تجلی تو وہ کیا گھٹتی ہے
شمع سے شمع جلائیں تو ضیا گھٹتی ہے

اس نے جھلا کے کہا اب کی میں پوچھوں گا وہ بات
جس کے مطلب کو بھی سمجھوگے نہ تم تا بحیات
یہ بتاؤ تو بھلا کون تھے وہ دو خوش ذات
ساتھ پیدا ہوئے اور ساتھ مرے نیک صفات

مرگ و میلاد کا اک وقت تھا اور اک دن تھا
پھر بھی مرتے ہوئے اک پیر تھا اک کم سن تھا

ہنس کے فرمایا عزیزا اور عُزیر ذی جاہ
توام آئے تھے، رہے تیس برس پھر ہمراہ
پھر عزیر اُڑ گئے اک بحث میں ایسی ناگاہ
سب کو جائز ہے، مگر حدِ نبوت میں گناہ

دی سزا موت کی یہ مصلحت مولیٰ ہے
ترکِ اولیٰ کا ہو کیا ذکر کہ ترک، اَولیٰ ہے

سو برس بعد جلائے گئے وہ نیک صفات
تھی سن و سال دمِ مرگ میں تازہ یہ حیات
ایک سو تیس برس کے تھے عزیزِ خوش ذات
اور فقط تیس برس کے یہ رفیع الدرجات

موت ساتھ آئی تو یہ فرق عیاں تھا اُس دم
ایک بھائی تھا ضعیف ایک جواں تھا اُس دم

ان جوابات سے راہب کو پسینہ آیا — قوم سے اپنی مخاطب ہوا اور چلایا
میری تذلیل کو خود تم نے انھیں بلوایا — وائے اے قوم نصاریٰ مجھے یوں ترسایا
اب کوئی شے نہ کسی دیر نشیں سے پوچھو
پوچھنا تم کو ہے جو کچھ وہ انھیں سے پوچھو

کہہ کے یہ پیر اٹھا، لوگ گئے اپنے گھر — پردۂ شب میں پھر آیا سوئے باقر چھپ کر
عرض کی آپ کا کیا نام ہے اے نیک سیر — بولے مولا کہ محمد ہے یہ عبد داور
عرض کی آپ کے مشتاق تو ہم بے حد تھے
کیا نبی آپ ہیں؟ فرمایا وہ میرے جد تھے

اس نے کی عرض کہ اے برج معارف کے قمر — ایلیا کے ہیں پسر آپ؟ علی کے دلبر
بولے ہاں، پوچھا کہ شبیر ہو یا شبر — ہوا ارشاد، نہ یہ اور نہ وہ، ان کا جگر
تشنۂ علم ہوں عرفان کا پیاسا ہوں میں
پوتا شبیر کا شبر کا نواسا ہوں میں

اس نے کی عرض کہ یہ علم و ہنر فکر و نظر — وحی و الہام کا تحفہ ہے کہ ذاتی جوہر
بولے باقر کہ یہ ہے خاص عطائے داور — علم کے شہر محمد ہیں، علی علم کے در
ہیں وہ سب علم لدنی جو پیمبر کو ملے
شہر سے در کو ملے، در سے بڑھے گھر کو ملے

سن کے یہ اپنے عمل پر وہ پشیمان ہوا — علم کی ضرب سے بیدار جو ایمان ہوا
باتوں باتوں میں یہ رحمت کا بھی سامان ہوا — دن میں تھا منکر حق، شب میں مسلمان ہوا
سنگریزہ تھا جسے تاب ملی دُر کی طرح
چند ساعات میں دن اس کے پھرے حر کی طرح

اڑ گئی مثل صبا شام میں راہب کی خبر — کی نصاریٰ نے خلیفہ سے شکایت جا کر
آل پر ظلم کی اک راہ جو یہ آئی نظر — قید عابد کے اعادے پہ تلا بانی شر
خوب روح اسد اللہ کو خورسند کیا
نور عینین محمد کو نظر بند کیا

تن نظر بند ہوئے اور لب حق گو آزاد — قید خانے میں کھلا مکتب درس و ارشاد
دن بدن بڑھنے لگی اہلِ ولا کی تعداد — ہل گیا سن کے خبر قصرِ خلافت بنیاد
پھر تشدد کا نہ فرمان مکرر بھیجا
مثل سجاد رہا کر کے انھیں گھر بھیجا

روح زینب نے کہا شکر ہے ربِ اکبر — شام کی قید سے آیا مرا باقر چھٹ کر
اُس مسافر کے فدا لوٹ کے آیا جو نہ گھر — ہائے بھائی مرے مذبوح تھا تشنہ جگر
کشتی آل لٹی ، حق کا سفینہ اجڑا
تم سدھارے جو سفر کو تو مدینہ اجڑا

ساتھ باقر کے جو تھا پھر کے وہ جعفر آیا — ماں ہوئی کوکھ سے ٹھنڈی کہ پسر گھر آیا
بھائی کے ساتھ کا کوئی نہ پلٹ کر آیا — طفل بے شیر نہ عباس نہ اکبر آیا
ایسے مقتل کو سدھارے کہ نہ پھر گھر پہنچے
خون میں ڈوب کے پیاسے لب کوثر پہنچے

کلفتیں جھیل کے باقر جو پھرے سوئے وطن — پہلے روضے پہ گئے جد کے بصد رنج و محن
رکھ کے تربت پہ عمامہ یہ کیا رو کے سخن — نانا جان دیکھ لیے آپ نے امت کے چلن
ایسی برگشتہ ہے عترت سے خدائی نانا
کلمہ پڑھ کے ستاتے ہیں دہائی نانا

آئی آواز کرو صبر مرے ماہ لقا — تم تو بچپن سے ہو اس قید کے عادی بیٹا
تا دمِ حشر نہ بھولے گی وہ اعدا کی جفا — ایک رسی میں بندھا بارہ اسیروں کا گلا
وہ رسن کھینچ کے ظالم مجھے تڑپاتے تھے
تم بھی اور بالی سکینہ بھی لٹک جاتے تھے

گود میں چڑھنے کے دن تھے کہ یہ محشر دیکھا — اپنے دادا کے گلے کو تہہ خنجر دیکھا
خیمے جلتے ہوئے اور لٹتے ہوئے گھر دیکھا — پھر حرم کو سر دربار کھلے سر دیکھا
یاد ہوں گی تمھیں بابا یہ جو تعزیریں تھیں
طوق گردن میں تھا اور پاؤں میں زنجیریں تھیں

بے کجاووں کے جو ناقوں پہ شقی لاتے تھے | تم بھی اور دوسرے معصوم بھی گر جاتے تھے
بھوک میں پیاس میں اکثر یہ غذا پاتے تھے | تازیانے کبھی کھاتے کبھی غش کھاتے تھے
اب کی یہ قید کچھ اس قید سے بڑھ کر تو نہ تھی
نیزے پر باپ کا سر، قید میں مادر تو نہ تھی

کربلا یاد کرو دل کو سنبھالو بیٹا | اور کچھ دن کی ہے تکلیف اٹھالو بیٹا
اپنے غم کو غم شبیر میں ٹالو بیٹا | ذکر اکبر کا کرو اشک بہالو بیٹا
ہم بہت جلد ہیں اب پاس بلانے والے
رونے والے تجھے روئیں گے زمانے والے

دل کو تسکین ہوئی گھر کو پھرے شاہ زمن | خدمت دیں میں بسر کرتے رہے سرّ و علن
تھا امامت کا طلبگار جو زید ابن حسن | مل گیا جا کے خلیفہ سے خدا کا دشمن
شام سے خوب یہ سوغات وہ پُر فن لایا
نذر کو زہر بھرے زین کا توسن لایا

جیسے ہی رخش پہ اسوار ہوئے شاہ زمن | اثر زہر سے مرجھانے لگا گل سا بدن
بولی قسمت کہ نواسے کو ملا ارث حسن | دفعتہً کانپ گیا بنت نبی کا مدفن
آئی آواز کہ پھر خستہ جگر کو لوٹا
چرخ نے پھر مرے شبیر کے گھر کو لوٹا

زین پُر زہر سے اترے تو چڑھا تن پہ ورم | بولے جعفر سے کہ بچنے کے نہیں ہیں اب ہم
سن کے یہ گھر میں مچا حشر ہوا وہ ماتم | صورت زینب و کلثوم تڑپتے تھے حرم
شور تھا خلق سے مولائے زمن جاتے ہیں
آج پھر فاطمہ کے گھر سے حسن جاتے ہیں

تیسرے دن جو کیا زہر نے حد درجہ نڈھال | بولے یہ جعفر صادق سے کہ اے وارث آل
عازم خلد ہے یہ عبد خدائے متعال | اب مرا جامۂ احرام نکالو مرے لال
اسی چادر کا کفن مجھکو پنھانا بیٹا
پاس بابا کے مری قبر بنانا بیٹا

گھر میں کل آٹھ سو درہم ہیں مرے ماہ لقا
وہ بھی سب وقف کیے ہم نے پئے اہل عزا
دس برس خاص منا میں مرا ماتم ہو بپا
مشتہر حال ہو سب آل کی مظلومی کا
مثل تقریب نہ ہو، غم ہو غم و ہم کی طرح
روئیں ذی الحجہ میں محب ماہِ محرم کی طرح

دوستو حضرت باقر کی وصیت کو سنا
دے گئے زیست میں فرزند کو سامان عزا
وائے بر غربت و ناچاری شاہ شہدا
کس سے فرمائیں کہ لاشے پہ مرے کیجو بکا
دل کو معلوم ہیں جو ظلم ہیں ہونے والے
شام کو روتے چلے جائیں گے رونے والے

ہائے وہ نزع کا ہنگام وہ عابد کا پسر
سربالیں وہ جگر بند رکھے گود میں سر
دل شکستہ نے جو یٰسین پڑھی رو رو کر
بولے مولا، میں فدا صبر کرو نور نظر
سونپ کر دین تمھیں جاتا ہے باقر، بیٹا
انا للہ ۔ خدا حافظ و ناصر بیٹا

حشر برپا ہے مدینے میں قیامت ہے قریب
باقر علم نبی کا دم رحلت ہے قریب
فاطمہ پیٹتی ہیں سر کو وہ آفت ہے قریب
روح شبیر تڑپتی ہے، شہادت ہے قریب
کنبہ رونے کے لیے آل کے گھر آپہنچا
اثر زہر دغا تا بہ جگر آپہنچا

لو یہ کون آئے کہ رویت کو دم آنکھوں میں رکا
کس کی تسلیم کو یہ ہاتھ اٹھا باقر کا
کون یہ بی بی ہیں کرتی ہوئی آئیں جو بکا
گھر میں سب رونے لگے آل میں کہرام مچا
شبر و حیدر و زہرا و نبی روتے ہیں
اپنے پوتے کو حسین ابن علی روتے ہیں

غل مدینے میں ہوا ہائے سدھارے باقر
اٹھ گئے گلشن ہستی سے ہمارے باقر
بستۂ طوق و سلاسل کے دلارے باقر
روح شبیر کا ہے نوحہ مرے پیارے باقر
زہر کس چال سے غدار نے بھیجا افسوس
کٹ گیا میری طرح تیرا کلیجا افسوس

مادر جعفر صادق تھیں بکھرے ہوئے بال — بین کرتے تھے تڑپ کر حرم نیک خصال
بی بیاں دیتی تھیں پُرسا جو دم رنج و ملال — روتے تھے وہ، جنھیں عاشور کا معلوم تھا حال
پُرسا جو دیتے وہ مقتل میں پڑے سوتے تھے
طفل تک سیلیوں کے ڈر سے نہیں روتے تھے

ہائے وہ میت مسموم وہ جعفر کا محن — ہاتھ سے باپ کو بیٹے نے دیا غسل و کفن
قبر اطہر کو ملا پہلوئے سجاد و حسن — جان ذاکر کی ہو قربان شہ تشنہ دہن
کون مقتل سے اٹھاتا تن صد پاش حسین
اربعیں تک رہی بے غسل و کفن لاش حسین

کون اسے دفن کرے جس کا نہ بھائی نہ پسر — کیا کفن دے وہ بہن چھن گئی جس کی چادر
کون دے غسل اسے قید ہو جس کا سب گھر — ہائے وہ جلتی ہوئی ریت وہ جسم بے سر
سب لٹیرے تھے وہ سفاک زمن کیا دیتے
پیرہن لاش کا لوٹا تو کفن کیا دیتے

دفن کر کے جو بقیعے سے پھرے اہل عزا — مرقد حضرت باقر سے اٹھا شور بکا
روئے یہ کہہ کے گلے مل کے شہ کرب و بلا — میرے اصغر کے بھتیجے تری گردن کے فدا
اثر ظلم گلے سے یہ عیاں ہے اب تک
رسن ظلم سے چھلنے کا نشاں ہے اب تک

میرے سجاد کے دلدار مرے مہ پارے — تمکو شاباش کہ بچپن میں نہ ہمت ہارے
یوں بھلائے شرف اعدائے تمھارے سارے — حق تو صلوات پڑھے شمر طمانچے مارے
خلد میں جا کے جو نانا کی زیارت کرنا
یہ رہے دھیان نہ امت کی شکایت کرنا

حضرت جعفر مغموم نے ما بین منا — مجلسیں دھوم سے کیں حسب وصیت برپا
حج کو جو آئے وہ سنتے رہے ذکر شہدا — قوم نے جامۂ احرام میں سر کو پیٹا
قید تھی ظلم کی تاریخ جو اب تک گھر میں
اب پہنچنے لگی مکے سے وہ دنیا بھر میں

سار ی دنیا کے بشر جن میں جو کرتے تھے شمول غایت ظلم سے وہ رہ بھی نہ سکے تھے مجہول
تھا بھی کچھ علم تو یہ، مارے گئے ابن بتول یہ نہ معلوم تھا کیا کیا ہوئی توہین رسول
قید تجویز ہوئی آل رسالت کے لیے
لاشیں کچلی گئیں ہاشم کی اہانت کے لیے

ذاکروں نے جو کیے بیٹھ کے منبر پہ بیاں یہ بھی تھا ان میں کہ مارے گئے جب شاہ زماں
بی بیاں رہ گئیں اور ایک مریض بے جاں اُن کے شانوں میں رسن اِس کے لیے طوق گراں
شام میں آل محمد کی یہ توقیر ہوئی
بے ردا کوچہ و بازار میں تشہیر ہوئی

۱۹۷۶ء

علم دانشتن و دانش کا فقط نام نہیں — علم وہ روح ہے جو شامل اجسام نہیں
علم وہ دن ہے سحر جس کی نہیں شام نہیں — علم پیغام کا مقصود ہے، پیغام نہیں
وہ نہیں علم ۔ سما جاتا ہے جو حرفوں میں
بحرزخار کا کیا کام ہے کمظرفوں میں

علم ہے شمع فروزانِ حریم اسرار — علم ہے مطلع خورشید رموز و افکار
علم ہے قافلۂ عزم و عمل کا سالار — علم ہے ولولۂ فکر و تخیل کا ابھار
علم ہے فوقِ بشر عظمت آدم کی قسم
علم اک اور ہی عالم ہے دو عالم کی قسم

علم مامن بھی ہے مومن بھی ہے ایمان بھی ہے — علم عارف بھی ہے معروف بھی عرفان بھی ہے
علم اسلام بھی تسلیم بھی سلمان بھی ہے — علم قاری بھی قرأت بھی ہے قرآن بھی ہے
تھا کبھی پہلے سے موجود تو منضم بھی ہوا
جب ہے ان سب میں تو ان سب سے مقدم بھی ہوا

علم کشافِ حجابات وجوب و امکاں — علم تفریق و تمیزِ حق و باطل کا نشاں
علم مشاطۂ گیسوئے شعورِ انساں — علم غارتگرِ پیچیدگیٔ وہم و گماں
علم شیرازہ کش وحدت دینِ محکم
علم تنظیم عمل علم یقینِ محکم

کیا بتائے کوئی انسان بھلا علم ہے کیا — تھا یہ اس وقت بھی موجود جب انسان نہ تھا
قبل آدم تھے ملک اُن سے بھی قبل اِس کی ضیا — جب تو اک بحث میں وہ کہہ گئے لا علم لنا
نہ ملک سے نہ فلک سے نہ زمیں سے پوچھو
کس کے شاگرد ہیں جبریل امیں سے پوچھو

علم کو سمجھوں ازل سے تو ازل سے ہے خدا — پھر یہ مابعد خدا قبل ملک چیز ہے کیا
یوں کہا جائے تو شاید ہو یہ مفہوم ادا — علم خود ہے نہ خدا ہے نہ خدا سے ہے جدا
ہاں مگر کہہ بھی دیا یوں تو پھر ابہام رہا
طائر ذہن تو ہر پھر کے تہہ دام رہا

علم پہلے سے ہے پھر مصحف رب آیا ہے — علم میں لوح بھی محفوظ ہے یہ پایا ہے
علم ہی معرفت ذات کا سرمایا ہے — علم اس جسم کا سایہ ہے جو بے سایا ہے
سایا ہمراہ پیمبر کے جو ہر جنگ میں ہے
یہ وہی علم ہے اس وقت جو اس رنگ میں ہے

علم توفیق ازل علم عطائے قدرت — علم میثاق عمل علم مذاق فطرت
علم مصداق وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتْ — علم جو قبر میں بھی ساتھ ہے اپنی دولت
کیوں نگاہوں میں نہ یہ زر سے سوا چڑھ جائے
نہ کریں صرف گھٹے، صرف کریں بڑھ جائے

علم سے نور فلک علم سے روشن یہ زمیں — یہی دنیا کی ہے مایا یہی سرمایۂ دیں
علم تنویر چراغ حرم شرع مبیں — علم سے لو جو لگائیں تو جلے شمع یقیں
گر نہ ہو علم تو عالم میں اجالا نہ رہے
سوچ بیکار ہے گر سوچنے والا نہ رہے

علم ہے ثقل گراں قدر نظام اقدار — ظاہرا کچھ بھی ہو، باطن میں شعاع انوار
علم ہے نقطۂ پرکار شعور بیدار — علم ہے مرکز اصلاح مزاج و کردار
جہل انسان کو حیوان بنا دیتا ہے
علم حیوان کو انسان بنا دیتا ہے

علم ہے خضر رہ منزل توفیق عمل — علم ہے شمع خود افروز شبستان ازل
علم ہے حل مسائل کا خدا ساز محل — علم ناپختہ عقائد کے تذبذب کا بدل
علم عالم میں نہیں شہر پیمبر میں ہے
شہر اُس در میں ہے جو فاطمہ کے گھر میں ہے

جہل تخریب کی تاسیس تباہی بکنار   علم تعمیر کی جڑ حسن عمل کا مینار
جہل کے ہاتھ میں آجائے کہیں گر تلوار   اس کو مارے اسے کاٹے اسے کر دے مسمار
وار دشمن پہ کبھی علم اگر کرتا ہے
سر سے پہلے وہ سوئے صلب نظر کرتا ہے

علم ہے ایک شجر جس کے ہیں پتے یہ علوم   ادب و فلسفہ و منطق و تاریخ و نجوم
جڑ پیمبر ہیں تو شاخیں وہ امام معصوم   جن کی عصمت کی ولایت کی امامت کی ہے دھوم
پھول قرآن کو اور فقہ کو پھل کہتے ہیں
پھول اور پھل کے مقطر کو عمل کہتے ہیں

ہر عمل فقہ کا پابند ہے اور فقہ وہ نور   جس سے اعمال کی حد میں حق و باطل کا شعور
فقہ ہے فکر و تفقہ میں تجلی کا ظہور   فقہ ہے کشف لغوائے کتابِ مسطور
فقہ ہے منطقِ حق مصحفِ ناطق کی قسم
فقہ ہے صدقِ مبیں جعفرِ صادق کی قسم

کون وہ جعفرِ صادق وہی جو فقہ بکف   سب سے اول جنہیں تدوین شرائع کا شرف
تھے گہر فقہ کے پہلے بھی مگر دل تھے صدف   کنزِ مختوم تھے جن کا دُرّ دُرِّ نجف
کب ہوا مہرِ مبیں اور کے گھر سے پیدا
صبحِ صادق ہوئی جعفر کی نظر سے پیدا

مثلِ قرآن یہ والشمس کی منزل کے قمر   شان ایسی ہے کہ حیرت سے جھکے چرخ کا سر
اک نظر دیکھ لیں دل آپ کا یعقوب اگر   ان کی آنکھوں سے گرے حسنِ رُخ نورِ نظر
زہد و طاعت کا سبق ان سے فرشتہ پڑھ لے
کور منہ دیکھے تو قسمت کا نوشتہ پڑھ لے

مدحِ جعفر سے گنہگار بھی صادق ہو جائے   بات بھی قول بھی اقرار بھی صادق ہو جائے
عشقِ صادق سے سیہ کار بھی صادق ہو جائے   صورتِ صبح شبِ تار بھی صادق ہو جائے
یہ شرف خلق میں کس خاصۂ خالق کو ملے
صبحِ صادق کی ضیا عاشقِ صادق کو ملے

اختر شمسِ ضحا سورۂ کوثر کے گہر
فقہ اسلام و شریعت کے مسلم دفتر
قرۃ العین علیین و ولیِ داور
اک محمد کے چراغ ایک محمدؐ کے قمر

گلشنِ شرع ہے کیا اک چمنِ صادق ہے
خبر مخبرِ صادق سخنِ صادق ہے

روز میلادِ ضیا بارِ نبیؐ مرسل
اُن کی ہی نسل کے شجرے سے پھوٹی کوپل
کیوں نہ لاثانی دیکھتا ہو ربیع الاول
اس مہینے میں کھلا پھول ملا پھول کو پھل

ابتدا فصل بہاری کی اسی چاند سے ہے
چاندنی رحمتِ باری کی اسی چاند سے ہے

نائب احمد مختار امامِ اَزلی
جلوۂ انجمن حق کے لیے شمعِ جلی
خود ولی اور ولی عہد بھی کاظمؑ سا ولی
جد امجد بھی علیؑ آپ کے پوتے بھی علیؑ

عمل اِن کا ہے دو عالم میں دوہائی ان کی
دین ان کا ہے خدا ان کا خدائی ان کی

آپ کے عہد میں ایمان نے شوکت پائی
حق کا اظہار ہوا شرع نے شہرت پائی
علم اللہ و پیمبر نے فضیلت پائی
فرع کے پھول کھلے اصل نے قوت پائی

ہر ورق شرع میں نکلا جو اسی بستے کا
جعفری نام ہوا فقہ کے گلدستے کا

متشابہ بھی ہوا اِن کے بیاں سے محکم
رکھ لیا آپ نے تعلیم رسالت کا بھرم
کیا کہیں علم کی اب اس کے اہمیت ہم
جس کے شاگرد بھی اُمت کے امام اعظم

متاثر ہے جوانی و ضعیفی اِن سے
بوحنیفہ کو مِلا دینِ حنیفی ان سے

ان کے احکام وہ موتی جو کھرے اور صدفی
صاف و شفاف و مصفا صفتِ قلب صفی
فقہ ماخوذ انہیں سے ہے جلی ہو کہ خفی
جعفری وہ بھی ہیں جو گل ہیں چمن میں حنفی

یہ مماثل بخدا اک عملِ نیک سے ہیں
عشق میں پنجتن پاک کے سب ایک سے ہیں

فقہ میں دونوں کی شامل صَلوٰات اورسلام　　فاتحہ دونوں کے مسلک میں نہ بدعت نہ حرام
محترم دونوں کی نظروں میں مزاراتِ کرام　　مرثیہ دونوں کے نزدیک شعارِ اسلام

جعفری کہتے ہیں ممکن نہیں تمثیلِ علی
اور احناف بھی سب قائلِ تفضیلِ علی

اتحادی نظریات دمِ فکر و نظر　　آئے ہیں دونوں کی صف میں بطفیلِ جعفر
نذر بائیس رجب کی جو ہے رائج گھر گھر　　قولِ صادق کی تأسی کا ہے دلکش منظر

رسم دینی میں مواسات کے پیغام بھی ہیں
آم کے آم بھی ہیں گٹھلیوں کے دام بھی ہیں

اک وہ دن تھا کہ جواں تھی یہ اخوت کی فضا　　پھر خلافت میں جو عباسیوں کا رنگ جما
وہ بچھے جال کہ بھائی ہوا بھائی سے جدا　　نہ مروت رہی باقی نہ حمیت نہ وفا

یہ بتائے گا مورخ غلطی کس کی تھی
بحث یہ ہے کہ پڑی پھوٹ، خطا جس کی تھی

اجتہادی وہ خطا ہو کہ ارادی غلطی　　یہ ہوا اس کا نتیجہ ۔ ہوئی وحدت میں دوئی
جو ہوئی جس کی بھی مرضی وہ بنی شرعِ نبیؐ　　دین کی اصل حقیقت طبقِ زر میں چھپی

کوئی جمن نہ خمیسا نہ لطافت ٹھہرا
اختلافات کا گڑھ قصرِ خلافت ٹھہرا

جب شرائع میں خلافت سے بھی ہونے لگی چوک　　پھر تو مشہور ہے اَلنّاسُ عَلیٰ دینِ مُلوک
جو شکم سیر تھے ان کو بھی ہوئی مال کی بھوک　　کتنے انسان تھے عادت میں بنے جو سگِ خوک

وہ بھی غازی تھے جو دنیا کے لیے لڑتے تھے
استخوانِ زر و دولت پہ گرے پڑتے تھے

فسق سرسبز تھا احکامِ شریعت پامال　　یوں ہوئے مسخ مسائل کہ نہیں جس کی مثال
خرچ ہوتا تھا انھیں کاموں میں سب بیت المال　　تھا خلیفہ کی خوشامد کا لقب اکلِ حلال

وہ چلاتا تھا جدھر لوگ اُدھر چلتے تھے
مسئلے ظرفِ سفالیں کی طرح ڈھلتے تھے

مبتلا دامِ کبائر میں تھی خلقت ساری — حد بھی ہوتی تھی نہ اس بدعملی پر جاری
نہ ہوا قہر بھی نازل جو بہ ایں بدکاری — لوگ کرنے لگے انکارِ وجودِ باری
دہریت پھیلی، جو اک ترکۂ سُفیانی تھی
کیوں نہ ہو، شرع، خلافت کی جو من مانی تھی

جبکہ اس فرقۂ باطل کا تھا راسِ اعظم — ہوسِ مال میں کنیت بھی تھی ابنِ درہم
مدعی تھا کہ یہی دہر ہے خلاقِ اُمم — ہم بھی جب دہر کا ہیں جزو تو خالق بھی ہیں ہم
اپنی جدت پہ اکڑتا تھا کبھی تنتا تھا
بیخودی میں وہ خودی کا رخدا بنتا تھا

صادقِ آل نے بلوا کے اسے اپنے یہاں — ہنسکے پوچھا کہ بھلا آپ ہیں خالق کہا ہاں
دہر نے خلق کیا جو بھی جہاں میں ہے جہاں — اور میں دہر کا اک فرد ہوں، یہ بھی ہے عیاں
میری تخلیق ہوئی دہر سے دہری میں ہوں
کُل مرا خالق کل، خالقِ جزوی میں ہوں

مسکرا کر کہا حضرت نے کہ اچھا اچھا — اپنی تخلیق کا دکھلاؤ نمونہ تو بھلا
اس نے کیچڑ کا بھرا ظرف دکھا کر یہ کہا — اس میں کیڑے جو ہیں یہ میں نے کیے ہیں پیدا
جس کا جی چاہے یونہیں اور بنالے کوئی
میری تخلیق میں کیڑے نہ نکالے کوئی

بولے حضرت کہ یہ کتنے ہیں ذرا یہ تو بتاؤ — ان کے خالق ہو تو پھر حکم بھی کچھ ان پہ چلاؤ
جو اُدھر جاتے ہیں رُخ ان کا اِدھر کو تو پھراؤ — جو اِدھر آتے ہیں اِن سے کہو اُس سمت کو جاؤ
لامکاں سے کہ کسی اور مکاں سے لائے
آب و گِل ان کے بنانے کو کہاں سے لائے

آب اور گِل کا کرشمہ ہیں یہ سارے حشرات — گِل کی اور آب کی تخلیق میں ہے کس کا ہات
وہ ہوا، دم سے ملیں جس کے یہ کیچڑ کو صفات — اور مخصوص وہ گرمی انھیں دی جس نے حیات
ان عناصر کے بھی ان کے لیے خالق تم ہو
پھر یہ اجزا تو کرو خلق جو صادق تم ہو

دیکھتے کیوں ہیں یہ سب ایک طرح وجہ ہے کیا   اور یہ ایک جو کیڑا ہے، ہوا کیوں مُردا
حق ہے خالق کو اگر چاہے تو کر دے وہ فنا   روح بے ہاتھ لگائے ہوئے کھینچو تو ذرا
کیا دیا کھانے کو اب تک انھیں اب کیا دوگے
اِن کے خالق ہو تو رازق بھی تمہیں تو ہوگے

دست و پا ہو گئے یہ سنتے ہی بدذات کے سرد   منہ تھا فق دل تھا حزیں بند زباں چہرہ زرد
یوں خجالت کی پڑی گیسوئے تخلیق پہ گرد   اپنی مخلوق وہیں چھوڑ کے بھاگا نامرد
دہر والوں نے نہ کچھ دہر نے غم خواری کی
دہریت ساری دھری رہ گئی فراری کی

اور زندیق تھا اک علم میں جو ماہر تھا   فکر سے دور مگر نام ابو شاکر تھا
ایک دن خدمت اقدس میں کہیں حاضر تھا   دہریت کا مگر اُس کی یہی دن آخر تھا
آنکھوں آنکھوں میں ہوا قائلِ اعجازِ امام
اک نظر آپ نے دیکھا جو بہ اندازِ امام

عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس نے کہ حضور   ایسی فرمایئے کچھ بات کہ دل ہو پُر نور
قلبِ تاریک، تجلی سے جو اس وقت ہے دور   مرضِ ظلمتِ باطل کی یہ شب ہو کافور
طفل اک آگیا ناگاہ مسیحا کی طرح
بیضۂ مرغ لیے تھا یدِ بیضا کی طرح

لے کے وہ اس سے شہ دیں نے ہتیلی پہ رکھا   پھر مخاطب سے یہ بولے کہ ابو شاکر آ
دیکھ یہ قلعۂ مضبوط ہے محکم کتنا   کوئی در اس میں نہ روزن جو کرے جذب ہوا
سخت پتھر کی طرح جلد ہے باہر کی طرف
نرم جھلی کا غلاف اس میں ہے اندر کی طرف

ان حجابوں میں ہے زردی و سفیدی یکجا   مثلِ احباب بہم، صورتِ اغیار جدا
اس کے باطن میں خیال اور تصور کے سوا   مادی زور نہ ذہنی کوئی طاقت ہے رسا
جوف میں اس کے نہ مصلح کوئی جا سکتا ہے
نہ مخرب کوئی باہر کبھی آ سکتا ہے

کس کو معلوم کہ اس میں کوئی مادہ ہے کہ نر   دفعتہً کوئی کھٹکتا ہے جو اندر اندر
دیکھتے دیکھتے آجاتا ہے طائر باہر   خوشنما صورتِ طاؤس و حریر پُر زر
عقل سے پوچھ تو کس طرح یہ سب ہوتا ہے
کون بے ہاتھ لگے تخمِ عمل بوتا ہے

کیا یہ کہہ سکتا ہے کوئی کہ یہ زندہ تصویر   خود بخود بے کسی صانع کے ہوئی شکل پذیر
اور صانع بھی وہ ذی قدر جو قادر جو قدیر   علم بھی جس کا محیط امر بھی پتھر کی لکیر
سن کے تقریر وہ دہری جو پشیمان ہوا
کلمہ پڑھ کے بہ ایقان مسلمان ہوا

ایسی تعلیم کا الجھانے کو تانا بانا   اک خلافت کا بھی قائم تھا شریعت خانہ
ہر سائل وہاں دینار یہاں جرمانہ   پھر بھی تسبیح امامت سے نہ ٹوٹے دانا
جو رقم اُس طرف انعام میں لے لیتے تھے
اِدھر آکر وہی تاوان میں دے دیتے تھے

گو کہ تھا حد سے سوا جبر و تشدد ان پر   بزمِ جعفر میں جو آتے تھے مسائل لیکر
مگر اک ذوق جو ہے طالبِ حق کا جوہر   اس کی مستی کو دبا سکتے ہیں کب تیغ و تبر
خوفِ تعزیر اُدھر گھیر کے لے جاتا تھا
جذبِ حق کھینچ کے پھر سب کو یہیں لاتا تھا

دل تھے قائل کہ ہے اُس قصر کی پانی پہ اساس   تشنگی جس کی ہے وہ آب نہیں اُس کے پاس
پی بھی لیں سونے کا پانی تو کہیں بجھتی ہے پیاس   ہے اِدھر آبِ بقا قاطعِ خلطِ وسواس
بات کرتے ہیں یہ کج بحث سے بھی حلم کے ساتھ
علم کے ساتھ عمل ہے تو عمل علم کے ساتھ

اِن کی تلقین سے پاتا ہے دلِ مضطر چین   کیوں نہ ہو بانیٔ اسلام کے ہیں نور العین
نام صادق ہے ملا صدق رسولِ الثقلین   اِرث ہے علم علیؑ حلمِ حسن صبر حسین
جانِ عابد ہیں جبیں سے یہ عیاں ہے گویا
دہنِ پاک میں باقر کی زباں ہے گویا

روئے انور میں ہے وہ رعب و جلالِ کرار — کر سکا قتل نہ منصور کیا عزم ہزار
ایک دو بار نہیں کم سے بھی کم بارہ بار — بہر منکر ہے صواعقؔ[۱] کا سخن صاعقہ بار

شبلنجی، رزم قلم کا ہے مجاہد شاہد
ان مشاہد پہ ہے جامیؔ کی شواہد شاہد

بیٹھ جاتا تھا پئے قتل بپھر کر منصور — لائے جاتے تھے اسیروں کی طرح شاہِ غیور
آنکھ سے آنکھ لڑی ہو گیا غصہ کافور — رعب سے سہم کے رہ جاتا تھا وہ مست غرور

کبر و نخوت کے صنم ٹوٹ کے رہ جاتے تھے
بیت آزر میں یہ مانند خلیل آتے تھے

کر کے اعزاز سے رخصت جو وہ ہوتا تنہا — پوچھتا تھا یہ ملازم کہ تماشا تھا یہ کیا
ڈر کے کہتا تھا۔ وہ اعجاز نما ہیں بخدا — اژدہا ساتھ تھا ان کے جو یہ دیتا تھا ندا

چوں بھی اب کی تو نگل جاؤں گا موذی تجکو
جانِ حیدر ہیں یہ دکھلاؤں گا موذی تجکو

یہ روایات ہیں ان کی جنھیں حضرت سے ہے بیر — آگیا تذکرۂ قتل تو دہرا دیں۔ خیر
ہاں مگر غیظ و غضب، آمدشہ، حالت غیر — یہ تغیر ہیں بحق۔ کیجیے تاریخ کی سیر

تھا یہ طینت کا اثر غالب ہر غالب کی
خاندانی یہ جلالت تھی ابو طالب کی

اس جلالت کے سوا خُلق بھی اے صلِّ علیٰ — سب سے وہ حسنِ سلوک اور نگہ لطف و عطا
صلہ رحم، مواسات، توکل بخدا — حد یہ نیکی کی ہے، نیکی سے بدی کا بدلا

ظلم پر نیک ہدایت کی دعا دیتے تھے
درد دیتا تھا زمانہ یہ دوا دیتے تھے

حمدِ تسبیح خدا، ذکر نبی، صوم، صلات — حج زیارت، صدقہ، جود، سخا، خمس، زکات
شب تاریک کے پردے میں وہ مخفی خیرات — کچھ جو اس ہاتھ سے دیں کچھ نہ ہو واقف یہ ہات

عفو بھی رحم بھی ایثار بھی غمخواری بھی
خاکساری بھی ضرورت ہو تو خودداری بھی

[۱] صواعق محرقہ

ہیں ولی مثلِ علیؑ عالمِ جاں کے والی تنگدستی ہے نہ بالکل نہ بہت خوشحالی
حسبِ ذوقِ کرم و طینت و ظرفِ عالی کوئی سائل نہیں جاتا کبھی در سے خالی
یہ نہیں۔ پاس نہ ہو کچھ تو ہوا بتلادی
پڑھ کے ہوجائے غنی ایسی دعا بتلادی

شکر ادا کرنے میں تعجیل کا ہے پاس اتنا ہوں سواری پہ تو روکیں اسے کر لیں سجدہ
میزبانی کو سمجھتے ہیں یہ نعمت بخدا رجعتِ خوانِ خلیل اِن کا ہے خوان یغما
ہیں کھلاتے بہت اور آپ یہ کم کھاتے ہیں
جب نہ آئے کوئی مہمان تو غم کھاتے ہیں

سب سے بڑھ کر ہے امامِ دوجہاں کی یہ صفت ہاتھ سے اپنے ہر اک کام مشقت، محنت
ابنِ جابر کو ہوئی دیکھ کے اک دن حیرت ہل چلاتے ہیں خداوندِ جہازِ امّت
منہ پسینے میں ہے تر غرقِ عرق چھاتی ہے
مست ہوجائیں ملک بھی وہ مہک آتی ہے

اس خدا دوست نے کی عرض کہ مولائے جہاں اللہ اللہ یہ حضور اور یہ کارِ دہقاں
بولے مولا کہ ریاضت بھی ہے جزوِ ایماں جو ہے محنت سے گریزاں وہ مسلماں کہاں
امرِ فطرت بھی ہے یہ، شرع کا آئین بھی ہے
دستِ اسلام میں دنیا بھی ہے اور دین بھی ہے

جس پسینے کی تری خاک کا دل کردے شق خون سے بھی ہے گراں قدر وہ دہقاں کا عرق
اس کی ہر بوند میں رقصاں ہے وہ نعمت کا طبق جس کو ہم کہتے ہیں روزی جو ہے انساں کا حق
کام اس کام سے بڑھ کر کوئی لاریب نہیں
کسبِ روزینۂ روزانہ تو کچھ عیب نہیں

اور ہمارے تو سلف کا یہ ازل سے ہے شعار اسی محنت پہ تو آدم کا تھا سب دار و مدار
نوح کا ایسا گراں قدر نبی تھا نجار کعبہ شاہد ہے خلیلِ احدی تھے معمار
اُدنی گو کہ ہے دنیا میں بڑی بات اُن کی
بھیڑ بکری کے چرانے پہ تھی اوقات ان کی

اپنے وہ مورثِ اعلیٰ جو شہ مطلبی وہی تاجر وہی مزدور وہی حق کے نبیؐ
پھر علیؑ؟ کون علیؑ ۔ نفسِ رسولِ عربی بیلچہ، کھیت، عرق، ہائے بِاُمّی وَاَبی
پھر رسالت کی یہ سب نسل ہے جس بیٹی سے
آسیا گرد پھریں اس کے ۔ وہ چکی پیسے

ان مظاہر سے ہے ظاہر کہ صغار اور کبار کاروباری نہ بنیں گر تو ہے جینا بے کار
تھی نہ روزی کے کمانے میں انھیں بھی کچھ عار ناقۂ رزق دو عالم کی جو تھامے تھی مہار
مردِ بیکار سے راضی کبھی اسلام نہیں
ہم سے کیا کام اگر کام سے کچھ کام نہیں

سرسری بات نہ تھی یہ شہِ دیں کی گفتار تھی زباں حرف بحرف آئنہ دارِ کردار
گو کہ شاگرد تھے خدمت کو کم و بیش ہزار اپنے کاموں کا مگر ان سے نہ تھا کچھ سروکار
شکر طاقت کا جو اعضا سے ادا کرتے تھے
کارِ ذاتی میں بھی یہ کارِ خدا کرتے تھے

جلد پاتے تھے جو گھر بار کے کاموں سے فراغ بزمِ تدریس میں عرفاں کے جلاتے تھے چراغ
شرحِ قرآں میں کھلتے تھے حدیثوں کے جو باغ سلسلے میں ابھر آتے دلِ مجروح کے داغ
فرض ہے جس کی عزا اُس کی عزا ہوتی تھی
درس میں مجلسِ شبیرؑ بپا ہوتی تھی

کبھی نوحہ کبھی مظلوم کی غربت پہ بکا گریہ ہوتا جو گلوگیر تو کرتے یہ دعا
غم میں یا رب مرے دادا کے اٹھے جن کی صدا کوئی غم اُن کو نہ دنیا میں ہو اس غم کے سوا
ریش ہاتھوں پہ رکھے مار کے دھاڑیں روتے
ذکرِ اصغرؑ پہ مگر کھا کے پچھاڑیں روتے

بزمِ شبیر بپا ہوتی تھی گھر میں اکثر روتے تھے فاطمہ کے لال کو سب بیٹھ کے سر
چاند جس وقت کہ آتا تھا محرم کا نظر بعد ہر فرض کے مجلس تھی عشا ہو کہ سحر
دل لرز جاتے تھے وہ شورِ فغاں اٹھتا تھا
تا بہ عاشورہ نہ مطبخ سے دھواں اٹھتا تھا

حال ہوتا تھا شہادت کا مفصل جو بیاں   سن کے اسباب بہت روتے تھے شاہِ دوجہاں
وہ پیمبر کی وفات اور وہ زہرا کی فغاں   وہ شکایت کہ یہ ہر وقت کا نوحہ ہے گراں
جب یہ رونے کی مناہی کے بیاں آتے تھے
دل پکڑ لیتے تھے ہاتھوں سے تڑپ جاتے تھے

پھر جو ہوتا تھا بیاں بیت حزن کا کونا   شہر سے دور بقیع میں وہ شب بھر رونا
دن میں گھر آکے یہاں آنسوؤں سے منہ دھونا   پھر بصد ظلم وہ محسن کی شہادت ہونا
رو کے کہتے کہ نواسے کے فدائی نانا
کربلا کی ہوئی تمہید دوہائی نانا

اور یہ ذکر بڑھا اور بھی رقت آئی   فاطمہ نے اسی تکلیف میں رحلت پائی
گردشِ چرخ مصیبت پہ مصیبت لائی   بعد کرّار و حسن شہ پہ قیامت ڈھائی
فلک پیر مخالف کا ہوا خواہ ہوا
حیف ہے شہر بدر فاطمہؑ کا ماہ ہوا

ہائے وہ ہجرِ مدینہ وہ محمد کا پسر   وہ کڑے کوس وہ صحرا وہ پہاڑوں کا سفر
وہ بیابان وہ لو اور وہ علیؑ کا گلِ تر   ننھے بچوں کا وہ ساتھ اور وہ حرم ناقوں پر
گھر چھٹا دوست چھٹے غم سحر و شام ملا
حق کے گھر میں بھی مسافر کو نہ آرام ملا

کعبۂ رب سے چلا آہوئے صحرائے بلا   اُس طرف رُخ تھا لیے جاتی تھی جس سمت قضا
اب جہاں جا کے بھی منزل ہو تو کل بخدا   راہ میں عشرۂ ذی الحجہ کو ہوا حشر بپا
روزِ اول خبرِ رحلتِ ہانی آئی
عید کا دن تھا کہ مُسلم کی سنانی آئی

سن کے یہ حالِ عزا چیخ کے روئے سرور   منہ کیا سوئے فرات اور کہا چلا کر
ہائے عباس علی آپ کی دکھیا خواہر   میرا پرسا ہو قبول اے بنی ہاشم کے قمر
دم بدم دل کو یہ آواز جو تڑپاتی تھی
گریۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی

ختم مجلس ہوئی رخصت ہوئے اربابِ عزا　　اک صحابی سے بحسرت شہ دیں نے یہ کہا
آج پر سامری دادی کو نہ کیوں تم نے دیا　　جوڑ کر ہاتھ وہ بولے کہ میں صدقے مولا
دیکھیے آنسوؤں سے تر ہے یہ رومال اب تک
اتنا رویا ہوں کہ آنکھیں ہیں مری لال اب تک

میں تو پھر عاشقِ شبیر ہوں اے جانِ علی　　غم سرور میں تو رو دیتے ہیں بیگانے بھی
کون روئے گا نہ پھر سن کے مصیبت اُس کی　　روتے جاتے تھے ستا کر جسے مقتل میں شقی
اور تو اور دمِ ذبح ستمگر رویا
شمر بھی پھیر کے منہ روک کے خنجر رویا

شمر کا نام سنا رونے لگے پھر مولا　　بعد مجلس کے پھر اک ہو گئی مجلس برپا
آ گیا یاد پھر اک بار نہ جانے کیا کیا　　وہ زمیں گرم وہ سجدہ وہ چھری اور وہ قضا
وہ صدا غیب کی۔ دربار میں اب آؤ حسین
شمر خنجر لیے آتا ہے سنبھل جاؤ حسین

کم ہوئے پھر جو یہ آنسو تو صحابی سے کہا　　ہم بھی واقف ہیں کہ تم اہلِ عزا ہو بخدا
ایسے رونے کو تو لیکن نہیں کہتے پُرسا　　اس طرح روؤ کہ لاشوں پہ ہو جس طرح بکا
غیر سمجھے کہ بلک کر جو یہ جاں کھوتے ہیں
مر گیا ہے کوئی ان کا بھی جو یوں روتے ہیں

اس صحابی کا ہے اب یہ الم انگیز بیاں　　جو بھی پھر مجلسِ ماتم ہوئی بعد اس کے جہاں
یوں میں رویا کہ ہلے بام و در و سقف و مکاں　　ایک دن مجھ سے یہ فرمانے لگے شاہِ زماں
رات زہرا کسی مجلس سے چلی آتی تھیں
تیرا پُرسا ہوا مقبول یہ فرماتی تھیں

خلد اب تجکو مبارک ہو عزادارِ حسین　　جو بھی غم میں مرے دادا کے کرے شیون و شین
یا رلانے کو پڑھے حالِ امامِ کونین　　یا ہو صورت سے یہ اظہار کہ دل ہے بے چین
اجرِ عرفانِ امامت بہ یقیں بخشیں گے
میرے نانا اُسے فردوسِ بریں بخشیں گے

اس روایت کا مضموں میں ہوا جب چرچا　　جا بجا ہونے لگی مجلسِ شبیر بپا
اپنی کفشوں کو جہاں چھوڑتے تھے اہلِ عزا　　بیٹھ جاتے تھے وہاں چپکے سے آکر مولا
بارہا دیکھے گئے بزم میں غم خواروں کی
صاف کرتے ہوئے نعلیں عزاداروں کی

ان مجالس کے جو منصور کو پہنچے اخبار　　جذبۂ قتلِ شہِ پاک ہوا پھر بیدار
جلوہ گر آپ تھے اک حجرے میں اور چند انصار　　آگ لگوا دی وہاں چاروں طرف سے اک بار
بچ گیا غسلِ پسرِ صاحبِ معراج جلا
ہائے گھر فاطمہ کا تیسری بار آج جلا

ہنس کے کہتی تھی مشیت کہ ارے او جلاد　　جدِ خلیل ان کے ہیں آتش کو نہیں ان سے عناد
آگ یوں ہوتی جو سوزندۂ اہلِ ارشاد　　جلتے خیمے ہی میں رہ جاتے جھلس کر سجاد
خواہرِ شہ انہیں شعلوں میں گزر کر لائیں
اپنے بیمار بھتیجے کو کمر پر لائیں

جیسے عابد رہے محفوظ وہاں اور زینب　　آنچ آئے گی اسی طرح نہ جعفر پہ بھی اب
بجھ گئی آگ مٹا رنج ہوئی رحمتِ رب　　بچ گئے حضرت صادق بھی اور اصحاب بھی سب
حادثے ایک سے ہیں فرق ہے تقدیروں میں
یہ چھٹے غم سے وہ جکڑے گئے زنجیروں میں

آگ بجھ جانے کی حاکم نے خبر جبکہ سنی　　مشتعل آتشِ بغض اور ہوئی ، اور ہوئی
شہ کو انگورِ سم آلود کی ڈالی بھیجی　　چند دانے جو کیے نوش قیامت ٹوٹی
خون کے ساتھ رگوں میں صفتِ سیل گیا
کُل بدن میں اثرِ زہرِ دغا پھیل گیا

نبض بھی ڈوب چلی سانس بھی ہونے لگی بند　　روحِ احمد ہوئی غمگین خلافت خورسند
شور تھا ہائے چلا کشتۂ غم کا فرزند　　بستۂ طوق و سلاسل کے جگر کا دلبند
سبزیٔ زہر رخِ پاک پہ جو چھائی ہے
جانِ شبیر نے میراثِ حسن پائی ہے

سب عزیزوں کو کیا بہر وصیت جو طلب
نزع کا وقت تھا منہ دیکھ کے رونے لگے سب
شہ نے فرمایا کہ ہم خلق سے جاتے ہیں اب
تم کو ملحوظ رہے طاعتِ خالق کا ادب
بس یہی سب کی معاون سر محشر ہو گی
یہ قضا کی تو شفاعت نہ میسر ہو گی

دوسرے یہ کہ رہے یاد مرے جد کی عزا
غم شبیر میں جی کھول کے روتے رہنا
دیکھ کر موسیٰ کاظم کی طرف پھر یہ کہا
الفراق اے مرے دلدار خدا کو سونپا
لو بتول آئیں رسول الثقلین آ پہنچے
وہ علی آئے وہ شبر وہ حسین آ پہنچے

السلام اے مرے نانا مرے دادا میں فدا
السلام اے مری دادی جگرِ خیر ورا
السلام اے ہدف غم حسن سبز قبا
السلام اے شہ مظلوم غریب الغربا
کہہ کے یہ اٹھ گئے دنیا سے ہمارے جعفر
ہائے شبیر کہا اور سدھارے جعفر

فاطمہ رو کے پکاریں مرے پیارے بیٹا
بات بھی کرنے نہ پاتے کہ سدھارے بیٹا
تھا مرے لال کا غم دم سے تمہارے بیٹا
مجلسیں ہوں گی بپا کس کے سہارے بیٹا
لو غش آتا ہے سنبھالو مجھے سونے والے
الوداع اے مرے مظلوم کے رونے والے

گھر میں کہرام مچا لٹ گیا زہرا کا چمن
حضرت موسیٰ کاظم نے دیا غسل و کفن
روح جعفر نے کہا ہائے شہ تشنہ دہن
کیسی تدفین کہ رو بھی نہ سکی تم کو بہن
تھوڑی مہلت بھی جو بازو کی رسن دے دیتی
بھیک ہی مانگ کے نادار کفن دے دیتی

۱۹۶۹ء

عقد اک رشتۂ سر رشتۂ انسانی ہے — عقد اک عقدۂ سربستۂ روحانی ہے
عقد حکمِ نبوی ، آیۂ قرآنی ہے — عقد اک ایسا عقیدہ ہے جو لافانی ہے

عقد رحمان کی قربت میں بٹھا دیتا ہے
عقد شیطان کے حملے سے بچا دیتا ہے

عقد ہے عقدہ کشا غنچۂ خاطر کے لیے — شمعِ منزل رہِ ہستی کے مسافر کے لیے
کم نہیں کچھ یہ سند غائب و حاضر کے لیے — فتح اوّل ہے یہ پیغمبرِ آخر کے لیے

پہلے ہر کام میں پڑتی رہی مشکل کی گرہ
جب خدیجہ سے بندھا عقد کھلی دل کی گرہ

آگئیں گھر میں یہ احمدؐ کے تو ہر کام چلا — مال سے ان کی بڑی شان سے اسلام چلا
قافلہ دینِ محمدؐ کا بہ آرام چلا — فرش سے حمد چلی ، عرش سے پیغام چلا

خشتِ زر سے ہیں یہ اسلام کے معماروں میں
سب مسلمان ہیں بی بی کے نمکخواروں میں

بہرِ اسلام جہیز ان کا بنا وجہِ حیات — حشر تک دین جسے یاد رکھے گا دن رات
برکت ان کے قدم کی تھی مصائب سے نجات — عقد ان کا تھا نبیؐ کے لیے پیغامِ برات

وحی بھی آگئی قرآن کا بھی دَور ہوا
ان سے جب بیاہ رچا رنگ ہی کچھ اور ہوا

مختلف رسمِ عرب سے تھا یہ شادی کا نظام — جس کا تحریک سے دختر کی ہوا سر انجام
تھا نفیس اور بھی اس وجہ سے رشتے کا یہ کام — لے کے آئی تھیں نفیسہ شہِ دیں کو پیغام

تھی پیمبرؐ کی رضا ، ان کے چچا کی مرضی
کب یہ راضی تھے نہ ہوتی جو خدا کی مرضی

زیبِ تاریخ رہے گا وہ سُہانا منظر   یہ دلھن ہے تو وہ نوشاہ، یہ زہرہ وہ قمر
یہ طراوت، وہ چمن زار، یہ کونپل وہ شجر   یہ نگہ ہے وہ نگہبان، یہ پردہ وہ نظر
یہ ہے خاموشِ حیا، مصحفِ ناطق وہ ہے
یہ ہے بعثت کی خبر، مخبرِ صادق وہ ہے

رازِ کوثر کی یہ حامل تو وہ جنت کا کفیل   یہ صداقت تو وہ صادق، یہ جلالت وہ جلیل
نہ کوئی اس کی نظیر اور نہ کوئی اس کا عدیل   اصل سے نسل سے دونوں گلِ گلزارِ خلیل
شاخ سرسبز ہوئی، نخل برومند ہوا
ایک ہی شجرے کی دو شاخوں کا پیوند ہوا

عطرِ کونین ہے دولھا تو معطّر ہے دلھن   وہ ہے فرمانِ خدا، مرضیِ داور ہے دلھن
میرا کیا منہ جو کہوں، کتنی گراں تر ہے دلھن   منتخب کردۂ اللہ و پیمبرؐ ہے دلھن
وہ بنا جس کے لیے چرخ بنے، فرش بنا
ہمسرِ خلد بنی، ہمشرفِ عرش بنا

عبدِ معبود ہے دولھا تو عبادت ہے دلھن   وہ ہے قرآں کا مضموں تو عبارت ہے دلھن
نفسِ اعجاز وہ ہے روحِ کرامت ہے دلھن   وہ اگر نور کی سورت ہے تو آیت ہے دلھن
مصطفیٰؐ نام ہے اس کا تو خدیجہ یہ ہے
بُرجِ عصمت میں ہیں سعدین نتیجہ یہ ہے

دلھن ایسی ہے کریں جس کا نمازی اکرام   ایسا دولھا ہے نمازیں جسے کرتی ہیں سلام
وہ دلھن، گھر سے ہوا جس کے عبادت کا قیام   اور وہ نوشاہ جو تسبیحِ رسالت کا امام
ہے خدیجہ سے رسولِؐ دوجہاں کا رشتہ
جس کی تسبیح ہے، اُس بی بی کی ماں کا رشتہ

مادرِ فاطمہؑ و عترتِ اطہار دُلھن   لوحِ قسمت کی طرح حاملِ اَسرار دُلھن
دولتِ نسلِ پیمبرؐ سے گرانبار دُلھن   اُفقِ نور دُلھن، مطلعِ انوار دُلھن
نورِ عصمت کی امانت کا خزینہ ہے دُلھن
آمنہ کی ہے بہو، جب تو امینہ ہے دُلھن

وہ شہانہ تنِ نوشاہ کا وہ زینت و زین　　غازۂ روئے حسین ، دبدبۂ بدر و حنین
وہ قبا اور وہ عبا ، گردہیں جس کی کونین　　سر چڑھائے گا جسے عرش وہ طاہرِ نعلین
دستِ قدرت کی عطا نورِ ازل کا سہرا
علم کے پھولوں سے گوندھا ہے عمل کا سہرا

مالکِ خلد سے وہ بنتِ خُوَیلِد کا نکاح　　طرزِ نَو سے ، کہ اسی طرز سے ابتک ہے مُباح
پہلی تقریب تھی احمدؐ کی یہ ازروئے صحاح　　جس میں تھی حمدِ خدا قفلِ سخن کی مفتاح
جاہلیت نے سنی جس میں صدائے اسلام
وحی سے پہلے تھی تمہید برائے اسلام

واضع و قاریِ خطبہ بطریقِ فصحا　　تھے ابو طالبؑ ذی جاہ محمدؐ کے چچا
حمدِ رب میں علی الاعلان جنھوں نے یہ کہا　　جو خدا ایک ہے الحمد وہ رب ہے میرا
بت پرستی سے جو ہے پاک وہ گھر اپنا ہے
حشر تک جو ہے محمدؐ وہ پسر اپنا ہے

صاف خطبے میں تھی توحید کی عظمت مضمر　　پھر محمدؐ کی ستائش میں رسالت مضمر
حشر کا ذکر جب آیا تو قیامت مضمر　　اس ضیافت میں بھی تھی دین کی دعوت مضمر
کبھی یہ ذکر سنا اور سنایا بھی نہ تھا
بات جب کی ہے کہ قرآن تو آیا بھی نہ تھا

جمع تھے عصرِ جہالت کے جو اربابِ عقول　　دنگ تھے سُن کے یہ تقریب خلافِ معمول
بول اٹھا وقت کہ مستقبلِ روشن کے رسولؐ　　ہے یہ ایجاب قبول اور یہ طریقہ مقبول
عقد کی شکل میں تشکیل تھی آبادی کی
جو بھی شادی ہے تاسی ہے اسی شادی کی

حمد جس عقد کے خطبے میں پڑھیں اب علما　　بخدا نقشِ قدم ہے وہ ابو طالبؑ کا
غیر دیندار تھے گر آپ بقولِ دنیا　　پیروی اُن کی ہے پھر کون سی منطق سے روا
ہے یہ انکار کہ اقرارِ ابو طالبؑ ہے
چھوڑ دو حمد کہ یہ کارِ ابو طالبؑ ہے

حق کی تبلیغ کا پیغام ابوطالبؑ ہیں   حافظِ حق سحر و شام ابوطالبؑ ہیں
بانیِ دعوتِ اطعام ابوطالبؑ ہیں   سب مسلمان ہیں، اسلام ابوطالبؑ ہیں

طورِ سینا سے نہ وہ کعبے کے دَر سے نکلا
پل کے دینِ نبوی ان کے ہی گھر سے نِکلا

مرسلِ حق کا بغیر ان کے نہ کچھ کام چلا   دین سائے میں انہی کے سحر و شام چلا
یہ اُٹھے بہرِ حمایت تو پھر اسلام چلا   ان سے بیٹا جو مِلا، نسل چلی نام چلا

جاہلیت میں عَلمِ علم کا لے کر نِکلے
قبلِ بعثت یہ صداقت کے پیمبر نِکلے

اے زہے شانِ ابوطالبِ ذی فہم و نبیہ   شیبۃ الحمد کے اوصاف و محامد کی شبیہ
صلب میں وجہِ خدا، وجہ سے جس کی یہ وجیہ   خود ہم اسرارِ نبیؐ، ابن بھی سِرُّ لاَ اَبِیہ

یہ اثر ان کے لہو کا ہے کہ وہ حیدرؑ ہے
پیشوا خلق کا ہے، باپ کا پس منظر ہے

جو محمدؐ کی وہی ان کی بھی عالی نسبی   وہی اسلاف کے اوصاف وہی خوش لقبی
خود بھی مسلم ہیں اب و جد بھی، بِاَمّی وَاَبی   ان کے گھر میں ہوئے مبعوث رسولِ عربی

عینِ معبود بھی اک نورِ نظر ان کا ہے
جو نُصیری کا خدا ہے وہ پسر ان کا ہے

وہ پیمبرؐ کا ہے سر، ان کا ہے سایہ سر پر   وہ محمدؐ کی ہے شمشیر، یہ ان کی ہیں سپر
وہ ہے اشجع یہ شجاعت، وہ مظفر یہ ظفر   وہ بہر شکل ہے مشتق، یہ بہر رُخ مصدر

وہ اُدھر اور یہ اِدھر غالب ہر غالب ہیں
فاتحِ بدر علیؑ، فتح ابوطالبؑ ہیں

ان کی امداد سے ہموار ہوئی راہِ نجات   پھر بھی دنیا نے کہی ان کے لیے کفر کی بات
منکرو نرغۂ کفّارِ عرب میں دن رات   اِن کے ایماں کا ثبوت احمدِ مرسل کی حیات

سب دلیلوں پہ دلیل ایک مگر غالب ہے
کُلِّ ایمان تو اک جزوِ ابوطالب ہے

ہم کو تاریخ میں کوئی یہ دکھائے تو کہیں	کب جھکی اور کہاں بُت کی طرف انکی جبیں
گود میں ان کی پلے اور بڑھے بانیِ دیں	گھٹنیوں ان کی ہی منزل میں چلی شرعِ مبیں
خانۂ صدق و امانت کے یہ سر کردہ ہیں
اک رسولؐ ایک امام آپ کے پروردہ ہیں

کرکے ہجرت حبشہ کو جو گئے اہلِ ہمم	دوڑ کر اُن کے تعاقب میں چلے ننگِ اُمم
سُن کے، نصرت کو اٹھا اور بڑھا تیز قدم	ان کا کلکِ دو زباں، صورتِ شمشیرِ دو دَم
ایک مکتوب مضامینِ رفیعہ لکھا
بہرِ سلطانِ حبش خطِ شفیعہ لکھا

جس میں تحریر تھا یہ بھی کہ بھتیجا میرا	تیرے مذہب کی بھی رُو سے ہے مثیلِ موسیٰؑ
یہ وہی ختمِ رسل، شاہِ رسل ہے بخدا	جس کا دم بھرتے ہوئے اُٹھ گئے تیرے عیسیٰؑ
اہلِ انصاف! رسالت کے یہ منکر تو نہیں
ان کو کافر میں کہوں کوئی میں کافر تو نہیں

یہ کھُلے بند جو اعلانِ رسالت کرتے	قوم پر تھا جو تسلط اُسے غارت کرتے
فیصلے آپ کے رد اہلِ ضلالت کرتے	اپنے دامن کو بچاتے نہ حمایت کرتے
یہ عمل ان کا ہے اَسرارِ الٰہیہ میں
اب جنھیں شک ہو وہ آجائیں خدنیبیہ میں

اُن کی منزل ہے وہی شک ہو مُسلط جن پر	جس میں از راہِ تقیّہ برضائے داور
حضرتِ ختمِ رسل نے پئے دفعیّۂ شر	صلح نامہ سے "نبی" کاٹ دیا لکھوا کر
کفر کا اوروں پہ الزام نہ کم ظرف رکھے
حوصلہ ہو تو پیمبرؐ پہ کوئی حرف رکھے

ان مصالح پہ نہیں کوئی کشیدہ ابرو	کہہ دیں کافر جو بدر میں ہو علیؑ کے بھی خُو
بل ہے تیوری پہ یہاں اور وہاں اللہ ہُو	دوستو بھول حلال اور حرام اس کی بُو
خونِ اسلاف کا کیا آپ سے بدلہ لوگے
قتل بیٹے نے کیا باپ سے بدلہ لوگے

کفرِ حضرت کے دلائل میں حدیثِ نایاب
دیکھ آئے شبِ اسریٰ یہ شہِ عرش جناب
تو بہ توبہ یہ چچا نار میں ہیں زیرِ عقاب
اے میں قربان جو زندہ ہیں ابھی ان پہ عذاب
حشر سے پہلے جو یوں فیصلۂ کار کیا
کیا قیامت ہے قیامت سے بھی انکار کیا

کفر کا یہ پدرِ شیرِ خدا پر الزام
صاف ہے اُمتِ مرحوم کی سعیِ ناکام
اس کی تردید میں سنیئے یہ سیوطی کا کلام
"کفر سے پاک ہیں ایسوں کے سب آبائے کرام
مدعا یہ ہے فقط تہمتِ الزامی سے
بچے بدنام ہوں ماں باپ کی بدنامی سے"

اپنے اسلام کا حمزہ نے کیا جب اعلان
آپ نے اُن سے کہا آؤ سناؤ قرآن
تم سے میں خوش ہوں کہ لائے ہو نبی پر ایمان
میرے احمدؐ کا کچھ آسان نہیں تھا عرفان
راہِ معبود میں اس عبد کی نصرت بھی کرو
صاحبِ ملّتِ حَقّہ کی حفاظت بھی کرو

جس کے مذہب کی اشاعت سے خوش اتنا ہو کوئی
جس کے عرفان کی امواج میں ڈوبا ہو کوئی
جس کی نصرت کے لیے اوروں سے کہتا ہو کوئی
صاحبِ ملّتِ حَقّہ جسے سمجھا ہو کوئی
اس قدر جس کو صداقت پہ یقین آیا تھا
کہہ دو ایمان سے ایمان نہیں لایا تھا

بولے اک دن یہ علیؑ سے کہ کسی کو نہ کھلو
اپنے بھائی کی روش پر جو مری جان چلو
زندگی بھر نہ کبھی پھر کفِ افسوس ملو
بات اتنی سی ہے سانچے میں محمدؐ کے ڈھلو
مِل گیا ابنِ عم ایسا تمھیں خوش بختی سے
دین دنیا میں بچائے گا جو ہر سختی سے

سختیاں دین کی دنیا کی بحدِ تعبیر
لفظ ہیں چند مگر ان کی بڑی ہے تفسیر
زندگی، موت، لحد، اس کی صعوباتِ کثیر
حشر و میزان و حساب و ارم و نارِ سعیر
کون ان سب کا سبق غیرِ نبیؐ سے لے گا
کیا یہ تعلیم پسر کو کوئی کافر دے گا

۱

دوستو! یہ بھی تو انصاف سے سوچو اک بار کون مدحت میں بھتیجے کی کہے گا اشعار
صدرِ اسلام میں مدّاحِ رسولِ مختار اک تھے یہ اِن کے چچا، ایک خدائے غفّار
میرے لفظوں میں مرے جَد کا قصیدہ دیکھو
رنگ اغیار کے چہروں کا پریدہ دیکھو

مدح کے لفظ یہ ہیں صادق الاقرار ہو تم ارضِ مکّہ کے لیے نزہتِ افکار ہو تم
خواب افلاس اُڑا، طالعِ بیدار ہو تم شمعِ کونین ہو تم، مطلعِ انوار ہو تم
طیّب و طاہر و باعظمت و جرّار بھی ہو
تم نبیؐ بھی ہو، محمدؐ بھی ہو، سردار بھی ہو

کیا ہے کلمے میں یہی کچھ تو ہے اربابِ عقول "میں یہ دیتا ہوں گواہی کہ محمدؐ ہیں رسولؐ"
سوچیے اور سمجھیے نہ بہت دیجیے طول ماحصل اس کا ہے اقرارِ نبوّت کا حصول
کلمہ پڑھ لوں تو بجا! گو مجھے ایقان نہیں
"تم نبی ہو" یہ کہے جو وہ مسلمان نہیں

جب بھی اللہ نے کفّار میں بھیجا کوئی نور کر دیا اس کی حفاظت کا بھی سامان ضرور
گھر میں فرعون کے پہنچا جو کلیمِ سرِطور آسیا پہلے سے تھیں بہرِ حمایت مامور
مومنِ خانۂ فرعون بھی دم بھرتا تھا
اہلِ تقویٰ تھا تقیّے میں بسر کرتا تھا

اہلِ فرعون کے مومن نے کبھی یہ نہ کہا تم پہ ایمان میں لاتا ہوں جنابِ موسیٰؑ
آسیا نے بھی حمایت کا نہ اعلان کیا وصف اِن دونوں کا آیات میں پھر بھی آیا
حق ثنا خواں ہے تو پھر ہوں گے بھی آخر اچھے
یہ بھی کافر تھے، تو مسلم سے یہ کافر اچھے

اب جو کفّار میں مبعوث ہوئے ختمِ رسل گھر کے کانٹوں میں کھلا باغِ براہیم کا گُل
ذرّے ذرّے کو یہ تھی فکر کہ یہ شمع ہو گُل در و دیوار مخالف تو معاند جز و کل
جو یہاں اِن کا محافظ تھا وہ ذیجاہ تھا کون
یعنی اس فرض پر مامور من اللہ تھا کون

اور اس فرض پہ مامور نہ تھا کوئی اگر　　سنّتُ اللہ ہو تبدیل یہ مانیں کیونکر
ہو وہ موسیٰ کی حفاظت کہ حمایت یکسر　　فرض مخصوص تھی اک مرد اور اک عورت پر

بس یونہی چاہیے اب ختمِ نبوّت کے لیے
زن حمایت کے لیے مرد حفاظت کے لیے

جس مورخ سے بھی پوچھا یہ کیا اُس نے کلام　　دیکھنے بھر کے تھے اس دَور میں احباب تمام
وہ جنھیں صرف حمایت سے حفاظت سے تھا کام　　ایک خاتون تھیں، اک مرد اور اللہ کا نام

مرحلے جتنے بھی پیش آئے یہی غالب تھے
مادرِ فاطمہؑ تھیں اور ابوطالبؑ تھے

مادرِ فاطمہؑ جب عقدِ نبیؐ میں آئیں　　شاملِ ذات ہوئیں حسبِ اصول و آئیں
قربتیں سب یہ حمایت کی جزا میں پائیں　　تنِ بے سایہ تھے حضرت تو یہ تھیں پرچھائیں

مدعا ایک تھا دو قلب تھے دو قالب تھے
اور محافظ بہمہ حال ابوطالب تھے

بحث یہ ہے یہ حفاظت تھی چچا کی مرضی　　یا نبیؐ کے دلِ جویائے وفا کی مرضی
یا اعزا کی رضا یا رفقا کی مرضی　　یا نبوّت کے تحفّظ میں خدا کی مرضی

جز خدا اور کسی کی جو یہ مرضی ہوتی
احتجاجی کوئی آواز تو اٹھی ہوتی

مرتے مرتے یہ چچا تھے جو پیمبرؐ کے مشیر　　مشورے ان کے ہیں احکام بہ حکمِ تقدیر
مٹ نہیں سکتی مٹانے سے یہ ہے وہ تحریر　　حال گھاٹی کا ہے تاریخ میں پتھر کی لکیر

تھے نہ مامور تو کیوں شاملِ صحبت ٹھہرے
اور تھے مامور تو پھر جزوِ نبوت ٹھہرے

مستند جس کا ہے مامورِ حفاظت ہونا　　جس نے آغاز کیا ختمِ ہدایت ہونا
اس کی تضحیک کروگے تو پڑے گا رونا　　اس کی تکفیر ہے ایمان خود اپنا کھونا

جس نے یہ بات نہ سوچی وہی گمراہ ہوا
کوئی کافر کبھی مامور من اللہ ہوا

اِن کے دادا تھے خلیل، اُن کی ہیں یہ ذرّیت منصبِ "جاعِلُکَ" آپ کی ہے ملکیّت
ہے علیؑ سا جو پسر ثمرۂ صدقِ نیت مرتے دَم سونپ گئے اُس کو یہ ماموریّت
اب محافظ خلفُ الصّدقِ ابوطالبؑ ہے
اور اِسی وجہ سے وہ غالب ہر غالب ہے

رات دن راحتِ تن کھو کے نگہبانی کی آ گئی نیند تو منہ دھو کے نگہبانی کی
بعد طفلی کے جواں ہو کے نگہبانی کی شبِ ہجرت جو ہوئی سو کے نگہبانی کی
وقف تھے آپ رسالت کی حفاظت کے لیے
فاطمہؑ جا ے خدیجہؑ تھیں حمایت کے لیے

یہ حفاظت جو ہے میراث ابوطالبؑ کی منزلت اور بڑھی اِس کی، پسر کو جو ملی
تھے حفاظت میں وہاں اُن کی فقط ایک نبی اُن کے بیٹوں کے بھی ہر وقت محافظ ہیں علیؑ
اس فضیلت کو کسی نفسِ زکیہ سے سنو
جاؤ صفین میں ابنِ حنفیہ سے سنو

وہ دمِ معرکہ بابا سے محمدؐ کا سوال مسکرا کر وہ جگر بند سے حیدرؑ کا مقال
شانِ سبطین سنو مجھ سے مرے ماہ کمال میرے فرزند ہو تم اور یہ پیمبرؐ کے ہیں لال
کل یہ تھا فخر کہ احمدؐ کا محافظ ہوں میں
آج ابنائے محمدؐ کا محافظ ہوں میں

حفظِ سبطینِ محمدؐ جو فریضہ تھا اہم اہتمام اس کا علیؑ کر کے گئے مرتے دَم
چھوٹے بیٹے کو بلا کر یہ کہا دے کے عَلَم اب تمہیں سونپتے ہیں اپنے بڑے فرض کو ہم
پسرانِ شہِ لولاکؐ کے حافظ تم ہو
ہے حمایت کو جو زینبؑ تو محافظ تم ہو

جس طرح شاہِ رسلؐ کے لیے ہم بن گئے ڈھال تم امامت کی سپر ہو یونہی اَے ماہِ کمال
خاص کر نہر کے ساحل پہ سو جب جنگ و جدال جانشیں باپ کا اپنے کو سمجھنا مرے لال
تم کو ہم سونپتے ہیں کام ابوطالبؑ کا
کربلا یاد رکھے نام ابوطالبؑ کا

باپ کی تھی جو تمنّا وہی بیٹے نے کیا جیتے جی غم کوئی شبیرؑ کو ہونے نہ دیا
جنگ میں ضبط کا تھا حکم تو غصّے کو پیا شہ نے جو اسلحہ لے جانے سے روکا، نہ لیا
تشنگی بھول گئے نہر کی تیّاری میں
جنگ کی نفس سے تکمیلِ وفاداری میں

اِس قدر الفتِ شبیرؑ میں تھی سرشاری اُن کی نصرت میں اِنھیں بھول تھیں ضربیں کاری
زر کا جادو نہ لعینوں کی چلی عیّاری شمر بہکانے کو آیا، اُسے ٹھوکر ماری
تُف نہ کی شام کی نولاکھ کی سالاری پر
ناز تھا چھوٹے سے لشکر کی علمداری پر

امتحاں گاہِ عمل معرکۂ کرب و بلا تو بھی کچھ بول بہت تونے تو رکھی ہے وفا
تیری جانب سے جو عاشور کو چلتی ہے ہَوا صاف کانوں میں عقیدت کے یہ آتی ہے صدا
مشک بھر کر جو ابھی نہر سے یہ لائے ہیں
جانِ احمدؐ کی حفاظت کو علیؑ آئے ہیں

کس قدر شہ کی انھیں جان بچانے کا ہے پاس مشک اک اُن کی امانت جو ہے جرّار کے پاس
اِس امانت کی حفاظت میں جنابِ عباسؑ خون میں ہوتے چلے جاتے ہیں تر، بے وسواس
گرز بھی، تیر بھی، شمشیر بھی کھا لیتے ہیں
مشک کو سینۂ زخمی سے چھپا لیتے ہیں

تیر دلدوز کلیجے کو ہلاتے ہی رہے آپ شانِ اسداللہ دکھاتے ہی رہے
رن ہلاتے ہی رہے حشر اٹھاتے ہی رہے تیر کھاتے ہی رہے، مشک بچاتے ہی رہے
کوئی پہلو پہ لیا کوئی جگر پر روکا
زد پہ مشک آئی تو پتلی کی سپر پر روکا

خلد سے آ کے پکارے یہ پیمبرؐ شاباش آئی آواز نجف سے مرے دلبر شاباش
روحِ جعفر نے کہا، ثانیِ حیدرؑ شاباش بولیں زہراؑ مرے محسن مرے دلبر شاباش
نصرتِ سبطِ نبیؐ میں جد و کد کرتے ہو
امّاں صدقے مرے بیکس کی مدد کرتے ہو

لاکھ روباہوں نے روکا یہ غضنفر نہ رُکا　　گڑ گئے سینے میں نیزے پہ دِلاور نہ رُکا
فوج کے مکر و دغا سے بھی یہ صفدر نہ رُکا　　کٹ گئے ہاتھ مگر بازوے سرور نہ رُکا
گِر گیا گو کہ علم پھر بھی نہ زنہار گرے
چھن گئی مشک تو ریتی پہ علمدار گرے

گِرتے گِرتے یہ کہا شاہِ ہُدا اَدرِکنی　　دلبرِ بنتِ رسولِ دوسرا اَدرِکنی
راحتِ جانِ شہِ عقدہ کشا اَدرِکنی　　پسرِ حضرتِ محبوبِ خدا اَدرِکنی
مرتے دم حسرتِ دیدار ہے آقا آؤ
وقت لٰیسین کا ہے دلبرِ طاہا آؤ

یہ صدا سنتے ہی مولا نے جگر کو تھاما　　ضعفِ پیری نے شہِ جن و بشر کو تھاما
پاؤں تھرّائے تو اکبر نے پدر کو تھاما　　درد نے اُٹھ کے مسافر کی کمر کو تھاما
یوں قضا باغِ تمنّا کی فضا لوٹ گئی
دم بدم رو کے کہا، ہائے کمر ٹوٹ گئی

گرتے پڑتے جو لبِ نہر گئے شاہِ اُمم　　دیکھ کر بھائی کو مجروح کہا ہائے ستم
گرز سے سر ہے فگار اور ہے چہرے پہ ورم　　مشک سینے پہ ہے پہلو میں محمّد کا عَلم
شان پر دیکھنے والوں کو گماں ہوتا ہے
گھاٹ روکے ہوئے بے خوف اسد سوتا ہے

جھک کے آہستہ پکارے یہ شہِ کون و مکاں　　ابھی زندہ ہو کہ جنّت میں گئے بھائی جاں
بولے گھبرا کے یہ عباسؑ کہ مولائے زماں　　السّلام اے جگر و جانِ رسولِ دو جہاں
نہر پر آنے کی تکلیف جو فرمائی ہے
آپ کے ساتھ سکینہ تو نہیں آئی ہے

رو کے فرمایا کہ بھیّا تری غیرت کے نثار　　میرے جانباز برادر تری جرأت کے نثار
میری نادان کے سقّے تری ہمّت کے نثار　　اے مرے چاہنے والے تری چاہت کے نثار
پسرِ بادشہِ بدر و حنین آیا ہے
اٹھو بھائی تمھیں لینے کو حسینؑ آیا ہے

کہہ کے یہ بیٹھ گئے خاک پہ شاہِ شہدا   سرِ علمدارِ دلافگار کا زانو پہ رکھا
اب جو اس شیر کی آنکھوں پہ نظر کی تو کھلا   کوئی صدمہ ہے کہ روتے ہیں کہا بھائی یہ کیا
اپنے بچّوں کے لیے محوِ قلق ہوتے ہو
بھائی عباسؑ کہو تو سہی کیوں روتے ہو

عرض کی اور ہی کچھ فکر ہے اے ابرِ کرم   اپنے بچّوں کا نہ کچھ دھیان نہ صدمہ نہ الم
بس اگر ہے تو فقط شہ کی حفاظت کا ہے غم   عصر کی یاد میں بیتاب ہوں یا شاہِ امم
مرتے دم بھی تو وہ صدمہ مجھے تڑپاتا ہے
کس طرح عرض کروں منہ کو جگر آتا ہے

وہ بزرگوں کا دمِ نزع وہ دنیا سے سفر   وہ نبیؐ اور وہ آغوشِ یداللہ وہ سر
وہ سرِ شیرِ خدا اور وہ سرھانے شبّر   اور پھر فرقِ حسنؑ آپ کے وہ زانو پر
حیف یاں تو کوئی بھائی نہ بھتیجا ہوگا
ہائے پھر کیا سرِ سرور کا نتیجا ہوگا

جانِ زہراؑ نے کہا آہ نہ پوچھو بھیّا   یہ الم یہ غمِ جانکاہ نہ پوچھو بھیّا
میرے انجام کو للّٰہ نہ پوچھو بھیّا   کوئی مونس نہ ہوا خواہ نہ پوچھو بھیّا
لب پہ امت کی دعا حلق پہ خنجر ہوگا
خاک پر گود میں زہراؑ کی مرا سر ہوگا

یہ سخن سنتے ہی عباسؑ کو ہچکی آئی   جب حفاظت سے ہوئی یاس شہادت پائی
روکے بولے شہِ مظلوم کہ ہے ہے بھائی   اک ذرا اور ٹھہر جاؤ مرے شیدائی
اپنی معصوم حزینہ سے تو ملتے جاؤ
بھائی عبّاسؑ سکینہ سے تو ملتے جاؤ

ناگہاں آئی یہ آواز کہ آؤ عمّو   تم سے روٹھی ہوں مجھے اٹھ کے مناؤ عمّو
نہ کرو پیار، نہ چھاتی سے لگاؤ عمّو   مشک تو پھیر دو پانی نہ پلاؤ عمّو
اور پاس آئی جو بچّی دلِ مضطر الٹا
کانپ کر لاشۂ عباسِؑ دلاور الٹا

دوستو فصلِ غم و شیون و شین آخر ہے ۔ لو عزائے پسرِ شاہِ حنین آخر ہے
ماتمِ سبطِ رسول الثقلین آخر ہے ۔ اس عزا خانے میں اب بزمِ حسینؑ آخر ہے

کربلا کو پسرِ خیر ورا جاتے ہیں
رو کے رخصت تو کرو شاہِ ہدا جاتے ہیں

الوداع اے پسرِ احمدِ مختار حسینؑ ۔ الوداع اے جگرِ حیدرِ کرار حسینؑ
الوداع اے حرمِ پاک کے سالار حسینؑ ۔ الوداع اے علی اکبرؑ کے عزادار حسینؑ

نوحہ و ماتم و فریاد میں جاں کھو نہ سکے
ہائے مولا تمھیں جی بھر کے محب رو نہ سکے

ہو کے مہماں جو ہمارے شہِ عالم آئے ۔ احمد و حیدرؑ و زہراؑ بھی بصد غم آئے
کیا خبر اگلے برس پھر جو محرم آئے ۔ ہم لحد میں ہوں یہاں موسمِ ماتم آئے

غم نہ بھولیں گے تمھارا جو مریں گے مولا
ہم کفن پھاڑ کے ماتم تو کریں گے مولا

۱۹۷۱ء

شریکِ دعوتِ اِسلام ہیں ابوطالبؑ　　نبیؐ کو حق کا اک اِنعام ہیں ابوطالبؑ
حریمِ وحی میں الہام ہیں ابوطالبؑ　　حرم کے عزم کا احرام ہیں ابوطالبؑ

یہ چمن کے لائیں جو غنچہ وہ پھول ہوجائے
پھر اُن کے سائے میں پل کر رسولؐ ہوجائے

رسولِؐ رب کے نگہبان ہیں ابوطالبؑ　　نبیؐ ہیں دین تو ایمان ہیں ابوطالبؑ
نزولِ وحی کا عنوان ہیں ابوطالبؑ　　بغیرِ لفظوں کا قرآن ہیں ابوطالبؑ

انھیں کے دَم سے ہوئی ابتدائے بسم اللہ
انھیں نے نقطہ دیا زیرِ بائے بسم اللہ

پیمبری کی بلاؤں کا رد ابوطالبؑ　　مدد خدا کی ہے، مشکل مدد ابوطالبؑ
نبیؐ کی ڈھال دَمِ جدّ وکد ابوطالبؑ　　نشانہ ختمِ رسلؐ اور زد ابوطالبؑ

جہاد ان کا ہے پس منظرِ جہادِ علیؑ
علیؑ ہیں بعد میں اِن کے، یہ پہلے نادِ علیؑ

مخالفت پہ نبیؐ کے تُلے تھے جب کفّار　　کئی بزرگ تھے مکّے میں آپ کے غمخوار
بہت شریف، بہت پارسا، بہت دیندار　　بڑے دلیر، بڑے سورما، بڑے جرّار

اسیرِ شعب ہوئے یہ تو سب وہ ڈر کے ہٹے
پہاڑ ٹوٹتے آئے نظر تو سر کے، ہٹے

نظر چُرا گئی دنیا مگر ابوطالبؑ　　کسے تھے نصرتِ حق پر کمر ابوطالبؑ
ہزار تیغیں تھیں اور اک سپر ابوطالبؑ　　رکھے تھے اپنی ہتھیلی پہ سر ابوطالبؑ

لگن جو ان کو نہ ہوتی چراغ گل ہوتا
نبیؐ کا فاتحہ، قرآن کا بھی قل ہوتا

ہر اک محل میں ہیں مشکل کا حل ابوطالبؑ — نبیؐ کی جرأتِ، عزم و عمل ابوطالبؑ
مخالفوں کی یورش میں اٹل ابوطالبؑ — کہ سیلِ تند کی زد پر کنول ابوطالبؑ
انھیں کے رعب سے خائف عرب کے خودسر تھے
گِنو تو ایک تھے، سمجھو تو ایک لشکر تھے

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا جو حق نے فرمایا — یہ کس کا فعل پسند آگیا جو اپنایا
اگر یہ وہ ہے جو ایمان تک نہیں لایا — تو کیا یہ آیہ ہے کافر کی مدح میں آیا
نہیں کچھ اور بشر کے سوا ابوطالبؑ
مگر اِس آئے میں عینِ خدا ابوطالبؑ

وہ پروردۂ جسم و دماغ نورِ الٰہ — نبیؐ کی فکر سے ظاہر ہے جس کا ذوقِ نگاہ
علیؑ کا حسنِ عمل جس کی تربیت پہ گواہ — اسی سے نسبتِ تکفیر، اے معاذ اللہ
اِذِ ابْتَلٰی کی خبر کا یہی تتمہ ہیں
علیؑ ہیں ان کے پسر، یہ ابوالائمہؑ ہیں

چڑھا ہے جن کی حمایت میں دینِ حق پروان — رسالت اور شریعت پہ جن کے ہیں احسان
پیمبرِ عربی پر نثار جن کی ہے جان — نبیؐ کے عزم کی تکمیل جن کا ہے ایمان
وہی بتائیں گے، پوچھو نبیؐ سے کیسے ہیں
پسر بھی اِن کا ہے ایمانِ کُل یہ ایسے ہیں

منافقین کہ دل میں غبار ہے جن کے — جو پاس بیٹھنے والے ہیں رات اور دن کے
اِدھر اُدھر جو بھٹکتے ہیں بغض میں ان کے — چنیں نہ صورتِ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ تنکے
لگائے رکھتے ہیں دل کو جو ان کی لاگ میں وہ
سقر کا بنتے ہیں ایندھن حسد کی آگ میں وہ

تلاش حق کی جو اے چشمِ شوق تجکو ہے دُھن — تو ڈوب قلزمِ قرآں میں اور موتی چُن
بگوشِ دل کبھی لیسین کی زبان سے سُن — کلام جَاءَ مِنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ رَجُلٌ
یہ اک رجل ہے عرب کو پچھاڑنے والا
پھر اک رجل درِ خیبر اکھاڑنے والا

بُھلا سکیں گے یہ عظمت بداعتقاد اِن کی   کہ ہے شریعتِ اسلام خانہ زاد اِن کی
نگاہبانیِ احمدؐ ہے سب کو یاد اِن کی   یہی مُراد مشیت یہی مُراد اِن کی
رسولؐ کو جو انھوں نے نظر کے تِل میں رکھا
تو حق نے اپنے ارادے کو اِن کے دل میں رکھا

کہاں ہے تنگ نظر ہم سے بھی تو آنکھ مِلا   ہے ان کے کفر کا دعویٰ تو کچھ ثبوت بھی لا
کوئی تو رسمِ جہالت کی اِن کے گھر میں دکھا   بتوں کے آگے جھکا اِن کا سر، سر اپنا جھکا
خدا کے نور پہ او خاک ڈالنے والے
یہ بُت شکن کو ہیں گودی میں پالنے والے

چھپا ہوا ہے تعصب کی شب میں عقل کا دن   ہٹے یہ گرد تو فہم رموز ہے ممکن
نہاں تھا آل میں فرعون کی جو اک مومن   جو کفر اس کا تھا ظاہر، تو دین تھا باطن
مِلا رہا جو بظاہر گروہِ بدعت سے
کلیم بچ گئے زندہ اُسی کی رویت سے

رضائے حق سے وہ ایسا اگر نہ بن جاتا   کتاب میں نہ خدا اس کی مدح فرماتا
کلیمِ پاک پہ ایماں جو کھُل کے لے آتا   تو پھر حمایتِ موسیٰ کہاں سے کر پاتا
کچھ اِس قدر یہ تقیّہ خدا کو بھایا ہے
کہ وصف یَکْتُمُ ایمانَہٗ میں آیا ہے

نہ دیکھو یہ کہ نقابِ رُخِ نکو کیا ہے   تم ان کے دل کو ٹٹولو کہ آرزو کیا ہے
بیانِ قلب میں قالب کی گفتگو کیا ہے   لہو کے آگے پسینے کی آبرو کیا ہے
تمھیں بتاؤ کہ اعلیٰ ہیں اب کہ پست یہ ہیں
خدا ہے سر پہ محمدؐ کے، سرپرست یہ ہیں

رسولؐ پاک کی کھیتی جو حشر تک ہے ہری   بہت کچھ ان کی بھی شامل ہے اُس میں دیدہ وری
بُری لگے کہ بھلی بات ہم کہیں گے کھری   یہ تیر ہے کہ تبر یہ بتائیں گے طبری
جو لکھ گئے انھیں ہمّت نہ ہارنے والا
نبیؐ کو دعوتِ حق پر اُبھارنے والا"

علیؑ کو آپ نے پوچھا بُلا کے خلوت میں
شریک کیوں ہو محمدؐ کی ہر عبادت میں
وہ بولے، کیا کوئی شک ہے مجھے رسالت میں
کہا، ہماری خوشی بھی ہے اس اِطاعت میں
اِسی طریق پہ باقی رہو کہ حق یہ ہے
بتائے اب کوئی کیا کفر کا سبق یہ ہے

رسولؐ ان کا بڑا احترام کرتے ہیں
صوابدید سے تنظیم عام کرتے ہیں
سحر کو اُٹھتے ہی اوّل یہ کام کرتے ہیں
اِنھیں نماز سے پہلے سلام کرتے ہیں
نبیؐ اگر کسی کافر کا یوں سلامی ہے
تو پھر ضرور نبوّت میں کوئی خامی ہے

اِنھیں کے گھر میں ہیں خیر الانام صلّ علیٰ
پسر نبیؐ کا ہے قائم مقام صلّ علیٰ
کسے نصیب ہے یہ احترام صلّ علیٰ
کہ ان کے نور ہیں بارہ امام صلّ علیٰ
خطا معاف ہو یہ بھی اگر نہیں مومن
تو پھر جہان میں کوئی بشر نہیں مومن

نظر میں رکھ کے حقائق جناب کا ایمان
نگاہِ باقرِ علمِ رسولؐ سے پہچان
کہ بہرِ وزنِ یقیں نصب ہو اگر میزان
تُلے عمل کی ترازو میں خلق کا ایقان
مقابلے میں نمایاں رہیں ابوطالبؑ
ہوں ایک پلّے میں سب، ایک میں ابوطالبؑ"

عمل کا آپ کے پلّہ نہ کیوں رہے بھاری
کہ ہیں یہ عاشقِ محبوبِ ایزدِ باری
گراں سے بھی ہے گراں تر بچشمِ دینداری
نبیؐ کے دَورِ عبوری میں ان کی غمخواری
کوئی کبھی پاس نہ پھٹکے جوان کو پاس نہ ہو
یہ روبرو جو نہ ہوں، دین روشناس نہ ہو

قلوبِ دہر پہ سکّے ہیں جن کی ہیبت کے
یہ ہیں زمین یہ وہ آسماں عزیمت کے
پہاڑ بھی جو ہوں حائل غم و مصیبت کے
یہ کاٹ دیں انھیں تیشے سے استقامت کے
کہاں زمانے میں ایسے دلبر ہوتے ہیں
یہ وہ جری ہیں کہ عبّاسؑ ان کے پوتے ہیں

کسی کے دل کو پرکھنے کا مستقل معیار — اک اُس کا قول ہے اور ایک سیرت و کردار
یہ دونوں باتیں پرکھنا ہیں اس جگہ دو بار — یہ رُخ ورق کا ہے رنگیں کہ وہ بھی ہے گلنار!
بنے ہیں بحث کے دو باب غور و فکر کے بعد
نزولِ ذکر سے پہلے، نزولِ ذکر کے بعد

نزولِ ذکر سے پہلے کے سیکڑوں راوی — وہ ایسے، ملّتِ بیضا میں جیسے بیضاوی
نظر جو ان کے بیانات پر ہوئی حاوی — یہ دل کی بات نکالی بصد جگر کاوی
علیؑ کے باپ تھے ربِّ جلیل کے پیرو
رسولِؐ رب کے مُربی، خلیلؑ کے پیرو

بتوں کے دَور میں وحدت پرست کفر شکن — امینِ امن و اماں، قامعِ شرور و فتن
ستم زدوں کے، یتیموں کے ملجأ و مامن — عمل کا گنجِ گراں، علم و فضل کا مخزن
نہ دل میں شرک کی ظلمت نہ جاہلیت کی
جبیں میں صدق کی ضَو، صُلب میں امامت کی

نہ بَر میں خلعتِ شاہی نہ سر پہ تاجِ زری — مگر یہ خُلق کہ محکومِ عالمِ بشری
جہاں بلند نگاہی نہ ہو وہ سب نظری — ہر اک کے غم کی خبر، اپنے غم سے بے خبری
صلا تھی عام کہ ہر پھول خوشہ چیں توڑے
شکستہ حال ہوئے پھر بھی دل نہیں توڑے

براہِ راست یہ سروِ ریاضِ ابراہیم — خلیق، نیک سِیَر، سرپرستِ خلقِ عظیم
مشیرِ ختمِ رسلؐ، خاتمے کی عقلِ سلیم — دلیر، شیرِ جری، رحم دل، غیور، کریم
دمِ جلال و غضب قہرِ کینہ جُو کے لیے
سکون محب کے لیے، زلزلہ عدو کے لیے

کوئی بھی غم میں پہنچ جائے، آپ جائے پناہ — مقام و منزلِ معبود و عبد سے آگاہ
عبودیت میں جو حق العباد پیشِ نگاہ — تو اوصیا کا نمونہ تھے یہ بحمد اللہ
عجیب عالمِ عرفاں تھا کبریا کی قسم
ہجومِ غم میں بھی دل مطمئن خدا کی قسم

یہ رحمت و کرم و فیض و جُود کے دریا — جو دل سخا کا سمندر تو آنکھ بحرِ عطا
کہ جیسے جانبِ قبلہ کی پُر اُمید گھٹا — جھما جھمی سے جو برسے تو جھوم جائے فضا
یہی کرم تھا جو تا خدِّ اِنّما آیا
اِسی عطا کی خبر سُن کے ھَلْ اَتیٰ آیا
عمل کو دیکھیے یا جانچیے صفائیٔ دل — ہر اک لحاظ سے ہیں احترام کے قابل
قوی جو فکر و بصیرت تو معرفت کامل — کرم میں آبِ رواں، عزم میں پہاڑ کی سِل
یہ نیکیاں ہیں مُسَلّم جو آپ نے کی ہیں
بشر کے بھیس میں گویا جہانِ نیکی ہیں
ہوئی جو قحط سے فاقوں میں مبتلا خلقت — تمام قوم ہوئی ان سے طالبِ نصرت
اٹھے بھتیجے کو لے کر پئے دعا حضرت — اِدھر زبان کُھلی اور اُدھر درِ رحمت
خدا کی شان دکھا دی کھڑے کھڑے فوراً
دعا کے ساتھ سمندر برس پڑے فوراً
یہ ذکر س [illegible] نہ کہے یہ بات اگر — کہ ہونے والے نبیؐ کی دعا کا تھا یہ اثر
تو ہم کہیں گے یہ شک آپ کا سر آنکھوں پر — کہ مدعا ہے اِسی کے جواب میں مضمر
یقیں ہے دین کی بنیاد با خدا کے لیے
یقین تھا تو یہ لائے انھیں دعا کے لیے
شریکِ امرِ نبیؐ تھے یہ بن کے کوہِ عظیم — رواجِ حق کو اُٹھے تو اُٹھے بعزمِ صمیم
اب اس میں جو بھی کڑی آئے، خم سرِ تسلیم — یہ اِن کا فعل، یہی سنّتِ نبیِ کریمؐ
یہی تو فکر و نظر فتحِ باب تھی جب بھی
اسی کا حسنِ نتیجہ اساس ہے اب بھی
سُنے [illegible] ھے وہ کلمے کبھی جہان میں کب — جو عقدِ بنتِ اسد میں ادا ہوئے بہ ادب،
ہے کُلِّ حمد کا حقدار عالمین کا رب" — یہ پہلے اِن کا تھا خطبہ، کلامِ پاک ہے اب
بڑا غضب ہے جو شک ہو اب اس کے ایماں میں
کہ جس کے لفظ ہیں اُم الکتاب قرآں میں

یہ مسئلہ ہے مسلّم ، نہیں محلِّ نظر　　پڑھائے عقد جو کافر تو عقد ہے ابتر
نہ تھے یہ دینِ حنیفی پہ قبلِ بعثت اگر　　رسولؐ نے انھیں قاضی بنا لیا کیونکر
جو کفر کا کوئی اِس با خدا کے قائل ہے
تو پھر نبیؐ سے خدیجہ کا عقد باطل ہے

رسولؐ جبکہ نہ تھے اور نہ تھے رسول پرست　　یہ تھے کرامتِ وہبی سے تب بھی بالا دست
کُھلے سیاہ ھَواذِن میں یہ رموزِ الست　　یہ مل گئے تو ظفر تھی ، یہ ہٹ گئے تو شکست
ہو مسکراب جو کوئی آپ کی ولایت سے
تو کیا وہ دَور تھا خالی خدا کی حجت سے

سماج میں تھا رواجِ شراب و نغمہ و ساز　　یہ اس سے دُور بفتوائے فکرِ وحی طراز
عمیق علم ، کمالاتِ نفس سے ممتاز　　ولی سرشت ، امامت مَنِش ، نبوت ساز
یہ وقت لائے یہی حفظِ مصطفےٰؐ کرکے
ملی نبیؐ کو رسالت ، خدا خدا کرکے

نزولِ وحی ہوا اور چچا کے پاس آئے　　زبان سے ابھی کہنے بھی کچھ نہیں پائے
کہ دیکھتے ہی انھوں نے وہ لفظ فرمائے　　جو تھے کتابِ ولایت کے بولتے آئے
کہ جیسے اُن کو خبر مل گئی ہے پہلے سے
خبر سے دل کی کلی کِھل گئی ہے پہلے سے

خدا ہی جانے یہ الہام تھا کہ جذبۂ دل　　کہو گے اب اسے ایماں کی کون سی منزل
زبانِ حال میں بولا یہ عارفِ کامِل　　تمھارے حال سے بٹیا چچا نہیں غافِل
چھپا چھپا کے نہ اب سجدہ و رکوع کرو
خدا معین ہے اعلانِ حق شروع کرو

وہ شان ہو کہ عدو سُن کے ہمتیں ہاریں　　فصیح زورِ تکلّم پہ جان و دل واریں
خلافِ دابِ ادب یہ ذرا جو دم ماریں　　نکل پڑیں گی ابھی کاٹھیوں سے تلواریں
جِلو میں بہرِ مدد رحمتوں کا لشکر ہے
نہیں خدائی تو ڈر کیا خدا تو سر پر ہے

یہ دے گئے تھے پدر مجکو مژدۂ دل خواہ — کہ ہے پیمبرِ خاتم یتیم عبد اللہ
کرے جو خیر سے اعلانِ حق بہ غیرتِ ماہ — اٹھو برائے مدد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
پدر کے قول کا ایقان فرض ہے مجھ پر
تمھارے دین پہ ایمان فرض ہے مجھ پر

چچا نے دے کے سہارا انھیں اُبھارا جب — تو آس بندھ گئی، خوش ہو گئے رسولِ عرب
علیؑ کو بھیج کے کنبہ کیا نبیؐ نے طلب — چراغ حق کا جلایا میانِ ظلمتِ شب
قریش آئے جو دعوت میں ذوالعشیرہ کی
جِلا شروع ہوئی اُن قلوبِ تیرہ کی

رسولِ رب نے سنایا انھیں جو حق کا پیام — چلے گئے وہ سب اُٹھ کر، خواص اور عوام
نبیؐ نے دوسرے دن پھر طلب کیا سرِ شام — ہوا طعام قبول اور گفتگو ناکام
تھے روکھے پن سے جو رخصت کیے فتنہ جو طالب
کمر کو کس کے کھڑے ہو گئے ابوطالبؑ

کہا کہ اے مرے فرزند واجب الاکرام — تمھاری باتیں ہیں سچّی کہ تم ہو صِدقِ تمام
لُٹا رہے ہو جو شیریں نصیحتوں کے کلام — مجھے قبول ہے دعوت کرو تم اپنا کام
ہر اک قدم مرے بابا کی ہے دعا حافظ
تمھارا میں ہوں محافظ، مرا خدا حافظ

یہ بات کہہ کے جو مجمع پہ اک نظر ڈالی — وہ سب تھے جمع جو ان کو سمجھتے تھے والی
جو حکم دیتے تھے جاتا نہ تھا کبھی خالی — کہا یہ دل نے کہ ظرف ان کے تو نہیں عالی
انھیں کے فتنے سے اسلام کو بچانا ہے
انھیں کو موڑ کے باطل سے حق پہ لانا ہے

ابھی جو کلمۂ طیّب کیا زباں سے ادا — تو پھر یہ بات نہ مانیں گے تیر ہو گا خطا
رُکے یہ سوچ کے اور آخرِ سخن میں کہا — مدد کروں گا بھتیجے کی اپنے میں بخدا
خدا کا ایک ہے دین اور وہ نیا کب ہے
جو میرے باپ کا مذہب وہ میرا مذہب ہے

ابولہب نے سُنا یہ تو بول اُٹھا جل کر
کہ بھائی جان ذرا سوچیے بفکر و نظر
یہ ننگ و عار مسلط نہ کیجیے ہم پر
بپھر کے بولے ابوطالبِ خجستہ سیر
سمجھ چکا ہوں میں اچھی طرح نتیجے کو
مجال کس کی جو ٹوکے مرے بھتیجے کو

پڑھی ہیں میں نے سماوی کتب بچشمِ عمیق
یہ دینِ حق ہے محقّق بدیدۂ تحقیق
پکارے مُڑ کے بھتیجے کو پھر یہ عمِّ شفیق
اٹھو اٹھو مرے سردار صادق و صدّیق
پیامِ حق کا سناؤ کہ ہم سنیں گے اسے
کسی نے چُوں بھی اگر کی تو دیکھ لیں گے اسے

چچا نے کُھل کے یہ وعدہ کیا جو نصرت کا
وقار بڑھنے لگا دِن بدن رسالت کا
زمانہ سمجھے گا کیا رازِ مومنیت کا
یہ ہے جہاد کا میداں نہیں پھری گتکا
دیارِ کفر میں کلمے کی دھوم مچنے لگی
بہارِ نغمۂ وحدت فضا میں رچنے لگی

رفیقِ کار ہوئے بے خطر ابوطالبؑ
ڈٹے محاذ پہ لے کر سپر ابوطالبؑ
جمے رہے صفتِ شیرِ نر ابوطالبؑ
اُدھر رسولؐ مبلّغ، اِدھر ابوطالبؑ
وہ حسبِ وقت و محل آیتیں سُنانے لگے
یہ پڑھ کے اُن کے قصیدے فضا بنانے لگے

قصائدِ متعدد کہے بشانِ رسولؐ
جو آج تک ہیں فصاحت کی بزم میں مقبول
خطاب کر کے نچھاور کیے یہ مدح کے پھول
"تمھاری دعوتِ صادق ہے جان و دل سے قبول
ہمارے ناصحِ کامل ہو اور امین ہو تم
تمھارے دین کے صدقے ہمارا دین ہو تم

تمھیں گھرانے میں ہاشم کے ہو وہ چشمۂ آب
کہ جس کے فیض سے نسلیں ہوں حشر تک سیراب
جبیں تمھاری بزرگی کے اوج کی مہتاب
مثیلِ حضرتِ موسیٰؑ تو خضرِ راہِ صواب
جہاں میں فخر اب و جد ہو تم خدا کی قسم
نبی ہو اور محمّد ہو تم خدا کی قسم"

ے قصیدۂ حضرت ابوطالب کا ترجمہ

اب اِس مقام پہ تیغِ قلم بجائے مصاف   ہے داد خواہ اسی سے جو اس جگہ ہے خلاف
وہ نبیؐ ہو تم، یہ قصیدے میں کہہ دیا جب صاف   تو پھر بھی کیا ہیں یہ کافر ہی، کیجئے اِنصاف
مناظرہ ہے نہ بحثیں ہیں کینہ و کد کی
یہ جِدّ و کد ہے کہ یہ بات ہے مرے جَد کی

اِدھر یہ ان کے قصیدوں کا ہو رہا تھا اثر   کہ دب رہے تھے مسلسل قریش کے خود سر
اُدھر نبیؐ سے خدا کا کلام سُن سُن کر   قیاس و وہم سے میداں طلب تھی فکر و نظر
یہ اِنقلاب کے سامان ہوتے جاتے تھے
کہ بُت پرست مسلمان ہوتے جاتے تھے

کسی کا ٹوٹ کے جانا تھا کافروں کی شکست   کہ جس سے اور بھی جھلّا گئے تھے ظلم پرست
صحابیوں سے اُلجھنے لگے تھے دست بدست   کبھی دیے گئے طعنے، کبھی کچھ اس سے بھی پست
ہر اک قدم جو نئی جنگ ہوتی جاتی تھی
تو زندگی کی قبا تنگ ہوتی جاتی تھی

اگرچہ کفر پہ ہیبت انھیں کی تھی غالب   مگر نہ تھا ابھی ماحول جنگ کا طالب
جہاد کا تھا نہ ڈھانچا نہ عسکری قالب   پڑا یہ وقت تو کام آئے پھر ابوطالبؑ
بقصدِ ہجرتِ حبشہ جو قافلہ نکلا
تو اُس کی تہ میں بھی ان کا ہی مشورہ نکلا

نہ مشورہ ہی فقط بلکہ اِس قدر اِیثار   کہ پہلے نذر کیا اپنے قلب و جاں کا قرار
قرارِ قلب وہ بازوئے حیدرِ کرارؑ   خوشی سے مرنے پہ تیار، جعفرِ طیّارؑ
وہ آج بھی جسے ہمدردیاں ہوں دین کے ساتھ
پسر کو بھیج تو دے مَوت کے یقین کے ساتھ

چلے برائے تعاقب جو کفر کے جاسوس   اذان کی ضد پہ کبھی جیسے غل کرے ناقوس
جو رہ گئے تھے صحابہ وہ سب ہوئے مایوس   مگر رسولؐ، خدیجہؓ، علیؑ، یہ چند نفوس
بڑھے مدد کو پھر اب ایک بار ابوطالبؑ
قلم کی پکڑے ہوئے ذوالفقار ابوطالبؑ

سب دشتم

لکھا وہ حاکمِ حبشہ کو نامۂ منظوم   مؤرخینِ ادب میں مچی ہے جس کی دھوم
کہ اے امیرِ حبش کیا نہیں تجھے معلوم   محمدِ عربی ہیں وہ بندۂ قیوم
خدا کے حکم سے جو دین کے منادی ہیں
مثالِ عیسیٰؑ و موسیٰؑ نبی و ہادی ہیں

کتابِ عیسیِ مریمؑ جو ہے خدا کا کلام   پڑھا ہے تو نے بھی اس میں ضرور ان کا نام
خلوصِ دل سے تجھے دے رہا ہوں میں یہ پیام   کہ اب خدا کے لیے شرک چھوڑ، لا اسلام
لکھا ہے جس نے یہ خط اُس کا دین ظاہر ہے
یہ لفظ کیا وہ لکھے گا جو آپ کافر ہے

جمے رہے جو ابوطالبؑ اور اُن کے پسر   بنیؐ نہ کفر کی سازش کی بات ذرّہ بھر
امیر پر جو کھُلا مشرکوں کا فتنہ و شر   ہوا سفینۂ سفیانیت بھی زیر و زبر
بڑے گئے تھے جو سردار سر اٹھائے ہوئے
پھرے وہ اپنا سا منہ لیکے منہ کی کھائے ہوئے

نہ کارگر ہوئی فتنوں کی جب کوئی تدبیر   تو اُن سے قطعِ تعلق پہ تُل گئے وہ شریر
وہ عہد نامہ کہ شامل تھا جس میں جمِّ غفیر   بشر کی شکل میں شیطان نے کیا تحریر
لکھا کہ قعرِ مذلت میں ڈال دو ان کو
برادری سے اب اپنی نکال دو ان کو

ہمیں نہ دے دیں یہ جب وقت تک محمدؐ کو   تو ان کے غم میں خوشی میں کہیں شریک نہ ہو
نہ کھانے پینے کی کچھ چیز دو نہ بات کرو   اگر یہ بھوکے بھی مرنے لگیں تو مرنے دو
یہ عہد نامہ کسی نے نہ لاکے گھر میں رکھا
لکھا نبیؐ کے خلاف اور خدا کے گھر میں رکھا

ملی جو اس کی ابوطالبؑ جری کو خبر   کہے وہ شعر جو نشتر رگِ حمیّت پر
کہ اے قریش نہ ہو گے تم اس طرح سر بر   ابھی تو خون سے رنگیں نہیں ہوئے خنجر
ابھی تو میان میں تیغیں اُداس بیٹھی ہیں
ابھی تو عورتیں مردوں کے پاس بیٹھی ہیں

خدا کے گھر کی قسم اے گروہِ فتنہ و شر — یہ شور و شر ہے ہوا جب شگفتہ ہوئے ہر
یہ اِس لیے ستم و جَور ہے محمدؐ پر — کہ ہیں وہ ہادیِ برحق خدا کے پیغمبرؐ
یہ شعر سُن کے عقیدہ تو صاف ظاہر ہے
جو اِس خیال کا انساں ہے کیا وہ کافر ہے

طویل ہے یہ کلامِ تحدّی و تہدید — وہ چُن لیا، مرے دعوے کی جس سے ہو تائید
نظر میں تول کے مستقبلِ رسولؐ مجید — یہ کنبہ لے کے چلے سوے کوہ بن کے حدید
مکینِ شعب تھے مردِ دلیر کی صورت
ہر ایک فرد تھا گھاٹی میں شیر کی صورت

عجیب وقت پڑا تھا یہ آلِ ہاشم پر — کہ ذرّہ ذرّہ تھا دشمن نظر اُٹھائی جدھر
حصارِ سنگ میں محصور حریت پرور — غذا نہ آب نہ بستر نہ روشنی کا گزر
نہ ہر شعاع ہی کترا کے ان سے جاتی تھی
امید تک کی کرن بھی نظر نہ آتی تھی

جو گرمیاں تھیں تو محشر جو سردیاں تو بَلا — گھٹی گھٹی سی ہَوا اور بجھی بجھی سی فضا
وہ بھوک پیاس کی شدت میں استقامتِ پا — وہ طفل پھول سے نازک وہ پتیوں کی غِذا
طعام جب نہ پہنچتا بہم، نہ کھاتے تھے
پر اتنے صابر و ضابط کہ غم نہ کھاتے تھے

یہ غم خوشی سے اٹھاتے تھے عمِّ پیغمبرؐ — بس ایک فکر تھی شب خوں نہ ہو محمدؐ پر
یہی سبب تھا کہ فرشِ رسولؐ پر شب بھر — کبھی عقیل کو بھیجا، کبھی گئے حیدرؑ
کہیں نبیؐ پہ نہ ظلمِ شدید ہو جائیں
بَلا سے گر مرے بیٹے شہید ہو جائیں

اُدھر وہ قتلِ نبیؐ پر تُلے ہوئے گمراہ — اِدھر یہ عابدِ شب زندہ دار صورتِ ماہ
اندھیری رات کی اوڑھے ہوئے ردائے سیاہ — بنے تھے پشت و پناہِ رسولِ عرش پناہ
یہ جاگتے جو نہ رہتے، نصیب سو جاتا
وجودِ ختمِ رسالت کا ختم ہو جاتا

اٹھائے تین برس تک یہی غمِ جانکاہ — کہ ایک روز محمدؐ نے دی خبر ناگاہ
چچا اب آنے ہی والے ہیں راہ پر گمراہ — کہ عہد نامہ کو دیمک لگی بفضلِ الٰہ
بہ اقتضائے طبیعت بہ اہتمامِ خدا
حروف چاٹ گئی سب سوائے نامِ خدا

یہ سُن کے دوڑ گئی رُخ پہ آپ کے سرخی — یقینِ وحی نے فوراً بساطِ غم اُلٹی
گئے حرم میں لیے ساتھ چند مطلبی — امان چاہیں گے، سمجھے یہ دشمنانِ نبیؐ
سرورِ فتح جو بُشروں پہ جلوہ گر دیکھا
بصد شکوہِ خلیلی اِدھر اُدھر دیکھا

کہا پکار کے لاؤ تو عہد نامہ ذرا — پھر اس کے بعد ہی اب کوئی فیصلہ ہوگا
وہ سربمہر خریطہ جو سامنے آیا — کہا یہ تان کے سینہ کہ اے گروہِ جفا
کرو ہزار ستم، ہر ستم پہ غالب ہوں
نہیں ہوں رحم کا طالب مَیں حق کا طالب ہوں

ابھی یہ میرے بھتیجے نے دی ہے مجکو خبر — کہ عہد نامہ کو دیمک نے کھا لیا یکسر
سوائے کلمۂ اللہ سارے حرفوں پر — پھرا وہ قہر کا پانی کہ مِٹ گیا دفتر
یہ جھوٹ ہو تو ابھی ہم سے لو محمدؐ کو
جو سچ ہو یہ تو پیمبر کہو محمدؐ کو

بتائیں اہلِ نظر گفتگو کا یہ عنوان — کرے گا کوئی بھی کیا اختیار بے ایقان
وہی لگائے گا بازی پہ ایسے وقت میں جان — جسے صداقتِ وحیِ خدا پہ ہو ایمان
یہ معتقد ہیں جب اتنے رسولِ دَوراں کے
تو اور ہوتے ہیں سر سینگ کوئی ایماں کے

اب اس کے بعد حدیثیں ہیں ایک دو وضعی — کہ مرتے وقت یہ بولے چچا سے اپنے، نبیؐ
اجل قریب ہے ایمان لائیے اب بھی — کہا انھوں نے کہ ہے دینِ مُطّلب کافی
صحاح میں بھی سہی یہ، مگر غلط سمجھو
ہٹا ہے نقطۂ حق سے تو بے نقط سمجھو

ہیں اس کے راویِ اوّل مُسیّب ذی شاں — جو فتحِ مکّہ کے موقع پہ لائے تھے ایماں
وفاتِ عمِّ پیمبرؐ کے وقت تھے وہ کہاں — بیاں کا ذکر ہی کیا جب نہیں وجودِ زباں
زباں ہی جب نہیں گویا تو بات جھوٹی ہے
یہ شاخ شجرۂ سفیانیت سے پھُوٹی ہے

جسے تلاش ہو حق کی پڑھے وہ ابنِ ہشام — کہ نزع میں متحرک تھے لب بذوقِ تمام
قریب بیٹھے تھے عبّاسؓ عمِّ خیرِ انام — انھوں نے جھک کے سنا اور کیا پلٹ کے کلام
جلالِ حق کا سبق پڑھ رہے ہیں جَلَّ اللّٰہ
محمّدؐ آؤ سنو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

ہیں معترض کی نگاہوں میں دیدہ وَر عبّاس — صحابیوں میں بھی ہیں مردِ مقتدر عبّاس
رجال میں بھی ہیں شک سے بلند تر عبّاس — رواۃ میں بھی ثِقہ اور معتبر عبّاس
جنھوں نے صِدق بیانی کے اجر لُوٹے ہیں
تو پھر وہ کون ہے سچّا جو یہ بھی جھوٹے ہیں

نہ جانچیے یہ روایت، نہ سیرت و کردار — نبیؐ کی آنکھ سے اب ان کو دیکھیے اک بار
یہ بارگاہِ رسالت میں آپ کا تھا وقار — پچھاڑیں کھا کے انھیں روئے احمدِ مختارؐ
وہ "عامِ حُزن" بنا ان کا جب وصال ہوا
یہ غم رسولؐ کی اُمّت میں ایک سال ہوا

یہ مرنے والا گر ایمان ہی نہ لایا تھا — تو کیا رسولؐ نے کافر کا غم منایا تھا
زباں پہ وَا اَبتَا بار بار آیا تھا — وہ خود بھی روئے تھے اوروں کو بھی رُلایا تھا
جتا دیا تھا کہ جو محسنِ رسالت ہے
تو اُس کو رونا رُلانا نبیؐ کی سنّت ہے

یہ بات اگر ہو اجازت تو پوچھ لوں میں یہیں — حسینؑ ابنِ علیؑ کیا نہیں تھے محسنِ دیں
ہم ان کو روئیں تو پھر کیوں ہو کوئی چیں بجبیں — بنے تھے اُن کا تو ناقہ رسولِؐ عرش نشیں
حسینؑ سوئے شہِ مرسلیں کے سینے پر
غضب ہے شمر کا زانو انھیں کے سینے پر

وہ عصر اور وہ نمازِ امامِ تشنہ دہن   ہزار و نہ صد و پنجاہ و یک جراحت تن
وہ اپنے خون میں رنگیں ہر ایک عضوِ بدن   جبیں سجود میں، گردن پہ تیغ، در پہ بہن
تڑپ کے چیخ اٹھے صبر مرحلہ ایسا
کسی نبیؐ نے بھی پایا نہ حوصلہ ایسا

حسینؑ صبر پہ تیرے سب انبیا ہوں فدا   خوشی سے موت کو آغوشِ عاطفت میں لیا
کلیمؑ فرد تھے ہمت میں پھر بھی وقتِ قضا   کہا مَلَک سے کہ احباب سے مِل آئیں ذرا
وہ مرتے وقت ہر اک سے بزیبِ زین ملے
مگر نہ زینبؑ و کلثومؑ سے حسینؑ مِلے

مَلَک سے بولے دمِ قبضِ روح پھر موسیٰؑ   کہاں سے جان نکالو گے اے مطیعِ خدا
معینِ امرِ خدا ہے ہر ایک عضو مرا   کسی کی ان میں گوارا نہیں مجھے ایذا
جسے ہو قربِ خدا، یوں بچے وہ کلفت سے
حسینؑ شاد ہوں ہر عضو کی اذیت سے

بگوشِ ہوش کچھ اب حالِ کربلا سنیے   سنا جو میرے تصور نے وہ ذرا سنیے
بیانِ ہمت و صبرِ شہِ ہُدیٰ سنیے   وہ آتی ہے مَلَکُ الموت کی صدا سنیے
مِلا جو حکم کہ سر سے نکال جانِ حسینؑ
کہا کہ سخت ہے یارب یہ امتحانِ حسینؑ

لگا ہے زخمِ تبر بہ رہا ہے سر سے لہو   بھرے ہیں خون میں جانِ رسولؐ کے گیسو
قریب جا کے رکھوں دل پہ کس طرح قابو   کہ اِس لہو میں تو ہے فاطمہؑ کے دودھ کی بُو
ندا یہ آئی کہ آنکھیں تو ڈال آنکھوں میں
کہا، بہن کا ہے اس دم خیال آنکھوں میں

مَیں پھر اُن آنکھوں پہ ڈھاؤں ستم یہ کیا ہے ضرور   بچھڑ کے جو علی اکبرؑ سے ہو گئیں بے نور
ندا یہ آئی دہن سے نکال جانِ حضور   کہا دہن میں تو کانٹے پڑے ہیں ربِّ غفور
یہ جاں بلب ستم و جورِ اشقیا سے ہیں
زباں ہے سوکھی ہوئی تین دن سے پیاسے ہیں

ندا یہ آئی کہ گردن سے کھینچ جاں ان کی — کہا، مَیں کیا کروں گردن پہ چل رہی ہے چھری
چھری پکڑ کے یہ چلاتی ہے کوئی بی بی — نہ ذبح کر مرے بچے کو میں دعا دوں گی

جہاں رواں ترے خنجر کی آب ہے ظالم
یہ بوسہ گاہِ رسالتمآبؐ ہے ظالم

ندا یہ آئی کہ سینے سے قبض کر لے جان — کہا کہ تیروں سے چھلنی ہے لے مرے رحمان
ابھی تو مار کے برچھی ہٹا ہے اک شیطان — اور اب تو ہے تہِ زانوے شمر یہ قرآن

یہ کرب ہے کہ رُخِ پاک زرد ہے یارب
ترے حسینؑ کے سینے میں درد ہے یارب

ندا یہ آئی کہ مظلومیت کے رتبہ شناس — کمر سے کھینچ لے صابر کی جان بے وسواس
کہا ملک نے تڑپ کر بدرد و حسرت و یاس — کمر تو ٹوٹ گئی جب سے مر گئے عباسؑ

صدائے غیب یہ آئی بحال ہے چہرہ
کہا کہ خون سے اصغر کے لال ہے چہرہ

مطیعِ حکم ہوں پر فکر یہ ہے اے یزداں — ہر ایک عضو ہے زخمی لگاؤں ہاتھ کہاں
ملا جواب یہ مشکل کریں گے ہم آساں — نہ تو نکال مرے عاشقِ غریب کی جاں

قضا میں روحِ حیاتِ دوام ڈالیں گے
کچھ ایسے ڈھب سے یہ جان اب ہمیں نکالیں گے

یہ گفتگو تھی کہ مرجھا گیا رسولؐ کا پھول — فلک سے آ گئے روح الامیں حزین و ملول
کہا پکار کے منہ ڈھانپ لو برائے رسولؐ — پسر کی لاش پہ کھولیں گی اپنے بال بتولؑ

صدا یہ سن کے اسی سمت چل پڑیں زینبؑ
تڑپ کے خیمے سے باہر نکل پڑیں زینبؑ

نسیم اُدھر سے تو قدسی کی یہ صدا آئی — اِدھر تڑپتی ہوئی بنتِ مرتضیٰؑ آئی
قریبِ لاش جو خواہر بصد بکا آئی — اَخی کے حلقِ بریدہ سے یہ صدا آئی

کوئی بزرگ نہ اب ہے نہ خورد ہے زینبؑ
نبیؐ کی آل تمھارے سپرد ہے زینبؑ

۱۹۴۵ء
نظرثانی: ۱۹۶۷ء

نسیمِ رحمتِ ربِّ قدیر آتی ہے — شمیمِ زلفِ علیؑ کی اسیر آتی ہے
بہارِ مدحِ جنابِ امیرؑ آتی ہے — ہوائے وادیِ خُمِّ غدیر آتی ہے
نہ ہو غدیر تو حق بعدِ مصطفٰےؐ نہ ملے
خودی کے بولتے پتلے ملیں، خدا نہ ملے

غدیر، گلشنِ دیں میں نویدِ گُل کاری — غدیر، مرکزِ اِتمامِ نعمتِ باری
غدیر، خیرِ عمل کی جہاں میں تیاری — غدیر، حقِ خلافت کی ناز برداری
غدیر، کوئی سیاسی کماں کا تیر نہیں
غدیر، مجمعِ بحرین ہے، غدیر نہیں

غدیر، اصل میں بعثت کی روح کا پیکر — غدیر، زینتِ محراب و مسجد و منبر
غدیر، مظہرِ پیغمبری برنگِ دگر — غدیر، شانِ رسالت کا آخری منظر
غدیر، ایک نئے عہد کی علامت ہے
کہ اس کے بعد رسالت نہیں، امامت ہے

غدیر، کذب کی تکذیب، صدق کی تصدیق — غدیر، امن کا مامن، حقوق کی تحقیق
غدیر، دین کی تدوین، شوق کی تشویق — غدیر، فرق کی فارق، وفاق کی توفیق
اب اس کے بعد امامت سے کچھ مزید نہیں
اسی کے دَور ہیں بارہ، نئے تو عید نہیں

غدیر، نقشِ تولا کی اوّلیں تاویل — غدیر، حکمِ الٰہی کی آخری تعمیل
غدیر، کارِ نبوت کو مژدۂ تکمیل — غدیر، امرِ خلافت کی دائمی تشکیل
غدیر، دَور ہے احمدؐ کی گرمجوشی کا
غدیر، جشن ہے حیدرؑ کی تاج پوشی کا

غدیر ، ایک کسوٹی برائے شک و یقیں　　غدیر ، ایک نمونہ پئے زمان و زمیں
غدیر وحی کی حد ، حاصلِ کتابِ مبیں　　غدیر دین کا دستور ، شرع کا آئیں
یہ دیکھو آیۂ محکم میں جلوہ گر ہے غدیر
اگر مگر کی حدوں سے بلند تر ہے غدیر

غدیر ، عیدِ ولایت ، غدیر عشقِ ولی　　غدیر ، سِرّ ابد کی حقیقتِ ازلی
غدیر ، غیب کی شمعِ خفی کا نورِ جلی　　غدیر ، مُہرِ خدا و نبیؐ ، بنامِ علیؑ
علیؑ کو رتبۂ عالی سے ارجمند کیا
نبیؐ کے سر کو مشیت نے سر بلند کیا

غدیر ، عہدِ وصایت کا نقطۂ آغاز　　غدیر ، بزم میں بندوں کی عزمِ بندہ نواز
غدیر ، برسرِ منبر رسولؐ کی آواز　　کہ اقتدار نہ ہو منتقل بصیغۂ راز
غدیر ، حشر سے قرآں کا وصل ہے گویا
غدیر ، نخلِ امامت کی اصل ہے گویا

غدیر ، شمعِ ولایت ، غدیر نورِ ولا　　غدیر ، آئنۂ دل پہ معرفت کی جلا
غدیر ، جس سے امامت کو امتیاز ملا　　غدیر ، جو ہے درِ علم کو عمل کا صِلا
ازل کے حکم جو تا سیّد البشر آئے
بکھر کے حب کہ وہ سمٹے غدیر پر آئے

وہیں غدیر میں آئے پھر آدمی کے قدم　　جو تھا مقامِ ظہورِ خلافتِ آدم
مُڑا ہے وقت کا رُخ اِنّی جاعِلٌ کی قسم　　ملائکہ بجز ابلیس ہیں سجود کو خم
وہی قیاس کی منزل ہے ، کچھ جدید نہیں
پھر آج بھی کوئی فتنہ اٹھے بعید نہیں

یہ عید وہ ہے جو تا حشر رنگ لائے گی　　یہ عید گرمیِ محشر پہ حشر ڈھائے گی
یہ عید شعلۂ دوزخ کے پر جلائے گی　　یہ عید دل کی لگی بے پیے بجھائے گی
یہ عید وہ ہے کہ جس میں غمِ وعید نہیں
خلیل کی یہ دعا کا اثر ہے ، عید نہیں

یہ عید جائے گی محشر میں یوں، بشوکت وشاں ۔۔۔۔ کہ عیدِ فطر کنیزی میں ہوگی زمزمہ خواں
لیے بہار کو نوروز پیش پیش رواں ۔۔۔۔ مباہلہ جو دعاگو تو عیدِ حج قرباں
گلاب ہوگی گلوں میں تو چاند تاروں میں
دلھن بنی نظر آئے گی یہ ہزاروں میں

یہ بوستانِ وِلا میں بہار کا دن ہے ۔۔۔۔ پیمبری کے لیے اِفتخار کا دِن ہے
وصایتِ شہِ دلدل سوار کا دِن ہے ۔۔۔۔ کہ ختمِ نعمتِ پرور دگار کا دِن ہے
علیؑ نے دین کو کامل کیا، کمال ہوا
نفاق وکفر کو دن دو پہر زوال ہوا

مہک اٹھا چمنِ روزگار صلِّ علیٰ ۔۔۔۔ خوشی میں مست ہیں سب گلعذار صلِّ علیٰ
چٹک رہے ہیں جو گل بار بار صلِّ علیٰ ۔۔۔۔ سرور کم نہیں، پڑھیے ہزار صلِّ علیٰ
ملال کیا ہے جو باغی ہیں خار کھائے ہوئے
نبیؐ تو خوش ہیں رسالت کا اجر پائے ہوئے

غدیر پر یہ صدا بار بار آتی ہے ۔۔۔۔ حرم سے رحمتِ پرور دگار آتی ہے
برائے سیرِ بیاباں بہار آتی ہے ۔۔۔۔ سواری شہِ دلدل سوار آتی ہے
خدا کے گھر سے رسولؐ قدیر آتے ہیں
امیر بن کے جنابِ امیرؑ آتے ہیں

وطن کی سمت وہ یوسف لقا شتاب پھرا ۔۔۔۔ کہ جس کے دم سے زلیخا کا پھر شباب پھرا
جلو میں مہرِ مبیں کے وہ ماہتاب پھرا ۔۔۔۔ کہ جس کے واسطے مغرب سے آفتاب پھرا
نبیؐ کے ساتھ صحابی بھی سب سفر سے پھرے
یہ گرمیاں تھیں کہ بعضے خدا کے گھر سے پھرے

رواں ہے رحمتِ رب پیشِ بانیِ اسلام ۔۔۔۔ بصد شکوہ عقب میں وصیِ خیرِ انام
کتابِ پاک کے لب پر ہے دم بدم یہ کلام ۔۔۔۔ خدا ہے پہلے، پھر اُس کا رسولؐ، پھر ہے امام
وہ اِنّما سے ہیں ثابت جو اوج پائے ہیں
جہاں کتاب میں آئے ہیں ساتھ آئے ہیں

شرفِ نبیؐ و علیؑ کا کتاب سے پوچھو   کتاب کیا ہے یہ فصل الخطاب سے پوچھو
رسولِؐ رب کا حشم بوتراب سے پوچھو   علیؑ کی شان رسالت مآبؐ سے پوچھو
یہی رسولؐ کے نفسِ نفیس ہیں گویا
وہ جسم ہیں تو یہ راس الرئیس ہیں گویا

فروغِ مہرِ رسالت ابوتراب سے ہے   کہ آفتاب کی قدر اُس کی آب و تاب سے ہے
یہ آب و تاب مگر اُمّی الخطاب سے ہے   وجود جیسے کہ تفسیر کا کتاب سے ہے
بس اتنا فرق ہے دونوں میں کبریا کی قسم
علیؑ علیؑ ہیں، نبیؐ ہیں نبیؐ، خدا کی قسم

ہیں وَالْقَمر بھی علیؑ اور اِذَا تلٰھا بھی   نبیؐ کی مدح و ثنا صاد بھی ہے طٰاھا بھی
خدا نے حسن بھی بخشا اور ان کو چاہا بھی   پھر اس پہ لطف یہ ہے چاہ کو نباہا بھی
تمام خلق میں جلوہ نمائی ان کی ہے
خدا کے سامنے کہہ دوں خدائی ان کی ہے

یہ اوج ہے نہ کسی کا نہ احتشام ایسا   سریرِ عرش پہ کرسی ملی، مقام ایسا
جو لاکلام، کلامِ خدا، کلام ایسا   درود واجبِ عینی ہے جس پہ، نام ایسا
خدا کے گھر میں اذاں دم انہی کا بھرتی ہے
نماز بھی دمِ رخصت سلام کرتی ہے

لیے یہ حرمتِ ذاتی چلے حرم سے جناب   جلال آگے تو پیچھے امامِ عرش رکاب
اِدھر اُدھر شہِ والا کے باخدا اصحاب   کہ جیسے گردِ عبادت ہجومِ اجر و ثواب
ملک ہیں چار طرف رحمتِ خدا کی طرح
رسولؐ قلب میں ہیں یادِ کبریا کی طرح

وہ حاجیوں کا ہجوم اور وہ قبلۂ ذی جاہ   ہزار ہا گلِ رنگیں بہار کے ہمراہ
پکارے خضر کہ اے دوجہاں کے پشت پناہ   ادھر بھی اک نگہِ مہر فی سبیل اللہ
ہمیں بھی اب تو لگا دیجیے ٹھکانے سے
کہ خاک چھانتے پھرتے ہیں اک زمانے سے

وہ خاص رہبرِ دیں اور ہجومِ عام ایسا ۔۔۔ جو حق کے دین کی منزل ہر ایک گام ایسا
نقیبِ قافلہ جبریل ، احترام ایسا ۔۔۔ نبیؐ کے بعد نبوّت نما امام ایسا

رسولؐ وہ جو امامت کا اہتمام کرے
امام وہ جو رسالت کا انتظام کرے

یہ قافلہ ہے کہ خلدِ بریں کا گلدستہ ۔۔۔ ہر اک جمل ہے روانی میں شعرِ برجستہ
رسولِ پاکؐ کے ناقے سے ہیں جو پیوستہ ۔۔۔ ہیں سلسلے میں یہ حبل المتیں کے وابستہ

میانِ راہ یہ چرچا ہر اک دیار میں ہے
قطار بخشنے والا اسی قطار میں ہے

عیاں ہے شانِ اطاعت گزار اونٹوں کی ۔۔۔ لیے ہوئے ہیں فرشتے مہار اونٹوں کی
نظر بلند جو ہے خاکسار اونٹوں کی ۔۔۔ پسندِ حق ہے روش بُردبار اونٹوں کی

بنی ہے راہِ خدا ان کی راہ کیا کہنا
یہ اونٹ خضرِ بیاباں ہیں واہ کیا کہنا

رواں ہیں ریت کے دریا میں صورتِ طوفاں ۔۔۔ بجا ہے ، ان کو جو کہیے جہازِ ریگستاں
وہ پاؤں ، وہ لب و گردن وہ پشت وہ کوہاں ۔۔۔ کجی یہ جن کی حسینوں کا بانکپن قرباں

نہ کجروی سے بگڑتے نہ یہ مچلتے ہیں
کہ پیشِ رو کے نشانِ قدم پہ چلتے ہیں

وہ ناقۂ نبویؐ سرعتوں میں رشکِ سمند ۔۔۔ ہر ایک جوڑ میں رف رف کی روح کا پیوند
مثالِ رایتِ دینِ خدا جو سر ہے بلند ۔۔۔ وہ حسن ہے کہ خدا کے حبیبؐ کو ہے پسند

جدھر کو پاؤں بڑھایا ، مہار لے کے چلا
قوی ہے وہ کہ نبوّت کا بار لے کے چلا

نشانِ پا جو رہِ راست کا ہیں آئینہ ۔۔۔ رواں ہیں نقشِ قدم پر غلامِ دیرینہ
بھرا ہے گرد میں اور پھر بھی صاف ہے سینہ ۔۔۔ یہ خاص ناقۂ صالح ، فلک شتر کینہ

طریقِ حق کو بھلا کجمدار کیا جانے
یہ چال وہ شترِ بے مہار کیا جانے

پھر اُس شُتر کے یہ مدّاح کیوں نہ گُن گائے — کہ جس کی خلق کا آیت میں تذکرہ آئے
مجال کیا کہ ذرا پاؤں ڈگمگا جائے — نبیؐ کی ٹھوکریں کھا کر سکندری کھائے
خود اونچ نیچ کو گردن اٹھائے تکتا ہے
اُس آدمی سے یہ بہتر ہے جو بھٹکتا ہے

زہے وہ ناقۂ زیبائے ہادیِ اوّل — کہ جس کا نقشِ قدم ہے نشانِ خیرِ عمل
عقب میں اس کے جو ہے بیقرار عزمِ جمل — اسے ہے فکر کہ بیٹھے گا اونٹ اب کس کل
پکارتا ہے مَلک ہر قطار کے آگے
جھکاؤ سر شہِ دلدل سوار کے آگے

رواں دواں تھے یہ ناقے کہ وہ مقام آیا — زبانِ حق کا جہاں عرش سے کلام آیا
ملک، لیے ہوئے معبود کا پیام آیا — پیامِ ایزدِ باری معِ سلام آیا
امینِ رب نے جو کھل پڑھا اَلَمْ نَشْرَح
چھپا تھا رازِ امامت، ہوا الم نشرح

ندا یہ وحیِ الٰہی نے دی کہ پیغمبرؐ! — "دیا[1] نہ کیا تجھے ہم نے قرارِ قلب وجگر"
"وہ تیرا بارِ[2] رسالت جھکی تھی جس سے کمر — اسے بھی کر دیا ہلکا وزیر اک دے کر"
"بلند ذکر[3] کو تیرے علی الدوام کیا
تری خوشی[4] کے لیے یہ سب اہتمام کیا"

"جہاں[5] میں کلفت وراحت کا ساتھ ہے یکسر — جو غم کے بعد خوشی ہے تو شب کے بعد سحر
ہر ایک رنج کے پیچھے سرور کا لشکر — ہر ایک رات کی چادر میں صبح کا بستر"
فراغ[6] حج سے جو پایا تو حکم فانصب ہے
سفر قریب ہے، منصب کی فکر اب ہے

بس اب معانی "فَانْصَبْ"[7] یہ غور کیجے ذرا — یہ لفظ بولتے ہیں دس مقام پر فصحا
شجر کے نصب کا مفہوم ہے اُسے بونا — عَلم جو نصب کیا تو کسی جگہ گاڑا
جو نصب حرب کرے جنگ کی بنا ڈالے
مرض ہو نصب کا فاعل تو وہ تھکا ڈالے

۱؎ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۲؎ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِی انقض ظَہْرَکَ ۳؎ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۴؎ لَکَ کے لِ کا ترجمہ ۵؎ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا ۶؎ فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب۔ ۷؎ جو اصلاً بکسرِ ص ہے اور یہاں سجع کے اعتبار سے بفتح ملفوظ ہوتا ہے۔

جو نصب شر ہے تو گویا برائی ظاہر کی   جو نصب ہے "لِفُلانٍ" غرض ہے کینہ وری
کیا بلند اُسے نصب کی جو شے کوئی   وہ نصب رائے ہے اِس نے اُسے صلاح جو دی
زبر لگائیں، جو نحوی کسی کو نصب کریں
بٹھا دیں تاج اگر آدمی کو نصب کریں

رسولِ رب کو یہ فانصب کا حکم جب آیا   تو اُس کے بعد کہو کیا نبیؐ نے نصب کیا
نہ شر اٹھائے، نہ گاڑے عَلم نہ کچھ بویا   صلاح دی نہ کسی کو، نہ کی کسی سے دغا
سوائے نصب خلیفہ مراد کچھ بھی نہیں
کلامِ پاک کے حافظ کو یاد کچھ بھی نہیں

ہوا یہ حکم جو نازل نبیؐ پہ بہرِ ولی   یہ تھی مراد کہ اے واقفِ خفی و جلی
بتا چکے ہیں تمھیں ہم یہ حکمتِ ازلی   ہمارے بعد ہو تم، اور تمھارے بعد علیؑ
سخی بھی، شیر بھی، عالم بھی، خوش نژاد بھی ہے
وہ اہلبیت بھی ہے، اپنا خانہ زاد بھی ہے

علیؑ ولی بھی ہمارا ہے اور مظہر بھی   ہر اک سے اشرف و اعلیٰ بھی سب سے برتر بھی
تمھارے ہاتھ کی قوت بھی، نفس بھی سر بھی   جگر بھی، دل بھی، برادر بھی، عِلم کا در بھی
تمامِ خیر علیؑ کی سرشتِ نیک میں ہے
جبھی تو لاکھ رسولوں کا وصف ایک میں ہے

رسولؐ سُن کے پکارے کہ شکرِ ربِّ ہُدا   خدا کا حکم سر آنکھوں پہ اَے امینِ خدا
وطن پہنچ کے کریں گے علیؑ کو تاج عطا   یہ خوف ہے کہ نہ فتنہ ہو راہ میں برپا
نفاق ہے جو نہاں مفسدوں کے سینے میں
درِ علوم کو دیں گے شرف مدینے میں

یہ عذر سنتے ہی واپس جو ہو گئے جبریل   بشوق سوئے مدینہ چلے رسولِ جلیل
بڑھا حضورؐ کا ناقہ بھی یوں بصد تعجیل   کہ جیسے جانبِ عرشِ خدا دعائے خلیل
وہ یوں چلا کہ سمٹ کر ہر اک بہار چلی
زمیں بھی چند قدم صورتِ غبار چلی

جدھر نبیؐ کی سواری میانِ راہ بڑھی
اُدھر مشیّتِ باری بعزّ و جاہ بڑھی
خدا کو یوسفِ یثرب کی اور چاہ بڑھی
وہ راہ جتنی گھٹی حق سے رسم و راہ بڑھی
قدم قدم جو رسالت غدیر پر آئی
تو وحی پھر شرِ برنا و پیر پر آئی

بیاں میں امرِ وجوبی جو لا کلام آیا
پیمبری کا جو مقصد ہے وہ پیام آیا
ولی کی شان میں نازل ہوا تمام آیا
نبیؐ کی بزم میں حُبِّ علیؑ کا جام آیا
رسولؐ بولے کہ اے جبرئیل کیا لائے
کہا کہ پھر وہی فرمانِ کبریا لائے

جو پہلے آیا تھا حق کا وہی پیام ہے آج
"وہی" سے آپ سمجھ لیجیے جو کام ہے آج
جلال و قہر میں ڈوبا ہوا کلام ہے آج
جو یہ نہ پہنچے تو پیغمبری تمام ہے آج
منافقین کے شر سے ہے کبریا حافظ
بس اب سنائیے حکمِ خدا ، خدا حافظ

مراد تھی ، مرے لفظوں میں یہ ، کہ خیرِ بشر
اگر سفر میں ہیں حضرت تو پھر ہے کس کا حذر
ہر ایک معرکہ سر ہے کھنچی جو تیغ دوسر
خدائی ہے جو مخالف تو ہو ، خدا ہے اِدھر
محافظ آپ کے ہیں کبریا کے ہاتھ علیؑ
علیؑ کے ساتھ جو حق ہے تو حق کے ساتھ علیؑ

بجز علیؑ یہ شرف دوسروں نے پا نہ لیا
کسی کو دوش پہ یوں آپ نے چڑھا نہ لیا
کسی نے لشکرِ کفّار کو دبا نہ لیا
کسی دلیر نے خیبر کا در اُٹھا نہ لیا
علیؑ کے وار کو جن و بشر نہ روک سکے
بہت قوی مرے بازو ہیں ، پَر نہ روک سکے

شرف جو پائے ہیں مولا نے سب جلی وہ ہیں
جہاں کے عقدہ کشا ، والی و ولی ، وہ ہیں
جری ، دلیر ، بہادر ، دھنی ، بَلی وہ ہیں
فرشتہ ہو کے میں شاگرد ہوں ، علیؑ وہ ہیں
علیؑ سے بڑھ کے نہیں کوئی کبریا کے لیے
علیؑ کو جلد وصی کیجیے ، خدا کے لیے

یہ سُن کے ناقے سے حضرت زمین پر اترے   بسانِ آیۂ رحمت زمین پر اُترے
نبیؐ جو بہرِ ہدایت زمین پر اُترنے   علیؑ بھی نور کی صورت زمین پر اُترے
نقیب بڑھ کے پکارا کہ بھائیو ٹھہرو
نبیؐ سے حکمِ خدا سُن کے جائیو، ٹھہرو

یہ حکم سُنتے ہی سب یار و آشنا ٹھہرے   تمام حاجی دیندار و باصفا ٹھہرے
نہ کیوں ٹھہرتے، کہ یہ شاہِ انبیا ٹھہرے   حضورؐ چاہیں تو چلتی ہوئی ہوا ٹھہرے
لبِ غدیر رسولؐ فلک مقام رُکے
رکی مشیتِ جاری کہ خود امام رُکے

پڑا جو عکسِ رُخِ بوتراب پانی میں   تو صاف آگئی موتی کی آب پانی میں
اُبھر اُبھر کے پکارے حباب پانی میں   اک آسماں پہ ہے اک آفتاب پانی میں
تجلّیاں جو ورودِ علیؑ سے بڑھنے لگیں
خوشی کی لہر میں موجیں دُرود پڑھنے لگیں

وہ رشکِ چشمۂ مہرِ منیر خُمِّ غدیر   علیؑ کی وجہ سے روشن ضمیر خُمِّ غدیر
غریقِ عشقِ جنابِ امیرؑ خُمِّ غدیر   گناہ دھونے کو آبِ کثیر خُمِّ غدیر
رسالت اور امامت کا مجمع البحرین
سمٹ کے آگئے کوزے میں جس کے کُل بحرین

اسی غدیر سے ایماں نے آبرو پائی   اسی سے چشمۂ عرفاں نے آبرو پائی
بہارِ گلشنِ رضواں نے آبرو پائی   یہاں اُترتے ہی قرآں نے آبرو پائی
ہزار بار رسولؐ غدیر پر آیا
کمال پا گیا جس دن غدیر پر آیا

نئی روش کا وہ صحرائے اصول کے پھول   وہ بوٹیاں تھیں سنہری کہ تھے ببول کے پھول
وہ ایک گہنے کا گہنا تھے اور ببول کے پھول   نگاہ لڑتے ہی شیدا ہوئے رسولؐ کے پھول
رُخِ حسینؑ کو جو بڑھ بڑھ کے چُوم چُوم گئے
یہ حال تھا کہ بگولے بھی جھوم جھوم گئے

طیورِ دشت کی پیاری صدائیں سن سن کے　　کباب ہونے لگا مرغِ مہر بھُن بھُن کے
شجر بھی رہ گئے پیہم سر اپنا دُھن دُھن کے　　یہ شعر پڑھتے تھے ناسخ کا تنکے چُن چُن کے

"جنوں پسند ہمیں چھانوٗ ہے ببولوں کی
عجب بہار ہے اِن زرد زرد پھولوں کی"

ہَوا بَدل گئی اس مرغزار کی فورًا　　فلک نے جھک کے زمیں استوار کی فورًا
صبا نے جھاڑ دی چادر غبار کی فورًا　　جناں سے چاندنی آئی بہار کی فورًا

زمیں جو صاف ملائک نے کی دل وجاں سے
تو حورِعیں نے بھی کانٹے اٹھائے مژگاں سے

جو سنگ رہ گئے موسیٰ انھیں اٹھانے لگے　　چھڑکنے کے لیے الیاس آب لانے لگے
خِضر جو مخملِ زنگار گوں بچھانے لگے　　خلیل گرم ہواؤں میں گُل کھلانے لگے

نسیم خلد جو گرمی میں بار بار آئی
علیؑ کے دَم سے بلافصل کی بہار آئی

عجب بہار ہے رند و عجیب ساقی ہے　　پکارتے ہیں خدا کو، مُجیب ساقی ہے
خمارِ مکر و ریا کا رقیب ساقی ہے　　چلے گا دَور کہ خم کے قریب ساقی ہے

جو ڈگمگاتے ہیں موجِ خودی میں بہ بہ کر
گریں نبیؐ کے قدم پر علیؑ علیؑ کہہ کر

دلوں میں نور ہو وہ آفتاب لا ساقی　　نبیؐ کی آل کا صدقہ شتاب لا ساقی
نسیم جوش میں ہے اب گلاب لا ساقی　　پیے جو غیر، پڑے منہ میں آبلا ساقی

حسابِ روزِ جزا سے امان ہو جائے
کہ غیریت کا یہیں امتحان ہو جائے

یہ رند آج جو ہُو حق مچاتے ہیں ساقی　　بڑے بڑوں کے کلیجے ہلاتے ہیں ساقی
گلابی پیتے ہیں اور رنگ لاتے ہیں ساقی　　ترے فقیر، کرامت دکھاتے ہیں ساقی

قدح جو پی کے علیؑ کو پکار لیتے ہیں
پری کو شیشۂ دل میں اُتار لیتے ہیں

جبیں پہ خاک ملے ہم جو آئے بیٹھے ہیں   علیؑ کے عشق میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں
حریفِ بت جو بنے اور بنائے بیٹھے ہیں   نبیؐ بھی دوش کی سیڑھی لگائے بیٹھے ہیں
نثارِ نقشِ قدم! اک نگاہ کرتا جا
بضد ہے مہرِ نبوت کہ جام بھرتا جا

پلا وہ مے جسے زاہد مچل مچل کے پئیں   چڑھے جو نشّہ تو مٹکے کی طرح ڈھل کے پئیں
وِلا کے رند جو تیور بدل بدل کے پئیں   جمے یہ رنگ کہ ناری بھی آج جل کے پئیں
جو اَب حسد سے حریفِ شراب ہوں ساقی
خود اپنی آگ میں جل کر کباب ہوں ساقی

وہ مے پلا دے جو ہے خاص مکّی و مدنی   صلات و صوم میں پیتے ہیں جس کو پنج تنی
محمّدی، علوی، اور حسینی و حسنی   نبیؐ کے گھر کی دُلھن، کبریا کے گھر کی بنی
فلک سے صورتِ قرآں ملک کی لائی ہوئی
مثالِ تیغِ ید اللہ کھنچ کے آئی ہوئی

وہ مے، زمیں پہ جو تائیدِ آسمانی ہے   وہ مے، جو خضرِ شریعت کی زندگانی ہے
وہ مے، جو شاہدِ اسلام کی جوانی ہے   وہ، جس کے سامنے کوثر بھی پانی پانی ہے
ادائے اجرِ رسالت میں صَرف ہے جس کا
مذاقِ شرع میں قرآن ظرف ہے جس کا

خدا کے گھر کی مطہر شرابِ ایمانی   حریمِ کعبہ میں جائز، بہ نصِّ قرآنی
وہ، جس کی مثل سے عاجز ہے سعیِ انسانی   بنائے لاکھ زمانہ، نہ بن سکے ثانی
عرب کی دھوپ میں کھنچ کر مزے پہ آئی ہوئی
غدیرِ خُم میں محمّد کی پی پلائی ہوئی

وہ مے جو محفلِ اسلام میں ہے ایمانی   زُلالِ خالص و پُر آب و تاب و نورانی
وہ، جس کے چھینٹے علاماتِ پاک دامانی   وہ، جس کا نشہ ہے حدِّ شعورِ انسانی
یہ دَور ختم ہے ساقی کے جامِ اوّل پر
کہ اِنّما نے لگا دی ہے مُہر بوتل پر

وہ مےؔ کہ خاتمۂ نعمت کا ہو چکا تو بنی — کمال دینِ محمدؐ نے پا لیا تو بنی
جو خاک چھان کے جنگل کی خُم مِلا تو بنی — لبِ غدیر نیا میکدہ بنا تو بنی
رسولؐ جھوم رہے تھے پیے پلائے ہوئے
حریف تاک رہا تھا نظر چرائے ہوئے
نہاں رہی یہ کبھی قُل کفا کے پردے میں — جھلک دکھائی کبھی اِنّما کے پردے میں
کبھی رسولؐ نے پی لی عبا کے پردے میں — کبھی خدا نے پلا دی بٹھا کے پردے میں
نیا وہ دَور سہی تھا رنگ بھی نرالا تھا
مزہ تو یہ ہے کہ ساقی بھی ہم پیالا تھا
حریف کو یہی مے ہے پچھاڑنے والی — ریا و مکر کی دنیا اُجاڑنے والی
بنے ہوئے کا مقدر بگاڑنے والی — دلوں کا حال نگاہوں سے تاڑنے والی
کشش وہ ہے کہ جو رُکے کوئی، لپک کے پیوں
جلے بُجھنے تو میں دل پہ نمک چھڑک کے پیوں
خدا کے گھر میں پیوں واں سے پھر پلٹ کے پیوں — لبِ غدیر تو خم سے لپٹ لپٹ کے پیوں
بَانِ غیر نہ پی کر ہٹوں نہ ہٹ کے پیوں — نبیؐ کے ساتھ پیوں، ایک بار ڈٹ کے پیوں
نہ کیوں پیوں کہ مرا دستگیر ہے ساقی
بہت پلائے گا مجھکو امیر ہے ساقی
شراب پی ہے تو زہرہ سے کیوں بگاڑ رہے — بڑا غضب ہے جو بزمِ طرب اُجاڑ رہے
سرود و ساز سے دم بھر تو چھیڑ چھاڑ رہے — عدو سے پردۂ دینِ مبیں کی آڑ رہے
ہو وجد، ترکِ خودی، اور غیر حال نہ ہو
جو حال آئے تو بے شرع کوئی قال نہ ہو
ہمارے سوز سے کیوں اہلِ ساز بھنتے ہیں — مزے سے شرع کا قانون ہم تو سُنتے ہیں
نہیں یہ حال کہ سودے میں تنکے چُنتے ہیں — علی کی مدح پہ بے شک سروں کو دُھنتے ہیں
نوا و نے سے زبان و دہن کو کام نہیں
ہمارا ساز خدا ساز ہے، حرام نہیں

وہ بزم سج گئی رندو، وہ لطف آنے لگے — ہوا بہشت کی حیدرؑ کے دوست کھانے لگے
رسولِ پاکؐ جو منبر بنا بنانے لگے — اُٹھا اُٹھا کے کجاوے فرشتے لانے لگے
چُنا گیا تو وہ زینہ خدا پسند بنا
مثالِ ہمتِ حیدرؑ بہت بلند بنا

بچھا کے بیٹھے عباؤں کا فرش اہلِ یقیں — مکیں ہوئے سرِ منبر رسولِ عرش نشیں
بُلا لیا جو خدا کے ولی کو اپنے قریں — جلو میں آ گئے یٰسین کے امامِ مبیں
یہ قربِ مصحفِ رب کی نظر پہ چڑھنے لگا
تو اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْن پڑھنے لگا

پیامِ حق کا جو تھا سب کو اشتیاق کمال — پڑھی رسولؐ نے حمدِ خدا بجاہ و جلال
فصاحتوں کا رواں تھا جو چشمۂ سیّال — یہ رنگ تھا کہ فصیحوں کی تھیں زبانیں لال
نمک سے پُر ہے سخن شور جابجا یہ تھا
منافقوں کے بھی سر ہل گئے مزہ یہ تھا

بصدقِ دل ہمہ تن گوش تھے جو اہلِ وفا — نبیؐ نے حسبِ محل گفتگو کا رُخ بدلا
سنبھل کے بولے کہ اے پیروانِ دینِ خدا — نہیں ہوں کیا میں تمھارے نفوس سے اولیٰ
الست سن کے جو ہر سُو بلیٰ کا شور اٹھا
سمجھنے والوں میں صلِّ علیٰ کا شور اُٹھا

نبیؐ نے اپنی ولایت کا جب لیا اقرار — اسی سے مقصدِ مولا سمجھ گئے ہشیار
جھکے علیؑ کی طرف کو پھر احمدِ مختارؐ — اٹھا کے پھول کو سر پر چڑھا لیا اک بار
بلند کر کے شرف کو جتا دیا گویا
قسم کے واسطے قرآں اٹھا لیا گویا

بصد وقار پکارے رسولِ عرش جناب — یہ ابنِ عم ہے مرا، دیکھ لیں مرے اصحاب
نہ جانتے ہو تو پہچان لو اب اس کو شتاب — یہ بول اٹھے تو علیؑ ہے، یہ چپ رہے تو کتاب
مجھے تو مان چکے ہو کہ تم سے اولیٰ ہوں
علی بھی اس کا ہے مولیٰ، میں جس کا مولیٰ ہوں

یہ کہہ کے اَحمدِؐ مختار کا وہ رُک جانا — وہ تہنیت کے لیے خاص و عام کا آنا
وہ پُرشکوہ قصیدے زبان پر لانا — اٹھا کے ہاتھ وہ بَخٍّ بَخٍّ اُبھر کے فرمانا
جو چھپ کے قتل کو آتے رہے تھے راتوں میں
فضیلت ان سے بھی منوالی باتوں باتوں میں

ہر اک ولی نے شہِ اَولیا سے بیعت کی — نبیؐ کے سامنے دستِ خدا سے بیعت کی
خلوصِ قلب سے، صدق و صفا سے بیعت کی — کِسی کِسی نے فریب و ریا سے بیعت کی
بَنے نبیؐ کے خلیفہ جو حکمِ داور سے
نظر پہ چڑھ گئے مولیٰ اتر کے منبر سے

عبث ہے معنیٔ مَولیٰ میں حجّت و تکرار — زبانِ اہلِ عرب میں ہیں اس کے معنی چار
برادر اور پڑوسی، غلام اور سردار — ہٹا کے دیکھ لو چاروں کو اس جگہ اک بار
کسی کو ربط نبیؐ سے نہیں ولی کے سِوا
ملے گی پھول سے کس کی مہک کلی کے سِوا

کہیں جو بھائی کے معنی ہنسے گا حسنِ قبول — کہ بے کہے تھے ید اللہ ابنِ عمِّ رسولؐ
غلام سمجھیں نبیؐ کو تو ہوں ظلوم و جہول — جو لیں مُراد پڑوسی تو بیعتیں تھیں فضول
یہاں یہ تینوں ہی بر ربط کلام مہمل ہیں
سوائے چوتھے کے باقی تمام مہمل ہیں

نہ تھی مراد جو مَولا سے اِس جگہ سردار — نبیؐ نے پہلے ولایت کا کیوں لیا اقرار
اگر غلامی و ہمسائیگی کا تھا اِظہار — تو کیوں نفاق سے خائف تھے احمدِؐ مختار
اُخوّتوں کے جتانے کی تھی ضرورت کیا
بس اتنی بات پہ موقوف تھی رسالت کیا

یہ سب تو ایک طرف، راز اب سنو ازلی — جلی کٹی کی نہیں، صاف ہے جہاں پہ جلی
مراد لے کوئی مَولیٰ سے عبد یا کہ ولی — جو ہیں علیؑ وہ نبیؐ ہیں، جو ہیں نبیؐ وہ علیؑ
غلام سمجھو تو احمد غلام ہیں پہلے
کہو امام تو حیدرؑ امام ہیں پہلے

کیا رسولؐ نے ظاہر جو احترامِ علیؑ — کہا ہر ایک موالی نے پی کے جامِ علیؑ
علیؑ امامِ من است و منم غلامِ علیؑ — ہزار جان گرامی فدائے نامِ علیؑ

بلند چاروں طرف تھی جو یا وَلی کی صدا
فضا میں گونج رہی تھی علیؑ علیؑ کی صدا

نبیؐ نے امرِ خلافت کیا بیان جو صاف — یہیں سے پکنے لگیں کھچڑیاں علیؑ کے خلاف
وہ سب جو لائے تھے ایماں بطمعِ استخلاف — حسد کی آگ میں جلنے لگے، خطا ہو معاف

زبانیں کھل نہ سکیں رعب سے رسالت کے
نبیؐ کے اٹھتے ہی فتنے اُٹھے قیامت کے

وہ دفنِ ختمِ رُسُل سے گریز بعدِ وفات — وہ فاطمہؑ پہ یہ بندش، نہ روئیے دن رات
گلا وہ شیرِ خدا کا، وہ ریسماں ہیہات — وہ دَر، وہ آگ، وہ محسن کی موت کے حالات

وہ ضَرب، پہلوے بنتِ رسولِؐ داور کی
وہ غسلِ میّتِ زہراؑ، وہ چیخ حیدرؑ کی

پھر اس کے بعد وہ خاموشیِ زبانِ خدا — مگر فلک سے مسلسل نزولِ رنج و بلا
وہ آلِ پاک، وہ اُمّت کے ظلم، وا اسفا — علیؑ کو تیغ کا پانی، حسَنؑ کو زہرِ دغا

تباہ حال تھی عترت نبیؐ کے نائب کی
مگر حسینؑ پہ حد ہو گئی مصائب کی

غضب ہے دین کو جس ماہ سے کمال ہوا — وفورِ غم سے اسی کا قمر ہلال ہوا
چُھٹے رفیق، بھتیجا بھی پائمال ہوا — نظر کے سامنے نورِ نظر حلال ہوا

ضعیف باپ سے فرزند نوجواں بچھڑا
قوی تھا جس سے جگر کھا کے وہ سناں بچھڑا

فدا ہم آپ کی ہمّت پہ اے شہِ صفدر — جگر سے بیٹے کے خود کھینچ لی اَنی جھک کر
اَنی سے چُھٹ کے شکستہ جو ہو چکی تھی کمر — اُسی کمر پہ اُٹھا لائے لاشۂ اکبرؑ

یہ دیکھ کر دلِ بیتاب کو نہ کَل آئی
تڑپ کے خیمے کے دَر سے بہن نکل آئی

یہ سب مناظرِ جاں کاہ جھیل کر شبیرؑ — قدم قدم پہ ادا کر رہے تھے شکرِ قدیر
اب ایک آ گئی وہ منزلِ نشانہ و تیر — جہاں تھی باپ کی آغوش، مقتلِ بے شیر

لحد میں بندِ کفن فاطمہؑ نے چاک کیا
پسر کو باپ نے جب خود سپردِ خاک کیا

زبانِ حال میں تیغِ علیؑ نے تب یہ کہا — میں صدقے، آپ نے مولا غضب کا ظلم سہا
کہ میں کمر میں رہی اور جواں کا خون بہا — جواں کا ذکر تو کیا، شیر خوار بھی نہ رہا

زباں سے کیا کہوں، کچھ جائے گفتگو نہ رہی
نبی کا گھر نہ رہا، میری آبرو نہ رہی

نیام ہی میں سنا، بھائی منہ کو موڑ گئے — امامِ بیکس و تنہا کا ساتھ چھوڑ گئے
دلِ شکستۂ مولا کو خوب جوڑ گئے — ہجومِ غم میں بچھڑ کر، کمر بھی توڑ گئے

میں سمجھی اب مجھے شاہِ غیور کھینچیں گے
بڑا ہی داغ سہا ہے، ضرور کھینچیں گے

مگر حضور نے اس پر بھی صبر فرمایا — زبانِ پاک پہ جب بَعْدَكَ الْعَفَا آیا
میں سمجھی داغِ پسر نے جگر کو تڑپایا — یہ ظلم، صابر و شاکر کو غیظ میں لایا

ستم کی حد ہوئی، اب فوج کو سزا دیں گے
ابو تراب کی صورت زمیں ہلا دیں گے

یہ ظلم سہ کے بھی بگڑے نہ آپ کے تیور — بجائے غیظ یہ دیکھا کہ ہے سجود میں سر
ہوا شہید جو گودی میں شیر خوار پسر — ہجومِ یاس میں بس رہ گئی میں بل کھا کر

پھر آپ نے مجھے کیا سربلند فرمایا
کہ مجھ سے قبر بنانا پسند فرمایا

میں یہ تو کیا کہوں، میرا کمال دکھلادو — مگر یہ ظلم نہ دیکھوں، وہ شکل بتلادو
علیؑ کا واسطہ مجھکو نجف میں پہنچا دو — وگرنہ توڑ کے اصغرؑ کے پاس دفنا دو

میں اب جو دشت سے خیمے میں جاؤں گی مولا
رباب بی بی کو کیا منہ دکھاؤں گی مولا

یہ سُن کے عزمِ حسینی نے آہ بھر کے کہا
نمودِ عصر ہے اب جنگ کا محل نہ رہا
وہ ساعت آگئی جس کے لیے یہ ظلم سہا
نبیؐ کا دین مٹے گا جو میرا خوں نہ بہا
بس اب خدا کے لیے دل پہ جبر کر اے تیغ
مری بہن کی طرح تو بھی صبر کر لے تیغ

ابھی یہ کہہ نہ چکے تھے حسینؑ ہائے غضب
کہ مٹ گیا دلِ زہرؑا کا چین ہائے غضب
وہ روحِ فاطمہؑ کرتی ہے بَین ہائے غضب
وہ نکلے قبر سے شاہِ حنین ہائے غضب
گرا فرس سے وہ صابر، جھکا وہ سجدے میں
گلے پہ تیغ چلی ، دم رُکا وہ سجدے میں

جب افتخارِ رسولِ زماں شہید ہوا
پکاری ماں مرا آرامِ جاں شہید ہوا
امامِ بیکس و بے خانماں شہید ہوا
غریب ، نہر پہ تشنہ دہاں شہید ہوا
اٹھا یہ شور کہ لاشوں کو خستہ حال کرو
ہر اک شہید کی میّت کو پائمال کرو

یہ حد کی تھی جو اہانت بجب قول و قرار
حُر جری کا رسالہ بگڑ گیا اک بار
کسی نے گرز سنبھالا ، کسی نے لی تلوار
یہ رنگ دیکھ کے بولا ، یہ حاکمِ غدّار
ذرا سی بات پہ باہم نہ قیل و قال کرو
رضا نہیں ہے تو حُر کو نہ پائمال کرو

کوئی الم نہیں اے بھائیو نہ گھبراؤ
رسالہ دار کا لاشہ ادھر اُٹھا لاؤ
وہ لاش اُٹھا کے جو لائے تو پھر کہا جاؤ
ہر اک شہید کا لاشہ کچل کے جلد آؤ
ابھی تو جانِ پیمبر کا گھر جلانا ہے
حرم کو لُوٹنا ہے ، ننگے سر پھرانا ہے

یہ سُن کے طرفہ تلاطم ہوا لبِ دریا
رسالہ بنِ حجّاج نے بگڑ کے کہا
ہماری قوم سے ہے اک شہیدِ راہِ خدا
ہمارے سامنے پامال ہو وہ ماہ لقا
جو اہلِ شام نہ مانے تو شامت آئے گی
اگر ملال کو روندا ، قیامت آئے گی

۵ یہ روایت ۱۹۳۰ء میں بمقام جانسٹھ ضلع مظفر نگر سید باقر علی خاں فہیم کی فرمائش سے کہی تھی۔

یہ بات سنتے ہی گھبرایا حاکمِ خودسر   کہا، ہلال کا لاشہ بھی جلد لاؤ اِدھر
اگرچہ دلبرِ کاہل تھا اظلم و اکفر   کہ جس کو رحم نہ آیا صغیر بچّے پر

پر اُس شقی کو بھی یہ ظلم ناگوار ہوا
حبیبِ شاہ کا حامی وہ نابکار ہوا

ہلا یہ حکم کہ اُن کی بھی لاش رن سے اٹھاؤ   حرم کو قید بھی کرنا ہے، اب نہ دیر لگاؤ
ہر اک کو شوق سے روندو، کسی سے خوف نہ کھاؤ   پکارا شمرِ ستمگر، ابھی قدم نہ بڑھاؤ

اگرچہ قاتلِ فرزندِ شاہِ خیبر تھا
مگر وہ مادرِ عبّاسؑ کا برادر تھا

بگڑ کھڑا ہوا فوراً وہ ظالمِ غدّار   پئے حمایتِ عبّاسؑ کھینچ لی تلوار
قریبِ نہر گیا جب وہ خود سر و مکّار   جری کی لاش سے پیدا ہوئی ندا اکبار

نہ اُٹھ سکے گا تنِ پاش پاش او ظالم
رہے گی نہر پہ سقّےؑ کی لاش او ظالم

تجھے قسم ہے نہ میرا خیال کر ظالم   میں شاد ہوں کہ مجھے خستہ حال کر ظالم
زمیں کو خوں سے نہ آقا کے لال کر ظالم   میں ہوں غلام، مجھے پائمال کر ظالم

اگر شقی مرے لاشے کو تو بچائے گا
بتولؑ پاک سے مجھ کو حجاب آئے گا

بچائی شمر نے جانِ شہِ حنین کی لاش   اٹھائی ایک عرب نے زہیرِ قین کی لاش
کسی نے مانگ لی بانو کے نورِ عین کی لاش   میانِ دشت فقط رہ گئی حسینؑ کی لاش

اِدھر ستم کے ارادے سے فوجِ شر نکلی
اُدھر حرم سے سکینہ برہنہ سر نکلی

پکارتی تھی وہ بیکس غریب کی جائی   کہاں ہو میرے چچا جان، میرے شیدائی
پدر کی لاش اُٹھالو کدھر گئے بھائی   یہ کہتی جانبِ حاکم جو وہ یتیم آئی

گھڑک کے بولا وہ بدعت شعار، کون ہے تو
بلک کے روتی ہے کیوں زار زار کون ہے تو

لرز کے بولی ، غریب الوطن کی جائی ہوں　　یتیم خستہ جگر ہوں ، فلک ستائی ہوں
نہ سعی اور نہ سفارش کسی کی لائی ہوں　　میں بھیک مانگنے کو تیرے پاس آئی ہوں
پڑی ہے رن میں فقط شاہِ مشرقین کی لاش
فقیر جان کے دُکھیا کو دے حسینؑ کی لاش

سنہ ۱۹۴۸ء

چراغِ خونِ حسین مدام روشن ہے　　زمیں سے تا بشفق صبح و شام روشن ہے
عمل کی بزم میں احمد کا نام روشن ہے　　لحد میں شمع ہے، عالم تمام روشن ہے
نہ یہ چراغ اگر رہ نمائے کل ہوتا
تو دینِ ختمِ رسل کا چراغ گل ہوتا

چراغِ عشق ہے یہ طرفہ گل کھلاتا ہے　　یہاں جلائیں تو محشر میں نور جاتا ہے
نگاہِ حُر جو کسی دیدہ ور میں پاتا ہے　　سوادِ شام میں جلووں کو کھینچ لاتا ہے
یہ نورِ حق بھی ہے ظلمات کی تلافی بھی
چراغِ قبر بھی، پروانۂ معافی بھی

اسی چراغ سے پُرنور ہے جہاں سارا　　سخن میں نقص ہو پیدا کہیں جو مہ پارا
قمر ہے داغِ جگر اور نجوم آوارا　　یہ لازوال تو سورج ہے ڈوبتا تارا
وہ صبحدم بھی فروغِ نظر نہیں ہوتا
یہ شام کو بھی چراغِ سحر نہیں ہوتا

فروغِ شمعِ ولا جن کی آنکھ میں کھٹکے　　کریں چراغ بجھانے کی کوششیں ڈٹ کے
جو گل کترتے ہیں رہ جائینگے وہ خود کٹ کے　　یہ جھلملائے نہ بھڑکے نہ اس کی لو بھٹکے
اُٹھے شعاع کا ذرہ تو کیا سے کیا ہو جائے
سمندِ ظلم بھڑک کر چراغ پا ہو جائے

اسی چراغ نے تیرہ دلوں کو داغ دیا　　جو صاف دل تھے انھیں نور کا ایاغ دیا
سدا بہار ولائے علی کا باغ دیا　　لحد کے واسطے گویا مجھے چراغ دیا
اسی سے اژدرِ عصیاں کا دم نکلتا ہے
یہی تو کالوں کے آگے چراغ جلتا ہے

چمک گئی مری قسمت کہ یہ چراغ ملا　　غمِ حسین ملا، رنج سے فراغ ملا
ہر اک خلش ہوئی رخصت وہ دل کو داغ ملا　　یہ اہلِ بیت کے صدقے میں خانہ باغ ملا
لیے ہوئے جو تولا کا یہ چراغ ہوں ہیں
تو اس چراغ کے ہر گل سے باغ باغ ہوں میں

اسی چراغ سے روشن ہے محفلِ عرفاں　　یہی چراغ عقیدت کی بزم کے شایاں
اسی کی لو سے ابھرتی ہے فطرتِ انساں　　اسی کی آنچ سے نبضوں میں خونِ گرم رواں
اسی کا راہِ حیاتِ بشر میں جلوہ ہے
یہ کربلا کی زمیں کا چراغِ کشتہ ہے

سدا چراغ دکھاتے رہے جو رہبر دیں　　نہ ہو سکے کبھی دلسوز ان کے اہلِ زمیں
ہوائے تند میں بجھے جو چراغِ بزم یقیں　　اب ان کا نام ہے روشن اور آندھیاں نہ رہیں
چمن میں شام کے گل کا نشاں نہ پتی کا
نہ کرنے والا ہے کوئی چراغ بتی کا

جہاں حسین کی الفت کا داغ روشن ہے　　تو زندگی کا وہاں ہر چراغ روشن ہے
خرد کے نور سے دل کا ایاغ روشن ہے　　ضیائے دل سے خرد کا دماغ روشن ہے
ہر ایک دوسرے کا زنگِ فکر دھوتا ہے
یونہی چراغ سے روشن چراغ ہوتا ہے

جگر کے داغ سے آنکھوں میں ہیں جو اشکِ عزا　　یہ اس چراغ سے جھڑتے ہیں پھول صل علیٰ
ہنسیں چراغ تو یہ فال نیک ہے گویا　　شگون لیتے ہیں اس سے محب تو جنت کا
ولا کے فیض سے آساں ہر ایک مشکل ہے
بس اب چراغ ہے روشن مراد حاصل ہے

اسی چراغ میں ایماں کی روشنائی ہے　　اسی چراغ میں تنویرِ مصطفائی ہے
یہ ضو اسی سے دلِ مومنیں نے پائی ہے　　کہ شمعِ تربت زہرا سے لو لگائی ہے
چراغ لے کے جو ڈھونڈیں تو یہ ضیا نہ ملے
جو اس چراغ کا جلوہ نہ ہو خدا نہ ملے

وہ عالمِ ملکوتی، وہ منزلِ عرفان — اسی چراغ کی لو میں ہیں روز و شب رقصاں
میں اس چراغ کو دل میں جلا کے ہوں جو رواں — عجب نہیں کہ ملے جلوہ امامِ زماں

نصیبِ نصرتِ مولا میں ہو فراغ مجھے
یہی چراغ دکھائے چہل چراغ مجھے

یہی وہ شمع ہے جلوے ہیں جس کے لیل و نہار — چراغِ حق ہے۔ اسے کیا بجھائیں گے کفّار
منافقوں کی بھی پھونکوں کا شور و شر ہو ہزار — جب آندھیاں نہ جمیں، موذیوں کا کیا پھنکار

چڑھے گا زہر ہی کیا ان کی بد سگالی کا
چراغ چاٹ کے آئے ہیں یہ دوالی کا

چراغِ عشق کہ جس کا ہر ایک گل اک باغ — فروغِ چشم و نظر قلبِ مطمئن کا فراغ
رکھے ہیں دل سے لگا کر رہِ ولا میں جو داغ — حرم میں نام علی کے جلائے ہیں یہ چراغ

نظر بھی سوختہ ہو جائے دل بھی ساتھ جلے
جو اس چراغ کو دے ہاتھ اس کا ہاتھ جلے

بجھے خود اُن کے ہی دل جو چراغِ حق سے جلے — یہ پوچھ لو شبِ ہجرت سے کس نے ہاتھ ملے
وہ سورما جو شجاعوں کی گود کے تھے پلے — چراغِ دیں کو بجھانے چلے چراغ جلے

علی کا رعب وہ بیٹھا قلوبِ داغی میں
خودی بھی دے گئے بودے یہاں چراغی میں

وہ حق کا نور وہ خندق وہ حملۂ اشرار — چراغ کرنے کو ٹھنڈا وہ گرمیٔ کفّار
مجاہدوں کے رخوں پر بدہشت بیکار — وہ ٹمٹماتے ہوئے سے چراغ کے آثار

اگر علی کہیں ایسی گھڑی میں ٹل جاتے
سوادِ کفر میں گھی کے چراغ جل جاتے

مرے چراغ کے اک پھول کا شرف جو سنیں — چمن میں برگ و شجر رات دن سروں کو دھنیں
جنھیں ہے بغض وہ تنکے اگر چنیں تو چنیں — جو اس کی ضو سے جلیں شعلۂ حسد میں بھنیں

وہ کون چھینے گا جلوے جو ربِ اکبر دے
کسی میں دم ہو تو آئے چراغ گل کر دے

چراغِ داغِ عزا اسے ہے مجلسوں کی بہار　　جلا گئی جسے آہوں سے عترتِ اطہار
اسی چراغ کا اک پھول یہ مرا گلزار　　گلوں سے جس کے مسلسل بنے ہیں نظم کے ہار
وہ نظم جس کے شگوفے کھلے تو باغ ہوئے
اسی چراغ کے گل سے یہ گل چراغ ہوئے

یہ پھول زر کے لیے ہیں نہ واہ واہ کے لیے　　نبی کے واسطے ہیں شاہِ لافتا کے لیے
مزہ ہی کیا جو ثنا خواں ہوئے ثنا کے لیے　　نسیم مدحِ علی کیجیے خدا کے لیے
جو طمعِ نفس نے ذکرِ ثنا میں گھیرا ہے
تو پھر چراغ تلے جان لو اندھیرا ہے

ہزار لوگ کریں گفتگوئے بوالعجبی　　میں اف کہوں سرِ منبر تو صاف بے ادبی
جہادِ نفس کروں دل میں آگ ہو جو دبی　　کہ میں ہوں شاعرِ آلِ محمدِ عربی
نہ کچھ سنا نہ کسی کا جواب دینا ہے
یہ جن کا ذکر ہے ان سے ثواب لینا ہے

کسی کی بزمِ سخن کا نہیں میں گو کہ جلیس　　مگر یہ میرا عقیدہ ہے اور ہے بھی نفیس
نسیم! باغ لگائیں جو مل کے بیس دس بیس　　وہی پھلیں گے جو ہوں قائلِ دبیر و انیس
یہ فکر ہے شہِ روشن ضمیر کا صدقہ
یہ مرثیے ہیں انیس و دبیر کا صدقہ

انیس کون خدیوِ سخن خدائے سخن　　دبیر شاہِ سخن خالقِ بنائے سخن
انہیں کے جسم پہ موزوں تھی بس قبائے سخن　　چراغ دو تھے مگر ایک تھی ضیائے سخن
نشانہ ایک تھا گو مختلف کمانیں تھیں
کہ ذوالفقار کی گویا یہ دو زبانیں تھیں

سخن میں ان کے جو تھا گلشنِ نعیم کا رنگ　　مرے ریاض کے پھولوں میں ہے شمیم کا رنگ
کلام میں نہیں اپنے کسی کلیم کا رنگ　　گلوں کے رنگ سے ملتا ہے کب نسیم کا رنگ
یہ ہیچ کس نے کہا ہیچ ہوں حقیر ہوں میں
بڑے امیر کے در کا مگر فقیر ہوں میں

نہ فہم مجھ میں نہ اہلیت و لیاقت ہے — مگر حسین کی مدحت دلیلِ حرمت ہے
حسین وہ کہ یہ ادنیٰ سی جس کی عظمت ہے — چراغ آج بجھا نور تا قیامت ہے
اسی حسین کا گھر رن میں بے چراغ ہوا
چراغ حق کے جلے دل جو داغ داغ ہوا

حسین شمعِ حرمِ مصطفیٰ کا لختِ جگر — حسین عاشقِ جانبازِ دینِ پیغمبر
سجودِ عشق کو دے کر بقا تہِ خنجر — رہِ وفا میں مصلے سے کر گیا جو سفر
کسی غریب پہ یہ آفت شدید نہ ہو
وطن سے چھٹ کے الٰہی کوئی شہید نہ ہو

ہوا یہ ظلم زمانے میں دو غریبوں پر — وہ ایک بیکس و مضطر ہے فاطمہ کا پسر
اور ایک مسلم بے پر غریب و خستہ جگر — کوئی نہ ان کا معیں تھا نہ آپ کا یاور
قلق یہ تھا کہ شہ مشرقین بھی بچھڑے
پرائے دیس میں دو نورِ عین بھی بچھڑے

مقیم خانہ ہانی تھے مسلم پر غم — اسے بھی قتل کیا ظالموں نے ہائے ستم
یہ انقلاب یہ رنگِ دورنگیِ عالم — اماں کی فکر میں در در پھرے سفیرِ حرم
بڑھی جو پیاس بہت ۔ تھرتھرا کے بیٹھ گئے
قریبِ شب درِ طوعہ پہ آ کے بیٹھ گئے

مکاں سے نکلی جو طوعہ تو بولی گھبرا کر — کہ آپ کون ہیں بیٹھے ہیں کس لیے در پر
دبی زباں سے کہا اک غریب ہوں خواہر — پلا دے آب مجھے بہرِ ساقیِ کوثر
یہ سن کے نذرِ امامِ انام لے آئی
بشوق بھر کے وہ پانی کا جام لے آئی

وہ آب پی کے بھی اٹھے نہ جب تو اس نے کہا — کہ پانی پی چکے اب گھر کو جاؤ بہرِ خدا
اسیر کرنے کو مسلم کے پھرتے ہیں اعدا — عیال فکر میں ہوں گے کہ رہ گئے کس جا
غضب ہے پھر جو غریبوں کے دل کو کل نہ پڑے
تلاش میں کوئی بی بی کہیں نکل نہ پڑے

یہ سن کے آہ بھری اور کہا بدیدۂ تر — نہ بیٹھتے ترے در پر کہیں جو ہوتا گھر
کہاں عیال جنھیں فکر ہو گی لے خواہر — یہاں بہن ہے نہ بھائی نہ زوجہ و دختر
نہ جانے وہ بھی یونہی غم میں ہیں کہ چین سے ہیں
حسین ہم سے جدا ہم جدا حسین سے ہیں

یہ نام سن کے پکاری وہ عاشقِ زہرا — حسین آپ کے کیا ہیں کہا مرے مولا
وہ بولی نام و نسب کچھ بتایئے میں فدا — کہا کہ مردِ غریب الوطن کا نام ہی کیا
مطیعِ ملّتِ خیر الانام ہوں بی بی
حسین کا میں اک ادنیٰ غلام ہوں بی بی

یہ سن کے اس نے تڑپ کر کہا بشدتِ غم — یہ خاکسار بھی ہے اک کنیز شاہِ امم
چھپاؤ مجھ سے نہ للہ حالِ درد و الم — بتادو نام تمھیں جانِ فاطمہ کی قسم
کہا حرم سے جو بچھڑا وہ بے نصیب ہوں میں
وکیلِ سبطِ نبی مسلمِ غریب ہوں میں

یہ نام سنتے ہی قدموں پہ وہ گری رو کر — کہا فدا ہو یہ لونڈی عقیل کے دلبر
حضور نائبِ شبیر ہیں ، نہ تھی یہ خبر — کنیز گھر میں رہی آپ یوں پھرے دردر
بس اب نہ صدمۂ غربت اٹھایئے مولا
غریب خانے کی عزت بڑھایئے مولا

یہ سن کے آپ اٹھے اور دعائیں دے کے کہا — کریم اس کی جزا دے تجھے کنیزِ خدا
وہ گھر میں لائی جو ان کو بصد خلوص و ولا — وہاں بھی چین سے گردوں نے بیٹھنے نہ دیا
کٹی وہ رات جو شبیر کے فدائی کی
سحر کو فوجِ ستمگار نے چڑھائی کی

وہ شور و شر جو سنا اٹھے مسلمِ ناچار — کہا رضا بقضا اور کھینچ لی تلوار
قریب در کے جو آیا وہ غازی و جرار — قدم سے طوعۂ بیکس لپٹ گئی اک بار
کہا ہزاروں سے تنہا نہ کارزار کرو
مجھے بتول سے داری نہ شرمسار کرو

یہاں نہ کوئی ہے ناصر نہ مونس و غم خوار ہزار خون کے پیاسے شقی اور اک دیندار
نجف کو مڑ کے پکاری یہ پھر بحالت زار بچاؤ اپنے بھتیجے کو حیدرِ کرار
بنا ستم ہے کہ مہمان پر چڑھائی ہے
لٹا عقیل کا گھر یا علی دوہائی ہے

وہ بولے صبر کر اے عاشقِ علی و بتول میں تجھ سے شاد ہوں خوشنود ہیں خدا و رسول
نہ اب رکے گا کسی طرح یہ حزین و ملول حسام کھینچ کے رد کیں نہیں یہ اپنا اصول
دفاع جبکہ ہو واجب تو جائے غور نہیں
ہم اہل بیت پیمبر ہیں کوئی اور نہیں

دفاع کے لیے مسلم بصد وقار چلے جب ان کو گھیر لیا۔ بہرِ کارزار چلے
رکاب تھام کے اقبال و اقتدار چلے قدم فرس کے چلے، جیسے ذوالفقار چلے
مچا یہ غل کہ ہٹو کوفیو دلیر بڑھا
غضب میں شیر بڑھا زندگی سے سیر بڑھا

رجز پڑھا کہ غلامِ شہ جلیل ہوں میں کفیلِ ملتِ اسلام کا وکیل ہوں میں
امینِ کلمۂ حق مثلِ جبرئیل ہوں میں وہ عقلِ کُل ہیں تو ہوں دلبر عقیل ہوں میں
ملا ہے منصب حسن قبول صلِ علیٰ
امام وقت کا میں ہوں رسول صلِ علیٰ

وزیر وارثِ تختِ پیمبری ہوں میں شگوفۂ چمنستانِ صفدری ہوں میں
دلیر و پُر جگر و غازی و جری ہوں میں تمھیں بھگا کے رہوں گا کہ حیدری ہوں میں
بحکم ابنِ جناب امیر آیا ہوں
سفیر غیب کا بن کر سفیر آیا ہوں

خدا کے فضل و کرم سے ہوں میں عزیز نبی وہی نبی کہ خودی سرکشوں کی جس سے دبی
وہی نبی کہ مسلم ہے جس کی خوش نسبی وہ مکی و مدنی ہاشمی و مطلبی
علی ہیں میرے چچا ہیں کسی سے پست نہیں
بھتیجا دستِ خدا کا ہوں زیر دست نہیں

مرے گھرانے سے واقف ہیں جن و انس تمام — کہ ایک عمِّ معظم رسول ایک امام
فرازِ عرش وہ حق کے کلیم ہیں یہ کلام — وہ شاہِ بدر، شبِ قدر کے یہ ماہ تمام

قمر کا جام وہ انگلی سے توڑنے والے
یہ آفتاب کو مغرب سے موڑنے والے

وہ شانِ علم و عمل ہیں یہ جانِ سیف و قلم — خمیر ایک ہے دونوں کا کچھ وہ بیش یہ کم
وہ تن یہ نفس وہ پیکر یہ سر وہ گوشت یہ دم — رسول نور کی صورت، یہ اُن کے پارۂ عم

وہ انبیا کے ہیں والی یہ اولیا کے ولی
وہ ہیں خلیل کے وارث یہ ہیں خدا کے ولی

خدا کی یاد ہے مثلِ نماز یادِ علی — وہی خدا کا ارادہ جو ہے مرادِ علی
گرہ کشائے دو عالم ہے اعتقادِ علی — نبی سے جب تو خدا نے کہا کہ نادِ علی

وہی معین وہی عونٌ فی النوائب ہیں
عجب کی بات نہیں مظہر العجائب ہیں

علی چراغِ حقیقت علی تجلیٔ طور — علی نذیر و علی ناظر و علی منظور
علی نصیر و علی ناصر و علی منصور — علی امیر و علی آمر و علی مامور

خدا کے ہاتھ بھی ہیں دستگیر بھی ہیں علی
امیر بھی ہیں جنابِ امیر بھی ہیں علی

علی رسول کے سر کائنات کے سرور — علی امام علی پیشوا علی رہبر
علی جہاز علی ناخدا علی لنگر — علی دلیر علی شیرِ حق علی حیدر

علی کی تیغ بھی قاتل کھنچی چین ابرو بھی
نبی کے قوت بازو بھی دست و بازو بھی

علی کمالِ شریعت علی مہ کامل — علی کریم علی ذوالکرم علی عادل
علی ہی فرقِ نبی فارق حق و باطل — علی ہی دلبرِ عمران۔ عمرو کے قاتل

علی کی ضرب جو ہلکی سی وہ گراں سے گراں
کبھی کبھی تو عباداتِ دوجہاں سے گراں

علی قسیم و علی قاسم و علی قسمت — علی جری و علی جرأت و علی ہمت
علی حکیم و علی حاکم و علی حکمت — علی نعیم و علی مُنعم و علی نعمت

وہ ایک دو نہیں جمِ غفیر شاہد ہے
علی پہ ختم ہے نعمت، غدیر شاہد ہے

کسی ولی کو علی ولی کی خو نہ ملی — ہزار پھول کھلے پر علی کی بو نہ ملی
کلیم کو یہ تکلم یہ گفتگو نہ ملی — کنویں میں گر گئے یوسف یہ آبرو نہ ملی

بکے جو وہ کسی گمراہ نے خرید لیا
علیؑ کے نفس کو اللہ نے خرید لیا

علی کے سامنے ہستی کی کون ہستی تھی — جفا شعاروں کی بستی عدم میں بستی تھی
علی نہیں تھے تو کعبے میں بت پرستی تھی — وہ ہستیاں تھیں وہاں نیستی برستی تھی

لیا تھا سنگدلوں نے وہ گھر جفا کر کے
بتوں سے چھینا ہے کعبہ خدا خدا کر کے

ملا خدا سے جنہیں یہ وقار نام خدا — انہیں کے ہم ہیں اطاعت گزار نامِ خدا
لیا خلوص سے جب ایک بار نامِ خدا — کبھی سپر ہے کبھی ذوالفقار نامِ خدا

لبوں پہ ذکر ہے اور اس کا مدعا دل میں
علی علی ہے زباں پر خدا خدا دل میں

جو اہل سیف کا قبلہ ہے وہ مکاں اپنا — خدا کا شیر ہے جس میں وہ خانداں اپنا
قدم بڑھا ہے جہاں میں جہاں جہاں اپنا — وہاں وہاں ہے بلند آج تک نشاں اپنا

وہ یاد رکھیں ستانے جو آئے ہیں مجھکو
فنونِ جنگ علی نے سکھائے ہیں مجھکو

دغا سے پہلے جو حجت تمام کرتا ہوں — فقط تاسیِ حکمِ امام کرتا ہوں
ابھی تلک تو بمنت کلام کرتا ہوں — ہٹو یہاں سے نہیں قتل عام کرتا ہوں

بڑھوں بغیظ تو ندی لہو کی بہہ جائے
نہ کہنا پھر مجھے مسلم جو کفر رہ جائے

رجز یہ سنکے جو اعدا صفیں جمانے لگے　　چبا کے ہونٹوں کو یہ آستین چڑھانے لگے
ہلا ہلا کے جو وہ برچھیاں ڈرانے لگے　　یہ چشمِ غیظ سے بوردوں کا دل ہلانے لگے
بجا بجا کے جو باجے ، ہجوم بڑھنے لگے
تو جھوم جھوم کے نادِ علی یہ پڑھنے لگے

چلے جو تیر تو مولا کا جاں نثار چلا　　ڈکارتا ہوا ضیغم پئے شکار چلا
چلی جو تیغ تو دوزخ کو ہر سوار چلا　　سوار سوئے سقر گھر کو راہوار چلا
ہر ایک وار میں دس دس سوار گرتے تھے
تمام کوفے میں کوتل سمند پھرتے تھے

جدھر بھی دشت میں تیغِ وکیلِ شاہ چلی　　اُدھر سے پھیر کے منہ فوجِ روسیاہ چلی
قضا یہ کہتی ہوئی جانبِ سپاہ چلی　　پناہ لو گے کہاں تیغِ بے پناہ چلی
وہ مثلِ موج بڑھی وہ مثالِ سیل گئی
وہ سنسنا کے چلی، سنسنی سی پھیل گئی

وہ تیغ تیز کہ جھنکار جس کی نادِ علی　　مطیع تیغ ید اللہ خانہ زادِ علی
ہر ایک ضرب پہ جبریل محو یادِ علی　　فضا میں کھینچ دیا نقشۂ جہادِ علی
پکارتی تھی ارے قہرِ کردگار ہوں میں
پیوں گی خون کہ شاگردِ ذوالفقار ہوں میں

بڑھا رہی تھی جو کلمہ حسامِ مسلم کا　　مثالِ تیغ چمکتا تھا نام مسلم کا
برائے حق جو وہ تھا قتلِ عامِ مسلم کا　　نبی کے دین میں شامل تھا کام مسلم کا
شریکِ کارِ رسالت ہوئے ولی کی طرح
منافقوں سے لڑے دوبدو علی کی طرح

وہ تیغ چلتی تھی سن سن کہ بادِ طوفانی　　غریق بحرِ تحیّر تھے ظلم کے بانی
گزر گئی جو سروں سے یہ مثلِ طغیانی　　عدو کے حلق میں اٹکا حسام کا پانی
نہ پانی مانگ سکے جو لہو کے پیاسے تھے
وہ خوں میں غرق تھے جو آبرو کے پیاسے تھے

وہ سیف صورت سیّاف تھی جو لاثانی　　دم جہاد تھی مسلم کو جزِ قرآنی
جھکی تھی طاعت رب پر مطیع ربّانی　　وہ حج کے دن وہ سیاہ شفق کی قربانی
ہلال تیغ کی دن دوپہر جو دید ہوئی
اجل پکاری میں قربان مجکو عید ہوئی

کسی کا دم کسی خنجر کی دھار دے کے چلی　　سروں کو کاٹ کے پھینکا نہ بار لے کے چلی
سپر کے پھول اڑائے بہار لے کے چلی　　زباں سے قول، دلوں سے قرار لے کے چلی
نمک حرام تھے جتنے انھیں حلال کیا
ہر ایک عہد شکن کو شکستہ حال کیا

جھکی تو طاق حرم تھی اٹھی تو شور اذاں　　ملی تو دست حسیں تھی کھنچی تو رشتۂ جاں
چلی تو تیر نظر تھی چبھی تو نوک سناں　　گری تو برق تپاں تھی پھری تو چشم بتاں
رُکی مثالِ طبیعت لڑی نظر کی طرح
ہر ایک قلب میں در آئی اپنے گھر کی طرح

علی کا شیر وہ سیاف اور وہ اعلیٰ سیف　　صفیں ہیں صاف یہ سیفی چلی کوئی یا سیف
عدو بھی کہتے تھے۔ کیا حرب و ضرب ہے کیا سیف　　دم جہاد ہے تائیدِ صاحبِ لا سیف
دلوں میں بیٹھ گئی ہیبت قضا کی طرح
قلوب فتح کیے شاہِ لافتا کی طرح

ہر ایک وار میں کاٹیں صفیں پرے توڑے　　بڑے بڑے تھے جو رُودار ان کے منہ موڑے
مچی غضب کی یہ ہل چل کہ گر گئے گھوڑے　　جدھر کو وار چلا منچلوں نے جی چھوڑے
ستم کا نام نہ تھا ظلم کا وجود نہ تھا
کسی عدوئے پیمبر میں دم درود نہ تھا

سوار جنگ سے منہ موڑ موڑ کر بھاگے　　پیادے خوف سے دل توڑ توڑ کر بھاگے
وغا میں دست ادب جوڑ جوڑ کر بھاگے　　کلیجے تھام کے جی چھوڑ چھوڑ کر بھاگے
خلاف مسلکِ قول و قرار کرنے لگیں
تنوں کو چھوڑ کے جانیں فرار کرنے لگیں

یہ جس پرے پہ جھپٹے قتل عام کرکے پھرے　　صفیں بچھا کے نشاں لے کے نام کرکے پھرے
یہ کوفیوں کی جو تُڑکی تمام کرکے پھرے　　نجف کو مڑ کے علی کو سلام کرکے پھرے
جناں سے آکے خدیجہ بلائیں لینے لگیں
جناب فاطمہ زہرا دعائیں دینے لگیں

خوشی میں یاد جو آیا نبی کا نور العین　　کہا زبان سے بے ساختہ کہ ہائے حسین
بھر آئے آنکھوں میں آنسو جو دل ہوا بے چین　　دغا کا پا گئے موقع عدوئے شاہِ حنین
سبھوں نے منہ جو انہیں کی طرف کو پھیر لیا
ہزار نے تنِ تنہا کو مل کے گھیر لیا

جری پہ ٹوٹ پڑی چار سمت سے جو سپاہ　　چلائی تیغ پھر اک بار کہہ کے بسم اللہ
ہزار زور لگایا کیے سبھی گمراہ　　مگر رکا نہ کسی سے ہژبر شیرِ الٰہ
وہ دبدبہ تھا کہ فوجِ جفا لرزتی تھی
زمین کانپ رہی تھی فضا لرزتی تھی

کسی طرح نہ رکا جب یہ ثانیِ عباس　　عدو نے مکر سے کھودا کنواں بعالمِ یاس
چھپا کے پھر خس و خاشاک سے بصد وسواس　　دغا سے گھیر کے لائے جری کو چاہ کے پاس
بڑھا قدم تو لٹے اہلِ بیت ہائے غضب ،
کنویں میں گر گئے گھوڑے سمیت ہائے غضب

وہ ایک جانِ حزیں وہ ہزار بانیِ شر　　کوئی اٹھائے تھا نیزہ کوئی لیے تھا تبر
کسی نے تیغ کسی نے لگا دیا خنجر　　کسی نے دور سے مارا غریب کو پتھر
میانِ چاہ مصیبت میں گھر گئے مسلم
وہ زخم کھائے کہ گھوڑے سے گر گئے مسلم

خیالِ شہ میں پکارا وہ صابرِ ازلی　　دمِ اخیر ہے اب السلام جانِ علی
سرِ غریب پہ جس وقت کوئی تیغ چلی　　پھرا نظر میں شگافِ سرِ علی ولی
قضا کے شوق میں حربوں کے منہ کو چومتے تھے
سرورِ عشق میں کھا کھا کے زخم جھومتے تھے

ستایئے جو مسافر کو بانیٔ بیداد   رسن میں باندھ کے لے آئے پیش ابن زیاد
غضب کی پیاس سے تھا جاں بلب جو یہ ناشاد   کسی سے آب کا طالب ہوا خجستہ نہاد
یہاں بھی ساتھ دیا دلکباب طوعہ نے
شتاب پیش کیا جام آب طوعہ نے

لبوں کے پاس جو آیا وہ ساغرِ پُر آب   بجائے آب نظر آیا جام میں خوناب
ندا یہ آئی کہ مایوس کیوں ہے اے بیتاب   حجاب اُٹھ گئے ہیں دیکھ سوئے چرخ شتاب
نظر اٹھائی تو دشت جفا نظر آیا
تمام معرکۂ کربلا نظر آیا

ہجوم فوج میں دیکھی یہ حالتِ سرور   کہ لب ہیں خشک بدن غرق خوں خمیدہ کمر
نظر کے سامنے رکھی ہے لاشۂ اکبر   پدر کے ہاتھوں پہ مجروح شیر خوار پسر
زمیں پہ پھینک کے پانی کہا کہ ہائے حسین
وہ جام آب پیوں میں جسے نہ پائے حسین

زمیں پہ بیٹھ کے پھر ابن سعد سے یہ کہا   وصیتیں مری سن لے کھڑی ہے سر پہ قضا
لباس و تیغ و زرہ بیچ کر برائے خدا   جو کچھ ملے وہ مرے قرضخواہ کو دینا
یہ خستہ حال کٹا کر گلا جو سو جائے
بڑا کرم ہو اگر لاش دفن ہو جائے

منگا دے خامہ و قرطاس بہر ربّ انام   لکھے گا شاہ کو تسلیم آخری یہ غلام
وہ خط کے لکھنے کا سامان آگیا جو تمام   لہو سے اپنے لکھا اے بتول کے گلفام
عجیب حال میں یہ بیکس و مسافر ہے
حروفِ خط سے زمانے کا رنگ ظاہر ہے

زیادہ لکھ نہیں سکتا یہ بیکس و مضطر   نہ لائیں کوفہ میں تشریف شاہ جن و بشر
طلب کیا ہے دغا سے عدو نے اے سرور   تمام کرتا ہوں اب خط کہ کھنچ گیا خنجر
فقط یہ غم ہے کہ مولا کو پڑھ کے غم ہو گا
قلم کو رکھتا ہوں اب میں کہ سر قلم ہو گا

یہاں جو آئے تھے دو لختِ دل مرے ہمراہ　　فلک نے تفرقہ ڈالا بچھڑ گئے وہ آہ
پھریں نہ خاک اڑاتے وہ لال غیرت ماہ　　تلاش کرلیں انھیں بازوے شہ ذی جاہ
ملیں صغیر تو میری طرف سے پیار کریں
پڑے جو وقت تو اسلام پر نثار کریں

روا داری میں وصیت بھی لکھدوں اک دم یاس　　کہ میری زوجۂ بیکس ہے خواہر عباس
سفارش ان سے کریں بادشاہِ قدر شناس　　غریب بیوہ کو تسکین دے وہ نیک اساس
مرے یتیموں کو شفقت سے پال لیں عباس
مرے لٹے ہوئے گھر کو سنبھال لیں عباس

تمام کر چکے نامہ جو مسلمِ ذی جاہ　　کہا یہ تب پسرِ سعد سے بحسرت و آہ
اسے حسینؑ کی خدمت میں بھیج دے للّٰہ　　کلیجہ تھام لیں اب عاشقانِ شیر الٰہ
گیا وہ بام پہ مظلوم سر جھکائے ہوئے
بڑھا وہ ذبح کو جلاد تیغ اٹھائے ہوئے

زباں خموش ہے دل کہہ رہا ہے مثلِ نگاہ　　کہ شہ کی دید سے محروم ہی چلے ہم آہ
یہ ظلم دیکھ تو لیتا علی کا غیرت ماہ　　زمینِ کوفہ بحکمِ خدا اٹھی ناگاہ
حسین کو یہ شہید جفا نظر آیا
انھیں حسین کا سب قافلہ نظر آیا

کیا امامِ اُمم کو جو آخری مجرا　　اک آہ سرد بھری اور رو دیے مولا
بہن تڑپ کے پکاری کہ کیا ہوا بھیا　　پھرا کے منہ سوئے کوفہ امامِ دیں نے کہا
ہماری یاد میں منہ آنسوؤں سے دھوتے ہیں
بہن وہ دیکھیے مسلم شہید ہوتے ہیں

بہن نے پردہ محمل اٹھا کے کیا دیکھا　　رسن میں مسلمِ مظلوم کو بندھا دیکھا
پچھاڑیں کھائیں تڑپ کر وہ ماجرا دیکھا　　اخی کا تیغ سے کٹتے ہوئے گلا دیکھا
پکاری زوجۂ مسلم کلیجہ پھٹتا ہے
ارے بچاؤ کوئی میرا تخت لٹتا ہے

کہا اخی سے کہ عباس تم کمک کو جاؤ   میں واری اے مرے بھیا مرا سہاگ بچاؤ
جو پاس ہو کوئی بستی تو دوستوں کو بلاؤ   یہ ننھے ننھے سے بچے میں کیا کروں بتلاؤ
تمھاری پیاری بھتیجی تڑپ کے روتی ہے
یہ پانچ سال کی بچی یتیم ہوتی ہے

بہن کا سن کے یہ نوحہ جو رو دیے عباس   تڑپ کے رہ گئے غم سے امام وقت شناس
اٹھا کے گود میں بچی کو پھر بحسرت و یاس   دلاسا دیتے ہوئے آ گئے بہن کے پاس
کہا کہ روؤ نہ للٰلہ دل پہ جبر کرو
علی کی بیٹی ہو راہِ خدا میں صبر کرو

مقامِ غور ہے اے صاحبانِ قلب و جگر   ہوئی یتیم یہ بچی تو شاہ تھے سر پر
چھٹی جو شہ سے سکینہ چچا تھے اور نہ پدر   یتیم ڈھونڈتی پھرتی تھی سب کو رو رو کر
کہیں چچا نہ شہِ نامدار ملتے تھے
طمانچے مارنے والے ہزار ملتے تھے

قیامت آتی ہے اے شہ کے دوستو ہشیار   جھکے وہ عشق کے سجدے میں مسلم دیندار
بڑھی وہ حلق کے بوسے کو ظلم کی تلوار   بتول رو کے پکاریں کہ رحم کر غدار
نبی کا راحت جاں غم میں جان کھوئے گا
خبر سنے گا تو میرا حسین روئے گا

اُدھر تڑپتی رہیں دخترِ رسولِ زمن   ادھر شقی نے مسافر کی کاٹ لی گردن
زمیں پہ کوٹھے سے پھینکا وہ پاش پاش بدن   پھر اس کے بعد وہ لاشہ وہ پاؤں اور وہ رسن
رہی کفن سے بھی محروم بے نصیب کی لاش
غضب ہے ٹھوکریں کھاتی پھری غریب کی لاش

۱۹۳۶ء

کیا باوفا رفیقِ شہِ ذی وقار تھے　　جرّار تھے ۔ جری تھے ۔ اطاعت گزار تھے
حق تو یہ ہے کہ حق پہ فدا تھے ۔ نثار تھے　　مانندِ ماہ ۔ عابدِ شب زندہ دار تھے
رونق فزائے بزمِ شہِ جزو کل ہوئے
شب میں چراغ تھے ۔ سحر آئی تو گُل ہوئے

ایسے تو خود رسولؐ کے انصار بھی نہ تھے　　غم میں گھرے تھے غم میں گرفتار بھی نہ تھے
بیمارگی میں عاجز و ناچار بھی نہ تھے　　معصوم تو نہ تھے پہ گنہگار بھی نہ تھے
اللہ ۔ ہمنشینِ شہِ ارجمند تھے
بس انتہا یہ ہے کہ خدا کو پسند تھے

ہیں ان مجاہدوں کے شرف خلق پر جلی　　سب جاں نثارِ دلبرِ پیغمبرؐ و علیؑ
ثابت قدم ۔ دلیر ۔ نمازی ۔ سخی ۔ ولی　　سادات ۔ سرفروش ۔ بہادر ۔ دھنی ۔ بلی
راہِ وفا میں بیشۂ جرأت کے مرد تھے
دونوں جہاں میں بعد اماموں کے فرد تھے

چہروں پہ انبساط بھی ۔ ماتم کی گرد بھی　　ہونٹوں پہ حرفِ شکر بھی اور آہِ سرد بھی
دل میں دعا کا جوش بھی ۔ امت کا درد بھی　　مقصد کا اہتمام بھی ۔ عزمِ نبرد بھی
آنکھوں میں سوزِ حق کے شرارے لیے ہوئے
ابرو میں لافتا کے اشارے لیے ہوئے

مثلِ عروس حورِ شہادت سے اختلاط　　مانندِ عید ۔ موت کی شادی سے انبساط
زخموں کے پھول ۔ دل کے لیے باعثِ نشاط　　پانی کے ذکر سے بھی زبانوں کو احتیاط
نصرت کی آرزو میں ۔ شہادت کی آس میں
خالق سے آبرو کے طلبگار پیاس میں

وہ غیر جو یگانۂ یکتائے روزگار   دیندار۔ حق گزار۔ وفادار۔ جاں نثار
شہ کے عزیز۔ یوسفِ بازارِ کارزار   کوثر کی آبرو۔ چمنِ خلد کی بہار
یہ گل کہاں تھے گلشنِ عنبر سرشت میں
دنیا ہی سے بہار گئی ہے بہشت میں

سطوت وہ تھی کہ جس سے زبردست زیر تھے   جرأت وہ تھی کہ پیاس میں جینے سے سیر تھے
بوڑھے بھی نوجوانوں سے بڑھ کر دلیر تھے   یہ شیر کا اثر تھا کہ بچے بھی شیر تھے
کب ماہِ نو یہ دیکھے تھے تیغوں کی چھاؤں نے
باچھوں کا دودھ پونچھ کے بھیجا تھا ماؤں نے

راہِ عمل میں تیغ زنی کی جو تھی اُمنگ   شوقِ عروسِ مرگ میں چہرے تھے لالہ رنگ
تنتے تھے بار بار جو سج کر سلاحِ جنگ   دیتے تھے داد۔ ٹوٹ کے بندِ قبائے تنگ
سینہ سپر تھے جانِ امیرِ حُنین کے
حافظ کتاب کے تھے۔ محافظ حسینؑ کے

وہب و زہیر قین عجب خوش نصیب تھے   بیکس غریب تھے پہ عجیب و غریب تھے
دریا سے دور۔ نہرِ لبن سے قریب تھے   سب دوست۔ مثلِ ابنِ مظاہر حبیب تھے
حُر کو علیؑ کے چاند سے اُلفت کمال تھی
قدموں پہ خم رہوں۔ یہ دعائے ہلال تھی

زہراؑ کے ماہ پر تھے فدا۔ بدر خوش جمال   ضرغامۂ دلیر میں ضرغام کا جلال
مشہور ہے وفائے حبیبِ ملک خصال   پشتِ دوتا تھی شہ کے لیے عید کا ہلال
یہ جوشِ الفتِ پسرِ بوتراب تھا
پیری کی سمت تکنے جو دیکھا شباب تھا

تھے اقربائے شاہ بھی جرأت میں بے عدیل   مسلم کے دونوں لختِ جگر مہوش و جمیل
مثلِ پدر جلیل۔ تو جد کی طرح عقیل   خو میں حسنؑ۔ کمال میں استاد جبرئیل
ارمان تھا وغا کا۔ شہادت کی چاہ تھی
قبضوں پہ ہاتھ۔ فوجِ عدو پر نگاہ تھی

زینبؑ کے لال بھی تھے شجاعت میں بے مثال — دادا کی آن بان تو نانا کی چال ڈھال
آگے بڑھے جوانوں سے تھے گو کہ خُردسال — لڑکے دکھا گئے اسد اللہ کے کمال
غل تھا سپاہ میں کہ نگاہیں ولی کی ہیں
رن بولنے لگا کہ یہ ضربیں علیؑ کی ہیں

فوجوں پہ گُل رخوں کے جھپٹنے کو دیکھیے — غصّے میں آستین الٹنے کو دیکھیے
پیہم صفیں اُلٹ کے پلٹنے کو دیکھیے — بچّوں کی ہٹ پہ فوج کے ہٹنے کو دیکھیے
ہیں بُرد بار بھی یہ بہادر غضب کے ساتھ
غصّے میں ہیں بھرے ہوئے لیکن ادب کے ساتھ

قاسم کی تھی وہ شان کہ صدقے تھے شیخ و شاب — بھیگی ہوئی مسیں۔ خبرِ آمدِ شباب
وہ عارضِ صبیح۔ جلالت میں آفتاب — تیرہ برس کے سن میں تھے جیسے ابوتراب
بہرِ جہاد صورتِ حیدر تنے ہوئے
حوروں کے اشتیاق میں دولھا بنے ہوئے

وہ حسن وہ جمال کہ صدقے مہِ کمال — بل ابروؤں کے تیغِ یداللہ کی مثال
آئینۂ شبابِ محمدؐ ہر ایک خال — ملتا ہوا رسولؐ کی صورت سے بال بال
تیور وہی ملے۔ وہی بینا نظر ملی
پیغمبری نبیؐ کو انھی شکل پر ملی

وہ شان وہ شکوہِ علمدارِ خوشخصال — جعفر کی آن بان تو حمزہ کی چال ڈھال
بازوئے شہ۔ بتولؑ کے محسن۔ علی کے لال — وہ شیرِ ذوالجلال۔ یہ شمشیرِ ذوالجلال
بچپن سے ہم رکابِ شہِ بے نظیر تھے
گویا نبیؐ کے ساتھ جنابِ امیر تھے

پالے تھے اہل بیت کو گھر نے عجب چراغ — سولہ پہر کی پیاس میں یہ گُل تھے باغ باغ
تا ظہر ان کی بو سے معطّر رہے دماغ — پھر فاطمہؑ کا چاند تھا اور ان گلوں کے داغ
اک دوپہر میں شاہ کی بستی اُجڑ گئی
عالَم کے پیشوا سے جماعت بچھڑ گئی

مقتل میں سب حسینؑ کے یاور ہوتے شہید — نورِ نگاہِ مسلمؑ بے پر ہوئے شہید
عباس باوفا کے برادر ہوئے شہید — بنت علیؑ کے چاند سے دلبر ہوئے شہید
جانِ حسنؑ سے پھر تو نہ دم بھر رہا گیا
دیکھا جو بھائیوں کا لہو جوش آ گیا

سنیے وفائے قاسمِ ذی جاہ و گل بدن — کرنا نہیں ہے ذکرِ عروسی دمِ محن
اس رنگ میں نیا ہے یہ افسانۂ کہن — جس میں ہوں دو فریق وہ زیبا نہیں سخن
اہل نظر کو شک ہے عروسی کے باب میں
ہم کیوں لکھیں ضعیف روایت شباب میں

جس میں کہ شک نہیں وہ روایت بیاں کریں — ماں سے حسن کے لال کی رخصت بیاں کریں
پیاسے کے بچپنے کی شجاعت بیاں کریں — دل پائمال ہوں وہ شہادت بیاں کریں
غل ہو کہ ہائے جانِ حسنؑ خون میں بھر گئے
پورے جواں بھی ہونے نہ پائے کہ مر گئے

شبرؑ کا چاند کاہشِ غم سے ہلال ہے — ملتی نہیں رضا یہ تردد کمال ہے
مادر بھی بے قرار پسر بھی نڈھال ہے — بیٹھے ہیں سر جھکائے یہ حزن و ملال ہے
بیٹے کو چاہ ہے کہ شہادت حصول ہو
ماں کی ہے آرزو۔ مرا ہدیہ قبول ہو

لختِ جگر سے کہتی ہیں یہ زوجۂ حسنؑ — مانگو چچا سے رن کی رضا میرے گلُ بدن
دو لال صدقے کر کے ہوئی سرخرو بہن — بھائی کے گھر سے کچھ نہیں فدیہ دمِ محن
گو مجکو سب سے دلبرِ زہرا عزیز ہے
یہ کہہ نہ دے کوئی، اسے بیٹا عزیز ہے

قاسمؑ نے کی یہ عرض کہ ہم خود ہیں بے قرار — دیتے نہیں امامِ امم اذن کارزار
یہ کہہ کے ٹال دیتے ہیں عموؑ ہر ایک بار — تم تو مرے اخی کی نشانی ہو میں نثار
روئے گی ماں جو خون میں بھرنے کو بھیج دوں
اکبر یہاں رہیں۔ تمھیں مرنے کو بھیج دوں

کیوں اماں جان ٹھیک ہے کیا شہ کا یہ خیال — ہم سے بچھڑ کے آپ کو ہوگا غم و ملال
کیا رو دیجئے گا لاش پہ بکھرا کے سر کے بال — ماں اشک پی کے بولی۔ نہیں میرے نونہال
ہرگز نہ میں کروں گی عزا اپنے لال کی
سیکھا ہے صبر میں نے بھی صحبت میں آل کی

بولے کہ ہاں یہی ہے یقیں ہم کو اماں جان — پھر بھی یہ عرض ہے کہ نہ اک اشک ہو رواں
دھڑکا یہ ہے کہ غم سے جو کی آپ نے فغاں — رو دیں کہیں نہ دیکھ کے آنسو شہ زماں
پالا ہے ہم کو ناز اٹھا کر امام نے
میں صدقے روئیے گا نہ عمو کے سامنے

ماتم کریں گے آپ تو سرور نہ روئیں گے؟ — سرور کے ساتھ حضرت شبرؑ نہ روئیں گے؟
کیا فاطمہؑ نہ روئیں گی۔ حیدرؑ نہ روئیں گے؟ — یہ سب جو روئیں گے تو پیمبر نہ روئیں گے؟
جب روئے پنجتنؑ تو قیامت نہ آئے گی
صرف ایک آہ آپ کی یہ حشر ڈھائے گی

خود شہ سے کہہ کے ہم کو دلا دیجیے رضا — جب اذن دیں امامِ امم۔ آپ دیں دعا
مقتل میں ہم جو ہوں شہ مظلوم پر فدا — رکھیے نہ دل پہ ہاتھ بھی۔ رونے کا ذکر کیا
فوجیں ہوں خوش تو کہیے کہ شکرِ الٰہ ہے
باجے بجیں تو جانیے قاسم کا بیاہ ہے

دیکھیں حضور جب مرے شملے کو تار تار — سہرا سمجھ کے دل کو مسرت ہو بار بار
پُرخوں لباس کو یہ سمجھیے گا میں نثار — شادی کا جامہ پہنے ہے بیٹا وفا شعار
رو کر رلائیے گا۔ نہ شاہِ غیور کو
اماں ہمارے سر کی قسم ہے حضور کو

یوں دُرفشاں ہوئے تو گلِ مدعا ملا — مادر نے کی وہ سعی کہ اذنِ وغا ملا
ایک ایک کے گلے سے وہ یوسف لقا ملا — حضرت ملے تو دل نے کہا اب خدا ملا
چومے قدم جو شاہ کے اس نور عین نے
پہنا دیا حسنؑ کا عمامہ حسینؑ نے

اُٹھا پہن کے سبز عمامہ جو گلبدن   دھوکا ہوا کہ آگئے فردوس سے حسنؑ
بھائی کو یاد کر کے جو روئے شہ زمن   غم سے پچھاڑیں کھانے لگیں شاہ کی بہن
دیکھی جو شان۔ سب حسنؑ خوش خصال کی
مادر بلائیں لینے لگی اپنے لال کی

پردہ اٹھا کے در سے جو نکلا وہ گلعذار   حاضر تھا آستانِ مبارک پہ راہوار
عباسؑ نے رکاب کو تھاما بصد وقار   بازو پکڑ کے خود شہِ دیں نے کیا سوار
رو کر پکاریں زینبؑ ناچار الوداع
سونپا خدا کو اے مرے جرّار الوداع

مجرے کو خم ہوا جو یہ سُن کر وہ نورِ عین   فرطِ الم سے رہ گئے دل تھام کر حسینؑ
گھوڑے کی باگ لے کے مثالِ شہِ حنین   رن کو چلے اُبھار کے سینہ بہ زیب و زین
اس آن بان سے سوئے لشکر رواں ہوئے
غل تھا کہ لو علیؑ ولی پھر جواں ہوئے

تھا ہو بہو شباب شہِ لافتا کا رنگ   ہیبت سے جس کی اڑنے لگا اشقیا کا رنگ
ملبوسِ سبز میں حسنؑ مجتبیٰ کا رنگ   چہرے پہ غیظ میں شہِ گلگوں قبا کا رنگ
رُخ کو نگاہِ قہر نے جلوہ نیا دیا
اس سورۂ برات نے دولہا بنا دیا

پہنچا جو اس شکوہ سے رن میں وہ گلعذار   رعب جری سے ڈر کے ہٹی فوجِ نابکار
نعرے کیے تو گونج گیا دشتِ کارزار   گیتی کو زلزلے نے صدا دی کہ ہوشیار
غل تھا۔ نزولِ قہرِ خدائے قدیر ہے
بھاگو کہ یہ صدائے جنابِ امیرؑ ہے

نعرہ یہ تھا کہ آلِ رسولِ کریم ہوں   دلبندِ گوشوارۂ عرشِ عظیم ہوں
ہیرا جسے کھلایا تھا اس کا یتیم ہوں   قاسم ہے نام۔ جانِ قسیم نعیم ہوں
ہے میرے بازوؤں میں خدا کے ولی کا زور
پہنچا ہے ہاتھوں ہاتھ حسنؑ سے علیؑ کا زور

ڈنکا اذاں کا جس نے بجایا ہے وہ علیؑ
کلمہ تمھیں بھی جس نے پڑھایا ہے وہ علیؑ
ایماں کا اَوج جس نے بڑھایا ہے وہ علیؑ
باطل کا زور جس نے گھٹایا ہے وہ علیؑ
ہر معرکے میں فتح مبیں ان کے ساتھ ہے
جو ہے خدا کا ہاتھ ظفر اس کے ہاتھ ہے

نائب ہیں ہر ولی کے جو والی ہیں وہ علیؑ
بعد از نبیؐ جو خلق سے عالی ہیں وہ علیؑ
جو چاند ہو کے نقص سے خالی ہیں وہ علیؑ
خود اولیا بھی جن کے موالی ہیں وہ علیؑ
قرآں گواہ اس کا ہے اور جبرئیل بھی
حیدر کے دوستوں میں ہیں شامل خلیل بھی

کرّار کون شیر بھلا ہے بجز علیؑ
مردم میں ایک عین خدا ہے بجز علیؑ
بندوں میں اور عقدہ کشا ہے بجز علیؑ
جبریل نے کسی سے پڑھا ہے بجز علیؑ
مل کر نبیؐ سے آپ۔ فرشتے سے بڑھ گئے
ذاتی شرف۔ بتولؑ کے رشتے سے بڑھ گئے

دینِ خدا کا جسم نبیؐ۔ جان ہیں علیؑ
توڑے ہیں جس نے بُت۔ وہ مسلمان ہیں علیؑ
دوشِ نبی کی رحل کا قرآن ہیں علیؑ
مومن خدائے پاک ہے، ایمان ہیں علیؑ
اعزاز و رتبۂ اسدِ حق کو دیکھیے
مصدر پہ غور کیجیے۔ مشتق کو دیکھیے

اَوروں کو یہ وقار میسّر نہ ہو گئے
بندے سرِ رسولؐ کے ہمسر نہ ہو گئے
دنیا کے لوگ ساقیِ کوثر نہ ہو گئے
دَم تھا اگر تو فاتحِ خیبر نہ ہو گئے
اُمّت میں آپ سے کوئی اَولیٰ نہ ہو سکا
کتنے ولی بنے۔ کوئی مولا نہ ہو سکا

مولا علیؑ کا نام ہے۔ والی علیؑ کا نام
ہر دوست کی حُسام ہلالی علیؑ کا نام
نامِ خدا ہے اسمِ جلالی علیؑ کا نام
لاشوں سے رن کو پاٹ دے خالی علیؑ کا نام
ہمت بڑھی جو دل سے علیؑ کو ولی کہا
انسان شیر ہو گیا جب یا علیؑ کہا

تم کیا ہو ۔ مانتے ہیں علیؑ کو بڑے بڑے ایسے ہزار معرکے جھیلے کڑے کڑے
کی سیرِ عرش ۔ فرشِ نبیؐ پر پڑے پڑے پھینکا اکھاڑ کر درِ خیبر کھڑے کھڑے
قائم تھے آپ مرضیِ ربِ جلیل پر
سر عرش پر تھا ۔ پاؤں پرِ جبرئیل پر

کیا یاد اب نہیں وہ علیؑ کی لڑائیاں لاکھوں کی دست گیر نے توڑیں کلائیاں
دستِ خدا کی پھر وہی دکھلائیں گھائیاں جھانکو گے قبر وہ تمہیں دینگے جھکائیاں
دادا کی طرح ماہرِ طرزِ جہاد ہیں
چوٹیں منجھی ہوئی شہِ مرداں کی یاد ہیں

گیتی ہو گرد برد ۔ جو ہم انتقام لیں بھاگے سپاہ ۔ تیغِ نظر سے وہ کام لیں
نعرہ کریں تو شیر کلیجے کو تھام لیں پھر شام تک نہ شوم ٹھہرنے کا نام لیں
غصے میں بھر کے ۔ ہاتھ جو ڈالیں حسام پر
دن بھی نہ ڈھلنے پائے کہ قبضہ ہو شام پر

دعویٰ ہو کچھ تو کھینچ لو تیغیں ہنر دکھاؤ دامن سمیٹو ۔ آؤ ۔ بڑھو ۔ آستیں چڑھاؤ
گھوڑے بڑھاؤ ۔ جم کے لڑو ۔ ایڑیاں جماؤ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جھپٹو ۔ نظر ملاؤ
پہچانتے ہیں ہم تمہیں جیسے دلیر ہو
رن میں قدم جمے تو یہ جانیں کہ شیر ہو

سن کر جو اس رجز کو بڑھی فوجِ بدخصال جھوما دغا کے جوش میں تن کر حسنؑ کا لال
قبضے نے انگلیوں کو جو چوما دمِ جلال کاٹھی سے تیغ نکلی کہ قرآں سے نیک فال
دیکھا جو رن کو تیغِ حسامِ اصیل نے
دم کی پروں پہ نادِ علیؑ جبرئیل نے

بڑھ بڑھ کے ہر طرف سے عدو نے کیے جو وار ضیغم علیؑ کی شان سے جھپٹا پئے شکار
چمکی جو فوجِ شام میں شمشیرِ آبدار غل تھا کہ ہے یہ آئنہ برادرِ ذوالفقار
دیکھیں وہ آ کے دورِ حسنؑ جن کو یاد ہے
یہ دوسرے امام کا پہلا جہاد ہے

وہ گونجنا ہزبر کا دشت قتال میں
وہ ڈر سے ابتری سپہ بد خصال میں
وہ شور ے گریز کے فوجِ ضلال میں
وہ تیغ تیز میان سے باہر جلال میں
بجلی سی کوند کر جو یہاں اور وہاں گری
دل چرخ پر چڑھا تھا کہ دیکھوں کہاں گری

خُلقِ حسنؑ سے تھا اسے حاصل جو امتیاز
ملتی تھی دشمنوں سے بھی جھک کر بصد نیاز
پیہم پے رکوع جو خم تھی وہ پاک باز
جس صف میں آئی گر گئے سجدے میں بے نماز
منہ دھو رہی تھی خونِ گروہ خلاف سے
اس کو وضو مباح تھا آبِ مصاف سے

سر پر گری تو دم میں جبیں سے نکل گئی
پہلو میں آ کے قلبِ حزیں سے نکل گئی
کاٹا کمر کو دامنِ زیں سے نکل گئی
زیں سے چلی تو مل کے زمیں سے نکل گئی
آگے بڑھی تو وقت کے ماتھے پہ بل پڑا
بے نفخِ صور قافلۂ حشر چل پڑا

دشمن کا خود کاٹ کے سر سے نکل گئی
خوں پی کے حلقِ بانیٔ شر سے نکل گئی
زخمی کی آہ بن کے جگر سے نکل گئی
دل میں نہ جی لگا تو کمر سے نکل گئی
پھرا جو رخ تو اور بھی تلوار پھر گئی
عاشق سے جس طرح نگہِ یار پھر گئی

وہ گل بدن جو ناز سے آئی سپاہ میں
زخموں کے پھول کھلنے لگے رزم گاہ میں
تھی ناریوں کی بھیڑ جہنم کی راہ میں
لاکھوں کو اس نے لوٹ لیا اک نگاہ میں
بسمل کا جان و مال لیا ۔ دین لے گئی
باہیں گلے میں ڈال کے دل چھین لے گئی

غش کھا کے رہ گیا جسے جلوہ دکھا گئی
دل میں عدو کے خوف کی صورت سما گئی
تن کر جدھر سپاہ میں وہ کج ادا گئی
مثلِ نگاہ لڑتی ہوئی دل رُبا گئی
ہو کر لہو میں غرق جو با آبرو چلی
غل تھا وہ پان کھا کے پری سرخرو چلی

حیرت سے اس کا حُسن۔ حسیں دیکھنے لگے
وہ ضَو کہ جس کو مہر مبیں دیکھنے لگے
کرّ کی نوا اہلِ چرخ۔ زمیں دیکھنے لگے
پَر بازوؤں کو روحِ امیں دیکھنے لگے
غل تھا ڈرو۔ نمونۂ قہرِ خدا یہ ہے
سِدرہ تک اس کا شور گیا منتہا یہ ہے

گل کھل گئے جدھر کو وہ رنگیں ادا گئی
وہ مرمٹا جسے وہ گلے سے لگا گئی
دریا دلی بھی وقتِ روانی دکھا گئی
زخمی کیا جسے اُسے پانی پلا گئی
کیونکر سخی نہ ہو۔ بنی ہاشم کی تیغ ہے
تقسیم آب کرتی ہے۔ قاسمؑ کی تیغ ہے

ڈوبی ہوئی ہے آب میں یہ شعلہ بار تیغ
اعدا کے زخم سینکتی ہے آبدار تیغ
تیر نظر بنی ہے دمِ کارزار تیغ
گھونگٹ میں ہے دُلھن کہ جواہر نگار تیغ
اُڑ کر ہر اک پہ جاتی ہے۔ پَر تولتی نہیں
اک ہاتھ کی زباں ہے۔ مگر بولتی نہیں

وہ تیغ کی تراش وہ توسَن کی ترک تاز
جس کی روش جہاد میں مقبول کارسا
وہ سینۂ فراخ تو وہ گردن دراز
وہ پیش دپس وہ سُم وہ کنوتی وہ زین وساز
اعضا کے حُسن پر کبھی زیور پہ ناز ہے
اس سازِ خوشنما پہ اجل سے بھی ساز ہے

گلشن میں یہ بہار ہے۔ ویرانے میں خزاں
اُڑنے میں رنگ۔ رنگ بدلنے میں آسماں
گھرنے میں اَبر۔ پھرنے میں معشوق کی زباں
آنے میں ہو خیال۔ تو جانے میں ہے گماں
یوں بے تکان چلتا ہے خنجر کی آب پر
جیسے امام شرعِ رسالتؐ مآب پر

بدلے کنوتیاں تو اسد ڈر کے ہوں غزال
چوٹی کا مرثیہ ہو جو لکھوں ثنائے یال
یہ کیوں کہوں کہ بدر ہے سُم۔ نعل ہو ہلال
یہ کیوں نہ میں کہوں کہ یہ ہے جاں نثارِ آل
کھائے تھے تیر اس نے بھی خالق کی راہ میں
شامل ہے اس کا خون بھی ہر سجدہ گاہ میں

آندھی کی گود میں ہے یہ توسَن پلا ہوا ۔۔۔ بجلی کی رَو میں نعل کا لوہا گلا ہوا
سانچے میں سُم کے فتنۂ محشر ڈھلا ہوا ۔۔۔ جھپٹا یہ جس طرف کو نزولِ بلا ہوا
جس سمت تیغ لے گئی عشاق چل دیے
اِس نے کیا حلال ۔ دل اُس نے مسل دیے

دونوں نے دشمنوں کو سزا دی جدا جدا ۔۔۔ ہلچل میں آشنا سے ہوا آشنا جدا
تن سے جو سر جدا تھا تو سر سے گلا جدا ۔۔۔ بیٹوں سے باپ ۔ باپ سے تھے دلربا جدا
آغوش کے پلوں سے ہزاروں جدا ہوئے
ارزق کے چار لال تھے ۔ چاروں جُدا ہوئے

بیٹوں کی موت سے تھا شقی کا عجیب حال ۔۔۔ غصے سے کانپتا تھا جسد بید کی مثال
دیوانہ بن گیا تھا جو غم سے وہ بد خصال ۔۔۔ بکھرے ہوئے تھے بال سر دوش پر دبال
غصے میں آنکھ بادۂ گلگوں کا جام تھی
زلفِ دراز سر پہ مصیبت کی شام تھی

تھا ولولہ بھی جنگ کا خوف و ہراس بھی ۔۔۔ فتح و ظفر سے یاس بھی ۔ عزت کا پاس بھی
ٹوٹی تھی دل کے ساتھ میں ہمت بھی آس بھی ۔۔۔ چہرے کا رنگ بن کے اڑے تھے حواس بھی
بیٹوں کی آنچ سوئے سقر دم میں لے چلی
دل کی لگی شقی کو جہنم میں لے چلی

آندھی کا جیسے بڑھتا ہو جھونکا وہ یوں بڑھا ۔۔۔ دیوانہ بن کے صورت جوشِ جنوں بڑھا
جرأت کے ناز میں جو بہ صبر و سکوں بڑھا ۔۔۔ فربہ شکار دیکھ کے ضیغم کا خوں بڑھا
چلائی موت اب یہ شقی زیر ہو گیا
شیرِ خدا کے شیر کا دل ۔ شیر ہو گیا

ہوش و حواس میں جو نہ تھا دشمنِ رسولؐ ۔۔۔ چلّا کے فرطِ غیظ سے کہنے لگا جہول
اے طفل تیرے ہاتھ سے بے دم ہو دل ملول ۔۔۔ چیدہ تھے باغِ دہر میں میرے چمن کے پھول
نورِ نگاہ چھٹ گئے ۔ گھر بے چراغ ہے
زخمی یہ دل نہیں مرے پھولوں کا داغ ہے

ہے جوش میں وفورِ غضب سے مرا لہو — رہ رہ کے یاد آتے ہیں ہم وہ جنگ جو
اب انتقام چاروں کا لے گا یہ شعلہ خو — عباسؑ ہیں۔ حسینؑ ہیں۔ اکبرؑ ہیں اور تو

سننا یہ تھا کہ شیر کی چتون میں بل پڑے
آنکھوں سے غیظ و قہر کے چشمے ابل پڑے

فرمایا بس خموش۔ طریقِ بیاں سنبھال — یہ کن کے نام لیتا ہے ظالم۔ زباں سنبھال
اکبرؑ سے کیا لڑے گا۔ ادھر آ۔ سناں سنبھال — پہلے ہماری ضرب کا بارِ گراں سنبھال

شہ کا تو ذکر کیا۔ وہ رسولِ قدیر ہیں
چھوٹے چچا بھی آج جنابِ امیر ہیں

تو جانِ مجتبیٰؑ سے لڑے کیا تری مجال — ہمشکلِ مصطفیٰؐ سے لڑے کیا تری مجال
عباسؑ باوفا سے لڑے کیا تری مجال — سلطانِ کربلا سے لڑے کیا تری مجال

کافی ہوں تیرے واسطے۔ گو خورد سال ہوں
میں بھی کنندۂ درِ خیبر کا لال ہوں

اب تک رہا حجاب میں روپوش فتنہ گر — جب کھائے چار داغ تو سینہ کیا سپر
تو کیا لڑے گا ہم سے بھلا۔ او زبوں سیر — تیرے پسر دکھا گئے ہم کو۔ ترے ہنر

بد ذات۔ گھر لٹا کے بھی تو بے حیا رہا
بیٹوں کو رن میں بھیج دیا۔ خود چھپا رہا

آیا ہے اب خیال کہ فرزند کیا ہوئے — خود تیری بزدلی سے وہ بودے فنا ہوئے
ایک ایک ہاتھ کھاتے ہی چاروں دوتا ہوئے — آتش کے پھول تھے سوئے دوزخ ہوا ہوئے

کفر و نفاق و مکر کے شہرے جو سن لیے
چیدہ سمجھ کے مالکِ دوزخ نے چن لیے

رونے کی بات کیا ہے جو بیٹے گزر گئے — اچھا ہوا کہ تیری بلا لے کے مر گئے
دوزخ کی سیر کو ترے نورِ نظر گئے — کیا چار چشم تھے کہ تجھے کور کر گئے

ہو آرزو تو داغِ جگر کی دوا ملے
تو بھی سقر میں اپنے دلاروں سے جا ملے

اس طعن پر لعیں کرہ نار بن گیا نیزہ ہلا کے گنبدِ دوّار بن گیا
بھالا جو وقتِ جنگ سیہ مار بن گیا شبّر کا لال حیدرِ کرّار بن گیا
موذی بھی کانپنے لگا۔ بھڑکا سمند بھی
نیزہ بھی طعن کرنے لگا بھائی بند بھی

چاروں طرف کو دیکھ کے حسرت سے بار بار بل کھا کے بزدلے نے کیا پھر سناں کا وار
پلٹا اُدھر سے اس کا جو نیزہ مثالِ مار طاؤس بن کے یاں سے اڑی تیغِ زرنگار
غل تھا وہ پھل شریر کے بھالے کو لے اُڑا
وہ مور کھیلتے ہوئے کالے کو لے اُڑا

جھنجھلا کے تیغ کھینچ لی ظالم نے برق دم فوجیں بڑھیں۔ دل اس کا بڑھانے کو دمبدم
یہ دیکھ کر پکارے علمدارِ ذی حشم ہاں میری جان جم کے لڑو۔ دیکھتے ہیں ہم
وہ وار ہوں جو خاص خدا کے ولی کے ہیں
دشمن بھی مان جائے کہ پوتے علیؑ کے ہیں

پہنچی خیام میں جو یہ عباس کی صدا ڈیوڑھی سے دیکھنے لگی سب آلِ مصطفیٰ
قاسم کی ماں نے کھول کے سر کو یہ کی دعا ظالم پہ فتح یاب ہو یارب۔ یہ مہ لقا
سرسبز ہو کمائی مری۔ تیرہ سال کی
رہ جائے آبرو زنِ بیوہ کے لال کی

مصروف تھی دعا میں یہاں زوجۂ حسنؑ واں پھلنے پھولنے لگا شبّر کا گلبدن
ہر بار وقتِ ردّ و بدل بڑھتا تھا رن ہے افتخارِ حیدرِ صفدر یہ صف شکن
چھایا ہوا تھا رعبِ جری نابکار پر
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار پر

وہ طفلِ گلعذار سے اہلِ دغل کی جنگ اک نازنیں سے شہرۂ آفاق پیل کی جنگ
بدر و اُحد کی جنگ کہوں یا جمل کی جنگ وہ خاتمے کے وار وہ پہلے پہل کی جنگ
لڑکے سے لڑ کے نام وہ اپنا ڈبو گیا
شبّر کا لال کھیت میں سرسبز ہو گیا

غصّے میں تھا جو ارزقِ شامی بھرا ہوا — بڑھتا تھا وار کرنے کو۔ لیکن ڈرا ہوا
سینہ کٹا تو داغ جگر کا ہرا ہوا — خود سر کا سر۔ خیال کی ماتم سرا ہوا
جتنے شقی کے وار تھے سب بے اصول تھے
خالی تھے۔ اوچھے اوچھے تھے رد تھے فضول تھے

وہ اس شقی کی زد۔ کہ جو بھرپور پُر کمال — وہ اس جری کی رد کہ جو بے مثل و بے مثال
اس کی وہ تیغ۔ کاٹ کے رکھ دے جو دم میں ڈھال — ان کی وہ ڈھال حافظِ قرآں دمِ جدال
اوجھڑ لگا کے جلد اُدھر سے اِدھر پھری
جس طرح فوج شام سے حُر کی نظر پھری

غازی کی تیغ مثلِ مہ نو چمک گئی — مکّار کی حسام جھجک کر سرک گئی
وہ جھک کے آئی خاک پہ۔ یہ چرخ تک گئی — پھولی شقی کی سانس۔ کلائی بھی تھک گئی
دل نے کہا یہ چوٹ سنبھلنا محال ہے
باغی ہوا ہو۔ کھیت میں پھلنا محال ہے

ہاں دوستو یہ جنگ و جدل یادگار ہے — باغی کے خوں سے رن کی زمیں لالہ زار ہے
زخموں کے گل کھِلے ہیں یہ تازہ بہار ہے — آنکھیں چرا رہا ہے کہ قصد فرار ہے
لو وہ پھنکیت تیغ و سپر پھینک کر چلا
نعرہ کیا جری نے کہ ارزق کدھر چلا

آیا تھا بہر جنگ بڑی دھوم دھام سے — دعویٰ یہ تھا لڑوں گا امام انام سے
بھاگا دبک کے شاہ کے ادنیٰ غلام سے — اب کیا کہے گا جا کے شقی فوجِ شام سے
تھم جا ہمیں شکست تو دے لے ابھی نہ جا
بیٹوں کا انتقام تو لے لے ابھی نہ جا

یہ سن کے اور تیز چلا وہ ڈرا ہوا — مڑ مڑ کے سوئے جان حسن دیکھتا ہوا
غازی نے باگ اٹھائی تو گھوڑا ہوا ہوا — مارا وہ بڑھ کے ہاتھ کہ موذی فنا ہوا
زین کو جسم۔ گھوڑے کے قدموں کو سر دیا
قاسمؑ نے ایک ضرب میں تقسیم کر دیا

تکبیر ہاتھ اٹھا کے کہی جو بہ کرّ و فر — اے مرحبا۔ پکارے علمدارِ نامور
اکبر نے بی بیوں کو دیا مژدۂ ظفر — ماں سُن کے بولی شکرِ خداوندِ بحر و بر
کُنبے میں بات رہ گئی وہ کام ہو گیا
بِن باپ کے پسر کا بڑا نام ہو گیا

آنسو خوشی کے آنکھوں سے سب کی ہوئے رواں — زینبؑ پکاریں فتح مبارک ہو بھابی جاں
جیتا تمہارے لال نے رن۔ وقتِ امتحاں — مشہور تھا سپاہ گری میں یہ پہلواں
مارا بڑے عدوئے شہ کربلائی کو
بھیّا حسن بھی دیکھتے کاش اس لڑائی کو

باتیں یہ ہو رہی تھیں حرم میں کہ ایک بار — قاسم پہ مل کے ٹوٹ پڑی فوجِ نابکار
سمٹے ادھر اُدھر سے ہزاروں زبوں شعار — چاروں طرف سے پڑنے لگے تشنہ لب پہ وار
حربے لیے ہوئے قرب میں جو بد شعور تھے
پتھر وہ مارتے تھے جو مجمع سے دور تھے

نرغہ وہ شامیوں کا وہ اک غیرتِ قمرؑ — بھالے وہ آس پاس وہ تیغیں قریب سر
نیزے چبھوئے دل میں لعینوں نے اس قدر — شبّرؑ کے نونہالؑ کا ٹکڑے ہوا جگر
تیروں سے سب چھنا ہوا تن گلبدن کا تھا
قاسمؑ کا جسم تھا کہ جنازہ حسنؑ کا تھا

زہراؑ کی تھی فغاں کہ نہ بچے کو اب ستاؤ — مسموم کا جگر ہے نہ تیغیں اسے لگاؤ
میرے حسن کی ہے یہ کمائی کوئی بچاؤ — بیٹی ہوں میں تمہارے پیمبر کی رحم کھاؤ
دیدو مجھے یہ لال کہ غم کی ستائی ہوں
میں تم سے بھیک مانگنے جنّت سے آئی ہوں

زہراؑ تو کر رہی تھیں یہ نوحہ بحالِ زار — ناگاہ ظلم کی ہوئی برچھی جگر کے پار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا طفلِ گلعذار — عباسؑ کو تڑپ کے پکارا جگر فگار
وقت آگیا کہ اوجِ شہادت حصول ہو
اب آخری سلام ہمارا قبول ہو

لو عمو جان فاطمہؑ کے گھر سے ہوشیار — مرتے ہیں ہم رسول کے دلبر سے ہوشیار
ہمشکلِ مصطفیٰ۔ مری مادر سے ہوشیار — سبطِ نبیؐ۔ بتولؑ کی دختر سے ہوشیار
غم میں مرے تڑپ کے نہ باہر نکل پڑیں
خیمے سے ماں پھوپی نہ کھلے سر نکل پڑیں

یہ کہتے کہتے خاک پہ وہ مہ لقا گرا — جلتی زمین پر پسرِ مجتبیٰؑ گرا
رن میں یتیم گوہرِ عرشِ علا گرا — غل پڑ گیا نبیرۂ خیر النسا گرا
پوتا ہے جاں بلب اسدِ کردگار کا
بجھتا ہے اب چراغِ حسنؑ کے مزار کا

جلتی زمین پر جو ہوا غش وہ مہ لقا — فوجِ عدو میں فتح کے باجوں کا غل ہوا
ماں نے صدا سُنی تو یہ دل تھام کر کہا — میری کمائی نیک لگی شکرِ کبریا
بچے پہ میرے مہر ہوئی ذوالجلال کی
لوبی بیو برات چڑھی میرے لال کی

سُن کے یہ بین رونے لگے شاہ بحر و بر — رن کو چلے پٹک کے عمامہ برہنہ سر
ہمراہ تھا پسر بھی۔ برادر بھی۔ نوحہ گر — نالے یہ تھے کہ ہائے مرے غیرتِ قمر
عمو نثار۔ جانِ برادر کدھر گئے
تم بھی حسنؑ کا داغ ہرا۔ آج کر گئے

پہنچے جو لاشِ ابنِ حسنؑ پر بحالِ زار — دیکھا کہ سر کو کاٹنے والے ہیں بدشعار
غصے سے کانپنے لگے عباسؑ نامدار — للکار کر بڑھے صفتِ شیرِ کردگار
بھاگے عدو جو ڈر کے تو نقشہ بدل گیا
ہلچل میں اس یتیم کا لاشہ کچل گیا

روتے ہوئے قریب جو آئے شہِ ہدا — دیکھے تمام عضو بریدہ جدا جدا
ہاتھوں سے دل پکڑ کے کہا وامحمدؐا — امت کا یہ سلوک تو دیکھو پئے خدا
ابنِ حسنؑ کی جان پہ صدمے گزر گئے
لو نانا جان قاسمؑ ناشاد مر گئے

اپنی عبا یہ کہہ کے بچھائی زمین پر سب چُن لیے پڑے تھے جو اعضا اِدھر اُدھر
کاندھے پہ لاش لے چلے عباسؑ نامور روتے ہوئے حسینؑ بھی پہنچے قریب در
آواز دی کہ بیاہ کی حسرت نکال لو
لو بھابی جان اپنی امانت سنبھال لو

یہ کہہ کے گھر میں لاش جو لائے شہ ھُدا بیٹے کی جو مراد تھی ماں نے وہی کیا
لاشے کے پاس شکر کا سجدہ کیا ادا واللہ صبرِ فاطمہؑ زہرا دکھا دیا
اتنا کہا کہ شاد کیا خوب باپ کو
قاسمؑ بنے یہ بیاہ مبارک ہو آپ کو

تم سے جو قول ہار چکی ہے یہ دل حزیں ماں اب تلک خموش ہے اے میرے مہ جبیں
شبیرؑ آپ روتے ہیں۔ میری خطا نہیں تم جلد بول اٹھو کہ نہ روئیں امامِ دیں
گرتے ہیں خاک پر شہِ صفدر سنبھال لو
ماں صدقے۔ عمّو جان کو اٹھ کر سنبھال لو

رونے سے شہ کے روتی ہے سب مصطفیٰ کی آل بنتِ علیؑ نے لاش پہ کھولے ہیں سر کے بال
روحِ حسنؑ بھی روتی ہے اے میرے نونہال اب کس طرح سے دل کو سنبھالے یہ خستہ حال
رونا بھی شاق۔ ضبط بھی مجھ سے محال ہے
امّاں کو تیرے سر کی قسم کا خیال ہے

سن کر یہ بین غیر بھی روتے تھے زار زار ماں تھی مگر۔ بپاسِ وصیت نہ اشک بار
زہرؑا کی لاڈلی نے صدا دی کہ میں نثار لو۔ بھابی تم بھی رو لو کہ دل کو ملے قرار
یہ لال ناصرِ پسرِ بوتراب ہے
ایسے شہید کے لیے رونا ثواب ہے

کھانے لگی یہ سُن کے پچھاڑیں وہ نیک نام سر رکھ کے منہ پہ بیٹے کے رو کر کیا کلام
پیارے تری وفا کے ثناخواں ہیں خاص و عام زینبؑ بھی مدح کرتی ہیں۔ اٹھو کرو سلام
ہے فخر و ناز تم پہ علیؑ کے گھرانے کو
دکھلا دی میرے شبیرؑ کی طاقت زمانے کو

ماں لاش کو گلے سے لگا لے جواب دے　　سیدانیوں کی گور کے پالے جواب دے
بیوہ کے گھر کو کون سنبھالے جواب دے　　اپنے چچا کے چاہنے والے جواب دے

تیرہ برس کی تھی جو کمائی وہ کھو گئی
ہے ہے میں پال پوس کے بے آس ہو گئی

۱۹۶۶ء

(۱۹۶۵ء کی جنگِ پاک و ہند کے بعد)

*

جانتے ہیں یہ ہمیشہ سے زمانے والے ہم ہیں قلت میں بھی کثرت کو دبانے والے
سر سے میداں میں کفن باندھ کے آنے والے بڑھ کے چولیں درِ خیبر کی ہلانے والے
ہم نے قرآن پڑھا، جھوم کے بت خانوں میں
ہم نے تکبیر کہی ڈوب کے طوفانوں میں

کثرتِ فوج پہ بھولے نہ کوئی مستِ غرور اور ہی کچھ ہے یہاں فتح و ظفر کا دستور
جو بھی ملّت ہے، رضا کار و فدا کار و غیور اُس کی بس ایک نظر میں ہیں دو عالم محصور
عزم ہے قلعہ کشا، کثرتِ افراد نہیں
دل گنے جاتے ہیں میدان میں، تعداد نہیں

اکثریت نہیں آفاق میں معیارِ ظفر فوق ہے اک مہِ کامل کو ہزار انجم پر
خوب تر سیکڑوں کانٹوں سے ہے صرف اک گُلِ تر لاکھ الفاظ پہ بھاری ہے کڑی ایک نظر
اک صداقت سے ہے نو لاکھ کی تہمت باطل
جب ہو وحدت کے مقابل تو ہے کثرت باطل

ہے زمانے میں سبھی کو یہ حقیقت تسلیم لاکھ قطروں سے گراں قدر ہے اک دُرِّ یتیم
زہر ہے بہرِ جراثیم بس اک موجِ نسیم فاتحِ کثرتِ اوہام ہے اک عزمِ صمیم
بے شمار اخترِ تاباں سہی خورشید ہے ایک
یوں تو دن تین سو پینسٹھ ہیں مگر عید ہے ایک

اَن گنت فوج کہ ہو جذبۂ حق سے خالی خاک پائے گی زمانے میں مقامِ عالی
اور وہ تھوڑی سی جماعت جو ہے جرأت والی اس کی ٹھوکر سے ابھرتی ہے بلند اقبالی
اکثریت سے کہیں دل کی گرہ کھلتی ہے
عزم و ہمت کی ترازو میں ظفر تلتی ہے

---

* چہرے میں اکثریت و اقلیت سے متعلق جو بند ہیں وہ ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں کہے گئے تھے، اس مرثیے میں شامل کر دیے گئے ہیں

منحصر قلت وکثرت پہ نہیں سود و زیاں — جذبہ دل میں رموزِ عظمت ہیں پنہاں
گو دُر و لعل سے بھاری ہے کہیں سنگِ گراں — پھر بھی جو لعل کی قیمت ہے وہ پتھر کی کہاں

بُز و خَر، لاکھ بھی توقیر میں کم ہوتے ہیں
شیر دو ایک بھی نظروں میں اہم ہوتے ہیں

کافروں کی ہوں صفیں لاکھ تو کیا خوف کی بات — مردِ مومن کا سہارا ہے بس اللہ کی ذات
ہم جہادوں میں جما دیتے ہیں جب پائے ثبات — حشر تک سے نہیں ڈرتے ہیں کہاں کے حشرات

کیا سبب. کیوں صفِ باطل سے مسلمان ڈریں
چیونٹیاں مورچے باندھیں تو سلیمان ڈریں

لاکھ فوجیں ہوں جو محرومِ مذاقِ اقدام — چند اربابِ عمل کے ہیں مقابل ناکام
خود بتاتی ہے یہ تاریخِ عروجِ اسلام — اک اقلیتِ حقہ سے بنا حق کا نظام

نام کثرت کا مٹا بخت ہمارا چمکا
بدر میں ملّتِ بیضا کا ستارا چمکا

اکثریت سے قوی تر ہے کہیں عزمِ سپاہ — آج تک فوجِ حسینی کی جلالت ہے گواہ
چار جانب وہ اُدھر رن میں ہزاروں بدخواہ — وہ اِدھر چند دلیرانِ حقیقت آگاہ

اُڑ گئے حق طلبی پر جو مچل کر غازی
لڑ گئے لاکھ سپاہوں سے بہتر غازی

درس دیتا ہے یہی فوجِ حسینی کا عمل — کہ نہیں کثرتِ افراد دلیری کا بدل
عزمِ صادق ہے فقط عقدۂ دشوار کا حل — چند مخلص ہوں تو کافی ہیں دمِ جنگ و جدل

کبھی بڑھ بڑھ کے لڑیں اور کبھی تھم تھم کے لڑیں
پاؤں لاکھوں کے اکھڑ جائیں جو ہم جم کے لڑیں

کربلا تیری قسم تیرے شہیدوں کی قسم — کھل گیا معرکۂ جنگ میں کثرت کا بھرم
روزِ اول سے ہیں اب تک وہ اقلیّت ہم — جو حریفوں کا بہت دیکھ چکی ہے دم خم

زیرِ میداں میں ہوں، ممکن یہ کسی طور نہیں
امّتِ احمدِ مرسل ہیں کوئی اور نہیں

دل حق بیں سے کیا ہم نے فنا کینوں کو   دی جلا جنگ کی تہذیب کے آئینوں کو
بڑھ گئے رن میں کبھی تان کے جب سینوں کو   رکھ دیا پسلیوں سے توڑ کے سنگینوں کو

کون حالات سے ماضی کے خبردار نہیں
وہ رَجُل ہم ہیں جو کرار ہیں، فرار نہیں

یہ توانائی دل خاص عطا ہے رب کی   ہم نے سر توڑ دیا جس نے رعونت جب کی
ہو دبانے کو ہمیں فوج بڑھی خود کبھی   ذکر قرنوں کا نہیں بات ہے کل کی، اب کی

دبدبے سے تو نہیں دب کے یہ سر جھک سکتا
موت رک سکتی ہے یہ جوش نہیں رک سکتا

ہم ہیں کیفیتِ صہبائے طلب سے سرشار   عالم خواب میں بھی روحِ سلف سے بیدار
غازی و حق نگر و باعمل و صدق شعار   چشم فطرت میں سمایا ہے حسینی کردار

ہم ہر اک معرکۂ زیست میں ڈٹ سکتے ہیں
یا علی کہہ کے پہاڑوں کو الٹ سکتے ہیں

ہاں اسی جذبہ باطن کا ہے یہ سیل رواں   جس سے بیڑے میں عدو[1] کے ہے تلاطم کا سماں
ایک مدت سے ہمیں گھور رہا تھا طوفاں   اب تو دیکھے کوئی مڑ کر وہ شورش ہے کہاں

اک تھپیڑا ہی دیا ہے ابھی پتواروں کا
جس نے منہ پھیر دیا بپھرے ہوئے دھاروں کا

تھا جو سن[2] دو میں مسلماں کی شجاعت کا بھرم   اب بھی تیرہ سو پچاسی میں وہی ہے دم خم
تیغ حق میان میں ہے دوش پہ ہمت کا علم   قوتِ بازوئے عباس دلاور کی قسم

وہی عباس نمونہ ہے شجاعت جس کی
نقش پانی پہ ہوئی جرأت و ہمت جس کی

وہی عباس جگر دار و دلیر و جرار   جس کا ہے اسم گرامی بھی رموز و اسرار
عین سے ہے علوی علم و عمل کا اظہار   بے سے بے مثل بہادر تو الف سے ابرار

سین سے سیف خدا اہل تمرد کے لیے
بے کی تشدید ہے باطل پہ تشدد کے لیے

---

[1] فوج ہندی مشارٌالیہ، [2] جنگ بدر مشارٌالیہ

ایسے غازی کے جو پیرد ہیں میان جنگاہ
ان کی ہر ضرب کے ہمراہ ہے نصرت کی سپاہ
دل میں ہے نام بنی، لب پہ ہے نام اللہ
دوش پر تیغ یقیں، حق کی سپر پشت و پناہ

ہیں یہی فاتح دوراں من و تو، شاہد ہیں
غیب سے ہوتی ہے امداد عدو شاہد ہیں

بن کے قیدی اِدھر آتے ہیں جو اکثر غدار
پوچھتے ہیں یہ دلیروں سے بہ حیرت ہر بار
سبز پوش آپ کی فوجوں کے کہاں ہیں وہ سوار
ہم پہ اک آگ سی برساتی تھی جن کی تلوار

معجزہ سمجھے زمانہ کہ عجائب جانے
ہیں یہ سب غیب کی باتیں انھیں غائب جانے

کون غائب وہی مہدی و امام دوراں
ہاتھ میں جس کے ہے رہوارِ مشیت کی عناں
صاحب امر خدا، وارث دین و ایماں
حافظِ ملت اسلام، مثیل قرآں

رخ ہے پردے میں محبت دل عشاق میں ہے
چاند بدلی میں ہے اور چاندنی آفاق میں ہے

محورِ دائرۂ ارض و سما ہیں قائم
نقطۂ باصرۂ صدق و صفا ہیں قائم
مرکز قائمۂ شرع خدا ہیں قائم
غار میں نائب محبوبِ خدا ہیں قائم

دین پیغمبر خاتم کا تتمہ یہ ہیں
مصطفیٰ ختم رسل ختم ائمہ یہ ہیں

وارث خون شہیدان وفا ہیں قائم
صاحبِ ماتم شاہِ شہدا ہیں قائم
سوگوار پسر خیرنسا ہیں قائم
بال بکھرائے ہوئے محوِ عزا ہیں قائم

جن کی مجلس ہے بپا ان کے ہی یہ نائب ہیں
بزم شبیر میں حاضر ہیں مگر غائب ہیں

منتظر ہیں کہ پڑھے ذاکر شہ ذکرِ حسین
مضطرب اشک بھی آنکھوں میں ہیں دل بھی بے چین
السلام اے مرے آقا مرے شاہ کونین
السلام اے پسر فاطمہ کے نور العین

ذکر مظلومی شاہ شہدا کرتا ہوں
تعزیت آپ سے پیاسوں کی ادا کرتا ہوں

حاضر مجلس ماتم ہیں جو شیدائے امام — عرض کرتے ہیں یہ سب بھی شہ والا کو سلام
ہائے کن لفظوں میں دیں آپ کو پُرسا یہ غلام — ہے بھرے گھر کی عزا پھر ستم کوفہ و شام

قاسم و اکبر و اصغر کے عزادار ہیں آپ
ایک دو کیا کہ بہتر کے عزادار ہیں آپ

اک گزارش بھی غلاموں کی ہے پرسے کے سوا — جلد فرمائیں ظہور اب تو امام دوسرا
منکر ہستی و غیبت ہے جو ساری دنیا — ہم یہ سمجھائیں کہاں تک کہ کہاں ہیں مولا

اہل ظاہر نے جو غائب کو نہیں پایا ہے
مبتلا شک میں ہیں جانوں پہ عذاب آیا ہے

فیض مجلس سے یہاں اب جو ہیں موجود حضور — دیدۂ دل کے لیے یہ بھی ہے غیبت میں ظہور
مجھ کو ہوتا ہے جو محسوس چہ نزدیک چہ دور — ہو اجازت تو کروں پیش میں حضرت کے حضور

اصل یہ ہے بے عرفان امام غائب
شامل غیب ہے ایمان امام غائب

دامن عذر مشیت ہے نقاب مہدی — عید کا چاند مسیحا کو رکاب مہدی
زَهَقَ الْبَاطِلُ آیا ہے خطاب مہدی — حق کے اثبات کو قائم ہیں جناب مہدی

علم دونوں کا نہیں، اور ہمیں معلوم بھی ہے
پردۂ غیب میں قائم بھی ہے قیوم بھی ہے

خود یہ مستور ہیں در پردہ حقیقت ظاہر — جس طرح دل میں نہاں رہ کے محبت ظاہر
نہ بظاہر کہیں خالق نہ مشیت ظاہر — ان کی غیبت سے ہوئی غیب کی عظمت ظاہر

جس نے اللہ کو مانا ہے انھیں جانا ہے
ان کو جانا ہے تو اللہ کو پہچانا ہے

زاہد تنگ نظر کھول ذرا چشم صواب — ماہ پارہ ہے حسن کا ترے مصحف کا جواب
وہ کلام اور یہ تکلم وہ خطابت یہ خطاب — وہ ہے خاموش یہ ناطق وہ کتابت یہ کتاب

اُس میں ہیں ناسخ و منسوخ مسلّم یہ ہیں
اُس کی ترتیب میں ہے فرق منظم یہ ہیں

وہ مفسر کا ہے محتاج یہ اس کی تفسیر — وہ ہے رویائے رسالت تو یہ اس کی تعبیر
وہ فصاحت کی لطافت یہ مذاق تقریر — اس کے حرفوں میں سیاہی یہ سراپا تنویر

وہ نشانات، یہ قدرت کی نشانی گویا
وہ فقط لفظ یہ اسرار و معانی گویا

چمنستان رسالت کا ہے وہ پھول یہ پھل — اِن کے جد ختم رسل اُس سے بہرحال اول
اس میں شامل متشابہ تو یہ شبہات کا حل — وہ ہے صورت یہ حقیقت وہ مقولہ یہ عمل

اس کو پوچھو تو ہر اک شاہ و گدا حافظ ہے
یہ وہ قرآن ہے خود جس کا خدا حافظ ہے

ان کے دادا بھی ولی یہ بھی ولی ابن ولی — دونوں مخلوق خدا اور ابدی و ازلی
وارث علم لُدنّی یہ خفی ہیں وہ جلی — فرق کہنے کو ہے اتنا یہ محمد وہ علی

حق میں باطل کے وہ ہیں قہر تو آفت یہ ہیں
وہ جو ہیں حشر کی سورت تو قیامت یہ ہیں

وہ امامت کے قمر یہ بھی اسی شان کے چاند — ایک منزل کے مکیں ایک ہی عنوان کے چاند
آگے پیچھے ہیں رواں دونوں یہ ایمان کے چاند — گر علی ماہِ رجب ہیں تو یہ شعبان کے چاند

سورۂ قدر سے رتبے میں گراں قدر یہ ہیں
چاند چودہ ہیں، مگر بدر شب قدر یہ ہیں

وہ گلستاں میں صبا ہیں یہ نسیم سحری — وہ ہیں ناصر تو یہ منصور وہ فاتح یہ جری
اک در علم ہیں وہ، علم کی یہ بارہ دری — آگئے آپ تو کہلائے ہم اثنا عشری

وہ حقیقت میں مَعَ الحق ہیں یہ جاءَ الحق ہیں
حق جو پوچھے کوئی بندے سے تو دونوں حق ہیں

لے کے آدم سے رسول عربی تک واللہ — آئنہ سارے رسولوں کا ہے یہ غیرتِ ماہ
وصف ایک ایک اماموں کا بھی ہے خاطر خواہ — کوئی اول کوئی اوسط، یہ حدِ دین اللہ

دَور امامت کا ہوا جبکہ رسالت نہ رہی
بعد مہدی کے کسی کی بھی ضرورت نہ رہی

کیا سند ہم جو کہیں حجت خالق یہ ہیں — حق پکارے مری مرضی کے مطابق یہ ہیں
آیتیں بول اٹھیں مصحف ناطق یہ ہیں — صبح جعفر کی قسم کھائے کہ صادق یہ ہیں

ہے محمد کی رسالت میں امامت مضمر
ان کی آمد میں محمد کی صداقت مضمر

فرق ڈھونڈا جو محمد کے اور ان کے مابین — ہے عجب قسم کی نسبت کہ نہیں غیر نہ عین
اے زہے منزلت جان شہ بدر و حنین — دم قدم سے متمسک ہے حدیث ثقلین

یہ چراغ رہ ایماں کبھی جو گل ہو جاتا
آل کا فاتحہ قرآن کا قل ہو جاتا

کون وہ دو ہیں گراں قدر نبی نے جو کہا — مجھ سے کوثر پہ ملیں گے، کبھی ہوں گے نہ جدا
آؤ قرآن سے پوچھیں کہ ملے کچھ تو پتا — وہ تو خاموش ہے خاموش رہے گا بخدا

اس خموشی پہ ملے چھوٹ، نہیں ہو سکتا
قول محبوب خدا جھوٹ نہیں ہو سکتا

یا تو یہ کہیے کہ قرآن وہ قرآن نہیں — ورنہ پھر ڈھونڈیے عترت کا کوئی فرد کہیں
نسبتیں غیب سے ایمان کی محکم جو رہیں — دیکھتے دیکھتے ہو جائے گا دیدار یہیں

آج قرآں کا اگر نام و نشاں قائم ہے
قائم آل محمد بھی یہاں قائم ہے

قائم آل عبا ضابطۂ امن و سلام — خضر اولاد نبی، بادشہ عمر دوام
صاحب الامر، امارت کو فنا کا پیغام — مقتدا حضرت عیسیٰ کے ہمارے بھی امام

جس پہ واجب ہے درود آپ کا نام ایسا ہے
ہیں جماعت میں مسیحا، یہ امام ایسا ہے

سید اللہ کے دلبند نبی کے جانی — جد تو ہم نام خدا باپ حسن کے ثانی
ایک دادی تو خوزادیِ شہ ایرانی — ایک مریم کا شرف بنت نبی سیدانی

وہ شرافت ہے کہ اغیار بھی تعریف کریں
حرف آئے جو نسب میں کہیں تحریف کریں

یہ اگر چاہیں تو مملوک کو مالک کردیں　　ان کی مرضی ہو تو مہلک کو بھی ہالک کردیں
دم میں مجبور کو مختار ممالک کردیں　　ایسے ہادی ہیں کہ مسلک کو بھی سالک کردیں
جس طریقے پہ چلیں یہ، وہ طریقت ہو جائے
شارع عام بھی اک خاص شریعت ہو جائے

ان کی بخشش سے گدا صاحب گنجینہ ہو　　آنکھ نرگس پہ جو ڈالیں تو ابھی بینا ہو
پانوٗ پڑ جائے تو سبزے پہ وہیں مینا ہو　　قلب مردہ کو جلا دیں تو اک آئینہ ہو
حکم فرمائیں تو کلمہ ابھی بیجان پڑھے
شمع قبر شہدا سوز سے قرآن پڑھے

گوشۂ قدرت بھی ہیں یہ محرم اسرار بھی ہیں　　رحمت حق بھی ہیں انصاف کی تلوار بھی ہیں
وارث دبدبۂ حیدر کرار بھی ہیں　　مسند احمدِ مختار کے مختار بھی ہیں
دو جہاں میں عمل ان کا ہے دوہائی ان کی
بندے ان کے ہیں خدا ان کا خدائی ان کی

آنکھ ہم سے تو ملا اے نگہ ظاہر بیں　　سورۂ قدر میں آیا ہے یہ آیا کہ نہیں
حشر تک امر خدا لائیں گے جبریل امیں　　پھر تو لازم ہے اولی الامر ہو موجود کہیں
اُس کی غیبت پہ جو ایمان نہ لے آؤں میں
کوئی منکر ہوں کہ قرآن کو جھٹلاؤں میں

اس طرح بحر جہاں میں یہ گہر مخفی ہے　　جس طرح وقت کے دامن میں سحر مخفی ہے
یا شب تار کی چادر میں قمر مخفی ہے　　یا نمازی کی دعاؤں میں اثر مخفی ہے
عقل منکر کو یہی کیوں نہیں سمجھاتی ہے
کہیں آنکھوں سے مشیت بھی نظر آتی ہے

قلب ہستی میں ہیں مستور اسی طرح جناب　　جس طرح سینۂ گیتی میں گلستاں کا شباب
ہے یونہی عارض پُر نور پہ غیبت کی نقاب　　جس طرح برق کا جلوہ تہ دامان سحاب
غور درکار ہے مضمون کی باریکی میں
نور ہے مردمک چشم کی تاریکی میں

ایک رہبر ہیں یہی جن کا سبھی کو ہے یقیں
حد تو یہ ہے کہ مخالف کو بھی شک اس میں نہیں
ستم و جور سے بھر جائے گی جس وقت زمیں
لے کے پیغام اماں آئے گا اک مہدی دیں

دل کو پھر کس لیے اقرار نہیں مہدی کا
جبکہ منکر کو بھی انکار نہیں مہدی کا

اس طرح آپ ہیں موجود مگر مخفی بھی
جیسے ظاہر بھی ہے اور عقل بشر مخفی بھی
ہے نمایاں بھی شمیم گل تر مخفی بھی
چلتی پھرتی بھی ہے اور بادِ سحر مخفی بھی

دل سے جانا ہے قرائن سے انھیں مانا ہے
حق کو دیکھا تو نہیں عقل سے پہچانا ہے

کیف جو دل میں سماتا ہے نہاں ہے کہ نہیں
جوش جو خون بڑھاتا ہے نہاں ہے کہ نہیں
جذب جو کھینچ کے لاتا ہے نہاں ہے کہ نہیں
ذہن جو عرش پہ جاتا ہے نہاں ہے کہ نہیں

ولولہ زیست کا مقصود ہے اور غائب ہے
روح بھی سانس بھی موجود ہے اور غائب ہے

بات منکر کو جو کھلتی ہے کہاں ہے دیکھیں
آگ جو سینے میں جلتی ہے کہاں ہے دیکھیں
یہ طبیعت جو مچلتی ہے کہاں ہے دیکھیں
منہ سے آواز نکلتی ہے کہاں ہے دیکھیں

اس طرف کیوں نگہ غور نہیں جاتی ہے
کبھی نیت بھی نمازی کی نظر آتی ہے

ہم بھی دیکھیں کوئی بتلائے اگر ہو ممکن
کس جگہ جسم میں پنہاں ہیں حواس باطن
رات کے وقت ہمیں کیوں نظر آتا نہیں دن
ذکر قرآن میں جن کا ہے کہاں ہیں وہ جن

کبھی پہلے انھیں دیکھا ہے کہ اب دیکھا ہے
کیوں ہو جبریل کے قائل انھیں کب دیکھا ہے

مجھ کو سوجھے نہ اگر ذرہ تو معدوم کہوں
خلد آنکھوں سے ہے مستور تو معدوم کہوں
میں نے دیکھی جو نہیں حور تو معدوم کہوں
عرش و کرسی ہیں بہت دور تو معدوم کہوں

یہ سبھی غیب ہیں ان پر اگر ایمان نہیں
کلمہ لاکھ پڑھے جاؤ مسلمان نہیں

وقت بھی فصل بھی موسم بھی ہوا بھی پنہاں   ذہن بھی طبع بھی اور فکر رسا بھی پنہاں
عقل بھی فہم بھی فطرت بھی قویٰ بھی پنہاں   صورت مہدی ہادی ہے خدا بھی پنہاں
دامن غیب میں مستور کہیں ہیں دونوں
ہیں تو دونوں ہیں نہیں ہیں تو نہیں ہیں دونوں

پردۂ غیب میں کچھ خاص بشر ہیں موجود   آنکھ سے چھپ کے جو مانند نظر ہیں موجود
جیسے عیسیٰ سرگرداں ہیں مگر ہیں موجود   خضر صحرا میں کہیں خاک بسر ہیں موجود
رہگزر ان کی کبھی دور کبھی پاس بھی ہے
صورت آب بقا غیبت الیاس بھی ہے

یہ سبھی اب صفتِ راز نہاں ہیں موجود   ہے مقر منکر مہدی بھی کہ ہاں ہیں موجود
میں جو کہتا ہوں کہ مولائے جہاں ہیں موجود   مجھ سے کیوں کہتی ہے دنیا وہ کہاں ہیں موجود
خضر و الیاس و مسیحا کو تو پہچانا ہے
ڈھونڈ کر پہلے انھیں لاؤ جنھیں مانا ہے

وہ بھی اور مہدی ہادی بھی ہیں غائب بخدا   غیبت اُن کی بھی اور اِن کی بھی ہے برحق حقا
وہ بھی مستور ہیں یہ بھی، برضائے مولا   فرقِ اتنا ہے وہ خاموش ہیں اور یہ گویا
سامرا سے کبھی چل کر جو ہوا آتی ہے
ان کی تکبیر کے نعروں کی صدا آتی ہے

جان مصحف مرے دل کا بھی صحیفہ سن لے   فطرت عشق کے جذبات لطیفہ سن لے
خلف ختم رسل، حق کے خلیفہ سن لے   عَجَّلَ اللہ زیارت کا وظیفہ سن لے
دین محور سے ہٹا، مرکز ایماں آ جا
چپ ہے قرآنِ مبیں، بولتے قرآں آ جا

تو نہیں ہے تو شریعت میں نہیں جان کوئی   نغمہ و لحن میں باہم نہیں پہچان کوئی
بیچ دوں میں جو خریدے مرا ایمان کوئی   جیسے پھر آئے گا تعلیم کو قرآن کوئی
محکم آیات کے احکام بدل جاتے ہیں
جیتی مکھی کو مفسر بھی نگل جاتے ہیں

صاف کوئی نہیں کہتا کہ ہے قرآن غلط ——— زیرِ لب کہتے ہیں معراج کی ہے شان غلط
عصرِ حاضر میں ہے وَالعصر پہ ایمان غلط ——— قسمتیں مل گئیں ۔ وَالنّجم کا عنوان غلط
وہ حقیقت ہے فضا میں جو غبارا جائے
وہ تصنع ہے ستارا جو اتارا جائے

عقلا جو ہیں وہ رکھتے نہیں علم معقول ——— حکما کا نظریہ ہے حکومت کا حصول
فضلا سمجھے ہیں تحصیل فضیلت کو فضول ——— رہ گئے اب علما چپ ہیں بحسب معمول
تیری دوری سے سب الجھے ہوئے جنجال میں ہیں
مفتخر جن پہ ہے ماضی وہ عجب حال میں ہیں

دور ہے قاعدہ زہد سے زاہد کا قعود ——— سرنگوں شرم ریا سے ہے مصلے پہ سجود
بہ تصنع ہے صلات اور تکلف ہے درود ——— تو ہی غائب ہے تو کیونکر ہو حقیقت موجود
شان قدرت کی دکھا قادر مطلق کے لیے
بات ناحق کو بڑھی جاتی ہے ، آ حق کے لیے

تو جو غیبت میں ہے آنکھوں سے جہاں کی مستور ——— حسن ظاہر کی طلب عام ہے اے جان ظہور
بے نظارہ جو نظر کو نہیں جھکنا منظور ——— پُر شکن سجدۂ حق سے ہے جبین مغرور
کون آخر یہ گرہ اے مرے مولا کھولے
ناخن تیغ علی اب تو یہ عقدا کھولے

ذکر کیا غیر کا ۔ دیوانہ تو دیوانہ ہے ——— جو یگانہ ہے وہ اب شرع سے بیگانہ ہے
منتشر سبحۂ ملت کا ہر اک دانہ ہے ——— خانہ جنگی سے فقط رونق کاشانہ ہے
سب ہیں غازی مگر آپس میں جھگڑنے کے لیے
اک رضاکار نہیں نفس سے لڑنے کے لیے

منتشر دیں کے اصول اب ہیں خدارا آجا ——— حق کی توحید کبھی ہے یکہ و تنہا آجا
عدل بھی ظلم کے ہاتھوں سے ہے رسوا آجا ——— بن کے اک بار نبوت کی تمنا آجا
سن لے اس کی بھی کہ آخر ہے امامت تیری
منتظر حکمِ خدا سے ہے قیامت تیری

یوں بلانے سے وہ اے دل کہیں آتے ہیں بھلا خود وہ مجبور مشیت ہیں بقول عقلا
اُن سے ملنا ہے تو اب شمع تصور کو جلا دیدۂ دل میں یہ تصویر پھری صل علی

اب نہ منکر کو روایات نہ آیات سنا
صَلوات آل محمد پہ ہے، صَلوات سنا

چشم نرجس کی ضیا فاطمہ کے نور العین اے محمد کے جگر اے دل اسلام کے چین
راحت جان حسن، منتقم خون حسین کربلا، کس سے یہ کہتی ہے بصد شیون وشین

حشر کوفے میں بپا ہو تو مجھے چین آئے
انتقام شہدا ہو تو مجھے چین آئے

یوں تو ممکن ہی نہیں میرے بہتر کا عوض عون و جعفر کا عوض قاسم و اکبر کا عوض
خوں بھرے شانۂ عباس دلاور کا عوض لاکھ کشتے نہیں تنہا علی اصغر کا عوض

انتقام ایسے شہیدوں کا کہاں لینا ہے
ہاں فقط ظلم کی ظالم کو سزا دینا ہے

ظلم سا ظلم کہ دنیا میں نہ دیکھا نہ سنا نرغۂ فوج، غم تشنہ لبی، وا اَسَفا
نوجوانوں کا ضعیفوں کا تو ہے ذکر ہی کیا طفل بے شیر بھی چوبیس پہرے پیاسا

منہ سے وہ کرب و اذیت جو نہ کہہ سکتا تھا
بے زباں پیاس سے ایک ایک کا منہ تکتا تھا

ہائے وہ رنج و الم اور وہ محمد کا پسر تن اقدس پہ جراحات قبا خون میں تر
لاش وہ سامنے قاسم کی وہ پامال جگر یاد عباس دلاور میں شکستہ وہ کمر

دوست مارے گئے سب، خویش و برادر نہ رہے
رہ گیا داغ جگر میں، علی اکبر نہ رہے

وعدۂ صبر کا وہ پاس وہ فطرت بے چین فکر بے پردگی آل رسول الثقلین
اتنے آفات و مصائب کا ہجوم اور حسین تیر دلدوز وہ معصوم سکینہ کے یہ بین

پیاس سے مرتی ہوں پانی تو منگا دو بابا
نہر پہ سوتے ہیں عمو کو بلا دو بابا

دل لرز جاتا تھا مظلوم کا یہ سن سن کر پائے ہمت میں نہ جنبش تھی مگر ذرہ بھر
ایسے حالات میں یاد آئے تو ہوں گے اکبر کیا تعجب بشریت نے کہا ہو یہ اگر

ننھے بچوں کو کلیجے سے لگا لو بیٹا
میری اجڑی ہوئی سرکار سنبھالو بیٹا

سر کو نہوڑائے ہوئے بادشہ کون و مکاں محو تھے یادِ الٰہی میں بصد قلب تپاں
رن میں اب دو ہی فقط فوج خدا کے تھے نشاں ذوالجناح نبی اور حسین ذی شاں

تیر پیاسے پہ برستے تھے عجب عالم تھا
لاکھ تیغیں تھیں اور اک جان نبی کا دم تھا

خاک زلفوں میں بھری خوں میں شرابور لباس وقت تھا رخصت مظلوم کا دنیا تھی اداس
دور سے آتے تھے حربے جو ملاقات کو پاس سب کو سینے سے لگاتے تھے شہ فرض شناس

فلک پیر لرزتا تھا زمیں ہلتی تھی
جان زہرا سے ہر اک تیغ گلے ملتی تھی

وہ اِدھر ایک حسین اور ادھر سب لشکر تیر سینے کو کبھی چومتے تھے گاہ تبر
سر جو تلواروں سے مجروح تو تیروں سے جگر شہ کا یہ ضبط کہ مطلق نہیں بل ماتھے پر

خون مظلوم کی ندّی جو بہی جاتی تھی
دمبدم فاطمہ کے دودھ کی بُو آتی تھی

زخم پر زخم جو کھائے تو بڑھی اور بھی پیاس جھک کے غش ہو گئے مرنے پہ شہ نیک اساس
بیکسی رو کے پکاری یہ بصد حسرت و یاس ہائے اس وقت نہ قاسم نہ مدد کو عباس

کون تھامے کہ محمد کا پسر گرتا ہے
کوئی اکبر سے یہ کہہ دو کہ پدر گرتا ہے

اک وہ دن تھا کہ نبی ان کا تھے ناقہ یہ سوار ماں نے آہستہ اتارا کہ نہ پہنچے آزار
ابتدا وہ تھی یہ انجام شہ عرش وقار اب نہ خاتون قیامت نہ رسول مختار

ہاتھ ماتم کو اٹھیں سبط نبی گرتے ہیں
حشر اٹھتا ہے حسین ابن علی گرتے ہیں

عہدِ طفلی میں سواری کا ارادہ جو کیا
یہی توسن ہے کہ بالائے زمیں بیٹھ گیا
ذوالجناح نبوی تیری رفاقت کے فدا
آج اسی شان سے پھر گرم زمیں پر بیٹھا

کیا عجب ہے کہ لرز کر فلک پیر گرے
پنجتن اٹھ گئے و خاک پہ شبیر گرے

غش سے چونکے تو اُٹھے بہرِ تیمم مولا
عصر کا وقت تھا، سجدے میں جھکے شاہِ ہدا
اک شقی ذبح کو آیا تو یہ محشر دیکھا
بال بکھرائے ہوئے بیٹھے ہیں محبوب خدا

رو کے کہتے ہیں کہ پیاسے کو نہ مارو یارو
بے گنہ میرے نواسے کو نہ مارو یارو

ہائے وہ سجدہ آخر وہ امام کونین
مطمئن جانِ نبی روحِ پیمبر بے چین
آئی زہرا کی یہ آواز بصد شیون و شین
وقت ہے وعدہ وفائی کا سنبھل جاؤ حسین

میں دعائیں تمھیں دینے کے لیے آئی ہوں
سر کو آغوش میں لینے کے لیے آئی ہوں

قتل گہہ آنکھ سے دیکھ آئے ہیں زوارِ امام
وہ نشیب، اور بلندی پہ وہ عترت کے خیام
اب کنایے کو سمجھ جائیں شہ دیں کے غلام
در سے خیمے کی ڈیوڑھی پہ ہے زینب کا قیام

سب ستم بنت شہ قلعہ شکن نے دیکھا
ہائے کس حال میں بھائی کو بہن نے دیکھا

ریت جلتی ہوئی رن کی وہ مصلائے حسین
غیر خواہر کوئی ہمدرد نہ شیدائے حسین
سر کو سجدے سے اٹھانے نہ ابھی پائے حسین
در پہ غش کھا کے گری کہہ کے بہن ہائے حسین

کس زباں سے میں کہوں رن میں جو بیداد ہوئی
بنت محبوب خدا لٹ گئی برباد ہوئی

آندھیاں چلنے لگیں بن میں سیاہی چھائی
چرخ کی طرح سے مقتل کی زمیں تھرائی
بچے رونے لگے، بانوئے حزیں چلائی
ہائے کیا غش میں ہو سجاد قیامت آئی

اُٹھ کے معصوموں کو دامن میں چھپا لو بیٹا
باپ مارے گئے اب گھر کو سنبھالو بیٹا

سنہ ۱۹۶۸ء

بانو دلِ محمد و حیدر کا چین ہیں — جزوِ مقاصدِ شہِ بدر و حنین ہیں
میکے میں یزدِ جُرد کی یہ نورِ عین ہیں — سسرال میں شریکِ حیاتِ حسین ہیں
کسرا کے گھر سے آل میں قسمت جو لائی ہے
دادا کے عدل و داد کی یہ داد پائی ہے

اُن کی ہیں یہ بہو جو ہیں دامادِ مصطفےٰ — شوہر ہے وجہ نامِ خدا دادِ مصطفےٰ
بیٹا وہ ہے جو یوسفِ آزادِ مصطفےٰ — بعد از حسین آدمِ اولادِ مصطفےٰ
بانو کی آل سے ہے شہِ انبیا کا نام
ان سے نبی کا نام نبی سے خدا کا نام

دادا وہ ہے کہ جس پہ عدالت تمام ہے — اُس گھر میں آئیں جس پہ رسالت تمام ہے
شوہر پہ جد و جہد شفاعت تمام ہے — بیٹوں کے سلسلے پہ امامت تمام ہے
نو لال ان کے عز و شرف کا ثبوت ہیں
ماں عید کی نماز۔ پسر نو قنوت ہیں

ہرچند ہاجرہ کو بڑا مرتبا ملا — بیٹا ذبیح۔ زوج خلیلِ خدا ملا
بعد ان کے یہ نہ پوچھیے بانو کو کیا ملا — انعام جو ملا انھیں، اُن سے سوا ملا
زوجہ ہیں یہ حسین علیہ السلام کی
وہ اک نبی کی ماں ہیں تو یہ نو امام کی

دیکھو وقارِ بانوئے سلطانِ کربلا — حوا نثار ہیں، تو بلا گرد آسیا
مریم میں اور ان میں یہ اک فرق ہے کھُلا — بیٹے کا اُن کے، آپ کا پوتا ہے مقتدا
سارا کا یہ شکوہ بھی یہ شان بھی نہیں
عصمت یہاں نہیں ہے تو عصیاں بھی نہیں

نسلِ عرب کا نسلِ عجم سے یہ اتصال پہلی صدی کے دور میں اک مقتضائے حال
رنگ و وطن کے فرق کا اٹھے نہ اب سوال خرمے کی سرزمیں میں ہوئی سیوتی نہال
کسرا ہے فیضیاب رسولِ قدیر سے
شیر و شکر ہے نہرِ لبن جوئے شیر سے

وہ ضو نہاں ہے فطرتِ عالی جناب میں کرنیں ہیں جس کی جلوہ فشاں آفتاب میں
کس کو ملا یہ بختِ جہانِ خراب میں شانہ کیا رسول کی بیٹی نے خواب میں
معصومہ ہاتھ رکھنے کو سر پر جب آئی ہیں
زحمت سے تب کہیں انھیں رحمت میں لائی ہیں

بچپن تھا بانوئے شہ دیں کا کہ بے خطا نازل عجم پہ فوجِ عرب کی ہوئی بلا
اولاد منتشر ہوئی کسرا کی جابجا لیکن جفا کے رنگ میں قسمت نے کی وفا
بانو گھریں جو غم میں تو غم سے رہا ہوئیں
مشکل میں پڑ کے عترتِ مشکل کشا ہوئیں

حالات سولھویں سنِ ہجری کے ہیں گواہ اُس وقت یزدجرد عجم کا تھا بادشاہ
کل چار سال قبل ہی اس کا ہوا تھا بیاہ سوچیں تو اس حساب سے اب صاحبِ نگاہ
اولاد اس کی کتنی بڑی ہوگی حد سے حد
یہ اور بات ہے نہ بتائیں حسد سے کد

ہے اک زمخشری کے سوا سب کا یہ بیاں بانو تھیں تین سال کی اُس وقت بے گماں
بی بی کی قید اور کنیزی کی داستاں تاریخ کے ورق پہ سیاہی کا ہے نشاں
قائل ہو جو وہ بندۂ افکارِ خام ہے
بانو کو جو کنیز کہے، خود غلام ہے

بی بی پہ لطفِ حق کی یہ صورت ہے مختصر بھاگا جو یزدجرد مدائن کو چھوڑ کر
حلوان کی زمین پہ تلخی میں کی بسر سوہانِ زندگی تھا صفاہان کا سفر
کرمان میں کبھی، کبھی مابینِ مرو تھا
بندِ الم میں قید وہ آزاد سرو تھا

...ا گیا وہ در بدری میں اٹھا کے غم   پامال انتشار ہوئے اس کے سب حرم
اس دورِ انقلاب میں بانوئے محترم   بھٹکیں جو روز و شب تو ملا ہادیٔ امم
غم کی اندھیری رات میں نورِ سحر ملا
تھیں دربدر کہ علمِ پیمبر کا در ملا

...نو کے بخت میں جو امامت کے تھے گہر   تطہیرِ نفس و دل پہ مشیت کی تھی نظر
...ح نیند سے جو ہوئی زیست بہرہ ور   رویائے صادقہ میں کھلے رہبری کے در
جھپکی پلک حسین کا دیدار ہو گیا
سویا نصیب خواب میں بیدار ہو گیا

غل تھا نزولِ رحمتِ ربِّ ودود ہے   نوشیرواں کی بزم میں حق کی نمود ہے
...ول کے گھر میں قاصدِ دیں کا ورود ہے   بانو کی خوابگاہ میں شورِ درود ہے
نسبت لیے ہوئے چمنِ حق کے پھول کی
جنّت سے آ رہی ہے سواری رسول کی

سوتی تھیں صحنِ باغ میں بانوئے سبز بخت   نازل ہوا فلک سے سلیمانِ دیں کا تخت
وہ صاحبِ جلوس کا جلوہ وہ حسنِ رخت   چمکے یہ گل کہ سرد چراغاں بنے درخت
کسریٰ کا گھر جو منزلِ خیر البشر ہوا
آتش کدے میں نورِ خدا جلوہ گر ہوا

آئے سریرِ نور پہ دو آسماں جناب   روشن تھے ایک برج میں مہتاب و آفتاب
گو دیدِ آفتاب کی نظروں کو تھی نہ تاب   لیکن کھبا نگاہوں میں مہتاب لاجواب
بیخود ہوئیں جو یوسفِ زہرا کو دیکھ کر
دم آگیا لبوں پہ مسیحا کو دیکھ کر

آنکھوں میں بس گیا جو نبی کا مہِ کمال   محوِ جمالِ حق ہوئیں بانوئے خوش خصال
بولا یہ مسکرا کے وہ خورشیدِ لازوال   روشن ہے ہم پہ نورِ نظر تیرے دل کا حال
خلدِ بریں سے شوقِ زیارت میں آئے ہیں
ہم ہیں رسول عقد کا پیغام لائے ہیں

دولھا ہمارے ساتھ ہیں، یہ ماہ پُرضیا — صورت ہے یا کہ آئنۂ جلوۂ خدا
یہ سن کے صاف مہرِ خموشی نے دی رضا — چشمِ قبول کے لیے پردہ ہوی حیا
فطرت جو کنہ رازِ نہاں پوچھنے لگی
نیچی نگاہ نام و نشاں پوچھنے لگی

خورشید نے یہ سرخئی یوں کیا جلی — نوشاہ یہ، ریاضِ امامت کی ہیں کلی
جانِ محمدِ عربی، دلبرِ علی — خود بھی ولی ہیں باپ بھی فرزند بھی ولی
یہ بنتِ مصطفےٰ کے دلارے حسین ہیں
ہم مصطفےٰ ہیں اور یہ ہمارے حسین ہیں

نامِ حسین سنتے ہی دل پر چھری چلی — بانو تڑپ کے چونک پڑی، ہجر میں جلی
دیکھا تو باغ میں نہ وہ گل تھا نہ وہ کلی — شب کو غمِ فراق میں دن کی طرح ڈھلی
رخ زرد مثلِ شمعِ سحر بے درنگ تھا
اس خواب کے خیال میں سونے کا رنگ تھا

آنکھیں تلاش کرتی تھیں جانِ بہار کو — دل ڈھونڈتا تھا جلوۂ پروردگار کو
پھونکا تھا سوزِ ہجر نے یوں جانِ زار کو — پنکھے لگے ہوئے تھے دلِ بیقرار کو
تھا غیر حال نورِ خدا کے فراق میں
کعبے کی شمع، جلتی تھی کسریٰ کے طاق میں

کہتی تھیں دل ہی دل میں پھر آجاؤ یاحسین — کلمہ تو اپنے جد کا پڑھا جاؤ یاحسین
اسلام کا شعار سکھا جاؤ یاحسین — قابل تو اپنے گھر کے بنا جاؤ یاحسین
باتیں شعور کی وہ بتا جاؤ خواب میں
نبھ جاؤں خاندانِ رسالتمآب میں

دیکھی ہے جب سے خواب میں تنویرِ ذوالجلال — بالکل بدل گیا ہے مری زندگی کا حال
ناچیز سے جو آپ کے جد نے کیا مقال — اپنے پہ خود ہے رشک مجھے اے علی کے لال
ہے جائے افتخار یہ شکل انتساب کی
منہ بولی ہوں بہو میں رسالتمآب کی

چھائے دل و دماغ پہ یوں شاہِ مرسلیں — خود رفتگی کی موج میں ڈوبا دلِ حزیں
تھیں محوِ فکر ہاتھ کو رکھ کر سرِ جبیں — بیٹھیں تو بیٹھ ہی گئیں، اٹھیں تو اٹھ گئیں
گھبرا کے بڑھ گئیں کبھی تعظیم کے لیے
جھجکیں، ادب سے جھک گئیں تسلیم کے لیے

فیضِ زیارتِ رخِ پیغمبرِ انام — بالائے طاق رکھ دیے کسرا کے بت تمام
باندھے ہوئے خیالِ شہنشاہِ خاص و عام — تھیں معتکف حرم میں تو لا کے صبح و شام
راہی تھیں مسلکِ شہ بدر و حنین پر
خیرات روز ہوتی تھی نامِ حسین پر

گہ سوچتیں امید بر آنا محال ہے — پھر خواب میں وہ آئیں یہ محض اک خیال ہے
گہ کہتیں وہ رسول ہیں، یہ نیک فال ہے — ظاہر ہے ان پہ جو مرے باطن کا حال ہے
صورت وہی نکالیں گے اب دل کے چین کی
ان کو قسم میں دوں گی انھیں کے حسین کی

اس آرزوئے نیک میں بانوے نیک خو — یوں محو تھیں کہ جیسے فضا محوِ رنگ و بو
اکثر چمن چمن گلِ زہرا کی جستجو — پہروں امامِ دیں سے تصور میں گفتگو
اک روز سو گئیں جو اسی اضطراب میں
آنکھوں کو فرشِ راہ کیا عین خواب میں

جھپکی ذرا جو آنکھ نظر سے اٹھے حجاب — دیکھا جناب کے دلِ بیدار نے یہ خواب
اترے ہیں گھر میں چرخِ بریں سے بآب و تاب — اک چاند۔ اک معظمہ آسماں جناب
جلوے جلو میں، جیسے مضامیں کتاب میں
حوریں ملازمت میں، فرشتے رکاب میں

وہ چاند جس کو پہلے بھی دیکھا تھا اک نظر — رہوارِ معجزات و کرامت پہ جلوہ گر
گردوں حشم۔ نجوم خدم۔ نور سر بسر — طالع جلو میں۔ پشت پہ قسمت۔ فلک پہ سر
ہلتی ہے اس صدا سے فضا مشرقین کی
ہٹ جاؤ آ رہی ہے سواری حسین کی

سہرا ہے رخ پہ چاند کے تاروں کا ضوفگن   لڑیاں ہیں جس کی، مہر کی کرنوں پہ خندہ زن
لب پر ہے اک فرشتۂ رحمت کے یہ سخن   دولھا بنا ہے خاتمِ انوار پنجتن،
سب رنج و غم ہوں دور کہ شادی کی رات ہے
جو رجس سے بری ہے یہ اس کی برات ہے

تکبیر کے بجاتے ہیں قدسی جو چنگ و دف   گونجا ہوا ہے نعرۂ توحید ہر طرف
سُبحانَ ربّنا کے جو طاسے ہیں صف بصف   شہنائیاں ہیں نغمۂ نادِ علی بکف
ہر جھانجھ کہہ رہی ہے جھما جھم علی علی
ہر طبل کی صدا ہے رما دم علی علی

بانو کے پاس آ کے پکاری یہ ایک حور   بنتِ رسول آتی ہیں، کلمہ پڑھیں حضور
کھولے یہ سن کے لب تو بڑھی رحمتِ غفور   حجلے میں معرفت کے دیا غسل آبِ نور
غل پڑ گیا کہ پر تو تطہیر ہو گئیں
نو محوروں کا مرکز تنویر ہو گئیں

تطہیر نے قنات جو روکی پئے حجاب   حوروں نے بال گوندھے بنایا دلھن شتاب
پہنا دیا لباس جو عفت کا لاجواب   برقع حیا و شرم۔ جلالت بنی نقاب
غازہ جو نور کا تھا رخ تابناک پر
خُلقِ نبی کا عطر ملا جسم پاک پر

ٹیکا لگا کے حبِ رسالتمآب کا   روشن جبیں کو نور دیا آفتاب کا
آئینہ لائیں صورتِ ام الکتاب کا   آیا ردا کے واسطے آیہ حجاب کا
ذاتی شرف تھا فخر کی مشعل لیے ہوئے
پیوندِ آل نور کا آنچل لیے ہوئے

تقدیس نے جو حلۂ رحمت پنھا دیا   نعلین پا ثبات قدم کو بنا دیا
قدموں پہ عظمتِ دو جہاں کو جھکا دیا   چشمِ خرد میں سرمۂ بینش لگا دیا
عرشِ بریں کا تخت بچھا کر جلوس کو
بخشا زرِ خلوص کا زیور عروس کو

جھومر وہ سایۂ پرِ ظلِ کبریا　　ماتھے کا چاند نقش تولائے مرتضیٰ
گردن کا طوق، عروۂ وثقیٰ کا سلسلا　　حبل المتین دیں کا گلوبند دل کشا

چمپا کلی وہ شمسۂ تسبیح پاک کی
کلیوں نے آبرو دریکتا کی خاک کی

گردن کا ہار، جس میں ہو مریم کا دل اسیر　　درِ نجف کی سلک جسیں، کہکشاں نظیر
کنگن وہ دستگیری مولائے دستگیر　　وہ جوشنیں، لطفِ نبی، رحمت قدیر

ہاتھوں کی ضو قمر سے بھی دہ چند ہو گئی
مشکل کشا کی مہر علی بند ہو گئی

کانوں کے زیورات بھی یکتائے دو جہاں　　آویزۂ جمیل، وہ آوازۂ اذاں
کیا زیبِ گوشِ پاک ہوئی ہیں بصد نشاں　　مولا کے حلقہ ہائے اطاعت کی بالیاں

ان بالیوں کا حاصل و محصول دیکھیے
پھر ان میں آیتوں کے کرن پھول دیکھیے

تعویذ وہ کہ جس کے اثر سے عدو ہوں خاک　　مفہوم جس کا یہ ہے کہ لا ناصر سواک،
عزت کی نتھ، ہلالِ فلک سے بھی تابناک　　انگشتری میں ختم امامت کا نور پاک

پہنائی خود بتول نے تاروں کی چھاؤں میں
پابندی اصول کی پازیب پاؤں میں

پہنے جو معرفت کے یہ زیور بصد فخر　　خدمت میں جھک گئے باادب شکل دیکھ کر
حوروں کے سر فرشتوں کے سر اولیا کے سر　　گویا سراہی یہ دلھن کی تھی سر بسر

بن سج گئیں جو خلعتِ عنبر سرشت سے
آئے رسول بہرِ زیارت بہشت سے

خوشبو سے بزم رشک خطا دختن بنی　　سہرے کے گل کھلے تو فضا گلبدن بنی
ہمرنگِ آل بانوئے گل پیرہن بنی　　گلگوں قبا بنے کی شہادت دلھن بنی

غل پڑ گیا کہ بخت پھرا ماہ وسال کا
زہرہ جبیں سے عقد ہے زہرا کے لال کا

ہاشم کے خاندان کی حشمت ہے اک طرف ۔۔۔ کسرائیوں کی شانِ شرافت ہے اک طرف
فضل اک طرف ہے اور فضیلت ہے اک طرف ۔۔۔ توحید اک طرف تو عدالت ہے اک طرف
سیدؐ سے کائنات نجابت کا عقد ہے
قرآں کے ساتھ نور کی سورت کا عقد ہے

شمعیں لیے ہوئے عظمت کی آب و تاب ۔۔۔ اقوالِ مصطفےٰ و روایاتِ بوتراب
دولھا بھی منتخب ہے دلھن بھی ہے انتخاب ۔۔۔ ان کی کوئی نظیر نہ ان کا کوئی جواب
وہ مرکزِ شرافتِ نسلِ بتول ہیں
یہ مادرِ ائمہؑ آلِ رسول ہیں

نوروز کی سحر تھی کہ معراج کی وہ شب ۔۔۔ دولھا دلھن کی قدر کہوں یا حسب نسب
یہ بانوئے عجم تو وہ شہزادۂ عرب ۔۔۔ مشاطہ حورِ خلد، براتی امین رب
وہ ساس جس کا زوج امیرِ حنینؑ سا
نوشاہ، بادشاہ دو عالم حسین سا

وہ ہے دلھن جو آلِ پیمبر کے دل کا چین ۔۔۔ دولھا وہ ہے جو عینِ الٰہی کا نورِ عین
دونوں طرف وکیل، ملائک بزیب و زین ۔۔۔ میکالِ و جبرئیل، گواہانِ عادلین
وہ خطبہ خواں ہے جس کی زباں شمعِ طور ہے
قاضی وہ ہے جو مفتیِ روزِ نشور ہے

ہے حجلۂ عروس میں حوروں کا ازدحام ۔۔۔ مریم بھی ہاجرہ بھی ہیں مصروفِ اہتمام
وہ رت جگے کی فرش سے تا عرش دھوم دھام ۔۔۔ وہ گیت جو انیس کی اس بیت پر تمام
بانوئے نیکنام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے

آمین اس دعا پہ جو کہنے لگیں بتول ۔۔۔ پیہم فلک سے رحمتِ رب کا ہوا نزول
صیغے کو سن کے بول اٹھا شرع کا اصول ۔۔۔ ایجاب مستجاب تو مقبول ہے قبول
بانو کی ضو جو نورِ پیمبر سے مل گئی
موجِ فرات چشمۂ کوثر سے مل گئی

صلِ علیٰ کے شور سے گونجی وہ بزمِ دیں
ہر فرد جس میں خلد نشین و فلک نشیں
غلمان و حور و قدسی و رضوان مہ جبیں
کل اولیا ۔ تمام نبی ۔ سارے مرسلیں
شامل تھے جشنِ سرورِ عالی صفات میں
روح الامین پڑھتے تھے سہرا برات میں

سہرا سرِ حسین پہ صبرِ جمیل کا
سہرا سرِ حسین پہ نورِ جلیل کا
سہرا سرِ حسین پہ حق کی سبیل کا
سہرا سرِ حسین پہ عزمِ خلیل کا
تعمیر کربلا کا ہے سہرا انھیں کے سر
اسلام کی بقا کا ہے سہرا انھیں کے سر

سہرا سرِ حسین پہ عزمِ حیات کا
سہرا سرِ حسین پہ سب کی نجات کا
سہرا سرِ حسین پہ اسمائے ذات کا
سہرا سرِ حسین پہ حق کی صفات کا
عزت کی زندگی کا ہے سہرا انھیں کے سر
دینِ محمدی کا ہے سہرا انھیں کے سر

سہرا ہے سر پہ مرضیٔ ربِ ودود کا
سہرا ہے سر پہ دینِ خدا کی نمود کا
سہرا انھیں کے سر ہے قیام و قعود کا
سہرا انھیں کے سر تہِ خنجر سجود کا
مقتل میں حق کی یاد کا سہرا انھیں کے سر
ہے نفس سے جہاد کا سہرا انھیں کے سر

سہرا سرِ حسین پہ باغِ نعیم کا
سہرا سرِ حسین پہ خُلقِ کریم کا
سہرا سرِ حسین پہ دینِ قویم کا
سہرا سرِ حسین پہ ذبحِ عظیم کا
باطل کے سدِ باب کا سہرا انھیں کے سر
پُر فیض انقلاب کا سہرا انھیں کے سر

شوہر کی منزلت جو ہے سہرے سے آشکار
حوریں دلھن سے کہتی ہیں ہنس ہنس کے بار بار
بی بی عجب نصیب تمھارا ہے ہم نثار
غیر از بتول جتنی ہیں نسوانِ ذی وقار
ان میں کسی کو بھی یہ مقدر نہیں ملا
سب کچھ ملا حسین سا شوہر نہیں ملا

ناگاہ شاہ دیں کے پکارے یہ خاص و عام　　رخصت ہے اب دلہن کی بصد جاہ و احترام
نذریں گزارتے ہیں نبی و ولی تمام　　دارالسلام پیش کرے تحفۂ سلام
نو آسماں جھکے ہیں غلامی کے واسطے
حاضر ہیں نو امام سلامی کے واسطے

آئے خلیل مقصدِ خلقت لیے ہوئے　　حق کا حبیب دین کی دولت لیے ہوئے
اتمامِ مدعائے رسالت لیے ہوئے　　رازِ بقائے نسلِ امامت لیے ہوئے
نو لال حق نے غیرتِ لعلِ یمن دیے
جو پنجتن کا فخر رہیں وہ نورتن دیے

یہ قاسمِ جناں کی ولا کا ثمر ملا　　احمد کے اہلبیت سے جنت کا گھر ملا
شمس الضحیٰ کی آنکھوں کا تارہ قمر ملا　　خیر البشر کا فخر جو ہے وہ بشر ملا
غنچے بھی مل گئے چمنِ حق کے پھول بھی
شبر بھی فاطمہ بھی علی بھی رسول بھی

پہلو میں ہیں بہارِ امامت لیے ہوئے　　دامن میں کائناتِ رسالت لیے ہوئے
نسلِ عجم کی بوئے شرافت لیے ہوئے　　سلمانِ فارسی کی فراست لیے ہوئے
گل ہیں ہزار اک چمنِ مشک بیز میں
میکے سے لے چلی ہیں عدالت جہیز میں

بولیں گلے لگا کے پیمبر کی نورِ عین　　بچی ترا سہاگ رکھے ربِ مشرقین
اب صدمۂ فراق سے کرنا نہ شور و شین　　رخصت کے دن قریب ہیں مل جائیں گے حسین
بانو یہ سن کے خواب سے بیدار ہو گئیں
کھلتے ہی آنکھ نرگسِ بیمار ہو گئیں

مل مل کے آنکھیں غور سے دیکھا ادھر ادھر　　وہ تخت تھا نہ انجمنِ انجم و قمر
رہنے لگا وہ چاند تصور میں جلوہ گر　　وعدے کا انتظار تھا اللہ پہ نظر
شام و سحر خیال رسولِ حنین کا
تسبیح فاطمہ کی، وظیفہ حسین کا

دل میں نہ کوئی بات نہ لب پر کوئی کلام　　　خود بے چھری حلال، اور آب و غذا حرام
شب کو چراغ صبح، سحر کو مہ تمام　　　آنکھوں میں جلوہ گر شفقِ خوں قریب شام
دن رات چشم تر میں شہ انس و جن پھرے
راتوں جلیں چراغ کی صورت تو دن پھرے

آیا جو راستی پہ ذرا چرخ کج مدار　　　بدلا خوشی کے رنگ سے نیرنگ روزگار
اب تک خلافتیں تھیں مخالف کہ ایک بار　　　پہنچا علی کے ہاتھ میں ہر بحر کے اقتدار
بانو جو ڈھونڈتی تھیں سہارا نصیب کا
چمکا بلادِ شرق میں تارا نصیب کا

جس سرزمیں پہ تھی مکیں آلِ کیقباد　　　تھے اختیار میں بن جابر کے وہ بلاد
عامل جو تھا شریعتِ حق پر وہ خوش نہاد　　　کسرائیوں کے حق میں کیا نفس سے جہاد
دل نے کہا ستم سے فضا صاف کیجیے
نوشیرواں کی آل سے انصاف کیجیے

پامالِ انقلاب جو کسرائی تھے تمام　　　ان کی بحالیوں کا کیا دل سے اہتمام
بانو کو تھا جو شوقِ قدم بوسی امام　　　دربار شاہ میں انھیں بھیجا بہ احترام
چھوڑیں قرابتیں کہ زیارت عزیز تھی
بانو تھیں۔ ایک ان کی بہن۔ اک کنیز تھی

آئیں جو مسجد نبوی میں یہ نیک خو　　　بانو کسی کی تھیں متجسس ہر ایک سو
آنکھوں سے اشک بن کے نکلتی تھی آرزو　　　فانوس پیرہن میں پگھلتی تھی شمع رو
پیہم تلاش کرتی تھی ضو آفتاب کو
بلقیس ڈھونڈتی تھی سلیماں جناب کو

ناگاہ رن ڈھلے نظر آیا مہ تمام　　　تعظیم کو ادب سے صحابہ اٹھے تمام
دیکھا جو مڑ کے بانو نے شہ نے سوئے امام　　　اٹھتے ہی آنکھ جھک گئیں نظریں پئے سلام
دل کی کلی کھلی کہ گل مدعا ملا
مسجد میں جب امام ملے تو خدا ملا

پایا خدا کے گھر سے در علم کا مکاں　　زینب نے ماں کی طرح بنایا دلھن یہاں
قاضی ہوئے نبی کی جگہ شاہِ مومناں　　تعبیر خواب بن کے ملا یوسفِ زماں
شادی ہوئی جو آپ سے سبطِ رسول کی
بخشی علی نے مہر میں مسند بتول کی

ہمنام حق نے نام جو پوچھا دمِ سلام　　بولیں حیا سے سر کو جھکا کر کہ یا امام
شاہ زناں کنیز کو کہتے ہیں خاص و عام　　فرمایا ہم تو آپ کا بانو، رکھیں گے نام
خلعت ملا تھا بنت رسالتمآب سے
پایا خطاب سرور فصل الخطاب سے

ساتھ آئی تھی جوان کے کنیز ایک معتبر　　شیریں تھا نام۔ خُلق بھی شیریں و پُراثر
بانو کے گھر میں اس کی یہ صورت تھی مختصر　　کچھ کام ان کے ذمے تھا کچھ کام اُس کے سر
یہ خو، گھروں کا نظم و نسق بن کے رہ گئی
بہر زنانِ خلق سبق بن کے رہ گئی

ان ذمہ داریوں سے سنبھالا علی کا گھر　　ابھرا وہ بھر۔ دلوں پہ جو زہرا کا تھا اثر
زینب پہ یہ نثار وہ صدقے تھیں آپ پر　　شبیر کی نگاہ تھی۔ اللہ کی نظر
ہر رنج سے فراغ دیا بے نیاز نے
سجاد سا چراغ دیا بے نیاز نے

پایا پسر وہ غیرت یوسف۔ وہ خوش جمال　　یوسف بھی کہہ رہے تھے کہاں میں کہاں یہ لال
اب اس مقام سے ہے بہت اختلافِ حال　　نو دس روایتوں کے پرکھنے کا ہے سوال
اعدا کے قول اہل ولا نے سنائے ہیں
موتی تمام سچے ہیں۔ جھوٹوں سے پائے ہیں

بی بی کے باب میں ہیں روایات جس قدر　　راوی ہیں ان میں ایک کے اوروں سے معتبر
یعنی دمِ ولادتِ سجادِ نامور　　یہ ہوگئیں علیل ہوئی زیست مختصر
اتنا بڑھا مرض کہ جہاں سے گزر گئیں
عابد کو پالنے بھی نہ پائیں کہ مر گئیں

قبل از وفات ذکر کے قابل کیا وہ کام
انسانیت کو جو ہے مساوات کا پیام
شیریں جو تھی کنیز بصد جاہ و احترام
بانوئے شہ کے گھر میں وہ فضا تھی لا کلام
خدمت سے باوفا نے جو دل شاد کر دیا
یہ حریت پسند تھیں آزاد کر دیا

ہونے لگی حرم سے جو رخصت وہ باوقار
بانو کو دیکھ دیکھ کے روتی تھی زار زار
کرتی تھی شہ سے عرض یہ ہو ہو کے بے قرار
اس گھر سے ایک شرط پہ جاتی ہے خاکسار
وعدہ کریں حضور مرے گھر پہ آئیں گے
سب شاہزادیوں کو بھی ہمراہ لائیں گے

بولے اک آہ بھر کے شہنشاہِ مشرقین
اچھا سدھار دیں بی کبھی آئے گا حسین
وہ بولی۔ اور سب حرم سرورِ حنین
خالق نے کی ہے ان کی زیارت بھی فرضِ عین
ہمسائیاں سر آنکھوں پہ سب کو بٹھائیں گی
حضرت نے سر جھکا کے کہا۔ یہ بھی آئیں گی

خوش ہو گئی یہ سن کے جو شیرینِ باوفا
پھیلا کے گود۔ دلبر زہرا کو دی دعا
چلنے لگی تو شہ نے یہ بانو کو دی ندا
پوشاک و زادِ راہ اسے کیجیے عطا
خلعت بھی ایک دیجیے اس دل ملول کو
اک دن ردائیں دے گی یہ آلِ رسول کو

کہتا ہے اب یہ ذکرِ مصائب کا اقتضا
لکھیے زبان حال میں شیریں کا ماجرا
بانو سے پھر وہ مل نہ سکی اس سے بحث کیا
مشہور خلق میں ہے مگر آج تک وفا
اس کو نہ صرف بانوئے سرور عزیز تھی
سب آلِ فاطمہ کی وہ دل سے کنیز تھی

سب عترتِ نبی کے بچھڑنے کا تھا ملال
زینب کی دید کے لیے بے چین تھی کمال
بانو کی یاد میں کبھی گریاں کبھی نڈھال
سب سے زیادہ دعوتِ شبیر کا خیال
ہر شے پہ ذکرِ شاہ کو ترجیح رات دن
تھی حرزِ جاں امام کی تسبیح رات دن

اک دن سنا کہ آتے ہیں اس در کے طبیب   ہے کاروانِ قبلۂ عالم بہت قریب
دل نے کہا کہ کھل گئی قسمت، پھرے نصیب   وعدہ وفائی کے لیے آئے مرے حبیب
دیکھو یہ مرحمت کی نظر اہلِ بیت کی
آمد ہے مجھ غریب کے گھر اہلِ بیت کی

لازم ہے یہ کہ صاف ہو شفاف ہو مکاں   شایانِ شانِ حضرت سلطان انس و جاں
رضواں زبانِ حال سے بولا یہ ناگہاں   لایا میں زلفِ حور کی جاروبِ ضو فشاں
دعوت ہے بادشاہِ کرامت ظہور کی
کرسی منگاؤ عرش معلیٰ سے نور کی

باطن کے آئینے کی طرح صاف کر کے گھر   شوہر کے پاس آ کے پکاری وہ خوش سیر
در پیش ہے ضیافت مولائے بحر و بر   ہمراہ ہوں گے سب حرمِ سید البشر
میوہ بھی کچھ منگاؤ کہ بچے بھی آتے ہیں
قسمت پکارتی تھی طمانچے وہ کھاتے ہیں

ناگاہ گھر میں آ کے کسی نے یہ دی خبر   آیا قریب قافلۂ شاہِ بحر و بر
شاید کسی جہاد سے آتے ہیں شہ ادھر   ہمراہ کچھ اسیر ہیں، کچھ سر لہو میں تر
خوش ہو کے وہ پکاری یہ ہر اک فدائی کو
لوگو حسین آئے چلو پیشوائی کو

سامانِ نذر لے کے وہ گھر سے ہوئی رواں   آئی برونِ قلعہ تو دیکھا عجب سماں
ناقوں پہ سر کھلے ہوئے ہیں چند بی بیاں   ہے اک مریض بستۂ زنجیر، ساربان
رسی میں کچھ بندھے ہوئے بچے نڈھال ہیں
رخسار گلرخوں کے طمانچوں سے لال ہیں

حیران ہو کے رہ گئی شیریں باوفا   پوچھا یہ ساربان سے بڑھ کر کہ میں فدا
کس جرم پر امام نے دی تم کو یہ سزا   شکلیں تو کہہ رہی ہیں کہ تم سب ہو بے خطا
اللہ کس سبب سے یہ قیدِ شدید ہے
بے پردگی کا حکم تو شہ سے بعید ہے

بولا اک آہ بھر کے وہ بیمارِ نیم جاں		بی بی امام کا نہیں یہ لشکر گراں
قیدی ہیں میرِ شام کے ہم زار و ناتواں		غش ہو گیا یہ کہہ کے نقاہت سے ساربان
ناقے رکے تو ظلم ہوئے بے گناہ پر
دُرّے پڑے حسین کے نورِ نگاہ پر

شیریں تڑپ کے رہ گئی آنسو ہوئے رواں		بولی یہ بی بیوں سے بصد نالہ و فغاں
لوگو بتاؤ کچھ خبرِ سرورِ زماں		تم کس جگہ سے آئے ہو شبیر ہیں کہاں
یارب پھر ایک بار میں سرور کو دیکھ لوں
عابد کو دیکھ لوں علی اکبر کو دیکھ لوں

میں نے سنا تھا لاتے ہیں تشریف شاہِ دیں		کیا راہ میں امامِ امم رک گئے کہیں
بولیں دبی زبان سے یہ زینبِ حزیں		ہم خود ہیں نیم جاں، ہمیں اپنی خبر نہیں
شیریں صدا کو سن کے عرق میں نہا گئی
کانوں میں اک سنی ہوئی آواز آ گئی

زینب کی گفتگو پہ جو بانو کا شک ہوا		سر پیٹ کر پکاری مصیبت کی مبتلا
بی بی نہ منہ چھپایئے، پہچان لی صدا		لونڈی ہوں میں تو آپ کی مجھ سے حجاب کیا
یا کبریا میں جاگتی ہوں یا کہ خواب ہے
بانو کے دشمنوں کی یہ حالت خراب ہے

بنتِ علی پکاریں کہ بیجا ہے یہ گماں		بانو کہاں یہ قیدیٔ دامِ بلا کہاں
میں اک کنیزِ فاطمہ اور وہ شہِ زناں		ان کا پسر امام، مرا لال ساربان
وہ کہتی ہے کہ آپ تو بانو ضرور ہیں
حیرت یہ ہے کہ سبطِ پیمبر سے دور ہیں

زینب کا یہ بیان ہے، بانو نہیں ہوں میں		بانو کی اور شان ہے، بانو نہیں ہوں میں
اُن کا پسر جوان ہے، بانو نہیں ہوں میں		میری اکیلی جان ہے، بانو نہیں ہوں میں
اُن کی تو گود میں چھ مہینے کا لال ہے
بچے کو چھوڑ دے کوئی ماں یہ محال ہے

وہ بولی ہاتھ جوڑتی ہوں مجھ پہ رحم کھاؤ　　بی بی کی دردمند ہوں میں دردِ دل سناؤ
لونڈی نثار نام تو اپنا نہ اب چھپاؤ　　مولا مرے کہاں گئے للہ کچھ بتاؤ
یہ عرض ہو قبول کنیزِ امام کی
تمکو قسم حسین علیہ السلام کی

روکر پکاریں خواہرِ شبیرِ نامدار　　بھائی کی دے قسم نہ مجھے بہرِ کردگار
لے دل کو اب سنبھال سناتی ہوں حالِ زار　　زینب ہوں میں حسین کی ہمشیرِ دلفگار
پردیس میں بہن شہِ والا سے چھٹ گئی
مقتل میں میرے بھائی کی سرکار لٹ گئی

آگے جو میرے ناقے کے ہے مرکزِ نظر　　نیزے پہ یہ بلند مرے بھائی کا ہے سر
یہ سارباں۔ گرا تھا جو غش کھاکے خاک پر　　عابد یہی ہے بانوئے ذی جاہ کا پسر
اس کے سوا ہر اک کا لہو رن میں بہہ گیا
تنہا مریض ٹھوکریں کھانے کو رہ گیا

۱۹۳۰ء

۱۳۴۸ھ

خطیبِ اعظم حضرۃ شمس العلما مولانا سید سبطِ حسن (طاب ثراہ) نے مدرسۃ الواعظین اور ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ کے طلباء کی درخواست پر اس مرثیے کی تصنیف کے لیے موضوع مقرر فرمایا: "فضائل علی ابن ابی طالبؑ قرآن و حدیث سے"۔ میں اس وقت مدرسۃ الواعظین میں مقیم تھا۔

شمعِ افروزِ حیاتِ ابدی ہے شاعر — خطِ پیمانۂ نیکی و بدی ہے شاعر
خارج از ماہ و سن و قرن و صدی ہے شاعر — آئینہ دارِ صفاتِ احدی ہے شاعر
آدمی دہر میں آتا ہے، ضرور آتا ہے
خالقِ شعر اگر ہو تو شعور آتا ہے

شاہکارِ قلمِ عرش نشیں ہے شاعر — یدِ قدرت کی انگوٹھی کا نگیں ہے شاعر
روحِ احساس کی شہ رگ سے قریں ہے شاعر — ناظمِ دہر کی اک نظمِ حسیں ہے شاعر
بیخودی اس کی جو بڑھ جائے خودی ہو جائے
کاروانِ دلِ مضطر کو حُدی ہو جائے

اس کی تخلیق میں ہر رُخ سے ہے خالق کی نمود — زندگی بھی ہے وہیں کچھ، یہ جہاں ہے موجود
جوہرِ فرد ہے یہ، جس سے ہے ممکن کا وجود — یہ اُبھارے تو دل ابھرے، یہ نہ بولے تو جمود
انقلابِ نفسِ تیز کے آئینے میں
زلزلوں کے ہیں سکوں خیز جہاں سینے میں

آب و گِل کا عجب اعجاز ہے شاعر کی حیات — عالمِ فکر میں ہے فکرِ دو عالم سے نجات
مادّی شکل میں یہ آئینہ بردارِ صفات — عنصری قید میں ہے حُرّیتِ جلوۂ ذات
اس کی باطل شکنی وجہِ قیامِ حق ہے
حق نما ہو تو کلام اس کا کلامِ حق ہے

شاعری ایسے ہی شاعر کی ہے، باقی الغلط — اب رہے وہ غلط انداز جو بر خود ہیں غلط
جن کا معیارِ نظر غیر کا پیمانہ و خط — تب چلے اُن کا قلم، جبکہ لگا دے کوئی قط
چنتے پھرتے ہیں وہ ایندھن جو ہر اک وادی ہیں
قید سی قید ہے اک فکر کی آزادی میں

ہاں مگر وہ جو ہے ایمان کے رشتے کا گھر — شاعری جس کی ہے مبنی عملِ صالح پر
اور خصوصاً جو ہے مدّاحِ درِ پیغمبرؐ — اس کے شعروں کی زمیں عرش سے بھی بالاتر
منزلت حد سے بڑھی ، مدح کی حد میں آیا
وَرَفَعنالَکَ ذِکرَک ، بھی سند میں آیا

بادۂ صدق و حقیقت کا ہے وہ متوالا — بدرِ ذی قدرِ جمالِ مدنی کا ہالا
اس نے جو کچھ بھی کہا ، دل میں خدا نے ڈالا — کشف سے ، وحی سے ، الہام سے بالا بالا
عالمِ وجد میں تا عرش رسا ہوتا ہے
برہِ راست وہ تلمیذِ خدا ہوتا ہے

میں اِسی سلسلۂ فکر سے ہوں وابستہ — مدحِ حیدرؑ کا ہے گلزار مرا گلدستہ
جو سمجھتے تھے مجھے زار و نزار و خستہ — اُن کی نظروں پہ چڑھا اب سخنِ برجستہ
نہ فقط چند ہمہ اور شما سُنتے ہیں
ہے درِ علم کی مدحت ، علما[۱] سُنتے ہیں

میرا ممدوح ہے ممدوحِ رسولِؐ اکرم — میرا موضوع ہے ارشادِ خطیبِ اعظم[۲]
حکم یہ ہے کہ علیؑ کے وہ فضائل ہوں رقم — جو ہوں افراط نہ تفریط ، نہ بیش اور نہ کم
بات قرآن و احادیث کی منزل میں رہے
لب پہ ہو ذکرِ علیؑ ، عشقِ علیؑ دل میں رہے

نوبتیں جس نے اذانوں کی بجائیں ، وہ علیؑ — آیتیں جس کے لیے عرش سے آئیں ، وہ علیؑ
مدحتیں جس کی حدیثوں نے سنائیں ، وہ علیؑ — جس نے چُولیں درِ خیبر کی ہلائیں ، وہ علیؑ
جس کی قوت ہے رسولِؐ دوسرا کی طاقت
جس کے بازو میں خدا داد خدا کی طاقت

مطلعِ ثانی

مالکِ مسندِ تطہیر و امامت ہیں علیؑ — نورِ وحدت ہیں نبیؐ ، نورِ رسالت ہیں علیؑ
جسمِ اعجاز علیؑ ، روحِ کرامت ہیں علیؑ — مادّی شکل میں اللہ کی طاقت ہیں علیؑ
کیا کہوں میں کہ زمانہ انھیں کیا کہتا ہے
ایسے ہی کچھ ہیں کہ حق عینِ خدا کہتا ہے

---

۱ پہلی بار یہ مرثیہ جس مجلس میں پڑھا گیا اس میں تقریباً تمام علمائے لکھنؤ شریک تھے۔ ۲ شمس العلماء جناب مولانا سید سبطِ حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ

مصطفیٰؐ قلزمِ رحمت تو شناور ہیں علیؑ　　　وہ ہیں آئینہ اس آئینے کا جوہر ہیں علیؑ
مالکِ خلد ہیں وہ ، ساقیِ کوثر ہیں علیؑ　　　دین داور ہیں نبیؐ ، شرعِ پیمبرؐ ہیں علیؑ

جیسے احمدؐ کا شرف خالقِ غفار کے بعد
ہو بہو ایسے ہیں یہ احمدِؐ مختار کے بعد

شرفِ منزلِ آیاتِ شریفہ ہیں علیؑ　　　اُمتِ احمدِ مرسل کا وظیفہ ہیں علیؑ
ایک تو نائبِ قدرت کے خلیفہ ہیں علیؑ　　　پھر جو مصحف سے مقدم وہ صحیفہ ہیں علیؑ

جب علیؑ عزم کی میزان میں پورے اُترے
تب کہیں عرش سے قرآن کے سورے اُترے

شان وہ ہے کہ مَلک نورِ خدا کہتے ہیں　　　آن وہ ہے کہ نبیؐ قلعہ کُشا کہتے ہیں
ذات ایسی ہے کہ سب صلِّ علیٰ کہتے ہیں　　　اور نُصیری تو خدا جانیے کیا کہتے ہیں

قول محبوبِ الٰہیٰ کے سوا سمجھے ہیں
یاں خودی بھی نہیں نادان خدا سمجھے ہیں

ہم خدا دوست جو ہیں ، کہتے ہیں ضرغامِ خدا　　　مرکزِ دینِ مبیں ، مقصدِ احکامِ خدا
مئے وحدت کا چھلکتا ہوا اک جامِ خدا　　　جب سنا لفظ علیؑ ، دل نے کہا نامِ خدا

ہم نصیری کا عمل شرکِ جلی کہتے ہیں
ایسے حق گو ہیں کہ حق کو بھی علیؑ کہتے ہیں

ذکرِ حق ، ذکرِ نبیؐ ، یادِ نبی ، یادِ علیؑ　　　فاتحِ بدر واحد ، زورِ خدا دادِ علیؑ
ہر قدم کیوں ہوں نہ ہم طالبِ امدادِ علیؑ　　　حق نے مشکل میں محمدؐ سے کہا ، نادِ علیؑ

دینِ رب کا وہ سمجھتے تھے سہارا ان کو
جب تو خیبر میں بِلا خوف پکارا ان کو

مالکِ مملکتِ فتح و ظفر ہیں حیدرؑ　　　حافظِ ختمِ رسل شام و سحر ہیں حیدرؑ
پشت پر ہے جو نبیؐ کی وہ سپر ہیں حیدرؑ　　　اپنے بابا کی دعاؤں کا اثر ہیں حیدرؑ

قلب ہیں احمدِؐ مختار تو یہ قالب ہیں
حق کے طالب ہیں کہ دلبندِ ابوطالب ہیں

منزلِ سورۂ والنجّمِ اِذا ، بدرِ منیر   امرِ حق ، آمر و مامور، اولی الامر و امیر
طینتِ پاک میں اسرارِ کتاب و تفسیر   تن وفا ، نفسِ رضا ، روحِ عمل ، صدقِ ضمیر
شانِ تخلیق میں خلقت سے جدا ہیں بخدا
نہ جدا ہیں یہ خدا سے ، نہ خدا ہیں بخدا

ان کی وہ تیغِ خداداد، قضا سے مانوس   جس کے قبضے میں شجاعوں کی نگاہیں محبوس
جس کی اک ضرب سے اس طرح دبیں لاکھ نفوس   جس طرح نعرۂ تکبیر سے شورِ ناقوس
ایک ایسا نہیں لاکھ اہلِ کرامات بنے
ہیں یہ خالق کی زباں کس کی یہاں بات بنے

والیِ سلطنتِ اہلِ ولا ہیں حیدرؑ   جرم و عصیاں کے مریضوں کی دوا ہیں حیدرؑ
شاملِ نورِ رسولِ دوسرا ہیں حیدرؑ   اور اسی وجہ سے تو وجہِ خدا ہیں حیدرؑ
یہ بھی طاعت ہے کہ مولا کی اِطاعت کرلی
ان کے چہرے پہ نظر کی تو عبادت کرلی

جنّتی ان کے محب، ان کے عدو ناری ہیں   اس کا اقرار اُنھیں بھی ہے جو انکاری ہیں
ایسے یوسف کے جو گاہک نہیں، بازاری ہیں   سب سے بڑھ کر ہے سند، مستندِ باری ہیں
جزوِ تنویرِ شہنشاہِ امم ہیں حیدرؑ
بہرِ یٰسینِ مبیں ، پارۂ عمّ ہیں حیدرؑ

بطنِ مادر میں تھے جس وقت کہ مولائے انام   کبھی آتے تھے محمدؐ تو یہ کرتے تھے سلام
خود اُٹھا دیتے تھے ماں کو پئے تعظیمِ امامؑ   کلِمہ پڑھتے تھے ، کرتے تھے پیمبرؐ سے کلام
ایک آیہ کوئی قدسی ابھی لایا بھی نہ تھا
بولتا جب یہ تھا یہ قرآن کہ آیا بھی نہ تھا

فقر پر اپنے انھیں فخر بھی ہے شاہ بھی ہیں   بدر کے چاند بھی ہیں ، کعبے کے یہ ماہ بھی ہیں
شارعِ شرع بھی ہیں، خضر بھی ہیں راہ بھی ہیں   بازوئے احمدِؐ مرسل بھی ، یداللہ بھی ہیں
ایک میں بھی نہیں یہ ایک صفت حیدرؑ کی
یہ صحابی بھی ہیں اور آل بھی پیغمبرؐ کی

مظہرِ لطف و جمال، آئنۂ قہر و جلال — عیدِ والفتح کا ہیں مطلعِ نصرت پہ ہلال
بت شکن، زندقہ و کفر و ضلالت کا زوال — ان کمالات سے ہیں دینِ محمد کا کمال
معنیِ آیۂ بلّغ ہیں یہ پایا دیکھو
جب تو اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم آیا دیکھو

رس ہے خطبوں میں سبھی کے مگر اعجاز نہیں — لبِ قدرت کا ہو شک جس پہ وہ آواز نہیں
لوگ غزوات میں غازی تو ہیں جانباز نہیں — ان کا ہر وصف خدا ساز ہے خود ساز نہیں
شاہِ والنجم سبھی ہیں ماہِ فلک جاہ بھی ہیں
اسد اللہ بھی ہیں، اور مِنَ اللہ بھی ہیں

وہ جلالت کہ دلِ کفر تصور سے ہو شق — دبدبہ وہ ہے کہ طوفان کو آجائے عرق
قہر ایسا کہ ہوں چودہ طبقے ایک طبق — تیغ ایسی کہ دو سرا اور سپرِ وحدتِ حق
جس کے قبضے کو عدو فتح کی آیت سمجھے
جس کی جھنکار کو بھی شورِ قیامت سمجھے

ہمسری کر کے بھی ان کا کوئی ہمسر نہ ہوا — رہ کے دنیا میں کوئی ساقیِ کوثر نہ ہوا
نام جھولے میں کسی شیر کا حیدرؑ نہ ہوا — فتح کتنوں میں کسی ایک سے خیبر نہ ہوا
لائقِ عزت و تعظیم ہمارے سب تھے
ایک کرّار نہیں یوں تو کرارے سب تھے

کس نے پایا ہے یہ اقبال یہ شان و شوکت — دین کہتے ہیں جسے وہ ہے علیؑ کی طاقت
یہ نہ انسان کی ہمت نہ اسد کی جرأت — کوئی فطرسؑ سے تو پوچھے کہ ہے کتنی قدرت
قدسیوں کو بھی مرادوں کے گہر بخشے ہیں
بے پر و بال کو اخلاص کے پر بخشے ہیں

جسدِ شرع ہیں محبوبِ خدا، سر حیدرؑ — خویشِ حیدرؑ ہیں پیمبرؐ کے، برادر حیدرؑ
وادیِ علم کے ہیں شہر نبیؐ، در حیدرؑ — درِ فردوس پہ تحریر ہے حیدرؑ حیدرؑ
ہم نے جنت سے جو پوچھا ترے کیا ہیں حیدرؑ
کھل کے ہر در نے کہا عقدہ کشا ہیں حیدرؑ

دینِ اسلام کے اک عاشقِ جانباز علیؑ   طائرِ علم و عمل کا پرِ پرواز علیؑ
رازِ احمدؐ کا جو مصحف ہے تو ہمراز علیؑ   ایک اعجاز وہ ہے، دوسرا اعجاز علیؑ

فرق اتنا سا ہے قرآن میں اور حیدرؑ میں
وہ پیمبرؐ کے گھر اُترا یہ خدا کے گھر میں

جُز علیؑ کون گراں قدر ہے قرآں کی مثال   اسد اللہ ہوا ہے کوئی کعبے کا غزال
روح بھی، نفس بھی، صنّاعِ مشیّت کا کمال   خود ہیں یہ بدرِ شبِ قدر تو شمشیر ہلال

تیغ کا ان کی جو ماہِ فلک آرا چمکا
بدر میں ملّتِ بیضا کا ستارا چمکا

خلق سے پہلے نہ تھا جب کوئی خالق کا ولی   کس کا تھا نورِ خفی واقفِ اسرارِ جلی
جب محمدؐ تھے فقط اور یہ وصیِ ازلی   غیرِ معبود کہاں تھا کوئی ہستی ہیں علیؑ

ایک تھا نورِ نبیؐ، پرتوِ اکرامِ خدا
اک خدا، ایک یہ ہمنامِ خدا، نامِ خدا

یہ کراماتِ مجسّم ہیں، سراپا اعجاز   شکل آئینۂ قدرت، قدِ بالا اعجاز
خُلق و حلم و کرم و جرأت و تقویٰ اعجاز   علم کے ساتھ عمل کا ہیں یہ گویا اعجاز

شکلِ انساں میں مُشکّل ہے کرامت دیکھو
قاریو! بولتے قرآن کی صورت دیکھو

خاک سے روزِ ازل پیکرِ آدمؑ جو بنا   اُس کی طینت میں بھی شامل تھا یہ دانائے دنیٰ
عجزِ عرفاں سے مَلک کر نہ سکے ان کی ثنا   ہاتھ کانوں پہ دھرے کہہ گئے لَا عِلمَ لَنَا

غیب سے حاصلِ آیاتِ شریفہ آیا
ان کی تمہید میں فی الارضِ خلیفہ آیا

بعد احمدؐ کے ہر اک علم کے ماہر ہیں علیؑ   ترکِ اَولیٰ سے بھی ہیں پاک وہ طاہر ہیں علیؑ
علمِ باطن کے جو عالم ہیں وہ ظاہر ہیں علیؑ   بول اے دُرِّ نجف کانِ جواہر ہیں علیؑ

جس نے مانا ہے انھیں اس نے بھی کیا جانا ہے
صرف اللہ و نبیؐ نے انھیں پہچانا ہے

اللہ اللہ عجب بندۂ مولا ہیں علیؑ   جس کے عارف ہیں نبیؐ آپ، وہ یکتا ہیں علیؑ
اب کہو اور بھلا کیا میں کہوں کیا ہیں علیؑ   بس ہیں والشمس محمّدؐ، وَضُحٰہا ہیں علیؑ
قُل کفا کو جو نہ کافی دَمِ مدحت سمجھیں
فَسَیَکْفِیْکَہُمُ اللہ کفایت سمجھیں

ایک دن محو تھے طاعت میں امام عادل   حسبِ معمول تھے آدابِ عبادت کامل
رعبِ قہّار کی زنجیر میں جکڑا ہوا دل   حق میں مشغول اور اپنے سر و تن سے غافل
اسلحہ جسم سے ٹکرائے اور احساس نہ ہو
پاؤں سے تیر نکل جائے اور احساس نہ ہو

یاں سخی کا تھا یہ عالم اُدھر آتی تھی صدا   مَیں ہوں بھوکا مجھے کھانا کوئی دو بہرِ خدا
کچھ کسی نے نہ دیا جب تو گدا کہہ کے چلا   سائیں اب جاتے ہیں، مولا مرے کر سب کا بھلا
کچھ نہ مسجد سے، بجز نقدِ رضا لے کے چلے
بھیک لینے کو ہم آئے تھے دعا دے کے چلے

گو بظاہر تھے مُصلّے پہ علیؑ جلوہ نما   مگر از راہِ حضوری تھے سرِ عرشِ عُلا
اب وہاں پہنچی جو مسجد سے گدا کی یہ صدا   حق نے الہام کیا، حق کے ولی نے سمجھا
دستِ خالق کے تصرّف میں جو شے تھی بخشی
وارثِ ختمِ رسالت نے انگوٹھی بخشی

اب بھی سمجھے شرفِ نائبِ خاتم نہ اگر   پھر وہ دل ہے خَتَمَ اللہ کا گویا دفتر
ناز کر اپنے نصیبے پہ گدائے حیدرؑ   اِنّمَا کی بھی لگی مُہر ترے محضر پر
اِتنا قیمت میں مِلا مال کہ سلطان ہوا
دی علیؑ نے وہ انگوٹھی کہ سلیمان ہوا

رزقِ کونین کا یہ بار اُٹھانے والے   اپنی روزی کے ہیں خود روز کمانے والے
کھا کے یہ نانِ جویں، خلد لُٹانے والے   ایسے ہوتے ہیں محمّدؐ کے گھرانے والے
ہاتھ خالی ہے مگر علم سے معمور بھی ہیں
حق کے معمار بھی ہیں، باغ میں مزدور بھی ہیں

ہر بشر سے یہ بجز خیرِ بشر ہیں اعلیٰ　　سرمۂ دیدۂ یعقوبؑ ہے خاکِ کفِ پا
اُن کے یوسف کی بہا، چند درم، نامِ خدا　　یہ وہ یوسف کہ فقط نفس کی قیمت ہے رضا
وہ بکے بیچنے والوں کی طلب گاری سے
اِن کو گاہک نے لیا ذوقِ خریداری سے

نفس کی قدر کے عارف ہیں جو میرے مولا　　لے لیا بس وہی خوش ہو کے جو قیمت میں مِلا
ہے مگر کون کھرا داد وستد کا اتنا　　لی رضا، نفس دیا، نقد کیا سب سودا
گو کہ خود یوسفِ بازار ہیں مَنْ یَّشرِی کے
بِک گئے پھر بھی خریدار ہیں مَنْ یَّشتَرِی کے

یہ نہ ہوں گر تو کوئی حق کا منادی ہی نہ ہو　　پھر کوئی طاعتِ معبود کا عادی ہی نہ ہو
یہ نہ پیدا ہوں تو ایسا کوئی ہادی ہی نہ ہو　　دخترِ احمدِ مختار کی شادی ہی نہ ہو
کفو ایسا نہیں پائے کی کسی کی لڑکی
لڑکا اللہ کے گھر کا، تو نبیؐ کی لڑکی

متصلِ سرحدِ واجب سے ہے اِمکانِ علیؑ　　جو کہو بعدِ پیمبرؐ وہ ہے شایانِ علیؑ
ہو سکا اہلِ جہاں سے جو نہ عرفانِ علیؑ　　غُل مچایا کہ غلو کار غلامانِ علیؑ
ہو رسا ذہن جو قرآن کے اک نقطے تک
سر بسر ان کے فضائل ہیں الف سے یے تک

ہاں "الف" سے ہیں یہ اسلام کی نصرت کے اسیر　　"بے" سے بخشش کی ہیں بنیاد، براءت کے بشیر
"تے" سے تقدیس کی تخمیر، تراب تطہیر　　"ثے" سے ثابت ہے ثباتِ قدمِ عرش سریر
"جیم" سے جادۂ ایماں ہیں جماعت کے لیے
"حے" سے ہیں حِصنِ حَصین حق کی حمایت کے لیے

"خے" سے خالق کے خلیفہ، خلفِ خیرِ ورا　　"دال" سے دعوتِ حق، دافعِ غم، دفعِ بلا
"ذال" سے ذی حشم و ذی شرف و ذکرِ ذکا　　"رے" سے ہیں رحمتِ رب، "زے" سے زعیمِ زعما
"سین" سے سایۂ حق ساقیِ کوثر حیدرؑ
سرورِ دیں ہیں جسد، سر ہیں سراسر حیدرؑ

"شین" سے شیرِ خدا اور شریکِ شہدا   شفقتِ شافعِ محشر سے شفیعِ دوسرا
"صاد" سے صاد کی سورت، صمدیت کی صدا   صابر و صادق و صدّیق، بصد صدق وصفا
"ضاد" بولا انھیں ضرغامِ وغا بھی کہیے
ضاالّیں چیخ اُٹھے ضربِ خدا بھی کہیے

"طا" سے ہیں طنطنۂ طلعتِ طورِ سینا   طُرّحِ انداز و طرفدارِ طریقِ طاہا
طیّب و طاہر و طغریٰ کشِ طیب و طوبیٰ   "ظا" سے ظاہر ہے ظفریاب ہے یہ ظلِّ خدا
"عین" سے عینِ خدا، علمِ ابوطالبؑ ہیں
"غین" کا غُل ہے کہ یہ غالبِ ہر غالب ہیں

"فے" سے فاروق بھی، فارق بھی ہیں فرقان بھی ہیں   فاتحؔ و فاتحہ بھی، فتح کا فرمان بھی ہیں
فضل بھی، فیض بھی، فیّاض بھی، فیضان بھی ہیں   "قاف" سے شور ہے تا قاف کہ قرآن بھی ہیں
قابَ قوسین میں قیّوم کی قدرت ہیں علیؑ
قُلْ ھواللّٰہ احَد کا قد و قامت ہیں علیؑ

"کاف" سے کاسرِ اصنام و کریم و کرار   "لام" سے لہجۂ قوسین و لبِ حق گفتار
"میم" سے ملّتِ مرحوم کے مالک، مختار   "نون" سے نعمتِ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ بکنار
ہر قدم "واو" کا نعرہ ہے کہ اے واہ علیؑ
"ہے" سے ہادی ہیں علیؑ "یے" سے یداللہ علیؑ ؎

ان فضائل سے ہے آراستہ یہ ذاتِ سعید   جب تو خاصانِ خدا کہتے ہیں مولا کو وحید
اک یہ ادنیٰ سی فضیلت ہے دو عالم سے مزید   کعبۃ اللہ کے مولود ہیں، مسجد کے شہید
جشنِ میلاد رچا ربِّ ہدا کے گھر میں
پھر ہوا آپ کا ماتم بھی خدا کے گھر میں

آگئی یاد وہ انیسویں ماہِ رمضاں   سحرِ غم اثرِ رحلتِ مولائے زماں
تھا میسر جو نہ گھر میں سحری کا ساماں   پی کے پانی کا بس اک جام اٹھے بہرِ اذاں
رکھ کے روزے پہ جو روزہ شہِ ذی جاہ چلے
تیغ کھانے کو جنابِ اسداللہ چلے

؎ اگر شہادتِ امیرالمومنینؑ کی بجائے کربلا کے مصائب پڑھتا ہوں تو اس بند کے بعد صفحہ ۲۲۹ پر ضمیمہ پڑھیے جو ساقی نامہ سے شروع ہوتا ہے۔

در کے پاس آئے تو کلثوم سے بولے اک بار زیست کا کوئی بھروسا نہیں میری دلدار
چند طائر جو یہ گھر میں ہیں انیس و غم خوار ہم تمھیں سونپ کے جاتے ہیں، تم ان سے ہشیار
بے زباں ہیں انھیں دل سے نہ بھلانا بیٹی
خود نہ کھانا انھیں دو وقت کھلانا بیٹی

ہائے حیوانوں کا یہ پاس ہو جس کو یہ خیال تین دن آب و غذا پائیں نہ اُس کے اطفال
فوج سیراب ہو اور پیاس سے بچے ہوں نڈھال برچھیاں بھوک میں کھائیں اسداللہ کے لال
ایک قطرہ بھی دمِ مرگِ جوانی نہ ملے
سامنے نہر ہو، بے شبر کو پانی نہ ملے

پیشوائی کو جو ہر گام اجل تھی ہمراہ شوق میں وصلِ الٰہی کے بڑھے شیرِ الٰہ
لائے مسجد میں جو تشریف امامِ ذی جاہ منہ سے بے ساختہ فرمایا کہ اِنَّا لِلّٰہ
شہ کی تعظیم کو ہر زاہد و دیندار اٹھا
ابنِ ملجم بھی چھپائے ہوئے تلوار اٹھا

دی اذاں شہ نے صفیں جمنے لگیں بہرِ نماز طاعتِ صبح میں مشغول ہوئے شاہِ حجاز
آخری سجدے میں جس وقت جھکا فرقِ نیاز تھرتھرا کر یہ دمِ ذکر پکاری آواز
کہیں طاعت کو امامِ ازلی چھوڑیں گے
دم بھی ٹوٹے گا تو نیت یہ نہیں توڑیں گے

زہر آلودہ وہ تیغ اور وہ یداللہ کا سر یہ جفا طاعتِ معبود میں اللہ کے گھر
رو کے جبریلؑ نے آواز یہ دی گردوں پر رو ؤ لے امتیو، ہو گئے زخمی حیدرؑ
سجدۂ رب میں امامِ ازلی کو مارا
اک جفا کار نے سجدے میں علیؑ کو مارا

سُن کے جبریل کی فریاد اٹھا شورِ بکا خانۂ فاطمہؑ زہرا میں ہوا حشر بپا
جد کے روزے کی طرف مڑ کے یہ زینبؑ نے کہا نانا جاں آپ کی اُمت نے ہمیں لُوٹ لیا
کس سے غربت میں کہوں عقدہ کشائی کے لیے
میں وہیں قبر پہ آتی ہوں دُہائی کے لیے

مسجدِ کوفہ میں پہنچی جو یہ پُر درد صدا   بولے شبّرؑ سے یہ شبیرؑ کہ پیارے بھیّا
لے کے بابا کو چلو جلد سوئے بیتِ عزا   کہیں سر پیٹ کے مر جائیں نہ بہنیں دُکھیا
گھر کی جانب سے جو اس وقت ہوا آتی ہے
ہائے بابا کی ہر اک بار صدا آتی ہے

رو دیا کہہ کے جو یہ فاطمہؑ کا نور العین   کھول دیں آنکھیں ید اللہ نے ہو کر بے چین
بھر کے اک آہ پکارے یہ شہِ بدر و حنین   عرش ہلتا ہے نہ رو اے مرے مظلوم حسینؑ
صبر کرنے کا ہے لازم تجھے شیوا پیارے
تو جواں لال کو بھی رو نہ سکے گا پیارے

خوں بھرے ہونٹوں سے سُن سُن کے یہ باتیں جانکاہ   وا علیّاہ کا مسجد میں اٹھا غل ناگاہ
لے کے زندہ کے جنازے کو بصد نالہ و آہ   گھر کو سبطین چلے اہلِ عزا کے ہمراہ
پاؤں شبّرؑ نے تو شبیرؑ نے سر کو تھاما
بڑھ کے عباسؑ نے بابا کی کمر کو تھاما

آہیں بھرتا تھا کوئی، پیٹ رہا تھا کوئی سر   ہائے آقا کوئی کہتا تھا، کوئی ہائے پدر
گھر کے نزدیک جو پہنچے تو یہ بولے حیدرؑ   میرے اصحابِ الوالعزم سے کہہ دو شبّرؑ
گھر کو سب جائیں نہ ڈیوڑھی کے قریں آئے کوئی
بی بیاں روئیں گی آواز نہ سُن پائے کوئی

یا علیؑ آپ کو پردے کا تھا جن کے یہ پاس   کربلا میں وہی ناموس کھڑے تھے بے آس
سر کھلے، ہاتھ بندھے، خاک بسر، عالمِ یاس   علی اکبرؑ تھے نہ شبیرؑ نہ سر پر عباسؑ
پشتِ مجروح سے اک خوں کی ندی جاری تھی
بازوؤں میں تھی رسن، قید کی تیاری تھی

کربلا میں یہ مظالم جو ہوئے عترت پر   ان کی تمہید تھی زخمِ سرِ پاکِ حیدرؑ
گھر میں لائے جو ید اللہ کو مسجد سے پسر   بیٹیاں خاک پہ غش کھا کے گریں پیٹ کے سر
جن و حور و ملک وارض و سما روتے تھے
فاطمہؑ روتی تھیں، محبوبِ خدا روتے تھے

جلد جرّاح کو لائے جو بُلا کر رفقا روديا ديکھ کے وہ زخمِ سرِ شاہِ ہدا
جھک کے آہستہ جو کچھ کان میں شبّرؑ سے کہا پوچھا شبیرؑ نے کیا کہتا ہے یہ مردِ خدا
رو کے بولے کہ یتیمی کی خبر دیتا ہے
ہائے مرہم کے عوض دردِ جگر دیتا ہے

ناگہاں لایا جو قاتل کو پکڑ کر کوئی بازوؤں میں تھی رسن، درد سے رونا تھا شقی
بولے یہ دیکھ کے شبیرؑ سے خالق کے ولی تم کو زینبؑ کی قسم کھول دو بازو جلدی
کھُل گئے حکمِ علیؑ سے ستم ایجاد کے ہاتھ
ہائے مقتل میں بندھے آپ کی اولاد کے ہاتھ

قید خانے میں نظر بند ہوا قاتلِ شوم سو گئے فرطِ نقاہت سے امامِ مظلوم
کھول دی آنکھ دمِ ظہر کہ یہ تھے معصوم وقتِ افطار ہوئیں حاضرِ خدمت کلثومؑ
عرض کی لائی ہوں شربت شہِ عادل کے لیے
بولے شہ بھیج دو پہلے مرے قاتل کے لیے

آب سے کر کے پھر افطار کیا شکرِ خدا محوِ خالق کی عبادت میں رہے تا بہ عشا
تا جبیں زخم تھا، سجدہ نہ ہوا پھر بھی قضا شب جو اکیسویں آئی تو ہوا حشر بپا
ہاتھ تکبیر کو اُٹھتے ہوئے تھرّانے لگے
دم بدم زینبؑ و کلثومؑ کو غش آنے لگے

اب تصوّر ہے مرا اور وہ غضب کا منظر بیٹیاں، مادرِ عبّاسؑ، کنیزیں، دلبر
آپ کے چاروں طرف بیٹھ گئے سب آ کر بولے کلثومؑ سے مولا کہ مری لختِ جگر
کُل اماناتِ شہنشاہِ عرب لے آؤ
جو بزرگوں کے تبرّک ہیں وہ سب لے آؤ

وہ اُٹھا لائیں یہ ساماں جو بصد آہ و بُکا اُٹھے شبّرؑ کے سہارے سے امامِ دوسرا
مثلِ دستارِ شرف جامہ و قرآن اپنا حسنؑ پاک کو مولاؑ نے عطا فرمایا
جس کے جو چیز تھی شایاں وہ اسی کو بخشی
اپنی تلوار حسینؑ ابنِ علیؑ کو بخشی

اک مصلّا تھا وہ کلثوم کو دے کر یہ کہا — جب جواں ہو مرا عابدؑ تو اسے دے دینا
اک یہ مشکیزہ ہے شبیرؑ کی اُس بیٹی کا — جو بنائے گی چچا جان کو سقّا اپنا
اپنے بچّوں سے سوا چاہے گا عبّاسؑ اُسے
یہ اُسے دیکھیو تڑپائے گی جب پیاس اُسے

وہیں نزدیک رکھا تھا علمِ فوجِ الٰہ — جا پڑی اس پہ نظر روئے امامِ ذیجاہ
دیکھ کر پھر سوئے عباسؑ بحالِ جانکاہ — بولے شفقت سے قریب آؤ مرے غیرتِ ماہ
پاس آئے تو پھریرے کو علم کے چوما
دونوں شانوں کو پھر اس اہلِ ہمم کے چوما

روکے فرمایا میں قربان مرے لختِ جگر — کچھ خبر ہے تمھیں، تم کس کی دعا کا ہو اثر
ہم پئے نصرتِ شبیرؑ بہت تھے مضطر — تب ہمیں حق نے دیا تم سا جگر دار پسر
بھائی کی چاہ میں حد کیجیو غم خواری کی
دھوم مچ جائے زمانے میں وفاداری کی

گھیر لے گی مرے شبیرؑ کو فوجِ اعدا — نام اُس جنگ کا ہے معرکۂ کرب و بلا
تم اُٹھاؤ گے مری جاں علمِ فوجِ خدا — ہم بھی آئیں گے زیارت کو تمھاری بیٹا
لاش پر بنتِ نبی اشکوں سے منہ دھوئیں گی
فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے تمھیں روئیں گی

دل ہے بے چین کہ ہم دیکھتے وہ منظرِ غم — ہاں حسینؑ ابنِ علیؑ بھائی کو دیدو یہ علم
اُٹھے شبیرؑ کمر تھام کے با دیدۂ نم — رکھ دیا دوش پہ عباسؑ کے رایتِ محتشم
بولے حیدرؑ، میں فدا اے مرے غمخوارِ حسینؑ
تجھ پہ بابا کا سلام آہ علمدارِ حسینؑ

دیکھ کر مادرِ عباسؑ یہ پُر درد سماں — بولیں بیٹے سے مرے لال میں تجھ پر قرباں
بھول جانا نہ پدر کی یہ وصیت مری جاں — ورنہ پھر یاد رہے دودھ نہ بخشے گی یہ ماں
مستعد خدمتِ شبیرؑ میں رہنا بیٹا
ان کو آقا کے سوا بھائی نہ کہنا بیٹا

یادِ عاشور میں رونے لگے سب اہلِ عزا ۔۔۔ گھر میں حیدرؑ کے ہوئی مجلسِ شبیرؑ بپا
دل جو ٹھہرا تو پکارے یہ امامِ دوسرا ۔۔۔ آؤ زینبؑ مرے نزدیک، وہ آئیں تو کہا
اپنی اماں کی رِدا بڑھ کے اُٹھالو بی بی
خاص حِصّہ یہ تمھارا ہے سنبھالو بی بی

وہ تو رونے لگیں ہے ہے مری اماں کہہ کر ۔۔۔ اُٹھ کے کلثومؑ نے خواہر کو اُڑھائی چادر
کیا خدا جانے علیؑ کو نظر آیا منظر ۔۔۔ دیکھا زینبؑ کو۔ پھری جانبِ شبیرؑ نظر
پھر تو اک لفظ بھی کہنے کی نہ مہلت پائی
غُل ہُوا حیدرِؑ صفدر نے شہادت پائی

بیٹیاں سینہ و سر پیٹ کے کرنے لگیں بَین ۔۔۔ غش ہوئیں مادرِ عباسؑ دمِ شیون و شین
خاک بالوں میں بھری ہو کے حسنؑ نے بے چین ۔۔۔ ہِل گئی قبرِ نبیؐ روئے تڑپ کر جو حسینؑ
آج کوفے میں جو آغازِ بلا ہوتا تھا
کربلا خاک اُڑاتی تھی نجف روتا تھا

بال بکھرا کے یہ تھا زینبؑ مضطر کا بیاں ۔۔۔ ہائے ہم کس کے سہارے یہ جئیں بابا جاں
دیس غیروں کا ہے نانا ہیں نہ اماں ہیں یہاں ۔۔۔ چھوڑ کر کوفے میں تنہا ہمیں جاتے ہو کہاں
سب ہیں بیگانے نہیں ایک یگانہ بابا
دشمنِ آلِ پیمبرؐ ہے زمانہ بابا

بہرِ نصرت رہے یہاں کون بتاتے جاؤ ۔۔۔ پڑھ کے قرآن پھر آواز سُناتے جاؤ
میرے سجّاد کی شادی تو رچاتے جاؤ ۔۔۔ ختم ہے اب رَمَضاں عید مناتے جاؤ
عام، کل شہر میں تہوار کا ساماں ہوگا
گھر میں زینبؑ کے مگر باپ کا دسواں ہوگا

مرثیہ ختم ہے کر شکر نسیمؔ خوش ذات ۔۔۔ اب رقم کر سنِ تصنیف کہ ہو شمعِ حیات
اِمتحاں کا الف[۱] اُٹھ کر یہ پکارا حق بات ۔۔۔ "ایک سو چودہ احادیث اور اکیس آیات"

۱۳۴۹ - ۱ = ۱۳۴۸ھ

بات کی بات بھی تاریخ کی تاریخ بھی ہے
دلِ حاسد کے لیے خنجرِ مریخ بھی ہے

۱ مادۂ تاریخ سے الف کا تخرجہ

ضمیمہ

صفحہ ۲۲۷ کے چوتھے بند سے مربوط

واہ کیا خوب یہ مدحت ہے نسیمِ خوش ذات — لکھ یہیں اب سنِ تصنیف کہ ہو شمعِ حیات
امتحاں کا الف اُٹھ کر یہ پکارے حق بات — ایکؔ سو چودہ احادیث اور اکیس آیات
بات کی بات بھی تاریخ کی تاریخ بھی ہے
دلِ حاسد کے لیے خنجرِ مریخ بھی ہے

ساقیا اب تو ذرا چشمِ کرم ہو جائے — وہ پلا جو عوضِ تلخیِ غم ہو جائے
چشمۂ فیض رواں وقتِ رقم ہو جائے — جس کی اک بوند دو عالم کا بھرم ہو جائے
عالمِ ہوش میں گُم ہیں مرے ہوش اے ساقی
آ گئی سرحدِ فیضانِ خموش اے ساقی

وہ پلا جس سے گروہِ فقہا ہے سرشار — بزمِ ناصر[1] میں جسے پیتے ہیں اربابِ وقار
دورِ آقا[2] میں غلامانِ علیؑ تھے میخوار — مست تھا سیّد باقر[3] سا فقیہِ دیں دار
جس کو پی کر نہ فقط بخت ہمارا چمکا
نجمِ[4] ملت کی بھی قسمت کا ستارا چمکا

وہی مے عالمِ غیبت میں جو اک شانِ ظہور[5] — بادۂ بوالحسنی[6]، دیدۂ ہادی[7] کا شعور
وہی صہبا، ترے دلدار[8] بھی جس سے مخمور — تھی جو حامد[9] کے لیے حمدِ خداوندِ غفور
ہندیوں کو جو محقق[10] نے پلائی وہ شراب
مفت جو حضرتِ مفتی[11] نے لٹائی وہ شراب

---

[1] ناصر الملت مولانا سید ناصر حسینؒ۔ [2] قدوۃ العلما مولانا سید آقا حسنؒ۔ [3] باقر العلوم مولانا سید محمد باقرؒ۔ [4] نجم الملت مولانا سید نجم الحسنؒ۔ [5] ظہور الملت مولانا سید ظہور الحسنؒ۔ [6] مولانا سید ابو الحسنؒ۔ [7] مولانا سید محمد ہادیؒ۔ [8] مولانا سید دلدار علی غفرانمآبؒ [9] مولانا سید حامد حسینؒ [10] مولانا سید محمد حسینؒ [11] مفتی سید محمد عباسؒ

ے ۱۳۴۹ - ۱ (امتحان کے الف کا) = ۱۳۴۸ھ

وہی محفل، وہی بادہ، وہی جام و مینا — جس سے تھیں سیدِ نوری[۲] کی نگاہیں بینا
صدر، صدرا[۳] کا اسی شیشے سے تھا آئینا — بوعلی[۴] کا صفتِ طور تھا روشن سینا

وہی مے روح جو ہے جذبۂ ملّی کے لیے
حلِّ مشکل تھی جو علامۂ حلّی[۵] کے لیے

آل کے گھر کا وہی بادۂ قرآن مجید — مجلسی[۶] کرتے تھے جس کی سرِ مجلس تاکید
محفلِ باقرِ[۷] داماد میں تھی جس کی دید — تھا مفید اتنا کہ پیتے تھے جسے شیخ مفید[۸]

وہی شربت مرضِ جہل کا جو شافی تھا
وہی شربت جو کلینی[۹] کے لیے کافی تھا

کیوں نڈر ہو کے یہ مے اب نہ پییں مے آشام — کہہ گئے شیخ صدوق[۱۰] اس کو صداقت انجام
خود بتحقیق محقق[۱۱] نے بھی پی جام بجام — مرتضیٰ[۱۲] کو بھی پسند آگئی ایسی گلفام

ہے یہ وہ نور کی مے جس پہ فدا قاضی[۱۳] تھے
وہی صہبائے رضا جس سے رضی[۱۴] راضی تھے

وہی مے جس کے سبھی رند تھے پیاسے، پہلے — بزمِ اصحاب تھی میکش علما سے پہلے
جب ملی احمدِ مرسل کو خدا سے، پہلے — قاسمِ خلد نے پی شاہ و گدا سے پہلے

تھا عجب دَور، کشاکش نہ کوئی فِتنا تھا
اُتنی مِل جاتی تھی مے ظرف جہاں جتنا تھا

دیں میں کامل ہوئے یہ جام ابوذر پی کر — زیبِ قرآں ہوئے عمار یہ ساغر پی کر
پائے ساقی میں جگہ پا گئے قنبر پی کر — کِتنے ایسے بھی تھے بہکے جو مکرر پی کر

یوں تو پینے کو یہ ایک ایک مسلمان نے پی
ہو گئے اہل کچھ اس شان سے سلمانؓ نے پی

۲؎ علامہ نوریؒ ۳؎ ملا صدراؒ ۴؎ بوعلی سیناؒ ۵؎ علامہ حلیؒ ۶؎ ملا باقر مجلسیؒ ۷؎ علامہ باقر دامادؒ ۸؎ شیخ مفیدؒ
۹؎ یعقوب کلینیؒ ۱۰؎ شیخ صدوقؒ ۱۱؎ صاحب شرائعؒ ۱۲؎ سید مرتضیٰؒ علم الہدیٰ ۱۳؎ قاضی نور اللہ شوستریؒ (شہید ثالث) ۱۴؎ سید رضیؒ
(جامع نہج البلاغہ)

وہی بادہ جسے مکیؐ مدنیؐ پیتے تھے　　بزمِ حیدرؑ میں شجاعت کے دھنی پیتے تھے
حِلم کے جام میں بھر کر حسنیؑ پیتے تھے　　ہر جگہ حسبِ محل پنجتنی پیتے تھے
کیف ہر دَور میں یکساں تھا خدا والوں کا
جوش لیکن تھا جُدا کرب و بلا والوں کا

بھول سکتا نہیں منّانِ ولا کا یہ حال　　بھوک اور پیاس کی شدّت میں مصائب وہ کمال
زخمِ تن، داغِ جگر، جنگ، غمِ اہل و عیال　　قدم صبر سے ماں باپ کی فطرت پامال
نوکِ خنجر سے ہر اک دل کی گرہ کھلتی تھی
اِن بلاؤں کی ترازو میں وفا تُلتی تھی

وہ اُدھر فوج سے تیروں کی سراسر بوچھار　　وہ اِدھر جان فدا کرنے کو پیاسے تیار
بزمِ ساقی کے تحفظ میں بصد صبر و وقار　　سینے رکھ دیتے تھے نیزوں پہ ولا کے میخوار
بوڑھے بیتاب کہ جلدی سوئے مقتل جائیں
اس پہ مچلے ہوئے بچّے کہ ہم اوّل جائیں

تھے بہت شوقِ شہادت میں جو غازی دلگیر　　بڑھ کے کھانے لگے تیغ و تبر و خنجر و تیر
سیر چشمی سے لُٹانے لگے گھر کو شبیرؑ　　دودھ کی فاطمہ زہراؑ کے یہی تھی تاثیر
ساتھ آئے تھے جو گھر سے وہ مسافر نہ رہے
دوست بچپن کے حبیب ابنِ مظاہر نہ رہے

ناز تھا جن پہ رفاقت کو وہ یاور بچھڑے　　نوجوانوں کے سوا چند گلِ تر بچھڑے
زوجۂ مسلمِ مظلوم کے دلبر بچھڑے　　عَون سے شیر، محمدؐ سے دلاور بچھڑے
غنچہ لب ذبح ہوئے، خوں سے زمیں لال ہوئی
لاش تک قاسمِ ناشاد کی پامال ہوئی

کون سہ سکتا ہے وہ ظلم جو صابر نے سہا　　پاسِ خود داریِ جذبات ہر اک غم میں رہا
سامنے آنکھوں کے خوں قوتِ بازو کا بہا　　تھام لی صرف کمر، وا اَسفا تک نہ کہا
کٹ گئے ہاتھ، نہ تھرائے مگر پائے حسینؑ
عَلم و مشک ترائی سے اٹھا لائے حسینؑ

ہائے غربت میں بچھڑ جائیں وہ نازوں کے پلے　　　جو نہالِ چمنِ حسن نہ پھولے نہ پھلے
مائیں دم توڑتے دیکھا کریں اور بس نہ چلے　　　باپ دل تھام کے رہ جائے پھپھی ہاتھ ملے
کس نے یہ گردشِ گردوں کا تماشا دیکھا
بیاہ کے بدلے جواں لال کا لاشا دیکھا

غم سے ٹوٹی ہوئی تھی گو کہ مسافر کی کمر　　　لاش پیری میں جواں مرگ کی لے آئے مگر
یا علیؑ، شیرِ خدا، فاتحِ بابِ خیبر　　　آپ اشجع ہیں کہ یہ آپ کا مظلوم پسر
میں بھی اک بات کہوں اب جو ہے ثابت مولا
دَر نہیں، یہ ہے جواں بیٹے کی میت مولا

۱۹۲۳ء

میرا سب سے پہلا مرثیہ

جس میں پہلی بار اصلاح قوم اور تعمیر ملت کے رجحانات (جو حسینیت کی رُوح ہیں) شامل مرثیہ کیے گئے

تجھ میں اے باغِ وطن اب گُل خوش رنگ نہیں — کس روش پر گل و بلبل میں یہاں جنگ نہیں
تن پہ کس غنچے کے ہستی کی قبا تنگ نہیں — ٹھٹھے ہیں وہی ماضی کے وہ اور نگ نہیں
آنکھ باوصف تکدر جدھر اُٹھ جاتی ہے
فقر کی شاہیِ بے ملک نظر آتی ہے

ہائے کیسی یہ ہوا میرے گلستاں میں چلی — کوئی بے داغ شگوفہ ہے نہ گل ہے نہ کلی
ہر طرف بے عملی بے عملی بے عملی — دھوپ بھی سرد مزاجی کے ہے سانچے میں ڈھلی
تھا جو سرمایۂ اسلاف وہ سب کام آیا
آفتاب آج ریاست کا لبِ بام آیا

میں ہوں یا اور جوانانِ فہیم و عاقل — علم و فن کے ہیں نہ طالب نہ ہنر پہ مائل
سب کے سب کسبِ معیشت کی طرف سے غافل — ہیں فقط ایک فنِ بے ہنری میں کامل
جورِ گردوں کے ستائے ہوئے فریاد میں ہیں
یہ وہ مظلوم ہیں جو عدل[1] کی اولاد میں ہیں

از رہِ نام و نسب ہیں نقوی اور تقوی — ماشاء اللہ کوئی ان میں غبی ہے نہ غوی
جودتِ فکر کو ذہنوں سے ہے وہ ربطِ قوی — قافیے کے لیے جس طرح ضروری ہے رَوی
کسبِ روزی کا مگر نام نہیں لیتے ہیں
چیز موجود ہے اور کام نہیں لیتے ہیں

پختہ کاروں کے سُنے کوئی خیالات یہ خام — دستکاری کو تجارت کو سمجھتے ہیں حرام
کوئی پوچھے جو سبب، کہتے ہیں یہ بر سرِ عام — شانِ سادات کے شایاں نہیں یہ ادنیٰ کام
جیتے جی اب تو یہ آثار ہیں سب مرنے کے
فاقے کر لیں گے، مگر کام نہیں کرنے کے

---

[1] میر عدل جو دورِ اکبر اعظم میں سندھ کے قاضی اور سادات امروہہ کے مورث تھے۔

ان غیوروں کو یہ سمجھائے کوئی عزت دار   جو کبھی فن شرع کی حد میں ہو نہیں موجبِ عار
جد ہمارے جو براہیم نہ ہوتے معمار   کون پھر خانۂ کعبہ کی اٹھاتا دیوار
ہیزمِ خشک کلیمِ صمدی چنتے تھے
نوح نجّار تھے، داؤد زرہ بنتے تھے

دور کیوں جاؤ چلو احمد مختار کے گھر   آب پاشی کا کیا کام علی نے دن بھر
جَو، جو اجرت میں ملے گھر میں وہ لائے حیدر   فاطمہ نے انہیں کس شوق سے پیسا اٹھ کر
حیف شرم آئے ہمیں محنت و مزدوری سے
آسیا فخر کرے جس پہ وہ چکی پیسے

جو بزرگ آئے ہیں مجلس میں کریں مجھ کو معاف   میرا کیا منہ ہے جو اک حرف کہوں اِن کے خلاف
زندگی داغِ تصنّع سے رہی اِن کی صاف   وقت و ماحول کی دمساز، ز روئے انصاف
مختلف اِن سے ہمارا ہے فسانہ کچھ اور
اور تھا ان کا زمانہ، یہ زمانہ کچھ اور

اِن کے وقتوں میں تفوق تھا زمینداری سے   آج عزت ہے جوانمردی و پُرکاری سے
عصرِ نو آتا ہے کس دھوم کی تیاری سے   دن تو دن رات کبھی غافل نہیں بیداری سے
فکر ماضی کی، سوئے ملکِ عدم جاتی ہے
لے کے پیغام خزاں تازہ بہار آتی ہے

گھر گھراتے ہیں قدامت کے فلک بوس محل   گھر کے آئے ہیں تجدُّد کے بھیانک بادل
سنبھل اے رہروِ گم گشتۂ ایام سنبھل   ہر قدم اک نئی آفت ہے ذرا دیکھ کے چل
چھپ کے بیٹھا ہے تری گھات میں دشمن تیرا
کہیں کانٹوں میں الجھ جائے نہ دامن تیرا

سیلِ آفات کی زد میں ہے نظامِ ہستی   خونِ اوہام سے لبریز ہے جامِ ہستی
من چلے شیروں کا طالب ہے دوامِ ہستی   موت کے ہونٹوں پہ ہے آج پیامِ ہستی
وہی زندہ ہے جو کچھ کام یہاں کر جائے
اس میں مرنے کی ضرورت ہو تو پھر مر جائے

سہل ہے اس کے لیے منزلِ سنگینِ حیات — جس کے قدموں کی ودلیت ہو پہاڑوں کا ثبات
شعلۂ غم سے فقط، موجب تکمیلِ صفات — آگ میں تپ کے نکھر جاتی ہے فولاد سی دھات

جی گیا وہ جو قتیلِ غمِ ایام ہوا
کام سے کام رہا ، کام ہوا ، نام ہوا

عالمِ نزع میں ہے ماضی و حاضر کا نظام — زیرِ شمشیر تڑپتی ہوئی دنیا کو سلام
دامنِ کلفت و غم میں ہے دوامی آرام — شبِ تاریک کے ہونٹوں پہ سحر کا ہے پیام

روح کو خواب سے بیدار کریں گے ہم بھی
عزم اور عزم علمدار کریں گے ہم بھی

یہ اگر سچ ہے کہ ماضی ہے متاعِ عزت — کم نہیں اپنی روایاتِ کہن کی عظمت
سبب ناز مورخ کو ہماری مدحت — ہم نے تاریخ کو بخشی ہے دوامی شہرت

ہم ہیں اصنام کی ہستی کے مٹانے والے
ہم ہیں چولیں درِ خیبر کی ہلانے والے

ہم ہیں عرفان و حقیقت کے پرستاروں میں — کلمہ ہم نے پڑھا تیغوں کی جھنکاروں میں
سر جھکایا نہ کبھی ظلم کے درباروں میں — انتہا یہ کہ چنے بھی گئے دیواروں میں

سبز یہ باغ ہوا ذوقِ نمو سے اپنے
ہم نے اسلام کو سینچا ہے لہو سے اپنے

بن کے سیلاب جو پھرپوں رہ ہستی ہیں رواں — غرق ہو ظلم کا بیڑا وہ تلاطم ہو عیاں
ہاں دلیرو وہ تمہیں گھور رہا ہے طوفاں — جس کے سینے پہ ہیں قوموں کے سفینے لرزاں

اک تھپیڑا جو کہیں دو، ابھی پتواروں کا
پھر کے رہ جائے گا منہ بھرے ہوئے دھاروں کا

اب اسی قوم کے جم سکتے ہیں میداں میں قدم — جز خدا غیر کی ڈیوڑھی پہ نہ سر جس کا ہو خم
ولولہ دل میں ہو اور دوش پہ ہمت کا علم — قوتِ بازوئے عباس دلاور کی قسم

امتحاں لاکھ ہوں ، پروا دم پرواز نہیں
کربلا زندہ حقیقت ہے کوئی راز نہیں

کربلا دور نہیں تم سے، اٹھاؤ تو نظر   کربلا سامنے موجود ہے، دیکھو تو اُدھر
وہ شبیں ظلم و ستم کی وہ بھیانک منظر   سہما سہما سا وہ جھرمٹ میں ستاروں کے قمر
چاندنی زرد تھی گردوں کی ردا کالی تھی
شام کے اتنے تھے لشکر کہ فضا کالی تھی

مضطرب سی تھی جو ہر چیز تو خاموش سی رات   ڈر کے لپٹی ہوئی ساحل سے ہر اک موجِ فرات
زعمِ کثرت میں وہاں مست سپاہ بدذات   یاں اُقلیّت پُرعزم اور اللہ کی ذات
بہمہ خیل و حشم خوف اُدھر طاری تھا
ہر جوانمرد ہزاروں پہ اِدھر بھاری تھا

محوِ سامانِ وغا میں تھا اُدھر لشکرِ شوم   حق پہ نازاں اِدھر انصارِ امامِ مظلوم
اُن میں کچھ ایسے جنھیں رازِ مشیت معلوم   بعض وہ بھی جو رہے نصرتِ حق سے محروم
شوق سے چند ہی تیغوں کے تلے آئے تھے
وہ ہزاروں تھے جو بے عزم چلے آئے تھے

منحصر فتح جو کثرت پہ سمجھتے شبیر   خود نہ کہتے کہ پلٹ جائے یہ سب جمِّ غفیر
روزِ ہفتم سے کئی بار یہی کی تقریر   دوستو یاں مری گردن پہ چلے گی شمشیر
تم نہ مقتل میں رکو خون میں بھرنے کے لیے
ہم یہاں آئے ہیں اسلام پہ مرنے کے لیے

ہم کو درپیش ہے بن میں سفرِ ملکِ عدم   تم عبث ہوتے ہو غربت میں گرفتارِ الم
تھی شبِ قتل کہ یہ صاف کہا دے کے قسم   اب تو جاؤ کہ شفاعت کے ہوئے ضامن ہم
گو ہمارے لیے یہ رات ہے معراج کی رات
تم سبکدوش ہو بیعت سے مگر آج کی رات

ساتھیوں سے یہی ہر دم جو کیا شہ نے کلام   چھوڑ کر دشت کو جاتے رہے لشکر کے عوام
رہ گئے قتل کی شب چند جو تھے خاص غلام   دور پہنچے وہ سحر تک جو چلے تھے سرِ شام
نہ وہ جمگھٹ نظر آئے نہ وہ لشکر نکلے
دن جو نکلا تو کُل انصار بہتّر نکلے

رخ سے آنچل جو ہٹانے لگی سلمائے سحر — اختر سعد نے چوما رُخ زیبائے سحر
شکل خورشید میں ابھری جو تمنائے سحر — چشم کونین ہوئی محو تماشائے سحر
چھوڑ کر اہل زمیں بستر خواب اٹھنے لگے
آنکھیں ملتے ہوئے دریا میں حباب اٹھنے لگے

شانہ مہر نے سلجھائے جو گیسوئے سحر — تاج زریں سے ضیا بار ہوا روئے سحر
شاخ گل کی وہ کجی زینت ابروئے سحر — مشکِ شب جس سے ہو کافور وہ خوشبوئے سحر
خاک پر پھول کھلے چرخ پہ تارے ڈوبے
باغ پر اُس کے پڑی اوس، ستارے ڈوبے

آئی گلشن میں لہکتی جو نسیم سحری — پھول پھولے نہ سمائے، ہوئی ہر شاخ ہری
چاندنی اٹھی تو غنچوں نے کیا فرش زری — نور پھیلا کوئی چمکا جو عقیقِ شجری
شجر طور کا ہر نخل ہیں جلوا دیکھا
دور سے چھپ کے ستاروں نے تماشا دیکھا

وہ ہراک موج ہوا کاکل پیچانِ بہار — طوق وہ قمریوں کے حلقۂ زندانِ بہار
وہ ترانے وہ ترنگیں وہ سخندانِ بہار — وہ مزہ وہ نمکینی وہ نمکدانِ بہار
سبز پتوں میں شگوفہ یہ نیا تو دیکھو
حسن میں ان کے نمک ہے یہ مزا تو دیکھو

سحر نور فشاں کو رُخ لیلا کہیے — مہر کو طالع لیلا کو ستارا کہیے
شفق سرخ کو خون دلِ شیدا کہیے — کانپنا کہتا ہے مجنوں کا کلیجا کہیے
خوب لیلا نے دلِ عاشقِ شیدا کھینچا
خون دل بھی نکل آیا جو کلیجا کھینچا

اختلاط گل و بلبل جو طبیعت پہ ہے بار — ہے سناں تانے ہوئے پہلوئے گل میں ہر خار
اک نیا فوج دفاعی کا ہے دستہ تیار — پھول باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گلابی دستار
نگراں دیدۂ نرگس ہے جو ہشیاری سے
گل عباس ہے ممتاز علمداری سے

اک طرف محو دعا نخل کی شاخیں ہیں گھنی　　اک طرف محو عبادت ہیں امام مدنی
جیسے پھولوں کی عنادل پہ ہے ناوک فگنی　　یوں ہی تیروں کا نشانہ ہے ہر اک پنجتنی
ہائے اُٹھنے کی مصلّے سے نہ مہلت پائی
ابھی پڑھتے تھے تشہد کہ شہادت پائی

صبح تک تھے گُل گلزار نبی زیب جہاں　　دن نکلتے ہی چمن میں تھا قیامت کا سماں
باغ پامال ہوا چلنے لگی بادِ خزاں　　شہ کی ہمشیر تھیں بلبل کی طرح محو فغاں
یوں خزاں شاہ کے گلشن کی فضا لوٹ گئی
آنکھیں بے نور ہوئیں غم سے کمر ٹوٹ گئی

خلق میں چھوڑ گئے طفل کہانی اپنی　　لے گئے ساتھ حسن سب ہمہ دانی اپنی
نوجواں دے گئے غم شہ کو نشانی اپنی　　لے گئے نذر الہیٰ کو جوانی اپنی
قتل سب ہو گئے بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
شاہ ہیں فرقت احباب ہے تنہائی ہے

زیرِ پا جلتی ہوئی ریت ہے سر پر خورشید　　اف رے گرمی کہ قیامت کی بھی گرمی سے مزید
شہ کا ملبوس دہکنے لگا مانند حدید　　محو ہیں یادِ الہیٰ میں مگر شاہِ شہید
دل کی بڑھتی ہے تپش شکر خدا کرتے ہیں
دم بدم بخشش امت کی دعا کرتے ہیں

ایسی گرمی میں جو مولا کو نہ مضطر دیکھا　　جل کے شیطان نے سوئے سبط پیمبر دیکھا
کبھی سورج کی طرف گہہ سوئے سرور دیکھا　　گاہ دل شہ کا گہے لاشہ اکبر دیکھا
دل میں سوچا کہ بڑا کام بنایا شہ نے
آج امت کو جہنم سے بچایا شہ نے

تب یہ اللہ سے کہنے لگا جل کر وہ لعیں　　آج کی دھوپ قیامت سے تو کچھ بڑھ کے نہیں
قابلِ فخر تو اس وقت ہے صبر شہ دیں　　راست جب جانب گیتی ہو رُخ مہر مبیں
تپش مہر بھی ہفتاد گنا بڑھ کر ہو
رخ بھی کرنوں کا سوئے دلبر پیغمبر ہو

پھر تو دم بھر میں پھرا مہر کا رُخ سوئے حضور — بڑھ گیا روزِ قیامت سے بھی حدت کا وفور
امتحاں تھا جو شفقِ ازلی کو منظور — ہو گئی ساری فضا گرم مثالِ تنور

دھوپ وہ تھی کہ ہرن دشت میں کالے پڑ جائیں
چھپ گیا آڑ میں سایہ کہ نہ چھالے پڑ جائیں

نہر کا آب ہوا گرم مثالِ تیزاب — گرمیِ حشر کو آ جائے عرق وہ تب و تاب
موجیں ٹکرا گئیں آپس میں جو ہو کر بیتاب — آبلہ پیکرِ آبی میں پڑا شکلِ حباب

ہر حباب لبِ جو شعلہ فشاں اٹھنے لگا
برف کا دل تو جلا یوں کہ دھواں اٹھنے لگا

منہ نکالا کسی ماہی نے جو حیرانی میں — پھنک گیا جسم ہوا کی شررِ افشانی میں
مثلِ بسمل کے تڑپتی تھی پریشانی میں — پڑ گئے چھالے نہاں پھر ہوئی جب پانی میں

انہیں ٹوٹے ہوئے چھالوں کے نشاں ہیں اب تک
آبلے پشت پہ ماہی کی عیاں ہیں اب تک

وہ حرارت تھی کہ شاخوں پہ ثمر جلنے لگے — آگ کے پھول تھے جن میں وہ شجر جلنے لگے
بلبلیں پھول کے پاس آئیں تو پر جلنے لگے — پڑ گیا پاؤں جو ریتی پہ تو سر جلنے لگے

جل کے دامن میں پہاڑوں کے حجر لال ہوئے
چشمے سوکھے ہوئے سب دیدۂ دجال ہوئے

تیز چلتی تھی ہوا گرم، چلے جیسے تیر — اف نہ کرتے تھے مگر پھر بھی شہ عرش سریر
دل کو صابر کے جو تڑپاتی تھی یادِ بے شیر — سجدۂ شکر ادا کرتے تھے پیہم شبیر

کوئی اس طرح بھی ہوتا ہے کفیلِ امت
باغ باغ ایسی حرارت میں خلیلِ امت

جتنی بھی ہوتی گئی حدتِ خورشید سوا — اور اتنا ہی شگفتہ ہوا رخِ مولا کا
شاہ کے صبر پہ ابلیسِ لعیں اور جلا — دھوپ بڑھتی گئی حضرت کا پسینہ ٹپکا

کھول کر بندِ قبا آپ نے سینہ پونچھا
زلفیں آراستہ کیں رخ کا پسینہ پونچھا

گو کہ تھا نقطۂ آخر پہ حرارت کا وفور — بھن کے گرجاتے تھے اڑتے تھے ہوا میں جو طیور
لطف پاتے تھے تمازت سے مگر شاہِ غیور — دھوپ ابلیس سے کہتی تھی کہ او مستِ غرور
دیکھ اس طرح رہِ دوست میں غم سہتے ہیں
نام اس کا ہے وفا صبر اسے کہتے ہیں

عرض کی روح امیں نے یہ خدا نے اُس دم — دیکھوں کن آنکھوں سے میں حالت سلطانِ امم
یہ وہی ہیں کہ سدا جن پہ رہے تیرے کرم — ہو اجازت تو ابھی جاؤں سوئے دشتِ ستم
یہ حرارت یہ بدن فاطمہ کے دلبر کا
اپنے شہزادے پہ سایہ میں کروں شہپر کا

یہ سخن سنتے ہی آئی لب قدرت سے ندا — ہم بھی راضی ہیں جو راضی ہو وہ راضی برضا
اس کی خوشنودی پہ موقوف ہیں احکام قضا — تم تو واقف ہو یہ مظلوم ہے کس کا بیٹا
مار کر راحت و آرام پہ ٹھوکر جس نے
اپنے قاتل کو دیا شیر کا ساغر جس نے

سن کے یہ روح امیں آئے جو باحال خراب — اپنے پَر کھول کے سایہ کیا مولا پہ شتاب
خنکی جب ہوئی محسوس ہوئے شہ بیتاب — پانی پانی ہوا دل ہو گئے غیرت سے کباب
سر اٹھایا تو قیامت کا یہ منظر دیکھا
بال کھولے ہوئے جبریل کو سر پر دیکھا

بولے تیور کو بدل کر یہ شہ عرش پناہ — جانتے ہو کہ میں ہوں صابرہ کا نورِ نگاہ
یہی گرمی تو ہے سامانِ شفاعت واللہ — جاؤ سدرے پہ ریاضت نہ کرو میری تباہ
جلد ہٹ جاؤ لبوں پر مرا دم ہے بھائی
تم کو خونِ علی اصغر کی قسم ہے بھائی

گر کے قدموں پہ کہا روح امیں نے اُس دم — اب تو دیکھے نہیں جاتے مرے مولا یہ ستم
جلد دکھلایئے اب جوہرِ شمشیرِ دو دم — کھینچیے تیغ شباب علی اکبر کی قسم
اس قسم پر یہ ندا آئی کہ اچھا لڑیے
دی اجازت تمھیں نانا نے بھی بیٹا لڑیے

سن کے یہ ہو گئی مظلوم کی حالت تغیر جھوم کر مثل ید اللہ کہی اک تکبیر
ہاتھ قبضے پہ گیا میان سے اگلی شمشیر ضعف پیری کا ہوا دام شجاعت میں اسیر

اب تو خوں میری رگوں میں بھی ہے جولاں ساقی
برق وہ شام کے بادل پہ گری ، ہاں ساقی

گو کہ ہوں پہلے پہل طالب ساغر ساقی پر نہیں تازہ ولایت یہ ثنا گر ساقی
چار پشتیں[1] مجھے گزریں ترے در پہ ساقی آج ہو جائے عطا رزقِ مقرر ساقی

پہلے قابض مرے اسلاف تھے میخانے پر
اب مرا نام ہے کندہ ترے پیمانے پر

بزم پُر نور ہو پھر وادیٔ ایمن کی طرح مئے خوش رنگ کی برسات ہو ساون کی طرح
بے جھجھک، صاف صفی کے دلِ روشن کی طرح پاک بھی ہو بن یعقوب کے دامن کی طرح

ماند ہو طور کی بجلی بھی چمک ایسی ہو
گرد ہو عنبر سارا بھی مہک ایسی ہو

جو رگ و پے میں ہے پیوست پلا آج وہ شے وہی شے جس کی لگی ہے دل بیتاب کو بے
لے کہے دیتا ہوں اب صاف کہ وہ شے ہے مے منزلیں جوشِ جنوں کی جو کیا کرتی ہے طے

مست بھی سمجھے ہیں عاقل میں وہ فرزانہ ہوں
ہوش کی حدِ ترقی ہے کہ دیوانہ ہوں

جام درکار نہ کچھ حاجت پیمانہ ہے تیرا میخوار ہر اک رسم سے بیگانہ ہے
کب سے اس بات کی حسرت میں یہ مستانہ ہے کہہ دے تو اپنی زباں سے مرا دیوانہ ہے

قدسیو یہ کہیں محروم نہ ہلچل میں رہے
میرا مجنوں ہے یہ فردوس کے جنگل میں رہے

کیا ہوا گر مئے وحدت کی ہوئی جلوہ گری ایک ساغر سے مٹی کب مری شوریدہ سری
نہ بجھی پیاس نہ میکش کی طبیعت ہی بھری مے بھی اثنا عشری، میں بھی ہوں اثنا عشری

میرے ساقی ہیں سب اعجاز دکھانے والے
ایک پیمانہ ہے ، بارہ ہیں پلانے والے

۱۔ حیدر حسین یکتا ، ۲۔ جواد حسین شمیم ، ۳۔ جمیل حسین برجیس ، ۴۔ قائم رضا قائم ، بعد میں نسیم ہوا۔

ایک ساغر سے بھلا پیاس بجھے کیا ساقی   میں تو بادہ کے بھروسے پہ ہوں زندہ ساقی
سب سے پہلا ہے نجف میں مرا کیتا ساقی   حسنِ پاک ہیں پھر کرب و بلا کا ساقی

مے بھی ہے جام بھی، قرآں کی طرح دَور بھی ہیں
کربلا والے کے میخانے میں نو اور بھی ہیں

ساقیا آج پلا دے مجھے کوثر سے کثیر   کیوں نہ جی بھر کے پیے رند کہ ساقی ہے امیر
ہیں نبی اور ولی سب ہی ترے در کے فقیر   کوئی کعبہ کا ہے میکش کوئی مے نوشِ غدیر

رند اپنا جو مودت کا پیالہ لائے
مصطفیٰ مہرِ نبوت کا پیالہ لائے

جام مکی ہو تو مے بھی مدنی ہو ساقی   دامنِ احمدِ مرسل میں چھنی ہو ساقی
تیرے اپنوں کے لیے لطفِ غنی ہو ساقی   اور بیگانوں کو ہیرے کی کنی ہو ساقی

رند پی کر جو حیاتِ ابدی پی کے مریں
غیر منہ تکتے رہیں، شرم سے کچھ کھا کے مریں

گو یہ میکش ہے بہت پیاس کا مارا ساقی   پھر بھی پینا نہیں اس وقت گوارا ساقی
اب تو صرف اتنا سا کہنے کو پکارا ساقی   دھوپ میں پیاس سے بیدم ہے ہمارا ساقی

سب سے کہتا ہے کہ مرتا ہوں جلا دو مجھ کو
ایک ساغر کوئی پانی کا پلا دو مجھ کو

میں ہوں دلبند نبی خلد لٹانے والا   تشنہ کاموں کو قیامت میں چھکانے والا
شیر اور شیر الٰہی کے گھرانے والا   لاشِ پیری میں جوانوں کی اٹھانے والا

خون رگ رگ میں جناب اسد اللہ کا ہے
زور ٹوٹے ہوئے بازو میں ید اللہ کا ہے

میں نے کیا جرم کیا ہے یہ بتا دو مجھ کو   دیکھو کہتا ہوں کہ اتنا نہ رلاؤ مجھ کو
حد ہوئی ظلم کی بس اب نہ ستاؤ مجھ کو   گرچہ صابر ہوں پہ غصے میں نہ لاؤ مجھ کو

غیظ آجائے تو پھر چرخِ بریں کو الٹوں
آستیں کو جو الٹ لوں تو زمیں کو الٹوں

بل جو ابرو پہ میں ڈالوں تہ و بالا ہو فلک　　پر سمیٹے ہوئے کاندھوں سے بھی اڑ جائیں ملک
تیغ کھینچوں تو کرے چاند کو ماند اس کی جھلک　　اس مہ نو کی چمک جائے ابھی شام تلک
زور باطل کا گھٹے دور اندھیرا ہو جائے
عصر تک حاکم شامی کا سویرا ہو جائے

بن کے بجلی یہ شرر دم جو گرے گی دم جنگ　　پھر نہ آئے گی کسی شوم کو لڑنے کی امنگ
بھول جائیں گے بڑے سور وغا کا آہنگ　　خاص آل نہ کہنا جو نہ کردوں چورنگ
ناسمجھ ہو جو مجھے بیکس و مضطر سمجھو
بزم میں ختم رسل، رزم میں حیدر سمجھو

وہی حیدر درِ خیبر کو اکھاڑا جس نے　　ایک بالشت علم سنگ میں گاڑا جس نے
مرحب و عنترِ خود سر کو پچھاڑا جس نے　　حق کی تعمیر سے باطل کو اجاڑا جس نے
شوکت و شان علی یاد ہر اک آن رہے
میں اسی شیر کا وارث ہوں ذرا دھیان رہے

یہ رجز سن کے جو تیر آئے، تنے شاہِ زمن　　یا علی کہہ کے جو لی باگ تو ہلنے لگا رن
شیر جھپٹا تو سرکنے لگے میداں سے ہرن　　سن سے جب تیغ کھنچی زن سے ندا آئی بزن
چال اس کی تھی کہ اندھیاؤ میں فرّاٹا تھا
سنساتی جو چلی فوج میں سناٹا تھا

بت پرستوں کو وہ للکار کے دیتی تھی ندا　　کیا مٹاؤ گے مرے ہوتے ہوئے نام خدا
دو زبانوں سے ہوں میں قائل توحید سدا　　لا الٰہ کا یہ لا ہے مرے منہ پر گویا
شوکتیں دیں کی ہیں جن سے وہ ہیں شانیں میری
جزو اعظم کلمے کا ہیں زبانیں میری

دو زبانیں مری کس طرح نہ ہوں لا کی مثال　　دمبدم موت جو چلائی کہ لے رزقِ حلال
بولی میں مجھ سے بگڑ کر نہ کیا کر تو مقال　　لا مرے منہ پہ لکھا ہے مری صورت ہے سوال
جس کا کھاتی ہے نمک اس پہ ہی جھلاتی ہے
تو تو اے موت سدا میرا الش کھاتی ہے

جسم چھوٹا سا ہے اس کا مگر اچھی بھی نہیں سر جھکا ہے پہ کسی سے کبھی دبتی بھی نہیں
عرش سے آئی مگر چرخ سے اتری بھی نہیں ہاتھ بھر کی ہے زباں اور کبھی کھلتی بھی نہیں
اس پہ باتیں وہ غضب کی ہیں کہ دل ملتی ہیں
دو زبانیں ہیں جو قینچی کی طرح چلتی ہیں

آگ لگتی ہے تو یہ خون میں تر جاتی ہے سر اٹھائے جو کوئی اس پہ یہ گر جاتی ہے
جس پہ گر جاتی ہے وہ تیغ بھی کر جاتی ہے حق سے پھر جاتے ہیں جو ان پہ یہ پھر جاتی ہے
رن میں گھر گھر کے برستی بھی ہے گھرتی بھی نہیں
کفر پر چلتی ہے اور دین سے پھرتی بھی نہیں

ہے وہ ناگن کہ سناٹوں سے دہلتی بھی نہیں چال مستانہ ہے اور پاؤں سے چلتی بھی نہیں
ہر طرف پھرتی ہے قبضے سے نکلتی بھی نہیں خود اڑاتی ہے دھوئیں اور کبھی جلتی بھی نہیں
کھیت رہتے ہیں عدو کھیت میں جب چلتی ہے
گل نہیں نخل نہیں پھولتی اور پھلتی ہے

رن میں ڈھاتی ہے ستم اہلِ جفا بھی یہ نہیں قاضی حکم قدر بھی ہے قضا بھی یہ نہیں
سر بھی میداں میں اڑاتی ہے ہوا بھی یہ نہیں سر بسر سرخ بھی ہے رنگِ حنا بھی یہ نہیں
واں جما رنگ یہ جوہر سے ادھر سبز ہوئی
سرخرو ہو گئے شبیر یہ سرسبز ہوئی

چرخ پر چڑھ کے چمکنا وہ کبھی عرش تلک باغیوں سے کبھی لینا عوض باغ فدک
منہ بنا کر کبھی حلقوں سے زرہ کے چشمک جھنجھناتی ہوئی جھنکار کہ بجلی کی کڑک
دو زبانیں جو ہیں اعجاز نمائی کی گواہ
مدعی دیکھ یہ دونوں ہیں صفائی کی گواہ

رنگ بالکل ہے سفید اس میں ہے پھر سبزیٔ سم اک طرف لام الف ایک طرف نون رقم
تین انگل کہیں چوڑائی کہیں ہے کچھ کم چار بالشت کا قد گول بدن پشت میں خم
حکمرانی کا وسیلہ یہ ہر اک راج میں ہے
ستا ہے یہ تیغ کی جو تخت میں اور تاج میں ہے

چرخ پر فتح کے سانچے میں ڈھلی ہے تلوار   شاہدِ زورِ خدا دادِ علی ہے تلوار
نہ جنوں سے نہ فرشتوں سے ٹلی ہے تلوار   پرِ جبریلِ امیں پر بھی چلی ہے تلوار
جن سے دبتا تھا جہاں کب وہ اسے داب سکے
وہ چڑھے منہ پہ جو لوہے کے چنے چاب سکے

ایسی پھرتی سے یہ پھرتی ہے کہ دل ہیں بے آس   تیغ ہی تیغ ہے سب کے پس و پیش و چپ و راس
اس طرح اڑتی ہے سر کاٹ کے یہ نیک اساس   مرگِ عباس سے جس طرح سکینہ کے حواس
اس کی جھنکار اگر کان میں آجاتی ہے
گریۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی ہے

خوں کے قطرے جو ٹپکتے ہیں تو ہوتا ہے گماں   تیغ بھی ماتمِ شبیر میں ہے خوں افشاں
رو کے کہتی ہے میں کیوں کر نہ ہوں غم سے گریاں   شرم آتی ہے جو بانو کی میں سنتی ہوں فغاں
غم سے ٹوٹی ہے کمر رنج سے گریاں ہوں میں
قبرِ اصغر کی بنانے سے پشیماں ہوں میں

اللہ اللہ رے وفاداریِ تیغِ بُرّاں   اس کے جوہر پہ بھی ہے موئے پریشاں کا گماں
بال کھولے ہوئے کرتی ہے یہ رو رو کے بیاں   کیوں نہ سر کھول دوں زہرا کا بھی سر ہے عریاں
ننگے سر کیوں نہ پھروں موت کے بازاروں میں
سر کھلے جائیں گی سیدانیاں درباروں میں

آستینیں الٹے ہوئے شاہ جو تھے محوِ وغا   دور تک دشت میں اعدا کا کہیں نام نہ تھا
جس طرف مڑتے تھے میداں میں امامِ دوسرا   دور سے کہتی تھیں فوجیں کہ دہائی مولا
رد کیجے تیغ، رسولِ عربی کا صدقہ
رحم فرمایئے لِلّٰہ علی کا صدقہ

سن کے پیہم یہ دہائی جو ہلے قلب و جگر   شہ نے اک آہ بھری روک کے شمشیرِ دو سر
یہ جو دیکھا تو پلٹ آئے وہ سارے لشکر   گھر گیا نرغۂ اعدا میں محمد کا پسر
اب مدد کو کوئی بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
شاہ ہیں فرقتِ احباب ہے تنہائی ہے

بیکسی دیکھ کے یہ تیغ نے رو کر یہ کہا — میرے شہزادے نہ رو کو مجھے میں تم پہ فدا
مجھ سے بی بی مری محشر میں کریں گی یہ گلا — تیرے ہوتے مرے بچے کا لہو رن میں بہا
وہ بھی کیا دوست ہے جو وقت پہ روپوش رہے
میں تو فریاد کروں رن میں تو خاموش رہے

مجھ کو محشر کی ندامت سے بچاؤ مولا — یہ ستمگار ہیں رحم اِن پہ نہ کھاؤ مولا
ہے کمر ٹوٹی ہوئی دل نہ دکھاؤ مولا — کس طرح صبر کروں یہ تو بتاؤ مولا
قید سجاد پہ خاموش رہوں گی کیونکر
بیڑیاں پہنے ہوئے دیکھ سکوں گی کیونکر

میں خدا شان یداللہ دکھا دو اِن کو — نام حیدر کا مٹایا ہے مٹا دو اِن کو
یہ شقی گھر کو جلائیں گے جلا دو اِن کو — قاتلِ اکبر و اصغر ہیں سزا دو اِن کو
شہ نے فرمایا کہ اب سوئے جناں جائیں گے
حشر میں اکبر و اصغر کا عوض پائیں گے

ناگہاں سینۂ اقدس پہ وہ نیزہ کھایا — آہ کی خاک پہ تیورا کے گرے غش آیا
ہوش آیا تو شقی ظلم کا خنجر لایا — شہ نے آہستہ قسم دے کے اُسے فرمایا
قتل کرکے مرا گھر بار جلانا بھائی
پر سکینہ کو طمانچے نہ لگانا بھائی

کہہ کے یہ جھک گئے سجدے میں شہادت پائی — بولی سر پیٹ کے ہمشیر کہ ہے ہے بھائی
آ کے عابد کے قریب چھوٹی بہن چلائی — ہائے کیا غش میں ہو بھیا کہ قیامت آئی
شمر آتا ہے طمانچوں سے بچاؤ مجھ کو
باپ مارے گئے دامن میں چھپاؤ مجھ کو

ناگہاں لوٹ مچی چھن گئی زینب کی ردا — دخترِ شہ کی طرف شمر بڑھا بہر جفا
سوئے در دیکھ کے یہ، دلبر عباس چلا — ماں نے دامن کو جو پکڑا تو جھٹک کر یہ کہا
آئے اب تک نہ سکینہ کی حمایت کے لیے
نہر پر جاتا ہوں بابا سے شکایت کے لیے

اماں جاں آپ کو کچھ یاد ہے بابا کا کلام — پانی لانے کو سدھارے تھے جو بازدۓ امام
مجھ سے فرمایا تھا تم ہو علی اصغر کے غلام — رات دن ان کا جھلاتے رہو جھولا یہ ہے کام
یہ وصیت تھی مجھے ، آپ مگر بھول گئے
نہر پر جا کے سکینہ کو پدر بھول گئے

وہ جو ہوتے تو نہ لٹتا زر و زیور اماں — چھینتا کوئی شقی آپ کی چادر اماں
یوں گھڑکتے کسی بچے کو ستمگر اماں — کون لیتا مری شہزادی کے گوہر اماں
وہ نہ آئیں گے تو دادا کو بلا لاؤں گا
اُن کے شکوے کے لیے سوئے نجف جاؤں گا

سُن کے بچے کی یہ باتیں دلِ مادر کانپا — دل جو بیوہ کا ہلا چرخ ستمگر کانپا
حشر جنت میں ہوا عرش منور کانپا — نہر پر لاشۂ عباسِ دلاور کانپا
ماں پکاری کہ بجا تیرا گلا ہے بیٹا
پر وہ مجبور ہیں سر تن سے جدا ہے بیٹا

تم مگر شمر سے کہہ دو نہ سکینہ کو ستا — ان کے بدلے مرا سر کاٹ لے او اہلِ جفا
چھین لے شوق سے ظالم مری اماں کی ردا — پر مرے باپ کی پیاری کو طمانچے نہ لگا
ان جفاؤں کی یہ معصوم کہاں عادی ہے
او شقی کس کو ستاتا ہے یہ شہزادی ہے

یہ سخن سن کے بصد جرأت و احساس تمام — بن گیا بڑھ کے سکینہ کی سپر وہ گلفام
شمر اظلم سے کیا تان کے سینہ یہ کلام — اب ستائے کوئی بی بی کو تو دیکھے یہ غلام
ہر ستم اِن کے عوض سہنے کو تیار ہوں میں
ہوں وفادار کا فرزند وفادار ہوں میں

بس قلم روک لے اے مرثیہ گوئے شبیر — غش نہ ہو جائیں عزادار امام دلگیر
شکر کر اب کہ بہ افضالِ خداوندِ قدیر — باپ دادا کی مجھے مل گئی اصلی جاگیر
اس عطا کا سَن تصنیف یہ لکھا قائم
آفریں خوب ہے یہ مرثیہ پہلا قائم

---

۲۳ ۱۹ء

نوٹ

مراثیِ نسیم کی پہلی جلد ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی اور اسی سال ختم ہوگئی، ۱۹۶۲ء سے اب تک صدہا شائقین کی فرمائشیں موصول ہوئیں، لیکن تعمیل نہ کی جاسکی ، لہٰذا اِس جلد کے تمام مراثی بھی بطور ضمیمہ زیرِ نظر جلد میں دوبارہ شائع کیے جارہے ہیں ۔

۱۹۳۳ء

کیا حمد ہو اس کی جو نہاں ہے نہ عیاں ہے
اللہ رے جلوہ کہ جہاں دیکھو وہاں ہے
دم بھرتی ہے خود روح کہ وہ جانِ جہاں ہے
کس جا اسے ڈھونڈوں کہ بلا قید مکاں ہے
عارف کی حدِ عقل سے بالا وہ صمد ہے
محدود نہ ہونے کی یہ حد ہے کہ اَحد ہے

اے شاہدِ روپوش وَرائے حدِ امکاں
گیسوئے تجسس تری فرقت میں پریشاں
دامانِ حقیقت میں سحر چاک گریباں
تو تجھ سے لگائے ہوئے ہر شمع ہے سوزاں
کب چاند ترے داغِ محبت سے بَری ہے
سورج کو بھی دیکھا تو چراغِ سحری ہے

تو مجمع اضداد ہے اے اوّل و آخر
بے ہاتھ کے بے پاؤں کے ہر امر پہ قادر
سیکھا نہیں اک حرف ۔ ہر اک علم کا ماہر
بے گوش کے سامع تو بغیر آنکھ کے ناظر
بے پردہ ہے موجود ۔ حجابوں میں نہاں ہے
یاں بھی ہے وہاں بھی نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

شاخوں کی نزاکت میں لچک ہے تو وہ کیا ہے
کانٹوں کی صلابت میں کھٹک ہے تو وہ کیا ہے
پھولوں کی لطافت میں مہک ہے تو وہ کیا ہے
طالب کی نگاہوں میں للک ہے تو وہ کیا ہے
صد رنگ تجلّی کا تقاضائے حسیں ہے
سب اس کے مظاہر ہیں جو ظاہر میں نہیں ہے

دکھتا ہے نظر ۔ آنکھ دکھاتا بھی نہیں ہے
گویا بھی ہے ۔ آواز سناتا بھی نہیں ہے
رگ رگ میں سمایا ہے ۔ سماتا بھی نہیں ہے
آتا بھی ہے اور ذہن میں آتا بھی نہیں ہے
جتنا ہو جہاں ذوق وہ اتنا ہی قریں ہے
دیکھو تو یہیں ہے ۔ جو نہ دیکھو تو نہیں ہے

ڈھونڈا جو بہت آب و ہوا آتش و گِل میں　　کچھ کچھ نظر آیا نگہِ شوق کے تِل میں
دھڑکن سی ہے عاصی کے جو بھٹکے ہوئے دل میں　　سُرخی ہے اسی نور کی رخسارِ خجِل میں
زاہد کا تقاضا ہے کہ دیندار سے پوچھو
رحمت نے کہا جاؤ گنہگار سے پوچھو

دل سے جو طلب ہو تو اُدھر سے بھی ہو تائید　　کھو جاتا ہے جو خود اسے پانے کی ہے امید
مشکل ہے تو اتنی سی کہ آساں ہے بہت دید　　مشتاق جہاں ہو گئے قربان، وہیں عید
دل جس کا لیا اُس نے خدائی اسے دے دی
جو کُھل کے ملا عقدہ کشائی اسے دے دی

ارض و فلک و دشت و در و کوہ و بیاباں　　نخل و حجر و برگ و گل و خار و گلستاں
جن و ملک و اہرمن و وحشی و انساں　　موسائی و عیسائی و ہندو و مسلماں
رحمت تری مخصوص کسی ایک سے کب ہے
اتنا ہے رَوادار کہ مشرک کا بھی رب ہے

تو رازقِ کونین ہے اے خالقِ جبّار　　مطلوب کا مطلوب ہے طالب کا طلبگار
رحمان و کریم و اَحد و عادل و غفار　　فرد و صمد و لم یلد و واحد و ستّار
سلطانِ رسالت بھی ترے دَر کا گدا ہے
بندہ ہے وہ تیرا جو نصیری کا خدا ہے

چھپتا جو نہ تو تاک میں پودے نہ ابھرتے　　یوں بُلبلِ بیتاب بھی فریاد نہ کرتے
جھونکے بھی ہواؤں کے دَمِ سرد نہ بھرتے　　پھولوں میں نہ ہوتا تو ہزار ان پہ نہ مرتے
ہر برگ کی نس رگ جو تجلّی سے بھری ہے
ٹھہری ہوئی غنچوں پہ نسیمِ سحری ہے

کیا کیا تری الفت میں ہے کلفت کا قرینہ　　اشکوں میں ڈبویا دلِ آدم کا سفینہ
تھا نوح کا طوفاں تپِ فرقت کا پسینہ　　غش کھا گئے موسیٰ تو جلا طور کا سینہ
گر جائے یہ بجلی تو رگِ سنگ لہو دے
یہ دل کی لگی تھی کہ خلیل آگ میں کودے

آوارہ وطن بھی ہیں خضر۔ خاک بسر بھی — ایوب کا زخمی ہے کلیجہ بھی جگر بھی
یعقوب کی دنیا بھی ہے تاریک۔ بصر بھی — آنکھوں کو بھی رو بیٹھے۔ دیا نورِ نظر بھی
تھے قافلے کتنے کہ لُٹے راہ میں تیری
یوسف نے بھی جھانکے ہیں کنوئیں چاہ میں تیری

کس باغ میں فرقت نے تری گل نہ کھلایا — آرہ زکریا کے کلیجے پہ چلایا
تھی تیری ہوا جس نے سلیماں کو اڑایا — عیسیٰ سے مسیحا کو بھی بیمار بنایا
بے آنکھوں کے یہ جذب نظر خوب ہے تیرا
وہ بھی ترا طالب ہے جو مطلوب ہے تیرا

مطلوب خدا۔ نورِ خدا۔ مہرِ رسالت — جو حُسن میں سرمایۂ نقاشِ مشیّت
وحدت کا ورق۔ کلمۂ حق۔ آیۂ رحمت — قرآن بھی دیکھا کرے وہ نور کی صورت
بعد ان کے جو ارسال رُسل چھوڑ دیا ہے
گویا یدِ قدرت نے قلم توڑ دیا ہے

جو نورِ ازل۔ طورِ ابد ہیں وہ محمدؐ — بندوں میں جو رحمت کی سند ہیں وہ محمدؐ
جو منزلِ تنزیلِ صمد ہیں وہ محمدؐ — جو عالَم تخلیق کی حد ہیں وہ محمدؐ
مر کر بھی جو باقی ہو وہ فانی نہیں کوئی
خالق کا شریک۔ آپ کا ثانی نہیں کوئی

رخ سورۂ والشمس تو آنکھیں وَضُحاہا — دل منزلِ مزمّل و مدثّر و طاہا
کیا چاہیے اب اور۔ خود اللہ نے چاہا — پھر لطف یہ ہے چاہ سے چاہت کو نباہا
واللہ دو عالم میں دوہائی ہے انہی کی
اللہ کے بندوں میں خدائی ہے انہی کی

ماتھا ہے کہ تقدیرِ الٰہی کا خزینہ — سجدے کا نشاں تاجِ شفاعت کا نگینہ
رحمت کا ہے طوفاں کہ جبیں کا ہے پسینہ — ماتھے کی شکن نوحِ غریباں کا سفینہ
ابرو کے اشارے سے بلا سب کی ٹلے گی
دیکھو یہی کشتی ہے جو کوثر پہ چلے گی

وہ زلف جو ایماں کے لیے حَبلِ متیں ہے
کاکل ہے کہ اک آیت قرآنِ مبیں ہے
آغوش میں گیسو کی یہ رخسار حسیں ہے
یا صبح۔ شبِ قدر کے دامن میں مکیں ہے
یہ آنکھ نہیں ابروئے پُرتاب کے نیچے
ہے عینِ خدا کعبے کی محراب کے نیچے

پائے شہِ دیں حاملِ ایوانِ رسالت
سر۔ صدر نشینِ حرمِ شانِ رسالت
دلِ نفسِ رسالت تو نفس جانِ رسالت
حُسنِ نمکیں ذائقۂ خوانِ رسالت
ایک ایک خط و خال ملاحت سے بھرا ہے
رنگِ رخِ یوسف بھی ہے پھیکا۔ یہ مزا ہے

دم بھرتے ہیں اغیار بھی اخلاق وہ پایا
دل چھین لیا اُس کا۔ جو سر لینے کو آیا
ادنیٰ کو بھی پاس اپنے تواضع سے بٹھایا
جو۔ کھا کے جواہر کے خزانوں کو لٹایا
بندوں پہ جو حضرت کا کرم عام ہوا ہے
اسلام اسی خُلق سے اسلام ہوا ہے

انعام ہیں کیا کیا جو کیے حق نے کرامت
پیرایۂ دیں۔ جامۂ حق۔ تاجِ شفاعت
سُلطانِ رُسُل ہو گئے جس سے وہ رسالت
عصمت ہی نہیں۔ محفلِ عصمت کی صدارت
ہر چیز ہے معبود کی اس شاہ کے گھر میں
وحدت ہی فقط رہ گئی اللہ کے گھر میں

یہ لاکھ رسولوں میں بس اپنی ہیں نظیر آپ
تارہ ہے کوئی۔ چاند کوئی۔ مہرِ منیر آپ
ہیں از رہِ اوصافِ حمیدہ ہمہ گیر آپ
خالق کے فقیر آپ تو بندوں کے امیر آپ
عارف وہ نہیں۔ ان سے جو آگاہ نہیں ہے
جو۔ ان کی رعیت نہیں وہ شاہ نہیں ہے

ہے منزلتِ شاہِ رُسُل نامتناہی
وہ بارگہِ فیض جہاں فقر کی شاہی
اقبال ہے دربان۔ جلالت ہے سپاہی
امیِّ لقبی۔ کاشفِ اسرارِ الٰہی
قرآں کا پڑھا حرف۔ نہ تفسیر کا لکھا
پڑھتے رہے ایک ایک کی تقدیر کا لکھا

اس چاند کو صانع نے مہِ عید بنایا عکسِ رُخِ پُرنور کو خورشید بنایا
ظاہر میں اک آئینۂ توحید بنایا باطن میں مگر قلزمِ تجرید بنایا
خود اپنے کمالات کی تصویر بنادی
جب خاتمے کا نقش بنا۔ مہر لگادی

کیوں رُخ پہ نہیں مُہر عجب میں ہے زمانہ وہ پشت پہ مخفی ہے سند جو ہے یگانہ
سچ پوچھو تو لازم تھا یہیں مُہر لگانا ہے صلب میں عصمت کی امانت کا خزانہ
دَر پردہ جو ہے نسل بتولِ عذرا کی
تطہیر کے دفتر میں یہ ہے مہر خدا کی

کیا زیب۔ جبیں پر ہو اگر مہرِ نبوّت یاں داغ میں سجدے کے ہے خود مہر کی طلعت
رُخ پر جو نہیں مہر۔ یہ ہے رازِ مشیّت دھبّے سے نہ کم ہو مہ کامل کی وجاہت
ممکن ہے یہ منشا ہو خداوندِ غنی کا
سجدے میں بھی اونچا ہی رہے نام نبی کا

ہے حسنِ ازل یوسفِ بازارِ محمدؐ یوسف کا بھی محبوب۔ خریدارِ محمدؐ
موسیٰ کا ہے مطلوب طلبگارِ محمدؐ عیسیٰ کا مسیحا بھی ہے بیمارِ محمدؐ
دربارِ خدا میں ہے بڑی بات نبی کی
خالق کی صلاتوں میں ہے صلوات نبی کی

اللہ رے اے بندۂ معبود ترا ذکر جنّت ہے تری چاہ۔ گناہوں کی دوا ذکر
اللہ کی تسبیح ہے اے صَلِّ عَلیٰ ذکر جو ذکر عبادت ہے پھر اس ذکر کا کیا ذکر
اس ذکر پہ کیوں گونج نہ ہو صَلِّ عَلیٰ کی
صلوات بشر کی ہے۔ ملک کی ہے۔ خدا کی

حق مبدءِ کونین۔ نبی قطبِ زمانہ وہ چشمۂ رحمت ہے یہ رحمت کا بہانہ
اللہ کی تسبیح میں شامل ہے یہ دانا معبود بھی یکتا ہے یہ بندہ بھی یگانہ
احمد تو فقط نام کو ہے۔ عینِ اَحَد ہے
میم اس میں جو ہے۔ ممکن و واجب کی یہ حد ہے

بنیادِ وجودِ دوسرا نورِ نبی ہے — کیا حسن ہے کیا شان ہے۔ کیا نورِ نبی ہے
کیوں فرد نہ ہو صَلِّ علیٰ نورِ نبی ہے — اے نامِ خدا۔ نورِ خدا۔ نورِ نبی ہے
بینا ہو تو اللہ کی قدرت نظر آئے
حق بیں کوئی دیکھے تو حقیقت نظر آئے

بندہ کوئی ایسا کبھی ہوگا نہ ہوا ہے — حق اس کا طلبگار ہے یہ حق پہ فدا ہے
حد کی تو یہ ہے بات کہ محبوبِ خدا ہے — انساں ہے بظاہر پہ خدا جانئے کیا ہے
بندوں پہ یہ خالق کی مشیّت نہیں کھُلتی
ہم کیا ہیں شریعت سے حقیقت نہیں کھُلتی

محوِ رُخِ نیکوئے نبی۔ لاکھ نبی ھیں — آشفتۂ گیسوئے نبی۔ لاکھ نبی ھیں
تسلیم کو خم سوئے نبی۔ لاکھ نبی ھیں — گردِ حرمِ روئے نبی لاکھ نبی ھیں
اللہ نے بخشی ہے یہ حرمت شہِ دیں کو
سب قبلۂ حاجات سمجھتے ہیں انھیں کو

مولا نے صفی کو غمِ ہجراں سے چھڑایا — پھر نوح کو طوفان میں شیطاں سے چھڑایا
پھر یوسف ذی جاہ کو زنداں سے چھڑایا — پھر جانِ سلیماں کو بنی جاں سے چھڑایا
مٹھّی میں۔ انگوٹھی کی بدولت جو ہوا تھی
وہ مہر بھی اک خاتمِ دوراں کی عطا تھی

گر صلب میں نورِ شہِ ابرار نہ ہوتا — یوں بہرِ خلیل آگ کا گلزار نہ ہوتا
عیسیٰ کو اگر آپ کا اقرار نہ ہوتا — پھر کوئی طرفدار سرِ دار نہ ہوتا
جلوے نے اسی نور کے بے ہوش کیا تھا
موسیٰ کو عجب شربتِ دیدار دیا تھا

محکومِ اَحد۔ حاکمِ دارینِ محمدؐ — مطلوبِ خدا۔ مطلبِ کونینِ محمدؐ
سرچشمۂ نورِ ازلی۔ عینِ محمدؐ — ہے خالق و مخلوق کے مابینِ محمدؐ
مانندِ خدا۔ اپنا مماثل نہیں رکھتا
حد یہ ہے کہ یہ ظلِّ خدا۔ ظِل نہیں رکھتا

اوروں کی یہ عزت بھی یہ پایا بھی نہیں ہے — اللہ نے خود اُن کو بڑھایا بھی نہیں ہے
یوں عرش کی کرسی پہ بٹھایا بھی نہیں ہے — یکتا اسے کہتے ہیں کہ سایا بھی نہیں ہے
خالق نے انہیں خلق کا سرتاج بنایا
سائے کو چھپا کر شبِ معراج بنایا

یا سائے نے تن آپ کا بے مثل جو پایا — وصلی کی طرح وصل ہوا تن میں سمایا
یا نورِ رخِ پاک کی جب تاب نہ لایا — گیسوئے معنبر میں نہاں ہو گیا سایا
یا یہ کہ امانت میں جو مشہور ہوا ہے
جبریلِ امیں سایۂ محبوبِ خدا ہے

خالق نے عجب عشق کا انداز دکھایا — سائے کو بھی محبوب کے۔ غیروں سے چھپایا
یہ نورِ خدا سَیر کو جب خلق میں آیا — قوسین کے گوشے میں رہا نور کا سایا
اَدنیٰ سا شرف ہے یہ رسولِ عربی کا
پردہ جسے کہتے ہیں۔ وہ سایہ تھا نبی کا

ہے ظلِّ نبی جلوۂ قدرت کی نشانی — حُسنِ مہِ کنعاں تھا یہی یوسفِ ثانی
گویا تھی بس اتنی سی۔ زلیخا کی کہانی — اس سائے کے وسمے سے پلٹ آئی جوانی
کھو بیٹھے تھے یعقوب جو بینائی بھی دل بھی
یہ سایہ بنا سرمہ بھی اور آنکھ کا تل بھی

نازاں ہے تجلّی پہ جو عمران کا بیٹا — کچھ یہ بھی ہے معلوم جو دیکھا تھا وہ کیا تھا
سن کر اَرِنی۔ حق نے کہا صاف کہ موسیٰ — تو اور مجھے دیکھے۔ یہ ممکن نہیں اصلا
کب قول بدلتا ہے خدائے اَزَلی کا
جلوہ جو دکھایا تھا۔ وہ سایہ تھا نبی کا

سائے کو کہوں خالِ رخِ شاہدِ رحمت — یا گیسوئے محبوب شبستانِ شفاعت
یا مَردمکِ دیدۂ پُرنورِ عقیدت — یا پردہ نشینِ حَرَمِ بخششِ امّت
شافع ہے لقب خاص رسولِ عربی کا
سایہ تو گنہگاروں کے سر پر ہے نبی کا

اِک رازِ خدا سایۂ محبوبِ خدا ہے جو دیدۂ ظاہر کو ملے گا نہ مِلا ہے
محبوبِ مشیّت جو مشیّت سے جُدا ہے یہ مونسِ تنہائیِ رَبِّ دوسرا ہے
خلوت میں فرشتہ ہے۔ نہ جن ہے نہ بشر ہے
اِک آئنۂ ذات ہے جو پیشِ نظر ہے

خورشید ہے احمد کا جسد بدر ہے سایا پنہاں صفتِ فیضِ شہ بدر ہے سایا
جو علمِ خدا میں ہے وہ ذیقدر ہے سایا چھپنے سے ہے روشن کہ شبِ قدر ہے سایا
رُخ شمعِ ازلِ محفلِ عرفاں کے لیے ہے
سایہ وہ سیاہی ہے جو قرآں کے لیے ہے

سایہ ہو تو کیونکر کہ نبی۔ عینِ خدا ہے اور آنکھ کا سایہ۔ کہیں دیکھا نہ سُنا ہے
اب ذہن کو دعویٰ ہے کہ مضموں یہ نیا ہے ہاں ظلِّ نبی بیتِ امامت میں چھپا ہے
پردے میں رہے۔ حکم یہ ہے رَبِّ غنی کا
لو آج کھُلا۔ فاطمہؑ سایہ ہے نبی کا

حیرت ہے کہ اس پاک شجر میں نہیں سایا جس نخل میں سایہ نہیں بے کار لگایا
ہاں سایہ ہے موجود مگر حق نے چھپایا جو بدر کے مانند احد میں نظر آیا
ہر جنگ میں ہمراہ رسولِ عربی ہے
سائے کو محمد کے جو پوچھو تو علی ہے

اس نور کے سائے کو نہ ستّار سے پوچھو شبّر سے نہ زہرا سے نہ کرّار سے پوچھو
یہ راز تو شبّیرِ دل افگار سے پوچھو یا رَن میں سپاہِ شہِ ابرار سے پوچھو
ہمشکلِ پیمبر یہ جو دھوکا ہے نبی کا
اکبر نہیں۔ سایہ ہے رسولِ عربی کا

یہ ماہ ہے آئینۂ خورشیدِ رسالت اے نامِ خدا صلِّ علیٰ شکلِ نبوّت
یٰسین کا سورہ ہے کہ یہ نور کی صورت صورت ہے کہ بے واسطہ احمد کی زیارت
قرآن بھی یہ حُسنِ معانی نہیں رکھتا
یہ اُس کا مثنیٰ ہے جو ثانی نہیں رکھتا

صورت کی ثنا کیا ہو۔ پیمبر کا ادب ہے　　وہ حُسن وہ تنویر جو یکتائے عرب ہے
وہ خال وہ خط جن پہ فدا رحمتِ رب ہے　　وہ نام جو خود خالقِ اکبر کا لقب ہے
تکبیر کا غُل ہے سحر و شام جہاں میں
اکبر تو محمد سے بھی پہلے ہے اذاں میں

ہوتے جو کہیں آج رسولِ فلک آرا　　تصویر کا اپنی وہ کیا کرتے نظارا
تفسیرِ رسالت ہے۔ امامت کا یہ پارا　　بھیگیں جو مَسیں خضر کو سبزہ یہ پکارا
پھر خَلق میں خالق کی نشانی پلٹ آئی
لو احمدِ مُرسَل کی جوانی پلٹ آئی

اللہ رے وقارِ پسر۔ سیّدِ والا　　بانو کا قمر۔ فاطمہ کے ماہ کا ہالا
کیوں صاحبِ ہمت نہ ہو وہ گیسوؤں والا　　حیدر کی خوزادی نے جسے گود میں پالا
عابد کی طرح زاہد و ابرار ہیں اکبر
پُرغیظ میں عبّاس علمدار ہیں اکبر

اخلاق میں، اخلاص میں شاہِ شہدا ہیں　　احسان کی خو میں حَسَنِ سبز قبا ہیں
جرأت میں شجاعت میں شہِ قلعہ کشا ہیں　　یکتائی میں بس ثانیِ محبوبِ خدا ہیں
اکبر کو جو یٰسین کی وہ شان نہ دیتا
تکبیر پہ ذی روح کوئی جان نہ دیتا

وہ ماں کہ امامت نے چُنا جس کا گھرانا　　وہ باپ کہ سلطانِ رُسل جس کے ہیں نانا
دادی ہیں کہ عورات زمانہ میں یگانا　　دادا ہیں کہ بندوں نے خدا تک جنہیں جانا
اک سیفِ خدا۔ ایک چچا کشتۂ سَم ہیں
تلک الرُّسُل اعزاز میں۔ یہ ہیں تو وہ عم ہیں

خالق کی تجلّی ہے کہ اس چاند کی رویت　　اللہ کا دیدار۔ محمدؐ کی زیارت
کیا شان ہے کیا حُسن ہو، کیا جلوہ و طلعت　　توحید کا سورہ ہے کہ رحمان کی سورت
ہر چند کہ اَشکال سے ذات اسکی بری ہے
اس شکل سے منظور اسے جلوہ گری ہے

اس غیرتِ خورشید نے وہ حُسن دکھایا   خود نور کی صورت نے کہا شمس کا آیا
احمد کی شباہت نے یہ امّت کو سنایا   پھر مصحفِ رخسارِ نبی خلق میں آیا
وہ مہرِ مبیں تھے۔ مہِ کامل علی اکبرؑ
وہ مصحفِ اکبر تھے۔ حمائل علی اکبرؑ

پیدا ہوا جب یہ قمرِ برجِ سعادت   اصحابِ نبی دوڑ پڑے بہرِ زیارت
غل تھا یہ پسر۔ باپ کے نانا کی ہے صورت   پائی اسی صورت پہ محمدؐ نے رسالت
خالق نے یہ قرآن کی تفسیر اتاری
خود ہاتھ سے محبوب کی تصویر اتاری

اس چاند کے جلوے نے یہ اک اک کو بتایا   لو گھر میں امامت کے نبوت کا ہے سایا
شبیر کی ہمشیر نے چھاتی سے لگایا   ماں دودھ پلاتی رہی زینب نے کھلایا
کہتی تھیں یہ گل ہے مری تقدیر کی تفسیر
قرآن کا قرآن ہے تفسیر کی تفسیر

زینب نے بھتیجے کو بڑی چاہ سے پالا   پُتلی کی طرح ان کو نہ پردے سے نکالا
الجھن ہوئی رویا جو کبھی گیسوؤں والا   بڑھتی رہی تعلیم مثالِ قدِ بالا
الفت کا سبق جانِ مودّت نے پڑھایا
اخلاص کا سورہ انھیں آیت نے پڑھایا

کس پیار سے کہتی تھیں یداللہ کی پیاری   ہاں علم کئی پشت سے دولت ہے ہماری
یہ پاس اگر ہو تو ملے قربتِ باری   بے علم کوئی رب کا مقرّب نہیں واری
تھی علم کی عظمت کہ نبی خیرِ بشر تھے
حیدر کو امامت جو ہوئی۔ علم کا در تھے

تحصیلِ شرف علم کو سمجھو مرے دلبر   بابا کو رکھو خوش تو ہے خوشنودیِ داور
ہر کام کا اک وقت ہے بیٹا۔ علی اکبر   کچھ کھیل کی بندش تو نہیں۔ پر کہیں دن بھر
کرّار کے پوتے ہو۔ یہ عالم پہ کھُلا ہے
جانباز ہو تم جان پہ کھیلو تو مزا ہے

تحصیلِ کمال اَب وَجد چاہیے بیٹا   ہمت صفتِ شیرِ صمد چاہیے بیٹا
نیزے کے ہنر میں جِد و کد چاہیے بیٹا   دشمن کے لیے دور کی زد چاہیے بیٹا
دلبر کی حفاظت انہیں منظورِ نظر تھی
پر حیف کہ انجام کی مطلق نہ خبر تھی

سب گھر کا سہارا ہیں یہی گیسوؤں والے   بس ہو تو ابھی ماں انہیں نوشاہ بنالے
ہر دم یہ دعائیں تھیں کہ اے پالنے والے   اکبر ہو جواں۔ پھولے پھلے۔ گھر کو سنبھالے
کیا دخل ہے انساں کو ارادے میں خدا کے
ماں بیاہ کے دن گنتی تھی ۔ تقدیر قضا کے

نانا کی شباہت سے تو خوش تھے شہِ دلگیر   سینے پہ نظر کر کے مگر روتے تھے شبیر
دل کہتا تھا ڈھائے گا قیامت فلکِ پیر   ڈوبے گی لہو میں مرے نانا کی یہ تصویر
شادی کے عوض ماتمِ فرزند کریں گے
ہم آنکھوں سے دیکھیں گے یہ ناشاد مریں گے

جس دن کا تصور تھا بالآخر وہ دن آیا   پردیس میں مہماں کو لعینوں نے ستایا
انصار سے ۔ بھائی سے ۔ بھتیجے سے چھڑایا   مظلوم نے صبرِ اسدُ اللہ دکھایا
سقے کو ترائی میں سسکتے ہوئے دیکھا
ماتم میں سکینہ کو بلکتے ہوئے دیکھا

اس داغ سے شبیر کو ہوش آنے نہ پایا   جو مرنے چلا لے کے رضا بانو کا جایا
بیٹے کی محبت نے یہ صابر کو سنایا   فطرت سے جہاں جنگ ہے وہ مرحلہ آیا
رُخ کر کے سوئے نہر ۔ کمر باپ نے تھامی
یہ صبر دکھایا کہ رکاب آپ نے تھامی

اکبر بھی چلے رن کو ۔ دلِ شاہ بدا بھی   شبیر بھی دیکھا کیے وہ ماہ لقا بھی
میدان میں نعرے بھی کیے اور وغا بھی   ہر زخم پہ کی بخششِ امت کی دعا بھی
ناگاہ اٹھا شور یہ افلاک کے اوپر
لو گر گئی تصویرِ نبی خاک کے اوپر

سینے پہ سناں کھا کے گرا بانو کا پیارا　　خیمے کی طرف دیکھ کے بابا کو پکارا
یا شاہِ ھُدا آخری آداب ہمارا　　اب عازمِ فردوس ہے مشتاقِ نظارا
نیزے کا تو پھل رشتۂ جاں کاٹ چکا ہے
لیکن پئے دیدار دَم آنکھوں میں رُکا ہے

اے سیّدِ ابرار خدا حافظ و ناصر　　رخصت ہے یہ ناچار خدا حافظ و ناصر
کنبے کے عزادار خدا حافظ و ناصر　　ڈیوڑھی سے خبردار خدا حافظ و ناصر
ڈر ہے نہ مرے غم میں تڑپ کر نکل آئیں
امّاں نہ کہیں گھر سے کھلے سر نکل آئیں

یہ سن کے نہ سرور کو رہا ضبط کا یارا　　پر صبر کی سیرت نے دیا دل کو سہارا
فطرت کے تقاضوں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا　　رو فاطمہ کے لال۔ چھُٹا آنکھوں کا تارا
کیا سب غمِ اولاد میں رویا نہیں کرتے
شہ نے کہا صابر کبھی شکوا نہیں کرتے

آہوں نے کیا عزم کہ دنیا کو جلاؤ　　مظلوم کی ہمت نے کہا لب نہ ہلاؤ
مچلے جو بہت اشک کہ طوفان اٹھاؤ　　شہ بولے مرے صبر پہ دھبّا نہ لگاؤ
ہمشکلِ نبی کیا مجھے امّت سے سوا ہیں
لاکھ ایسے ہوں بیٹے تو رہِ حق میں فدا ہیں

یہ کہہ کے جو مقتل کو چلا دین کا ہادی　　آنکھوں نے بھی مظلوم کو رستے میں دغا دی
سوزِ غمِ فطری نے بصارت جو مٹا دی　　صابر نے کمر تھام کے بھائی کو ندا دی
زائل مری بینائی بھی اب کر گئے اکبر
عباس سنا تم نے بھی کچھ۔ مر گئے اکبر

اے قوتِ بازو۔ مری امداد کو آؤ　　ہمشکلِ پیمبر ہیں کہاں ڈھونڈ کے لاؤ
اے عونؑ و محمدؑ مجھے اکبر سے ملاؤ　　اے جانِ حسَن جاؤں کدھر میں، یہ بتاؤ
لاشے پہ چلو لے کے غریب الغربا کو
رستہ نظر آتا نہیں مظلوم چچا کو

اے دشت، کدھر ہے وہ گل اندام ہمارا — اے خاک وہ مہ رو ہے کہاں، بول، خدارا
ذرّو۔ کہیں دیکھا ہے مری آنکھوں کا تارا — اے نہر یہیں تھا ابھی وہ پیاس کا مارا
لاکھوں میں ترس ایک بھی کھاتا نہیں اکبر
اب تم ہی پکارو۔ کوئی آتا نہیں اکبر

جاتے تھے کبھی داہنی جانب شہِ صفدر — گھبرا کے کبھی بائیں طرف مڑتے تھے سرور
تھرّا کے سنبھلتے تھے۔ کبھی کھاتے تھے ٹھوکر — گرتے تھے کبھی راہ میں دامن سے اُلجھ کر
رخ زرد تھا۔ اور گیسوؤں میں خاک بھری تھی
عمّامہ لٹکتا تھا۔ قبا ڈھلکی ہوئی تھی

مقتل میں ہر اک لاش پہ جھک جاتے تھے سرور — بو سونگھ کے کہتے تھے۔ یہ میرا نہیں دلبر
ناگاہ ملے خاک پہ غش میں۔ علی اکبر — دل تھام کے شہ بولے یہ شانے کو ہلا کر
فرزندِ رسول الثقلین آیا ہے بیٹا
تعظیم کو اٹھو کہ حسین آیا ہے بیٹا

بابا کی صدا سن کے ذرا ہوش جو آیا — تسلیم کو خود اٹھ نہ سکے ہاتھ اٹھایا
یارائے سخن دردِ جگر سے جو نہ پایا — حسرت کی نگاہوں سے یہ ارمان سنایا
ہنگامِ وصیّت ہے اجل سر پہ کھڑی ہے
بولا نہیں جاتا کہ سناں دل میں گڑی ہے

شہ بولے اشارے کو میں سمجھا مرے دلدار — نیزہ ترے سینے سے نکالے گا یہ ناچار
کیا کام لیا باپ سے آج۔ اے مرے جرّار — مُنہ پھیر کے پھر خاک پہ بیٹھے شہِ ابرار
اِک آہ جو فرزندِ جواں کھینچ کے تڑپا
صابر بھی کلیجے سے سناں کھینچ کے تڑپا

نیزے کے نکلتے ہی کچھ آئی جو بحالی — آہستہ یہ کی عرض کہ اے خلق کے والی
اماں کو یہ پیغام سنادیں شہِ عالی — امّت کے لیے ہم نے سناں سینے پہ کھالی
ہاں اب تو نہ میلا مرا دل کیجیے امّاں
جو دودھ کا حق ہے وہ بحل کیجیے اماں

غش سے جو سرِ شام اٹھیں عابدِ بیمار　　کہہ دے یہ کوئی میری طرف سے بدلِ زار
اے اُجڑے ہوئے قافلۂ درد کے سالار　　ہم جاتے ہیں بھیّا حرم شہ سے خبردار
حسرت یہ نہیں ہے زر و گوہر کو نہ چھینے
پر کوئی پھوپی جان کی چادر کو نہ چھینے

یہ کہتے ہی زردی رخِ پر نور پہ چھائی　　ناگاہ سوئے خیمہ سے آواز یہ آئی
میں لٹ گئی اے میرے جواں مرگ دُہائی　　اٹھارہ برس کی مرے بیرن کی کمائی
اک بار کلیجے سے لگا لوں تو سدھارو
تھم جاؤ مرے لال ۔ میں آلوں تو سدھارو

یہ کون مروّت ہے رلاتے ہوئے جانا　　اے غنچہ دہن بیاہ رچاتے ہوئے جانا
بھیّا سے مرا نیگ دلاتے ہوئے جانا　　سہرا کسی دکھیا کو دکھاتے ہوئے جانا
میں واری ۔ مدینے سے خبر آئی ہے بیٹا
شادی تری ہمشیر نے ٹھہرائی ہے بیٹا

اے جانِ حسین آپ کو کیا کہہ کہ میں روؤں　　نازوں کا ۔ مرادوں کا پلا کہہ کے میں روؤں
یا دوسرے محبوبِ خدا کہہ کے میں روؤں　　دولھا نہ بنے تھے جو بنا کہہ کے میں روؤں
آئی یہ صدا جب ۔ تو سفر کر گئے اکبر
اُس بی بی کے نالے جو سُنے مر گئے اکبر

میّت سے اٹھے شاہِ ہدا سر کو جھکائے　　سمجھا کے بہن کو ۔ حرمِ پاک میں لائے
پھر لاش اٹھانے کے لیے دشت میں آئے　　دشمن کو بھی اللہ یہ منظر نہ دکھائے
دلبند کلیجے پہ سناں کھائے پڑا تھا
بالیں پہ جگر تھامے ہوئے باپ کھڑا تھا

رتی پہ وہ میّت تھی کہ احمد کی نشانی　　کہتے تھے لبِ خشک کہ پایا نہیں پانی
ماتم کوئی کرتا تھا نہ واں مرثیہ خوانی　　ارمان بھرے لاشے پہ روتی تھی جوانی
دیکھے یہ سماں کوئی تو کس طرح کل آئے
شبیّر کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے

طوفاں تو امڈا تھا پہ مظلوم نے ٹالا　　امّت کے تصوّر میں دلِ زار سنبھالا
پھر لاش اٹھانے کو جھکے سیّدِ والا　　یاد آ گیا وہ بھائی، جو تھا گود کا پالا
دریا کی طرف مڑ کے کہا ہائے برادر
اکبر کے بھی پُرسے کو نہ تم آئے برادر

اے میرے وفادار کہاں سے تمہیں لاؤں　　جب تم ہی نہ آؤ تو کسے اور بلاؤں
یہ منظرِ جاں کاہ اخی کس کو دکھاؤں　　تم نہر پہ سوتے رہو میں لاش اٹھاؤں
کس طرح رکھوں ہاتھوں پہ ٹکڑے کو جگر کے
تھاموں میں کمر کو کہ جنازے کو پسر کے

خاموش نسیمؔ اب کہ نہیں ضبط کا یارا　　مجلس میں ہر اک کا ہے جگر غم سے دوپارا
ہے وقتِ دعا، عرض یہ کر شہ سے خدارا　　یا شاہ مصیبت میں ہے مدّاح تمہارا
کیوں مُنہ سے کہوں دل میں جو اک بات نہاں ہو
احوال تو سارا مرے مولا پہ عیاں ہے

۱۹۳۴ء

آئینۂ حق، جوہرِ اول ہیں محمدؐ
آدم پہ فضیلت ہے وہ افضل ہیں محمدؐ
یوسف مہِ کامل ہیں تو اکمل ہیں محمدؐ
اے صلِ علیٰ۔ احمدِ مرسل ہیں محمدؐ
انسان بھی قرباں ہیں۔ ملائک بھی فدا ہیں
بندوں کا ہے کیا ذکر۔ یہ محبوبِ خدا ہیں

اک آیۂ حق مصحفِ رخسارِ نبی ہے
قرآنِ مبیں نقش بدیوارِ نبی ہے
ایمان ہے کیا۔ قلب سے اقرارِ نبی ہے
دیدارِ خدا خلق میں دیدارِ نبی ہے
مولا کا جسے وعظ میں چہرہ نظر آیا
تو عرش پہ خالق اسے گویا نظر آیا

اس چاند کو معبود نے بے مثل بنایا
بندے کے خد و خال میں حسن اپنا دکھایا
صورت پہ فدا ہونے کو قرآن بھی آیا
مُنہ دیکھنے کے شوق میں خود حق نے بُلایا
موسیٰ کو تو دیدارِ الٰہی کی ہوا ہے
دیدارِ محمدؐ کا طلبگار خدا ہے

اب مصحفِ اعجاز و کرامات سُنائیں
معراجِ جنابِ شہِ خوش ذات سنائیں
منکر کو بھی حال آئے وہ حالات سنائیں
اس پر بھی نہ قائل ہو تو صلوات سنائیں
ہر انس و ملک وجد کرے شہ کی ثنا پر
خالق بھی کہے صلِ علیٰ صلِ علیٰ پر

گردوں سے براق آیا ہے جبریل کے ہمراہ
ہیں خواب کے بستر پہ دو عالم کے شہنشاہ
واقف جو ہوا حکمِ خدا سے دلِ آگاہ
بیدار ہوتے بخت کی صورت شہِ ذیجاہ
اٹھے صفتِ دستِ دعا راہِ طلب میں
تسبیح کے مانند چلے خدمتِ رب میں

مثل اپنے نصیبے کے براق اوج پر آیا رحمت کے بڑھے ہاتھ۔ قدم اس نے بڑھایا
قدسی کے بھی بازو نے یہ دم خم نہیں پایا ایسا ہے قوی۔ بارِ نبوت کو اٹھایا
ساتھ اس کے کبھی مرغ نظر اڑ نہیں سکتا
جبریل فرشتہ سہی۔ پَر اڑ نہیں سکتا

وہ نور کی رفتار طبیعت کی روانی جانے میں سرچرخ مری مرثیہ خوانی
پھر جا کے پلٹ آنے میں وہ یوسف ثانی یعقوب کی بینائی۔ زلیخا کی جوانی
جانا وہ نمازِ اَسَدُاللہ کی صورت
پھرنا وہ نصیب حُرِ ذی جاہ کی صورت

جاتا ہے فلک پر صفت نعرۂ تکبیر ہیں نعلِ حَسیں آیۂ البرق کی تفسیر
وہ نور کے سُم مہرِ خطِ کاتبِ تقدیر چلنے میں ہر اک پاؤں یداللہ کی شمشیر
کیونکر نہ کرے پل میں سفر ارض و سما کا
یہ بھیس میں مَرکب کے ارادہ ہے خدا کا

اعضائے جواہر میں ہے تاروں سے سوا نور اے نامِ خدا۔ حُسن کے سانچے میں ڈھلا نور
قدسی کا جُدا۔ رخشِ ہمایوں کا جُدا نور پھر اس پہ وہ نورِ نبوی۔ نورِ علیؑ نور
رفتار میں جلوہ ہے۔ نہ کچھ فرق سمجھیے
کہتے ہیں براق اِس کو۔ مگر برق سمجھیے

وہ زین زری جوہر قدرت کا خزینہ وہ پشت پہ خاتم۔ کہ انگوٹھی پہ نگینہ
جویائے حقیقت تھے جو سلطان مدینہ افلاک کی سیڑھی پہ چڑھے زینہ بزینہ
اعلیٰ کی طرف چشمِ رسولِ مدنی تھی
مڑ کر بھی نہ دیکھا سوئے دنیا کہ دَنی تھی

ہر چرخ پہ قدرت کا تماشا نظر آیا چوتھے کا مگر رنگ نرالا نظر آیا
منبر پہ علی۔ فرش پہ عیسیٰ نظر آیا جو مصحفِ ناطق ہے وہ گویا نظر آیا
نظروں میں ملک شانِ ولی تول رہے ہیں
انجیل ہے خاموش، علی بول رہے ہیں

پھر پانچویں گردوں پہ گئے شافعِ محشر — کیا دیکھتے ہیں سامنے موجود ہیں حیدر
پوچھا کہ اُنہیں۔ بھائی یہاں آ گئے کیونکر — کی عرض کہ ہر جا ہے ظہورِ شہِ صفدر
افلاک میں، مردم میں، فرشتوں میں جلی ہیں
دنیا میں علی، دیں میں علی، دل میں علی ہیں

پھر قاسمِ جنت جو گئے چرخِ ششم پہ — اک در کو وہاں دیکھ کے مولا ہوئے ششدر
قدسی نے کہا دیکھیے اے شافعِ محشر — دوزخ کا یہی در ہے پئے دشمنِ حیدر
محشر میں کسی ایک کی مالک نہ سنے گا
جو ساقیٔ کوثر سے جلے گا وہ بھُنے گا

وہ آگ کی زنجیروں کے غل شور وہ نالے — وہ گرز کہ البرز کے بھی توڑنے والے
وہ سانپ کہ دیکھیں تو پڑیں آنکھوں میں چھالے — گل کر دیں چراغِ مہ و خورشید، وہ کالے
دافع کوئی جز قاتلِ عنتر نہیں ان کا
جزُ الفتِ حیدر۔ کوئی منتر نہیں ان کا

لو منزلِ ہفتم کو چلے ماہِ رسالت — الحمد کے نعروں کی بجی خلد میں نوبت
لینے کو فرشتوں کا بڑھا شوقِ زیارت — سر رکھ دیے دیواروں پہ حوروں نے بحسرت
غُل تھا کہ وہ آتا ہے جو شاہِ دوسرا ہے
صلوات پڑھو۔ آمدِ محبوبِ خدا ہے

اقصیٰ میں ہے غل قبلۂ دیں شکل دکھاؤ — تکبیر کا نعرہ ہے کہ آواز سناؤ
طاعت کا وظیفہ ہے مری قدر بڑھاؤ — الحمد کا کلمہ ہے کہ لِلّٰہ اب آؤ
کہتی ہے اقامت قد و قامت پہ فدا ہوں
سجدے کا بیاں ہے کہ سلامی کو جھکا ہوں

پہنچے جو درِ خلدِ بریں پرشۂ بطحا — سب طالبِ دیدار تھے واں چشمِ تمنّا
وا تھا درِ جنّت صفتِ دیدۂ موسیٰ — غنچے بھی چٹک کر اَرِنی کہتے تھے گویا
چمکا رخِ پُرنور جو مہتاب کی صورت
سب جھک گئے تسلیم کو محراب کی صورت

دیکھا یہ نبی نے کہ عجب جلوہ گری ہے　　یاں جو بھی شجر ہے وہ عقیق شجری ہے
قلبِ چمنِ خلد میں اک بارہ دری ہے　　روشن ہے دروں سے کہ یہ اثنا عشری ہے
جوہر کا مکاں۔ دُر کا ہر اِک دَر نظر آیا
جس دَر پہ نظر کی وہیں حیدر نظر آیا

قدموں سے نبی کے جو بڑھی نشو و نما اور　　اب اور ہوئی شان چمن کل تھی فضا اور
پھولوں کا لباس اور شگوفوں کی قبا اور　　اس پر بھی یہ رضواں کا تقاضا کہ ذرا اور
صنعت کا ہوا خاتمہ ہر شے سے جلی ہے
گل ہے تو محمد ہے۔ کلی ہے تو علی ہے

کوپل کا وہ دیدارِ نبیؐ کو اُبھر آنا　　وہ بادِ صبا کا ادھر آنا۔ ادھر آنا
مجرے کو پیمبر کے عنادل کا۔ ترانا　　وہ پھول حسیں۔ جیسے محمد کا گھرانا
میلادِ نبی میں بھی یہی۔ گل بدنی تھی
جو آج دلھن ہے وہی اس دن بھی بنی تھی

آراستہ گلزارِ نعیم ایک طرف ہے　　حوروں میں بپا جشنِ عظیم ایک طرف ہے
مہکی ہوئی احمد کی شمیم ایک طرف ہے　　مستانہ و خود رفتہ نسیم ایک طرف ہے
پایا جو نہیں جام تو جی چھوٹ رہا ہے
انگڑائیاں آتی ہیں بدن ٹوٹ رہا ہے

ساقی مے توحید کی ضو بزم میں پھیلا　　زاہد کا بھی دل جس سے نہ میلا ہو وہ مے لا
جو نور کی برسات میں پیتے ہیں وہ شے لا　　مجنوں کو بھی عاقل جو بناتی ہے وہ لیلا
تاریکیِ شب جام کا مُنہ چوم رہی ہے
میخانے پہ رحمت کی گھٹا جھوم رہی ہے

ساقیٔ مۓ میخانۂ اسلام پلادے　　نشہ کا ہے آغاز خوش انجام پلادے
اب دل نہیں قابو میں دلآرام پلادے　　قرآں کا مُقطّر ہو وہ اک جام پلادے
یاں رند کو ایماں کی ہوا لائی ہے ساقی
میخانے کا دَر کھول۔ بہار آئی ہے ساقی

وہ جام پلا جس سے ہو محفل میں اُجالا — مومن کے لیے جو یدِ قدرت نے ہے ڈھالا
پی کر جسے اسلام کا نشہ ہو دوبالا — شیشہ مدنی دُرِّ نجف کا ہو پیالا
وہ مے جو نبی کے لیے در پردہ بنی ہو
ہاں ہاں شبِ معراج کے پردے میں چھنی ہو

مشکل میں رسولوں کی بھی ہمدم ہے یہی مے — وجہ شرفِ توبۂ آدم ہے یہی مے
اکسیرِ پئے عیسیٰ مریم ہے یہی مے — زخمِ دلِ ایوب کا مرہم ہے یہی مے
یوسف کی مصیبت بھی اسی مے سے ٹلی ہے
حد ہو گئی احمد کے لیے نادِ علی ہے

وہ مے کہ جو دل چھینتی ہے اہلِ ولا کے — شامل ہے جو مشرب میں رسولِ دوسرا کے
اُمِّ سلمہ کو بھی ذرا دور ہٹا کے — پی احمدِ مختار نے۔ سائے میں رِدا کے
مصحف اگر اس بادہ سے رنگین نہ ہوتا
کامل کبھی قرآں کی قسم دین نہ ہوتا

وہ مے کہ ہے جس پر نگہِ خالقِ عادل — جب تک کہ وہ صہبا نہ پییں صوم ہو باطل
جبریل بھی رندوں کی جماعت میں ہوں شامل — نعمت کا بھی ہو خاتمہ۔ ایماں بھی ہو کامل
ہم گرد ہوں ساقی کے جو قدموں سے لپٹ کے
اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ کہے شیشے کو اُلٹ کے

عشاقِ علی غیر سے پیوستہ نہ ہونگے — نسبت جنھیں اعلیٰ سے ہے وہ پست نہ ہونگے
قرآں کے جو متوالے ہیں بدمست نہ ہونگے — ہیں دستِ خدا ساتھ۔ تہی دست نہ ہونگے
پھرنے کے نہیں قول سے جو اہلِ یقیں ہیں
ہم پی کے بہک جائیں وہ کم ظرف نہیں ہیں

چھوڑا ہمیں دنیا نے بھی مستانہ سمجھ کر — شیشے کی پری کھنچ گئی دیوانہ سمجھ کر
جنت کی طرف آئے ہیں میخانہ سمجھ کر — کوثر کو اڑا جائیں گے پیمانہ سمجھ کر
جس بادہ کی ہے چاہ وہ شہ رگ کے قریں ہے
جو مست نہیں دینِ محمد میں نہیں ہے

ہے بانگِ اذاں نعرۂ مستانہ ہمارا اسلام کی سرحد میں ہے کاشانہ ہمارا
اخلاصِ عمل ہے خطِ پیمانہ ہمارا قرآن ہے نقشِ درِ میخانہ ہمارا

کہنے کی نہ تھی بات نصیری نے خطا کی
ساقی کی نگاہوں میں خدائی ہے خدا کی

دیکھے تو شرفِ زاھدِ بدنام ہمارا منزل ہے رہِ عشق کی ہر گام ہمارا
جو کام نبی کا ہے وہی کام ہمارا ہے اجرِ رسالت فقط اِک جام ہمارا

یاں مصحفِ ناطق کے سدا دور ہیں ساقی
قرآں کی لکیروں کے فقیر اور ہیں ساقی

کعبے میں ہوا دور جو ساقی کا ہمارے مے لے کے بڑھا دوشِ محمد کے سہارے
گرنے لگے دل سنگ بھی یوں نشے آئے آنکھ اٹھتے ہی ساقی کی صنم چور تھے سارے

رحمت بھی محمد کی طرح جھوم رہی تھی
اس جھومنے پر مہر قدم چوم رہی تھی

ہاں بادہ کشو۔ پی چکے اب بادۂ احمر ذوقِ گل و گلزار بھی کچھ چاہیے پی کر
گلگشتِ جناں میں ہیں ابھی شافعِ محشر اب قندِ مکرر کا مزہ ہے لبِ کوثر

جنت کی کرو سیر۔ وہ کچھ دور نہیں ہے
میرا بھی دماغ اب تو سرِ عرشِ بریں ہے

وہ تازہ نہالوں کے نئے رنگ کے جامے وہ غنچۂ و گل بوتے محمد سے شمامے
وہ سبز ورق نیکوں کے اعمال کے نامے شبیر کے ہمرنگ شگوفوں کے عمامے

ہر گل سے عیاں حُسنِ رسولِ مدنی ہے
گر پھول حسینی ہے تو پتّا حَسَنی ہے

دل شاد ہوا جس گلِ بے خار کو دیکھا گلزار کو۔ یا حور کے رخسار کو دیکھا
محراب کو یا ابروئے خمدار کو دیکھا آنکھوں کو تکا نرگسِ بیمار کو دیکھا

اِس حُسن پہ سب رند بھی شیدا ہیں وَلی بھی
زیور میں علی بند بھی ہے۔ نادِ علی بھی

قصرِ دُر و یاقوت پہ بیلیں ہیں سنہری / بوٹوں میں وہ سبزی، کہیں ہلکی کہیں گہری
وہ خواب کا فرش۔ اور وہ سونے کی مسہری / وہ سرد ہوا۔ پھر کر آ جائے پھُریری
رحمت کی برستی ہے گھٹا آبِ رواں پر
بخت اُس کا ہو بیدار جو سو جائے وہاں پر

وہ قصر کہ جن کے دلِ دیندار میں گھر ہیں / ڈالی ہے بنا نور سے جن کی۔ وہ شجر ہیں
وہ نور کے پردوں میں ثمر ہیں کہ قمر ہیں / سب قاسمِ جنّت کی ولایت کے ثمر ہیں
جو شاخ ہے۔ رفعت میں تصوّر سے سوا ہے
بالا صفتِ حوصلۂ شیرِ خدا ہے

غلماں وہ طرحدار۔ وہ حورانِ عفیفہ / تن ان کے لطیف۔ اور سخنِ ناز لطیفہ
ہر وقت جنھیں نامِ محمّد کا وظیفہ / میوے کی بھی تشریف میں آیاتِ شریفہ
غل ہے۔ شجر ایسے ہوں، گل ایسے، ثمر ایسے
سو بار بھی کھائیں۔ تو وہ پھل۔ ویسے کے ویسے

اڑ اڑ کے جو طائر سوئے شاخِ ثمر آئے / پر جوڑے ہوئے تاک میں وہ تیز پر آئے
اس نخل پہ بیٹھے۔ کبھی اڑ کر اِدھر آئے / کھولے ہوئے شہپر کبھی نیچے اتر آئے
اٹھی نگہِ حور۔ ہوا ہو گئے۔ فر سے
عاشق کے حواس اڑ گئے دلبر کی نظر سے

جو اڑتا ہے طائر صفتِ جعفرِ طیّار / پَر تولتے ہی۔ نادِ علی پڑھتا ہے ہر بار
یہ رزق ہے اُس کا جو علی کا ہے نمک خوار / خود بھُن کے گرا۔ کھا لیا۔ پھر اڑنے کو تیار
جان آ گئی کلمہ جو پڑھا عقدہ کشا کا
ہے بولتا اعجاز نصیری کے خدا کا

دم بھرتے ہیں سب طیر۔ محمد کی ولا کا / گردن پہ رقم نام ہے شاہِ شہدا کا
سینے پہ لقب ہے حسنِ سبز قبا کا / بازو پہ ہے طغرائے جلی دستِ خدا کا
ماتھے کا شرف اسمِ رسولِ دوسرا ہے
پَر نامِ بتول آنکھ کے پردے میں لکھا ہے

طوبیٰ کا شجر نورِ پیمبر کا تتمّہ   خورشید میں جس نور کی تنویر کا شمّہ
ہر قصر کے سائے پہ اسی نخل کا ذمّہ   ہر برگِ ضیا بار پہ اسمائے ائمّہ
اصل اس کی جگہ احمدِ مختار کا گھر ہے
اولادِ یداللہ کا شجرہ. وہ شجر ہے

وہ نہرِ جناں آئنۂ رحمتِ باری   روشن وہ کنارے ہیں کہ چاندی کی کناری
ہلکی سی وہ پانی کی ردا۔ مول میں بھاری   وہ آیۂ تطہیر لبِ نہر پہ جاری
پڑھتی ہیں سدا صلِّ علیٰ جوشِ ولا میں
موجوں کی زباں تر ہے محمّد کی ثنا میں

وہ آبِ مصفّا سے خجل موتیوں کی آب   دیکھے تو جلے رشک سے خورشیدِ جہاں تاب
کوثر میں وہ اِک جا عسل و شیر و مئے ناب   ہر فرد جدا۔ جمع مگر صورتِ احباب
ظاہر میں کئی رنگ۔ پئیں جب تو مزا ایک
جس طرح طہارت میں، سبھی آلِ عبا ایک

منکر کو ہوا شک کہ یہ سب کیسے ہیں یکجا   تمثیل سے یوں جعفرِ صادق نے بتایا
کیا تو نے پرندوں کے نشیمن میں ہے دیکھا   وہ گنبدِ بے در جو صفا میں یدِ بیضا
دیکھیں جو اسے توڑ کے پانی سا بھرا ہے
زردی جو سفیدی میں ملی ہے وہ جدا ہے

لو چشمۂ کوثر سے بڑھے شافعِ محشر   جبریل بھی سدرہ کے قریں رہ گئے تھک کر
ٹھٹکا جو براق۔ آگیا رف رف پئے سرور   رف رف تھا رواں جیسے زباں چلتی ہو فر فر
یوں جلد قدم اس کا بڑھا حکمِ خدا سے
ایمان بڑھے جیسے محمّد کی ولا سے

اڑتا تھا وہ یوں۔ جیسے کہ بوئے مئے تطہیر   پھرتا تھا وہ یوں جیسے مری نظم کی تقدیر
یا حرفِ غلط پر مرا خامہ دمِ تحریر   یا دیدۂ مشتاق میں محبوب کی تصویر
یوں تیز چلا۔ جیسے دعا جائے ولی کی
یا کان میں حیدر کے صدا نادِ علی کی

بیتاب بھی ہے برق بھی۔ پارا بھی نہیں ہے　　اڑتا ہے بھڑکتا ہے شرارا بھی نہیں ہے
جاری بھی ہے اور اس کا کنارا بھی نہیں ہے　　گردوں پہ چمکتا ہے ستارا بھی نہیں ہے
واں گرم ہے بستر۔ یہ گیا عرشِ عُلا تک
اک جست میں پہنچا دیا بندے کو خدا تک

الفاظ میں پرواز ہما باندھوں تو کیونکر　　بندش میں قیامت کی ادا باندھوں تو کیونکر
دل کھول کے رف رف کی ثنا باندھوں تو کیونکر　　حیراں ہوں نسیمؔ اب کہ ہوا باندھوں تو کیونکر
یہ کیا کہوں بجلی ہے فرشتہ ہے ضیا ہے
یہ کیوں نہ کہوں مرکبِ محبوبِ خدا ہے

کیا تاب جو اڑنے میں براق اس کا ہو دمساز　　وہ تختِ سلیماں ہے یہ جبریل کی پرواز
وہ ہے نظرِ شوق۔ یہ تیرِ نگہِ ناز　　وہ برق یہ جلوہ۔ وہ کرامت ہے یہ اعجاز
دونوں ہیں رسا۔ فرق بس اتنا ہی عیاں ہے
قدسی کی وہ تکبیر۔ یہ حیدر کی اذاں ہے

جلوے میں وہ ہے کاہکشاں۔ یہ مہِ تاباں　　وہ ماہِ منور ہے تو یہ مہرِ درخشاں
وہ سیل یہ کشتی۔ وہ ہوا ہے یہ سلیماں　　وہ طور ہے یہ نور۔ وہ انجیل یہ قراں
وہ ولولۂ شوق یہ رحمت کی نظر ہے
وہ احمدِ مرسل کی دعا ہے یہ اثر ہے

مانندِ نظر پل میں گیا عرشِ عُلا پر　　بس خاتمہ رحمت کا ہوا خیرِ وَرا پر
روشن ہے سب احوالِ کلیم اہلِ وِلا پر　　پہنچے جو سرِ طور صدا تھی یہ صدا پر
اسرارِ ادب قلب کے مابین اتارو
یہ وادیِ تقدیس ہے نعلین اتارو

پہنچی جو سرِ عرش محمدؐ کی سواری　　تھی جائے ادب پاؤں سے خود کفش اتاری
باری کی ندا پردے سے آئی کئی باری　　میرے لیے محبوب کی ہر چیز ہے پیاری
یاں غیر نہیں کوئی۔ نہ شرماؤ محمدؐ
پہنے ہوئے نعلین چلے آؤ محمدؐ

لو عرش ہوا جلوہ گہِ حُسن و محبت — مابین نہیں اب کوئی غیریت و غیرت
آئینۂ کثرت میں نظر آتی ہے وحدت — یاں آنکھ کا پردہ ہے تو واں عذرِ مشیّت

آگاہ تھے یہ۔ واجب و ممکن کی جو حد سے
اِن دو ہی کمانوں کا رہا فرقِ اَحد سے

وہ ناز کا انداز وہ شانِ صمدیّت — وہ عشق و محبت کے کرشموں کی وضاحت
بالائے سرِ پاک سراپردۂ رحمت — زیرِ کفِ پا مسندِ دامانِ مشیّت

نعلینِ مقدس تھی اسی فرش کے اوپر
کرسی تھی محمد کے لیے عرش کے اوپر

میں خاک نشیں۔ قصۂ اعلیٰ کہوں کیونکر — قوسین کی تقریب کو اَدنیٰ کہوں کیونکر
کیا دیکھا محمد نے۔ سُنا کیا۔ کہوں کیونکر — اللہ کی قدرت کو میں بندا۔ کہوں کیونکر

آئینۂ حیرت ہیں۔ یہ عالم ہے نبی کا
باتیں ہیں کسی کی لب و لہجہ ہے کسی کا

حق یاں نہیں موجود۔ یہ مقصود نہیں ہے — پر۔ جو پسِ پردہ ہے وہ مسجود نہیں ہے
پردہ تو ہے محدود۔ وہ محدود نہیں ہے — لو ہاتھ بھی ہیں اس کے یہ معبود نہیں ہے

پوچھو جو حقیقت تو مجازاً یہ بجا ہے
یہ ہاتھ خدا کا نہیں۔ ہاں دستِ خدا ہے

قرآں سے بھی پردہ ہے یہاں کیا تھا نہ جانے — کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے تو بس عینِ خدا نے
پردے میں کہا۔ جو بھی کہا ربِ ہدا نے — در پردہ سنا۔ جو بھی سُنا خیرِ ورا نے

اللہ ہی جانے کہ وہاں کون ہو۔ کیا ہو
دل کہتا ہے وہ کہیے۔ جو ممکن ہے کہا ہو

گویا یہ کہا ہم کو علی سے ہے محبت — تم تاجِ رسالت ہو۔ وہ سرتاجِ امامت
تم شافعِ محشر ہو۔ وہ ہے قاسمِ جنت — اب عزم ہے کیا فاطمہ کے بیاہ کی نسبت

دے عقد کا پیغام یہ مرضیِ غنی تھی
اس بیاہ کی خاطر شبِ معراج بنی تھی

کی عرض ہوا آدمِ خاکی کو جو سجدا — کیا اس کا عوض مجھ کو دیا اے مرے مولا
فرمایا کہ سجدہ وہ انھیں تھا کہ تمھیں تھا — جن پر کہ ملک جھک گئے کس کے تھے وہ اسما
وہ عالمِ جزوی تھے تم اک عالمِ کُل ہو
وہ مُبتدیِ علم تھے تم ختمِ رُسُل ہو

حضرت نے کہا نوح کو کشتی جو عطا کی — طوفان میں حامی تھی وہ اربابِ ولا کی
فرمایا وہی شان ہے بس آلِ عبا کی — دریا ہے ترا دین یہ کشتی ہے خدا کی
بے اس کے تباہی میں گرفتار ہے بیڑا
اس ناؤ میں جو بیٹھ گیا پار ہے بیڑا

کی عرض ہوئی بانیِ کعبہ کی یہ حُرمت — بخشا مرے خالق نے اسے رتبۂ خُلّت
فرمایا بڑا فرق ہے اے ماہِ رسالت — اُس کو مری اُلفت تھی۔ مجھے تیری محبّت
اس سے تو زیادہ ہے شرف تیرے وصی کا
آیا تھا بنانے وہ زچہ خانہ علی کا

کی عرض کہ داؤد زبور آپ سے لایا — فرمایا کہ قرآن بھی آیا کہ نہ آیا
کی عرض کہ توریت کا بدلہ تو نہ پایا — فرمایا کہ مصحف نے وہ دفتر ہی مٹایا
انجیل بھی اب ہیچ ہے عالم پہ جلی ہے
تیرے لیے بے لفظوں کا قرآن علی ہے

کی عرض کہ ادریس نے پائی ہے یہ عزت — زندہ تری رحمت سے ہوئے داخلِ جنّت
فرمایا ترے بھائی پہ ہے حد کی عنایت — وہ قاسمِ فردوس ہے قبضے میں ہے قسمت
ادریس کو بھی فخر ہے خدمت میں ولی کی
سِیتا ہے قبائیں وہ غلامانِ علی کی

کی عرض بہت ناقۂ صالح کا ہے چرچا — جو اُن کے لیے دَم میں ہوا سنگ سے پیدا
پردے سے ندا آئی براق اس سے ہے اعلیٰ — وہ خاک ہے یہ نور۔ وہ حیواں یہ فرشتا
جو فرق ہے۔ پوشیدہ نہیں اہلِ نظر سے
یہ عرش سے اترا ہے وہ نکلا تھا حجر سے

کی عرض سلیماں کو عجب تخت ملا تھا — پردے سے صدا آئی کہ رف رف سے سوا تھا
وہ نام تھا کس کا جو انگوٹھی پہ لکھا تھا — دم بھر کی ہوا تھی وہ بھلا تخت ہی کیا تھا
تم عرش نشیں ہو وہ فقط تخت نشیں ہے
چیونٹی کے برابر بھی بساط اس کی نہیں ہے

کی عرض کہ موسیٰ کا شرف ہم نے نہ پایا — جلوہ انہیں دکھلا کے کلیم اپنا بنایا
فرمایا انھوں نے نہیں پایا ہے یہ پایا — وہ طور تک آئے تمھیں تا عرش بلایا
وہ دور تھے۔ حضرت سرِ دربار کھڑے ہیں
وہ غش ہوئے پر آپ تو ہشیار کھڑے ہیں

لکنت سے جو موسیٰ کی زباں رکتی تھی اکثر — یہ عیب چھپانا تھا کلیم اُن کو بنا کر
واں اپنے عصا کو وہ بنا دیتے تھے اژدر — یاں ہم نے بنایا ہے ترے بھائی کو حیدر
وہ ڈر گئے اژدر سے۔ بڑھا ہاتھ وَلی کا
وہ اُن کی جوانی تھی۔ یہ بچپن تھا علی کا

کب ان کی وہ ہیبت تھی جو تم کو ہے میسر — ہارون مِلا ان کو۔ تمھیں حیدرِ صفدر
ساحر پہ بھی غالب نہ ہوا ان کا برادر — وہ بھائی تمھارا ہے جو ہے فاتحِ خیبر
ایسا کوئی عالم میں جگر دار نہیں ہے
جرّار ہے۔ کرّار ہے۔ فرّار نہیں ہے

کی عرض دیا کیا عوضِ رتبۂ الیاس — آئی یہ ندا پائے گا وہ آپ کا عباس
عاشور کو پانی سے حرم ہونگے جو بے آس — تڑپائے گی شبیرؑ کے بچوں کو بہت پیاس
سقّہ وہ بہشتی جو سکینہ کا بنے گا
سب مشک بھی اور جسم بھی تیروں سے چھنے گا

کی عرض بڑا مرتبہ یحییٰ کو مِلا ہے — فرمایا حسین آپ کا اس سے بھی سوا ہے
بولے کہ عوض گریۂ یعقوب کا کیا ہے — فرمایا کہ یہ خاص پئے زینِ عبا ہے
یوسف کی طرح جائے گا وہ قیدِ ستم میں
چالیس برس روئے گا شبیر کے غم میں

روئے لگے یہ سُن کے جو سلطانِ رسالت
بس چھیڑ دیا تذکرۂ بخششِ امّت
اے صلِّ علیٰ شہ کو ملا اِذنِ شفاعت
اشکوں کے بہانے سے ہوئی بارشِ رحمت
مولا کو بڑی فکر تھی دن رات ہماری
لو باتوں ہی باتوں میں بنی بات ہماری

نازل ہوئے ناگاہ کئی کاسۂ رحمت
محمود نے کی عرش پہ احمد کی ضیافت
کیوں دوستو اللہ کے گھر جس کی ہو دعوت
افسوس ہے بھوکی رہے اُس شاہ کی عترت
شربت ہو سرِ عرش ضیافت میں نبی کی
پانی نہ ہو قسمت میں حسین ابنِ علی کی

واں عرش رکھے فرق پہ نعلین پیمبر
یاں شمر کی بدعت کے لیے سینۂ دلبر
واں نور کے پانی سے دُھلے دستِ مُطہّر
یاں ننھے سے بچے کو نہ قطرہ تھا میسّر
بے رحم کا تیر اور وہ نازک سا گلا تھا
مظلوم نے بچّے کا لہو مُنہ پہ ملا تھا

اللہ کے گھر جس کے پدر کی ہو یہ توقیر
اس کے لب و لہجہ میں کرے دوست سے تقریر
کیا قہر ہے کیوں گر نہیں پڑتا فلکِ پیر
افسوس، ہوئے بید کے قابل لبِ شبیّر
پردے میں یداللہ کو بلوایا خدا نے
بے پردہ ہوئے ان کے حرم بندھ گئے شانے

اعدا نے رہِ شام میں کیا کیا نہ ستایا
کنبے کو حرم روئے تو نیزوں سے ڈرایا
دربار میں تا دیر غم و رنج اٹھایا
پھر چرخ نے زندانِ مصیبت میں پھنسایا
اس غم سے اماں دردرسیدوں نے نہ پائی
زندوں نے لحد پائی شہیدوں نے نہ پائی

وہ قید کے صدمے حرمِ عقدہ کشا کو
بچوں کے تڑپنے کا وہ غم آلِ عبا کو
وہ حد کا الم بنتِ امامِ دوسرا کو
بابا کو کبھی ڈھونڈھتی تھی گاہ چچا کو
زنداں ہی میں رو رو کے قضا کر گئی بچّی
غم کا الم اٹھ نہ سکا مر گئی بچّی

زنداں میں بہن عابدِ بیمار سے بچھڑی	اصغر کی طرح بانوے ناچار سے بچھڑی
ماں کہتی تھی ہے ہے میں دلافگار سے بچھڑی	لو بی بیو معصوم بھی نادار سے بچھڑی

اے لختِ دلِ کشتۂ شمشیر سکینہؑ
اٹھو تو منگا دوں سرِ شبیر سکینہؑ

سب اشکوں سے منہ دھوتے ہیں صدقے گئی اٹھو	سامانِ عزا ہوتے ہیں صدقے گئی اٹھو
جان اپنی حرم کھوتے ہیں صدقے گئی اٹھو	سجادِ حزیں روتے ہیں صدقے گئی اٹھو

میں صدقے گئی بھائی کا دم بھرتی تھیں تم تو
سجاد کے رونے سے کڑھا کرتی تھیں تم تو

یاد آتا ہے بی بی کے غم و رنج کا سہنا	کانوں سے کبھی خون کبھی اشکوں کا بہنا
شہ سے مرا سر کھلنے کا احوال نہ کہنا	بی بی مرے اصغر کی خبر بھیجتی رہنا

اماں کی جدائی کا نہ غم کھائیو بی بی
جی کھیل کے مانجائے سے بہلائیو بی بی

اس ننھی سی میت کے میں قربان سکینہ	کل چار برس کی مری مہمان سکینہ
کیونکر ہو ترے دفن کا سامان سکینہ	مل جانا کفن کا نہیں آسان سکینہ

زنداں ہے رہنے کے لیے گھر بھی نہیں ہے
بی بی تمہیں معلوم ہے چادر بھی نہیں ہے

یہ غل جو سنا حاکمِ اظلم نے قضا را	پوچھا کہ یہ کیا شور ہے تو کوئی پکارا
وہ لڑکی جو تھی قیدیوں کی آنکھوں کا تارا	آخر کو اسے شمر کی بیداد نے مارا

رو رو کے زمانے سے سفر کر گئی بچی
بابا کا جو سر چھین لیا مر گئی بچی

یہ سن کے شقی نے کہا عابد سے یہ کہہ آؤ	اب رونے سے کیا فائدہ ہے رانڈوں کو سمجھاؤ
سونے کا مرے وقت ہے اس درجہ نہ چلاؤ	کل تین پہر رات ہے رو لیجو بھڑ جاؤ

فریاد بھی کر لیجیو اور رنج و محن بھی
میں دفن کا سامان بھی بھیجوں گا کفن بھی

یہ کہہ جو گئے آن کے ظالم کے سپاہی　　دل تھام کے تڑپے حرم شیر الٰہی
ہیہات یہ قید، اور یہ مصیبت، یہ تباہی　　یہ بچی کی موت اور یہ رونے کی مناہی
ایسا تو ستم خلق میں ہوتا نہیں لوگو
جس کا کوئی مرتا ہے وہ روتا نہیں لوگو

آخر سحر حشر نے منہ اپنا دکھایا　　سجاد نے غسالہ کو زنداں میں بلایا
وہ لاش کے پاس آئی تو رو کر یہ سنایا　　ہے ہے مجھے قسمت نے یہ کیا رنگ دکھایا
دل رنج سے سینے میں ٹھہرتا نہیں لوگو
اس بچی کا کرتہ تو اترتا نہیں لوگو

اے بی بیو کیا سنتی ہو آنسو نہ بہاؤ　　اے لوگو تن زار سے کرتہ تو چھڑاؤ
دوں غسل میں کیونکر کوئی تدبیر بتاؤ　　کیا اس کو مرض تھا مجھے کچھ حال سناؤ
زینب نے کہا کیا کہیں دل غم سے تپاں ہیں
کوڑوں کے یہ سب زخم ہیں دردوں کے نشاں ہیں

آخر کو یونہی غسل دیا رنج و محن میں　　کرتہ بھی شہادت کو گیا ساتھ کفن میں
رو کر کہا عابد نے کہ طاقت نہیں تن میں　　یا شاہِ ہدیٰ خاک پہ کیا سوتے ہو بن میں
ناچار ہوں میں داغ حزینہ نہ اٹھے گا
بیمار سے تابوتِ سکینہ نہ اٹھے گا

اے قاسم مضطر مجھے دل سے نہ بھلاؤ　　بھیا مجھے تنہائی میں اتنا نہ رلاؤ
اکبر تمہیں ہمشیر کے دفنانے کو آؤ　　عباس بھتیجی کے جنازے کو اٹھاؤ
بیکار مرے ہاتھ ہیں صدمے سے رسن کے
میں طوق سنبھالوں کہ جنازے کو بہن کے

سنہ ۱۹۳۶ء

دل میں ہے عزمِ منقبتِ مرتضیٰ علیؑ   مشکل ہے مرحلہ مرے مشکل کشا علیؑ
مولا علیؑ، شریکِ شرِ انبیا علیؑ   دل میں ہے یا نبیؐ، جو زباں پر ہے یا علیؑ
واحد حدیثِ نور سے یہ لا کلام ہیں
اتنا ہی فرق ہے وہ نبیؐ یہ امامؑ ہیں

اسلام کا جسد ہیں محمدؐ تو سر علیؑ   وہ مبتدائے خلقت و خلقت، خبر علیؑ
وہ عقل یہ دماغ وہ دل اور جگر علیؑ   وہ علم با عمل کا مدینہ تو در علیؑ
خیر الوریٰ وہ ہیں تو یہ خیر الانام ہیں
وہ ختمِ انبیاؐ ہیں یہ پہلے امام ہیں

وہ ہیں لوائے حمد یہ حق کا نشان ہیں   وہ غیب کی صدا یہ تکلم کی شان ہیں
وہ آنکھ ہیں یہ نور وہ قالب یہ جان ہیں   وہ نفسِ ناطقہ ہیں یہ گویا زبان ہیں
امت کے وہ شفیع تو یہ دستگیر ہیں
وہ شاہ جزو و کل یہ جناب امیر ہیں

وہ دین کا شکوہ یہ حق کا وقار ہیں   وہ صاحبِ براق یہ دلدل سوار ہیں
وہ باغ یہ نسیم وہ گل یہ ہزار ہیں   وہ جڑ یہ شاخ۔ مل کے چمن کی بہار ہیں
کیجے جدا علی کو تو پھر یہ فضا کہاں
جب شاخ ہی نہ ہو تو شجر کی ہوا کہاں

سب کے شرف نبیؐ ہیں نبیؐ کے شرف علیؑ   وہ مہرِ بے زوال مہِ بے کلف علیؑ
وہ شاہ ما عرف ہیں شہِ من عرف علیؑ   وہ لعلِ بے بہا ہیں تو درِ نجف علیؑ
وہ پیکرِ جمال، یہ روحِ جلال ہیں
وہ گوہرِ صفا ہیں یہ کعبہ کے لال ہیں

وہ مصطفےٰ الحکم مشیت یہ مرتضیٰ — وہ مرضیِ اِلٰہ تو یہ راضیِ رضا
وہ مدعی رسالتِ حق کے یہ مدعا — وہ تاج انبیا ہیں یہ سرتاج اولیا

منزل جدا ہو گر یہ کہوں مہر و ماہ ہیں
توحید کے یہ دونوں ہی عادل گواہ ہیں

رحمت کی اُن کے دم سے جو ہر سو ہوا چلی — ان کے بھی دم قدم سے ہر اک کی بلا ٹلی
وہ نخل ہیں یہ گل۔ جو وہ گل ہیں تو یہ کلی — وہ شمع ہیں یہ لو۔ وہ تجلی ہیں یہ جلی

آئینے دو ہیں برق سرِ طور ایک ہے
دو آنکھیں دیکھنے کو سہی نور ایک ہے

دل ایک نفس ایک سخن اور زبان ایک — قول ایک فعل ایک نظر ایک شان ایک
دم ایک گوشت ایک لہو ایک جان ایک — ہیں فاطمہ گواہ کہ ہے خاندان ایک

مخصوص یہ علی کو صفت بالیقیں ملی
زوجہ نبی کو ایک بھی ایسی نہیں ملی

ہر منزلت کا ختمِ رسالت پہ خاتمہ — ہر منقبت کا شمع امامت پہ خاتمہ
سب حجتوں کا مہرِ نبوت پہ خاتمہ — کل نعمتوں کا شاہ ولایت پہ خاتمہ

ہم کیوں بتائیں فرق، عیاں مثلِ فجر ہے
اِن کی محبت اُن کی رسالت کا اَجر ہے

لاسیف ہے قصیدۂ توصیفِ مرتضیٰ — نادِ علی۔ ضمیمۂ تعریفِ مرتضیٰ
کعبے کا اوج باعث تشریفِ مرتضیٰ — تصنیف حق کی شان بہ تالیفِ مرتضیٰ

قرآں کی مے بھرو جو تولا کے ظرف میں
مضمر علیؑ کی مدح ہے ایک ایک حرف میں

ایما الف کا ہے کہ امام امم کہو — ایمان واہل بیت و امیرِ ارم کہو
بِ کا بیان ہے کہ بقا کا بھرم کہو — یا باعث برات و براءت۔ ہم کہو

تِ سے نبی کی تیغ بھی تاب اور توان بھی
تطہیر کی تمیز بھی ہیں ترجمان بھی

ث سے ثباتِ حق ہیں ثبوتِ ثواب ہیں   کہتا ہے ج جامعِ قرآں جناب ہیں
ح سے کھلا کے حامی روزِ حساب ہیں   حق اور حق نما ہیں حقیقت مآب ہیں
خ سے خود آشنا بھی خدا کی دلیل بھی
خیر العمل بھی، خادمِ حق بھی، خلیل بھی

کہتی ہے د دافعِ دردِ نہاں علیؑ   دنیا کے اور دین کے ہیں درمیاں علیؑ
در علم کا علی درِ امن و اماں علیؑ   ذ اس پہ دال ہے کہ ذبیحِ زماں علیؑ
ر کا یہ رمز ہے کہ رضیؑ و رضا کہو
ز کہہ رہی ہے صاف زبانِ خدا کہو

ہیں س سے یہ سرورِ دیں سیّد و سعید   ساقی، سمیِ حق، سرِ پیغمبرؐ مجید
کہتا ہے شینِ شرع کہ یہ شاہد و شہید   گر شیر ہے شجاع تو شمشیر ہے شدید
بولا یہ ص مجھ کو بھی صدیق یاد ہے
دی وحی نے صدا کہ ہمارا بھی صاد ہے

کہتا ہے ض ضیغمِ رب، ضامنِ جہاں   طا سے طہور و طیب و طاہر ہیں بیگماں
ظا سے ظہورِ حق ہیں، ظہیرِ شہِ زماں   ہے ع سے عبودیت و عبدیت عیاں
عابد ہیں اور عبیدِ شہِ مشرقین ہیں
عینِ خدا رسولؐ کے یہ نورِ عین ہیں

غل ہے یہ غ کا کہ یہ غالب ہیں بے غلو   کہتی ہے ف فہیم سنیں میری گفتگو
فاروق سے ملو جو ہے فرقاں کی جستجو   ہے ق سے یہ قاسمِ جنت قباتے ہو
مضمون قاف قائلِ اوصاف ہو گیا
قدرت کا شور قاف سے تا قاف ہو گیا

کہتا ہے ک کامل و کرّار پہ فدا   ہے ل کی زباں پہ لا سیف و لا فتا
مقصود میم مطلب و مطلوبِ مصطفےٰ   ہیں ن سے یہ ناصرِ حق واؤ سے وفا
ہ سے ہدایتوں کے ہوا خواہ ہیں علیؑ
ی سے ہے یہ یقیں کہ یداللہ ہیں علیؑ

چہرہ ریاض خلد ہے گیسو شمیم خلد ‏ ‏ ‏ ہر سانس باغ شرع نبی میں نسیم خلد
شام و سحر ریاض کا ثمرہ نعیم خلد ‏ ‏ ‏ نانِ جویں بکام و دہن اور قسیم خلد
دل آئنہ ہے، خاک پہ گو محوِ خواب ہیں
لاکھوں ہیں خاکسار یہ اک بوتراب ہیں

بار فروتنی جو ہے شانہ لیے ہوئے ‏ ‏ ‏ رخت کہن ہے شان شہانہ لیے ہوئے
دنیا کی رونقیں ہے زمانہ لیے ہوئے ‏ ‏ ‏ یہ علم اور عمل کا خزانہ لیے ہوئے
کردار میں جو بعد نبی بے نظیر ہیں
باوصف فقر آپ جناب امیر ہیں

کیا پوچھتے ہو کیا نہ دیا شہ نے کیا دیا ‏ ‏ ‏ نام خدا بنامِ خدا گھر لٹا دیا
کیا غم جو ان کا فیض جہاں نے بھلا دیا ‏ ‏ ‏ خالق نے تو عطا کا صلہ ھل اتیٰ دیا
خالی ہے زر سے ہاتھ مگر دستگیر ہیں
دل کے امیر ہیں تو جناب امیر ہیں

مخلوق نور شمع حقیقت نمائے خلق ‏ ‏ ‏ راہ نجات رائے سے حق کی برائے خلق
یاں زندگی کے دور میں حاجت روائے خلق ‏ ‏ ‏ مرنے کے بعد قبر میں مشکل کشائے خلق
پوچھو اگر وہ کون ہیں جو دستگیر ہیں
مردے پکار اٹھیں کہ جناب امیر ہیں

حق کے ولی تو والی اہل ولا علیؑ ‏ ‏ ‏ شمع حرم امام امم مرتضیٰ علیؑ
علم نبی کے در شہ خیبر کشا علیؑ ‏ ‏ ‏ ایسے فتیٰ علی کہ شہ لافتا علیؑ
گر تذکرہ ہو، کون شہ قلعہ گیر ہیں
رن بول اٹھے کہ صرف جناب امیر ہیں

رہبر علی صراط علی رہ نما علی ‏ ‏ ‏ مولا علی امام علی پیشوا علی
کشتی علی نجات علی ناخدا علی ‏ ‏ ‏ مشکل کے وقت خلق کے مشکلکشا علی
پیروں کے دستگیر نبی کے وزیر ہیں
عالم فقیر ہے یہ جناب امیر ہیں

حق گو سکوت میں ہیں کہ اللہ کیا کہیں — خیبر کشا کہ خلق کا مشکل کشا کہیں
ہم وہ بشر نہیں ہیں کہ حق کے سوا کہیں — حق ہی کہیں گے ہم تو نصیری خدا کہیں
جو نام آپ کا ہے وہی کبریا کا نام
بعد از نبیؐ یہ فرد ہیں۔ آگے خدا کا نام

جنت کے پھول ہیں گل پُرخار یہ نہیں — بچپن میں بھی بتوں کے پرستار یہ نہیں
یوسف کی طرح زینت بازار یہ نہیں — کرار ہیں نبرد میں فرار یہ نہیں
”موڑا نہ رُخ کبھی اسد ذوالجلال نے
دیکھی ہے ان کی پشت فقط ان کی ڈھال نے“

اللہ رے مناقب استاد جبرئیل — وحدت کا اک ثبوت رسالت کی اک دلیل
جنت کی یہ سبیل تو رحمت کی سلسبیل — مسجد میں یہ ذبیح تو کعبے میں یہ خلیل
نکلا حرم سے رازِ خفی کھولتا ہوا
یہ معجزہ رسولؐ کا ہے بولتا ہوا

آدم سے تا مسیح ہوئے جتنے اولیا — عقدہ کشا ہیں سب کے علی۔ شانِ کبریا
کس نے نہیں سنا ہے یہ بچپن کا ماجرا — اک روز نوش کرتے تھے خرمے شہ ہدا
ناگاہ صورتِ گل بے خار ہنس دیے
سلماں پہ تخم پھینک کے اک بار ہنس دیے

سلماں کو کچھ تو آئی ہنسی اور کچھ عتاب — بولے خطا معاف شہ آسماں جناب
پیروں سے یہ مزاح، خطا کہیے یا صواب — ہنس کر کہا علی نے کہ ہم خرما ہم ثواب
بوڑھوں کے ساتھ بچوں کا ہنسنا بُرا نہیں
غنچے سحر کے ساتھ میں ہنستے ہیں یا نہیں

گو آپ کی بزرگیوں کا اعتقاد ہے — عین الیقیں ہیں آپ، ہمارا بھی صاد ہے
فخر اس پہ ہے کہ عمر مبارک زیاد ہے — کچھ ماجرائے وادی ارژن بھی یاد ہے
بیخود ہوئے تھے اپنے مقدر کے پھیر سے
اس روز تم کو کس نے بچایا تھا شیر سے

کچھ جانتے ہو کون وہ روشن ضمیر تھا   راکب نہ تھا ہزبر خدائے قدیر تھا
خالق کا ہاتھ خلق کا وہ دستگیر تھا   اے پیرِ بے نظیر وہ یہ ہی صغیر تھا
واں تھے تمہاری جان کے لالے پڑے ہوئے
اس طفل کے طفیل میں اتنے بڑے ہوئے

گھبرا کے بولے حضرت سلمان ذی شعور   مولا معاف کیجیے اس پیر کا قصور
بعد اس کے کیا ہوا، یہ بیاں کیجیے حضور   کیسے میں ہاتھ ڈال کے بولا خدا کا نور
اسرارِ کبریا میں تردد نہ کیجیے
گلدستہ آپ نے جو دیا تھا۔ یہ لیجیے

سلمان فارسی نے کہا۔ مرحبا علی   مشکل کشا تمہیں ہو یہ راز اب کھلا علی
تم کشتیِ حیات کے ہو ناخدا علی   سوکھے نہ گل، نیا یہ شگوفہ ہے یا علی
حق نے جو بندۂ شہِ ذیشان بنا دیا
سلماں کو اس شرف نے سلیماں بنا دیا

ذاتِ خدا کے آئنۂ منجلی علی   وارث رسولؐ کے تو خدا کے ولی علی
کعبے کا نور، عرش کی شمعِ جلی علی   یاں بھی علی علی ہیں وہاں بھی علی علی
بندے تو ہیں، خدا کے مگر رازداں بھی ہیں
یہ سِرِّ لامکاں بھی، سرِ لامکاں بھی ہیں

صلِّ علیٰ فضائلِ مولائے روزگار   جانِ خلیل، بت شکنی کے اجارہ دار
اس رابطے سے دوشِ محمدؐ کے شہسوار   دستِ خدائے پاک۔ قسیم بہشت و نار
مولا کو اختیار عذاب و ثواب ہے
اعدائے بوتراب کی مٹی خراب ہے

صورت وہ بے مثال کہ قدرت کی عکس ریز   سیرت وہ لاجواب کہ جاں بخش و عطر بیز
خائف دم زمانہ۔ قوی دل دم ستیز   وہ نام جس کا تابعِ مہمل بھی وجد خیز
جیسے کہیں بگاڑ کے۔ دل وِل، کلی ولی
یہ نام یوں بگڑ کے بھی ہوگا، علی ولی

منزل علی کی قولِ نبی سے ہے آشکار یعنی علی کی بات بھی ہے وحیِ کردگار
فرمایا رَاجعون جو مولا نے ایک بار فوراً کتاب پاک میں آیا۔ یہ افتخار
مقبولِ کبریا، سخن نیک ہو گیا
قولِ علی، کلامِ خدا، ایک ہو گیا

روشن علی کے دم سے ہوا مصطفےٰ کا نام شاہد ہے حرب و ضربِ امامِ فلک مقام
اک وقت مصلحت سے نہ کھینچیں اگر حسام ایسے قعود میں بھی، شریعت کا ہے قیام
صلح و جہاد شرع کی حد میں تمام ہے
حق کی مشّیت اِن کی سیاست کا نام ہے

خُلقِ نبی بھی ہیں، اسد ذوالجلال بھی کعبے کے چاند۔ دینِ خدا کا کمال بھی
محبوب کردگار کا جوہر بھی لال بھی مسند نشیں بھی خویش بھی بھائی بھی آل بھی
تنہا کبھی ہیں اور کبھی زہراؑ سمیت ہیں
کعبے میں ہوں کہ گھر میں رہیں اہلِ بیت ہیں

یہ اوج یہ وقار کسی کو کہاں مِلا ان کو خدا سے نام نبیؐ سے نشاں مِلا
یہ بھی جہاں مِلا انھیں وہ بھی جہاں مِلا چھوڑا جو لامکاں تو خدا کا مکاں مِلا
مختارِ کارخانۂ ربِّ عباد ہیں
کیونکر یہ اعتبار نہ ہو، خانہ زاد ہیں

آفاق میں ولادتِ حیدر کی دھوم ہے اَرواحِ انبیا کا حرم میں ہجوم ہے
ذروں میں بھی فضائے ریاضِ نجوم ہے بیتِ خدا میں آمدِ بابِ علوم ہے
کعبے کے بُت سجود میں ہیں سر رکھے ہوئے
سب بت پرست دل پہ ہیں پتھر رکھے ہوئے

آمد جو رازدارِ خفی و جلی کی ہے اپنی زبان میں یہ صدا ہر کلی کی ہے
دیکھو خدا کے گھر میں ولادت ولی کی ہے اب تو یہ کھل گیا کہ خدائی علی کی ہے
ہمنام کردگار ہیں حق کے ولی علی
چاہے خدا خدا کہو، چاہے علی علی

جلوے ہیں وہ حرم کی زمیں عبرتِ فلک　　بطحا میں وہ جماعت انس و جن و ملک
تنکے میں بھی وہ ضَو کہ فدا حور کی پلک　　کون و مکاں کے نور کی تا، لامکاں جھلک

یہ ضَو ہے آمدِ شہ گردوں مقام سے
مکّے میں روشنی نظر آتی ہے شام سے

وہ معرفت کا رنگ ہر اک رنگ سے جلی　　ڈوبی ہوئی وہ رنگ حقیقت میں ہر کلی
مرغانِ خوش نوا کی شگفتہ کلی کلی　　یا ہُو کا غل کہیں، کہیں شورِ علی علی

لے کر علی کا نام کلی جو چٹک گئی
مٹّی بھی بوتراب کی بو سے مہک گئی

وہ شاہدانِ ناز جو ہیں محوِ بے نیاز　　وہ طائروں میں نغمۂ تسبیح کارساز
اشجار صف بصف کہ پڑھیں شکر کی نماز　　بہرِ قنوت شاخ کا دستِ دعا دراز

پودے قیام میں تو جَبَل سب قعود میں
بکھرے ہیں جتنے پھول گرے ہیں سجود میں

پودوں کی ہر روش وہ منظّم کہ واہ وا　　سبزے پہ وہ شباب کا عالم کہ واہ وا
پھولوں پہ وہ تقاطرِ شبنم کہ واہ وا　　موتی برس رہے ہیں جھما جھم کہ واہ وا

گویا وہ نینہ نہیں ہے دُرِ شاہوار کا
جوبن ٹپک رہا ہے عروسِ بہار کا

زہرہ ریاضِ چرخ میں رشکِ چمن بنی　　گل اس قدر کھلے کہ فضا گلبدن بنی
پھولوں کی چاندنی سے زمیں سیمتن بنی　　شاخوں کی ٹیڑھی ترچھی روش بانکپن بنی

نافہ جو کھل گیا ہے گلوں کی شمیم کا
مہکا ہوا ہے عطر سے دامن نسیم کا

وہ ڈالیوں کا رقص وہ مستی وہ بانکپن　　چم خم میں تیغ ناز ادا میں نئی دلھن
غنچوں کی ضَو سے سرد وہ انجم کی انجمن　　بلبل وہ باغ باغ وہ خوشبو چمن چمن

آمد جو باغِ دہر میں نورِ جلی کی ہے
روشن کلی کلی سے تجلّی علی کی ہے

جلوہ ہے دور تک جو فضاؤں میں آس پاس   اُبھرے ہیں دید کو شجرِ معرفت اساس
محوِ بہارِ خلد ہے رضوانِ حق شناس   نہروں کو تازہ آبِ رواں کا دیا لباس
دم میں سجا کے برگ و گُلِ بے مثال کو
پھولوں کے ہار بانٹ دیے ہر نہال کو

لکھا ملائکہ کے پروں پر علی علی   سینوں پہ پہلوؤں پہ سروں پر علی علی
پھولوں پہ گلشنوں پہ گھروں پر علی علی   فردوس کے تمام دروں پر علی علی
نعرے علی علی کے جو ہیں اہلِ ہوش میں
کوثر چھلک رہا ہے محبت کے جوش میں

ہاں ساقیا کدھر ہے صراحی شتاب لا   ہے جوش میں نسیمِ جناں سے گلاب لا
شایانِ شانِ دوستیِ بوتراب لا   قرآن جس میں حل ہو وہ طاہر شراب لا
بھر دے مے نشاط سے کاسہ فقیر کا
میں حال پڑھ رہا ہوں جنابِ امیر کا

آیاتِ پاک جس کا ہیں مینا وہ مے پلا   دلِ مصطفیٰ کا جس کا ہے شیشا وہ مے پلا
جو حاصلِ کتاب ہے گویا وہ مے پلا   کوزے میں جس کے بند ہے دریا وہ مے پلا
وہ پاک مے جو علم و عمل کا زُلال ہے
جو بھی اسے حرام کہے خوں حلال ہے

جو عشقِ پنجتن کا ہے ساغر وہ جام دے   پانچوں نمازیں جس سے موخّر وہ جام دے
پیتے تھے روز جس کو پیمبرؐ وہ جام دے   کندہ ہے جس پہ سورۂ کوثر وہ جام دے
وہ مے جو رزقِ خاص ہے اہلِ غدیر کا
پیتے ہیں نام لے کے جنابِ امیر کا

وہ مے کہ جس کی حد میں ازل اور ابد تمام   مستی تمام عمر رہے بے خودی مُدام
وہ بادۂ سرور وہ صہبائے لالہ فام   آلِ نبی کی بزم میں چلتے ہیں جس کے جام
اُن کی بچی کھچی بھی ہے رندوں کے کام کی
مل جائے بھیک ساقیِ کوثر کے نام کی

جو زاہدوں کو رند بناتی ہے وہ شراب	رندوں کے جو گناہ مٹاتی ہے وہ شراب
تطہیر جس کا جوہرِ ذاتی ہے وہ شراب	جو شیخ جی کو خون رلاتی ہے وہ شراب

جس میں مزہ حیات کا لذّت نجات کی
جو زوجِ فاطمہ کو سَند ہے برات کی

وہ مے کہ جس کی اہلِ ولا جستجو کریں	وہ مے کہ جس کی حور و ملک آرزو کریں
وہ مے کہ جس کی دُرِّ نجف آبرو کریں	وہ مے کہ جس سے ساقیِ کوثر وضو کریں

زاہد پکار اُٹھے کہ شریعت کا طور ہے
یہ جام چل رہا ہے کہ قرآں کا دور ہے

ہاں ہاں وہی وہی کرمِ ذوالمنن کی مے	بزمِ ولا کا پھول وِلا کے چمن کی مے
رحمت کا جام، حق کا سبو، پنجتن کی مے	احمدؐ علی بتول و حسین و حسن کی مے

اِس مے سے جو پھرے وہ ابوجہل ہو گئے
سلمان فارسی نے جو پی اہل ہو گئے

وہ مے کہ جس کی موج کے جلوے جلی جلی	باغِ ولا کی جس سے معطّر کلی کلی
ہو، حق کے بدلے رند کہے جب ولی ولی	مینا بھی غُل مچائے کہ قُل قُل علی علی

لکھوں وہ حال جام کا مُنہ چوم چوم کے
خود مصطفٰےؐ درود پڑھیں جھوم جھوم کے

وہ مے، ازل میں سب نے جو علمِ خدا میں پی	دنیا میں آئے کعبۂ ربِّ ہدا میں پی
پھر شوق سے مدینۂ خیر الورا میں پی	میخانۂ نجف کی سہانی فضا میں پی

یہ خاص مے جو نعمتِ آلِ رسول ہے
اِس کا نسیمؔ کے لیے تلچھٹ بھی پھول ہے

ساقی، حریصِ کوثر و طوبیٰ نہیں ہوں میں	زاہد کی طرح مکر کا پُتلا نہیں ہوں میں
کافی ہو ایک جام وہ پیاسا نہیں ہوں میں	مجلس بھی میرے ساتھ ہے تنہا نہیں ہوں میں

ساقی تجھے قسم ہے رسولِ قدیر کی
رکھ دے سبیل بادۂ خُمِ غدیر کی

عالم بقدر ظرف ہے سرشار ساقیا   ایسی فضا میں ضبط ہے دشوار ساقیا
کیونکر نہ مست ہوں ترے میخوار ساقیا   خود وجد میں حرم کی ہے دیوار ساقیا
اینٹوں کے دل میں راز جو پنہاں تھے سب کھلے
ساقی کی بو جو پائی تو کعبے کے لب کھلے

آئی ندا کہ سایۂ ابر کرم میں آؤ   ہاں اے در علوم کی مادر۔ حرم میں آؤ
رحمت کا در کھلا ہے۔ بڑھو۔ ایک دم میں آؤ   دست خدا تو ساتھ ہے بیت الصنم میں آؤ
بُت آج بُت شکن کی حقیقت تو دیکھ لیں
قرآں سے پہلے نور کی صورت تو دیکھ لیں

حیراں تھیں فاطمہ کہ حرم میں کدھر سے آئیں   دیوار کہہ رہی تھی کہ بی بی اِدھر سے آئیں
اوروں کے واسطے ہے کہ آئیں تو در سے آئیں   لیکن جو اہلِ بیت ہیں چاہے جدھر سے آئیں
اللہ منتظر ہے توقف نہ کیجیے
گھر آپ کا ہے آپ تکلف نہ کیجیے

داخل ہوئیں یہ سن کے جو تھیں مادرِ ولی   مثلِ قمر جدار ملی کہہ کے یا علی
ماتھے پہ درد سے جو پسینہ تھا منجلی   جنت سے جھومتی ہوئی ٹھنڈی ہوا چلی
دیکھا تو پھر شگاف کا وہ حال ہی نہ تھا
دیوار آئنہ تھی، کہیں بال ہی نہ تھا

بی بی جو تھیں امانتِ اکبر لیے ہوئے   مریم بڑھیں خوشی سے نچھاور لیے ہوئے
حوا و ہاجرہ زر و گوہر لیے ہوئے   سارا ریاضِ خلد کا عنبر لیے ہوئے
حرمت عیاں تھی۔ گو کہ تھا کعبہ غلاف میں
تھیں آسیا بھی بنت اسد کے طواف میں

بعثت کا ماہ جمعہ کا دن نور کا وفور   کعبہ ضیائے دلبر عمراں سے رشک طور
روز سعید وقت اذاں ساعت سرور   وہ تیرھویں کو چودھویں کے چاند کا ظہور
مثلِ قمر جو روئے دلآرا چمک گیا
خالق کے گھر نبی کا ستارا چمک گیا

تطہیرِ بیت کا جو یہ دل میں لیے تھے شوق　　پھیرا بتوں سے منہ کو یہ فطری تھا ان کا ذوق
لات و ہبل جمائے تھے آسن جو تخت و فوق　　لعنت کا بت شکن نے پنہایا گلے میں طوق
میں وارثِ خلیل ہوں۔ کھُل کر جتا دیا
جھوٹے خدا جو تھے انھیں پتھر بنا دیا

حوروں کا تین روز حرم میں رہا ہجوم　　محو طواف بیت تھے مہر و مہ و نجوم
دیوار کے شگاف کی تھی چارسو جو دھوم　　مکہ کے لوگ جمع تھے در پر علی العموم
تھا سب کو شوق، دلبر عمراں کی دید ہو
کعبے کے در سے چاند جو نکلے تو عید ہو

ناگاہ اوج حضرت مشکل کشا کھُلا　　حیدر پہ بابِ رحمتِ رب ہدا کھُلا
پھر بند تھا جو در تو پھر اک در نیا کھُلا　　دیوار پھر خوشی سے کِھلی۔ راستا کھُلا
بنت اسد جو آئیں تو خیرہ نظر ہوئی
اک آفتاب لے کے سحر جلوہ گر ہوئی

بوجہل نے کہا کہ ابھی لے نہ جایئے　　بنت اسد یہ چاند مجھے بھی دکھایئے
اس رشک ماہ کو متبرک بنایئے　　پہلے بتوں کی خاک کا سرمہ لگایئے
سرمہ کا تذکرہ جو کیا روسیاہ نے
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے عین الٰہ نے

سمجھا تھا وہ کہ ہاتھ لگانے کی دیر ہے　　منہ پر طمانچہ کھایا تو بولا۔ دلیر ہے
وہ اس کے منہ پہ آئے جو دنیا سے سیر ہے　　بنت اسد کا لال حقیقت میں شیر ہے
وہ دست چپ کی ضرب وہ منہ بدصفات کا
بچپن میں یہ بھی کھیل تھا اک بائیں ہات کا

رویت کے منتظر تھے ہزاروں فقیر و شاہ　　لیکن علی نے ایک کے رُخ پر نہ کی نگاہ
آئے جو مصطفٰے تو چمکنے لگا یہ ماہ　　آنکھیں تھیں گرچہ بند۔ بصیرت تھی بے پناہ
بوئے نبیؐ جو آئی امامت کے پھول کو
دنیا میں آنکھ کھول کے دیکھا رسولؐ کو

منسوب ہے رضا سے روایت یہ معتبر — یعنی امام کی ہے یہ پہچان سر بسر
پیدا ہو جب تو علم میں سب سے ہو بیشتر — ہو حلم میں رسولؐ، شجاعت میں شیر نر
آنکھوں سے حالت پس سر دیکھتا رہے
سوئے تو دل مثال نظر دیکھتا رہے

پیدا ہو جبکہ طیب و طاہر وہ باصفا — کلمہ پڑھے زمین پہ سجدہ کرے ادا
خوشبو میں گل ہو۔ نور میں خورشید پر ضیا — سارے یہ وصف حق نے علی کو کیے عطا
رخ آفتاب تھا تو پسینہ گلاب تھا
جس وقت منہ کھلا ہے تو گویا کتاب تھا

آیا بھی جو کلام نہ تھا وہ سنا دیا — رخ سے رموز غیب کے پردہ اٹھا دیا
درِ نجف نے علم کا جوہر دکھا دیا — حق کے مکاں میں حق امامت جتا دیا
حُسن اپنا ان کے رخ میں پیمبر جو پاتے تھے
قرآں یہ پڑھ رہے تھے وہ صورت ملاتے تھے

دل کہہ رہا تھا دیکھ کے آغازِ بوتراب — یہ ان کا بچپنا ہے تو کیا ہو گا پھر شباب
اس گل کو پرورش کے لیے کرکے انتخاب — آغوش میں نبیؐ نے رکھا صورت کتاب
گودی میں مصطفٰےؐ کی پلے اور بڑے ہوئے
قائم ہوئی نماز علی جب کھڑے ہوئے

یوں محو تربیت میں جو خیر الوریٰ ہوئے — طفلی ہی میں یہ بادشہ اولیا ہوئے
بیعت سے مصطفٰےؐ کی جو حق تک رسا ہوئے — نو دس برس کی عمر میں دستِ خدا ہوئے
ضیغم بنا دیا جو محمدؐ نے پال کر
دی حق نے تیغ فتح کے سانچے میں ڈھال کر

دکھلائیں معرکوں میں وہ زور آزمائیاں — جیتیں عدو سے بدر و احد کی لڑائیاں
وہ ہمتیں وہ زور وہ قلعہ کشائیاں — بازو بلند۔ شیر کی ایسی کلائیاں
بگڑے تو ظالموں کا مقدر الٹ دیا
الٹی جو آستیں در خیبر الٹ دیا

کیا کیا بیاں کریں صفت سرور جلیل ہر مشغلہ ہے طینت اخلاص کی دلیل
روشن تجلیاتِ عمل سے رخ جمیل طاعت کی ان کو بھوک زیادہ۔ غذا قلیل
ان پر ہے ناز بندگی بے نیاز کو
دم ٹوٹنے لگا پہ نہ توڑا نماز کو

ایسا کسی کے دل میں کہاں عشق کردگار طاعت میں تیغ کھاکے نہ فرق آئے زینہار
زخمی ہو اور نماز کا قائم رکھے وقار دنیا میں دو اماموں کے سجدے ہیں یادگار
اک کربلا میں سجدۂ آخر حسین کا
اور اک سجود فاتحِ بدر و حنین کا

واحسرتا وہ تیغ ستم وہ علی کا سر وہ ظلم وہ نماز جماعت وہ حق کا گھر
وہ رنج واضطراب کی شب، حشر کی سحر پیہم وہ جبرئیل کی فریاد عرش پر
افسوس اک شقی نے قیامت یہ ڈھائی ہے
مسجد میں روزہ دار کو مارا دہائی ہے

فریاد جبریل تھی یا تیرِ بے صدا دوڑے گھروں سے لوگ کھلے سر برہنہ پا
کلثوم نے بہن کو تڑپ کر یہ دی ندا کچھ سن رہی ہو اے مری بھینا غضب ہوا
مسجد میں شاہِ جن و بشر قتل ہو گئے
زینب بہن۔ ہمارے پدر قتل ہو گئے

کلثوم نے تڑپ کے جو پیہم کیے یہ بین سر اپنا پیٹنے لگیں زینب بشور و شین
ہمشیر کی صدا نے مٹایا جو دل کا چین مسجد میں واں یہ کہہ کے تڑپنے لگے حسین
بابا چلو حرم میں کہ دکھیا کو کل پڑے
گھر سے کہیں تڑپ کے نہ زینب نکل پڑے

چونکے صدا حسین کی سُن کر جو مرتضیٰ کس پیار سے کہا کہ نہ رو میرے مہ لقا
ہاں اے حسن۔ حسین کو تسکین دو ذرا روتے ہیں یہ تو عرش لرزتا ہے میں فدا
واحسرتا یہ پاس ہو شاہ حنین کو
ظالم رلائیں لاش پسر پر حسین کو

شبر نے دل کو تھام کے شبیر سے کہا　　بابا کو اب اٹھایئے لے جان مصطفیٰ
یہ سن کے بولے حیدر صفدر کہ میں فدا　　بیٹا نماز پڑھ لیں ٹھہر جایئے ذرا
ہم ناتواں ہیں بار امامت اٹھایئے
اے مجتبیٰ نمازِ جماعت پڑھایئے

نائب کیا حسن کو شہ خاص و عام نے　　مسموم کو امام بنایا امام نے
خود بیٹھ کر نماز پڑھی سب کے سامنے　　جس طرح کربلا میں شہ تشنہ کام نے
ہمت یہ کس میں غیر امام حجاز تھی
مسجد میں آخری یہ علی کی نماز تھی

گرنے لگے جو ضعف سے مولائے مشرقین　　گھر لے چلے حضور کو زہرا کے نور عین
بارہ پسر عقب میں رواں تھے بشور و شین　　اس دم مری نظر میں پھرا لاشۂ حسین
گریاں تھی بے کسی جسد پاش پاش پر
خواہر نہ رونے پائی برادر کی لاش پر

حیدر کو گھر میں لائے جو زہرا کے گلعذار　　زینب کے بین سن کے پکارے یہ باربار
اے عاشق حسین نہ رو بہر کردگار　　زہرا تری بکا سے تڑپتی ہیں میں نثار
ہرچند ضبط جوش محبت سے دور ہے
زینب تجھے تو صبر کی عادت ضرور ہے

قاتل کو باندھ لائے جو اصحاب مرتضیٰ　　نظریں جھکا کے حیدر کرار نے کہا
جلد اس کے ہاتھ کھول دو لے سبط مصطفیٰ　　انصاف کا مقام ہے لے چرخ کج ادا
حکم علی سے کھل گئے اہل ستم کے ہاتھ
اور کربلا میں شمر نے باندھے حرم کے ہاتھ

وہ زہر کا اثر وہ سر پاک پر ورم　　بیوہ کی فکر، فرقت اولاد کا الم
ہرچند دل میں تاب و تواں ہے نہ تن میں دم　　اب بھی وہی سخا ہے وہی ہمت و کرم
آیا جو شیر سرور عادل کے واسطے
بھجوا دیا حضور نے قاتل کے واسطے

افسوس جس سخی نے یہ پاس خدا کیا — قاتل کو اپنے شیر کا ساغر عطا کیا
پوتے سے اس کے امتِ بد دین نے کیا کیا — احسان بوترابؑ کا کیا حق ادا کیا
دنیا سیاہ ہوگئی شہ کی نگاہ میں
اصغر کو خوب شیر ملا قتل گاہ میں

زہرا کے گھر عزائے جناب امیر ہے — خود بے قرار روح رسولؐ قدیر ہے
اب شاہ بھی مہ رمضاں بھی اخیر ہے — کیونکر علاج ہو مرا مولا فقیر ہے
دنیا کے شاہ دین کے سرتاج ہیں علی
عسرت یہ ہے دوا کو بھی محتاج ہیں علی

اکیسویں کی رات قیامت کی رات تھی — سادات پر بلا کی مصیبت کی رات تھی
محشر کی صبح تھی کہ شہادت کی رات تھی — بیٹوں سے بوتراب کی رخصت کی رات تھی
کہتے تھے دل دونیم ہے ایسا خطر ہے آج
بے زاد راہ خلق سے اپنا سفر ہے آج

شبر مرے یتیموں کو شفقت سے پالیو — تم اپنے ناناجان کے گھر کو سنبھالیو
شبیر پر بلا کوئی آئے تو ٹالیو — دیکھو کڑی نگاہ بھی اس پر نہ ڈالیو
اس کا لحاظ چاہیئے تم کو کہ خورد ہے
بیٹا مرا حسین تمہارے سپرد ہے

اے میرے جانشیں مرے دلدار الوداع — اے نور عین احمدؐ مختار الوداع
سونپی تمہیں رسولؐ کی سرکار الوداع — لو اے حسین بیکس و ناچار الوداع
شبر۔ جو میرے دوست ہیں ان سب سے ہوشیار
مظلومِ کربلا۔ مری زینب سے ہوشیار

ام البنین جو بیٹھی تھیں غم سے جھکائے سر — عباس ان کے پاس کھڑے تھے بچشم تر
بولے علی یہ بیٹے کے اشکوں کو دیکھ کر — بابا کے غم میں رو نہ مرے غیرت قمر
اب سرپرست فاطمہ کے نور عین ہیں
عباس آج سے ترے بابا حسین ہیں

یہ کہہ کے غم سے حال جو ہونے لگا تغیر — بستر پہ اٹھ کے بیٹھ گئے شاہ دستگیر
بولے حسین سے یہ امام فلک سریر — بیٹا بڑا الم ہے کہ عباس ہے صغیر
اب آپ کے سپرد مرا لالہ فام ہے
بھائی نہ جانیو یہ تمھارا غلام ہے

سارے تو گھر کے مالک و مختار ہیں حسن — دو خدمتی ہیں آپ کے ۔ اک بھائی اک بہن
ہر دم رہیں یہ ساتھ، مصیبت ہو یا محن — اک دن یہ کام آئیں گے اے میرے گلبدن
لو آج اپنے ہاتھ سے توقیر دو انھیں
اُن کو نشانِ چادرِ تطہیر دو انھیں

غُل پڑ گیا رسولؐ عرب کا نشان لاؤ — آیا علم تو بولے کہ عباس لو اٹھاؤ
اونچا کیا نشاں تو کہا اے حسین جاؤ — مشکیزہ لاکے اب انھیں سقا بھی تم بناؤ
کیا زیب دے گی مشک ہمارے نشان کو
ہم بھی تو دیکھیں اپنے بہشتی کی شان کو

سقا بنا چکے جو انھیں شاہِ کربلائ — پھر شیرِ حق نے چادرِ خیر النساؑ منگائی
خواہر کے سر پر حضرت شبیر نے اوڑھائی — کیا جانے کس خیال سے رقت علی کو آئی
کیا شے پھری نظر میں کہ نقشہ بدل گیا
بیٹی کو دیکھا یاس سے اور دم نکل گیا

غُل پڑ گیا کہ سید ابرار مر گئے — لو جانشین احمدؐ مختار مر گئے
دین رسولؐ پاک کے سردار مر گئے — ماتم کرو کہ حیدر کرار مر گئے
روتیں جو بیٹیاں تو پسر پیٹنے لگے
عباس دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگے

کیونکر بیان کیجیے وہ حشر کا سماں — بیٹے اِدھر تڑپتے تھے اُس سمت بیٹیاں
ہر سو کہیں بکا کہیں شیون کہیں فغاں — بکھرا کے بال زینب مضطر کا یہ بیاں
بابا اخیر شب میں تہیہ کدھر کیا
ہے ہے مہِ صیام میں عزم سفر کیا

لوگو کوئی بتاؤ کہ حیدر کدھر گئے
بابا مجھے نہ ساتھ لیا کوچ کر گئے
روزے پہ روزہ رکھ کے جہاں سے گزر گئے
نانا کے بعد غم یہ اٹھائے کہ مر گئے
چھوٹے سے سن میں مجھ پہ بڑے پیچ پڑ گئے
نانا بھی اماں جان بھی تم بھی بچھڑ گئے

بیٹی کو پھر گلے سے لگا لو تو جائیو
زین العبا کے طوق بڑھا لو تو جائیو
صحت تو ہو چلی ہے نہا لو تو جائیو
بابا نماز عید پڑھا لو تو جائیو
کیوں چپ ہوئے امام حجازی جواب دو
در پر پکارتے ہیں نمازی جواب دو

خاموش اے نسیم قیامت کا وقت ہے
سبطین مصطفیٰ پہ مصیبت کا وقت ہے
کنبے سے بوتراب کی رخصت کا وقت ہے
یہ آخری علی کی زیارت کا وقت ہے
تیار ہو چکا ہے کفن دستگیر کا
تابوت اب اُٹھے گا جناب امیر کا

۱۹۳۷ء

مسند نشین بزم طہارت ہیں فاطمہ — درِّ یتیم تاج شفاعت ہیں فاطمہ
نفسِ نفیس جسم رسالت ہیں فاطمہ — اصلِ اصول نخل امامت ہیں فاطمہ
بچے بھی ان کے رشک خلیل و ذبیح ہیں
جھولے میں دونوں لال کلیم و مسیح ہیں

جزوِ صلات و صوم ولائے بتول ہے — حیدر کی جانماز ردائے بتول ہے
ام الکتاب محو ثنائے بتول ہے — قرآن کے شروع میں بائے بتول ہے
حیدر سمیت فاطمہ راس الکتاب ہیں
بِ ہیں بتول نقطۂ بابوتراب ہیں

حور بہشت حاجبِ دربارِ فاطمہ — روح القدس ملازم سرکار فاطمہ
عین اللہ پردۂ اسرار فاطمہ — عصمت کا نور غازہ رخسار فاطمہ
مضمر جو خال و خد میں جلال رسول ہے
یہ آیۂ حجاب کی شان نزول ہے

عالم میں ہے محیط رخ پُرضیا کا نور — ذرہ ہے جس کے سامنے شمس الضحیٰ کا نور
چادر چھپا سکے گی نہ یہ مصطفیٰ کا نور — جب تک ردائے پاک نہ ہو کبریا کا نور
لازم تھا چونکہ نور سے پردہ بتول کا
رخ پر سمٹ کے آگیا سایہ رسول کا

شمع منیرِ قصر طہارت ہیں فاطمہ — سرمایۂ فروغ امامت ہیں فاطمہ
ختم الرسل کا اجر رسالت ہیں فاطمہ — قرآن ہیں رسول تو آیت ہیں فاطمہ
حق سے خطاب پایا ہے ام الکتاب کا
گویا ہیں معجزہ یہ رسالت مآب کا

جامہ ہے ان کا فقر نبی، خاک فرش خواب ان خاکساریوں میں ہیں کفو ابوتراب
ہے زیب و زین گوش مبارک بہ آب و تاب آویزۂ حدیث اور آوازۂ کتاب
پھر کیوں نہ زر۔ نظر میں ہو کم خاک دھول سے
آراستہ ہیں زیور خلق رسول سے

مریم بھی ان سے کم ہیں مسیحا سے پوچھ لو آدھا کبھی مرتبہ نہیں سارا سے پوچھ لو
اپنوں کا کیا ہے تذکرہ اعدا سے پوچھ لو جاؤ مباہلہ میں نصاریٰ سے پوچھ لو
زہرا سی عورتیں ہیں نہ حیدر سے مرد ہیں
ختم الرسل کے بعد یہ زوجین فرد ہیں

بی بی پہ ہے طہارت و عصمت کا خاتمہ شوہر پہ ہے شجاعت و ہمت کا خاتمہ
بابا وہ ہے کہ جس پہ نبوت کا خاتمہ پوتا وہ ہے کہ جس پہ امامت کا خاتمہ
زہرا نہ ہوں تو دین کا قصہ تمام ہے
نام خدا انھیں سے محمد کا نام ہے

یہ جانِ مصطفیٰ صفتِ بوتراب ہیں بیٹے شریکِ نورِ رسالت مآب ہیں
ماں مطلع شرف تو پسر آفتاب ہیں ام الکتاب یہ ہیں وہ گویا کتاب ہیں
زہرا نے اپنی گود میں کیا لال پائے ہیں
منزل میں بولتے ہوئے قرآن آئے ہیں

کیونکر بیاں ہو بنتِ شہ انبیا کا اوج روشن نگین ختم نبوت ہے جس کا زوج
وہ قلزم شرف کہ طہارت ہے جس کی موج عصمت کا تاج طبل کرم معجزوں کی فوج
کامل ہیں جس کے چاند شہ بدر کی طرح
پوتا حجاب میں ہے شب قدر کی طرح

صورت سے آشکار ہے سیرت رسول کی میراث میں ملی ہے کرامت رسول کی
باتیں رسول کی تو فصاحت رسول کی تطہیرِ فاطمہ ہے طہارت رسول کی
وارث نبی کے علم کی تنہا بتول تھیں
پردہ نشیں نہ ہوتیں تو یہ بھی رسول تھیں

صدّیقہ و زکیّہ ہے یہ فخرِ آسیہ — مرضیّہ و رضیّہ و زہرا و راضیہ
ہے مصحفِ حجاب و حیا نفسِ زاکیہ — آیا ہے جس کا سورۂ مریم سا حاشیہ

حیدر میں یہ صفت نہ رسولِ حجاز میں
تسبیح فاطمہ کی ہے شامل نماز میں

چمکا وجودِ فاطمہ سے پنجتن کا نور — نفسِ نبی کا نور رسولِ زمن کا نور
قائم ہے تا قیام حسین و حسن کا نور — وجہِ بقا بنا ہے علی کی دلھن کا نور

جلوے سے دین کے جو زمیں رشکِ طور ہے
یہ فاطمہ کے نور کا سارا ظہور ہے

زہرا کے دم سے گلشنِ ایماں مہک گیا — امید مغفرت کا شگوفہ چٹک گیا
عصمت کی ضو سے نور کا دریا چھلک گیا — احمد کے گھر علی کا ستارہ چمک گیا

ذاتی شرف بتول کے رشتہ سے بڑھ گئے
عینِ خدا نبی کی نگاہوں پہ چڑھ گئے

اب ذکرِ عقدِ جان و دلِ مصطفیٰ سنو — مدحِ بتول منقبتِ مرتضیٰ سنو
گھر کا خدا رسول کے یہ ماجرا سنو — نسبت کہاں سے آئی ہے یہ بھی ذرا سنو

ہے حکمِ رب پیمبرِ عالی نژاد کو
دے دو تم اپنی بیٹی مرے خانہ زاد کو

یاں حکمِ رب سے خوش ہیں رسولِ فلک مقام — واں ہے علی کے بیاہ کی اعلیٰ میں دھوم دھام
حق نے کیا ہے جشنِ عروسی کا اہتمام — معمورِ ضو سے خانۂ معمور ہے تمام

ہے عقدِ جانشینِ پیمبر بتول سے
قربت بڑھی خدا سے قرابت رسول سے

آراستہ نکاح کی ہے بزمِ بے مثال — منبر پہ خطبہ پڑھتا ہے راحیل خوش مقال
داؤد وجد کرتے ہیں لہجے کا ہے یہ حال — بحرَین کا ہے صورتِ سعدین اتصال

شاہد وہ ہے وجود بشر جس کے ہاتھ ہے
قاضی وہ ہے قضا و قدر جس کے ہاتھ ہے

شادی کی بارگاہ بنا آستانِ غیب　　　حور و ملک ہیں بزم نشینِ مکانِ غیب
سہرا بنے ہوئے ہیں گلِ بوستانِ غیب　　　محو ادائے صیغہ ہے گویا لسانِ غیب

شادی سے اہلِ بزم کا دل شاد ہوگیا
حق کا ولی رسول کا داماد ہوگیا

فضلِ خدا سے چھا گیا رحمت کا اک سحاب　　　پروانے جس سے خلد کے برسے بجائے آب
حوروں نے چن لیے وہ گلِ سرسَبد شتاب　　　لکھے تھے جن پہ نام محبانِ بوتراب

جو دشمن علی ہے وہ جنت سے دور ہے
جو نام جس نے پایا اسی کی وہ حور ہے

گویا ہوئی زبان مشیت بہ آب و تاب　　　لے ان امانتوں کو اٹھا لے امیں شتاب
تل بھر بھی جس کے دل میں ہو عشق ابوتراب　　　دینا سند بہشت کی اُس کو دم حساب

ضامن ہیں ہم علی کے محب کی نجات کے
شادی کا فیض ہیں یہ قبالے برات کے

ساقی وہ پھول دے جو نہ زاہد پہ بار ہو　　　سرخی سے جس کی باغِ سخن لالہ زار ہو
مصرع مرا بہشت کے پھولوں کا ہار ہو　　　باغی بھی دیکھ لے تو نہ آنکھوں میں خار ہو

وہ مے پلا دے جو ازلی میکدے کی ہے
بد ذوق بھی پیے تو کہے ہاں مزے کی ہے

عرفاں کے نور سے جو چمکتی ہے وہ شراب　　　تطہیر جس کے رخ سے ٹپکتی ہے وہ شراب
مومن کے جامِ دل میں چھلکتی ہے وہ شراب　　　جو غیر کے گلے میں اٹکتی ہے وہ شراب

خمِ غدیر سے جو ملی تھی وہ مے پلا
جو بے لبی میں شیخ نے پی تھی وہ مے پلا

ساغر لبوں پہ آ کے ندا دے علی علی　　　محفل میں اپنا رنگ جما دے علی علی
شیشہ بھی جھک کے صاف صدا دے علی علی　　　قل قل کے بدلے کھل کے سنا دے علی علی

ایماں کا رنگ ڈھنگ شریعت کا طور ہو
قرآں کے دائرے میں پیالے کا دور ہو

ساقی کی چاہ میں سوئے کوثر چلیں گے ہم　　پھولیں گے زیرِ سایۂ طوبیٰ پھلیں گے ہم
رضواں سے سلسبیل کا ساغر نہ لیں گے ہم　　واں بھی خدا کے ہاتھ سے پی کر ٹلیں گے ہم
ساقی کے پیچھے پیچھے چلیں جھومتے ہوئے
ہر ہر قدم نشان قدم چومتے ہوئے

ہاں میکشو چلو سوئے دارالبقا چلو　　مکّے چلو مدینۂ خیرالوریٰ چلو
مشہد سے کاظمین چلو سامرا چلو　　چھک جاؤ گے نجف سے اگر کربلا چلو
پی کر مزے فرات پہ کوثر کے آئیں گے
ایک ایک بادہ کش کو بہتّر پلائیں گے

پوچھو کتاب پاک سے توقیرِ میکدہ　　کی حضرت خلیل نے تعمیرِ میکدہ
دستِ خدا سے پھر ہوئی تطہیر میکدہ　　ساقی علی ہیں شاہ رسل میر میکدہ
چودہ طبق میں بس یہی میخانہ ایک ہے
چودہ پلانے والے ہیں پیمانہ ایک ہے

ساقی یہ شب خوشی کی ہے یہ دن سرور کا　　محفل بھی آج نور کی دولھا بھی نور کا
جامِ سرور بزم میں ہے چشم حور کا　　شربت کی جا ہے دور شراب طہور کا
آبِ بقا میں شہدِ ولا گھول کر پلا
عُقدہ کشا کے عقد میں جی کھول کر پلا

زہرہ جبیں سے خسروِ خاور کا عقد ہے　　دُرِّ نجف سے عرش کے گوہر کا عقد ہے
قرآں سے مشیتِ داور کا عقد ہے　　نفسِ نبی سے جانِ پیمبر کا عقد ہے
بنت شہ رسل کو شہ اولیا ملا
احمد کی نور عین کو عینِ خدا ملا

مہر مبیں سے صبح سعادت کا عقد ہے　　معصوم روزگار سے عصمت کا عقد ہے
معبود کے ولی سے عبادت کا عقد ہے　　المرتضیٰ سے مصطفویت کا عقد ہے
دو مل گئے چراغ تو دونی ضیا ہوئی
نور حرم سے شمع حرم کتخدا ہوئی

سرتاج اولیا کا سیادت سے عقد ہے   محبوبِ مغفرت کا شفاعت سے عقد ہے
مقصود کُن کا حق کی امانت سے عقد ہے   ایمانِ کُل کا جزوِ رسالت سے عقد ہے
یکساں فضیلتیں ہیں علی و بتول کی
لڑکا خدا کے گھر کا ہے لڑکی رسول کی

یثرب تمام تختۂ باغِ عدن بنا   جو خارِ دشت دیکھیے وہ گلبدن بنا
سوکھا ہوا درخت بھی رشکِ چمن بنا   گیتی دلھن بنی ہے تو چرخ کہن بنا
پہنچی خبر جو گلشن عنبر سرشت میں
سہرے کے پھول کھل گئے باغ بہشت میں

غلمان و حور کا درِ حیدر پہ ہے ہجوم   گویا دربہشت ہے بابِ درِ علوم
شادی رچی ہے کون و مکاں میں علی العموم   گیتی میں جشن، چرخ پہ غل، لامکاں میں دھوم
تا عرشِ کردگار علی کی رسائی ہے
اس بندۂ خدا کی وہاں بھی خدائی ہے

سب بی بیاں ہیں خدمت زہرا میں محو دید   بی بی کے گرد پھر کے ہوئیں آسیا مرید
عیسیٰ کی ماں کو بھی ہے مسیحائی کی امید   قربان ہو رہی ہیں، یہ ہے ہاجرہ کو عید
زوجہ خلیل کی طبق زر لیے ہوئے
سارا ریاض خلد کا عنبر لیے ہوئے

شادی کے اہتمام میں ساری خدائی ہے   مہندی پئے عروس شفق لے کے آئی ہے
خورشید کے طبق میں سحر غازہ لائی ہے   والنجم نے ستاروں کی افشاں لگائی ہے
سرمہ حیا ہے، چشمِ حقیقت شناس کا
خلق نبی ہے عطر بنی کے لباس کا

ہے دیں کی زیب، زیورِ خاتون دو جہاں   جھومر ہے سر پہ رحمت خلاق انس و جاں
روشن جبیں پہ، چاند کی جا، سجدے کا نشاں   کانوں میں وعظ و پند پیمبر کی بالیاں
عصمت کے گوشوارے جو عفت بدوش ہیں
مریم کمالِ عجز سے حلقہ بگوش ہیں

ہے واجباتِ دیں کا گلو بندِ پُر ضیا   گردن کا طوق ، مرضئ اللہ و مصطفیٰ
تسبیح سچے موتیوں کی سلکِ بے بہا   ہے جس کے دانے دانے پہ دانائے کل فدا

مالا ہے، معرفت کے دُرِ شاہوار کا
نادِ علی کا نقش ہے، تعویذ ہار کا

ناخن کا آئنہ ہے انگوٹھے میں آرسی   چھلّوں کی جا ہیں انگلیوں میں جوہر بنی
انگشتری ہے مہرِ سلیماں بنی سجی   کندہ نگینِ دُرِ نجف پر ہے، یا علی

گھر کی بھی زیب و زین ہے زیور کے ساتھ میں
ہے دامنِ علی کا علی بند ہاتھ میں

جوشن ہے جوشنین کا ، کنگن ہے زہد کا   پازیبِ فخر، پیروئ حکمِ کبریا
عصمت ردا بنی ہے، طہارت ہے کفشِ پا   ملبوسِ پاک ، جامۂ تن زیبِ ہل اتیٰ

تاجِ کرم ہے بنتِ رسولِ زمن کے سر
امت کی مغفرت کا ہے سہرا دلھن کے سر

مسند نشینِ بزمِ کرامت دلھن بنی   مشّاطۂ عروسِ شفاعت دلھن بنی
وجہِ کمالِ حسنِ رسالت دلھن بنی   قرآں پکارا ، رحلِ امامت دلھن بنی

ایسی کبھی کتخدائی نہ ہو گی خدائی میں
خالق نے گیارہ لال دیے رونمائی میں

یہ فاقہ کش بہشت کی جاگیر پائے گی   تحفہ میں حق سے آیۂ تطہیر پائے گی
رحمت کرے گی ناز وہ توقیر پائے گی   یعنی خدا سے شبر و شبیر پائے گی

دل ہے غنی کہ مادر آلِ رسول ہے
حق کی امانتوں کا خزانہ بتول ہے

وہ شادئ عروسئ مخدومۂ انام   وہ بند و بستِ عقدِ امامِ فلک مقام
جھک جھک کے دیکھنا وہ فلک کا ، یہ دھوم دھام   کرّوبیوں کی بھیڑ ، فرشتوں کا ازدحام

غلماں ہیں دست بستہ غلامی کے واسطے
حوریں کھڑی ہیں در پہ سلامی کے واسطے

حاضر ہیں آستانہ پہ خدّامِ بارگاہ   وہ دینِ داد خواہ وہ ایمانِ خیر خواہ
وہ حور عیں کی چشم طلب، طالبِ نگاہ   مسند بچی ہے رحمتِ حق شرع فرشِ راہ
سہرا لیے بہشت سے رضوان آیا ہے
صورت کے اشتیاق میں قرآن آیا ہے

جوڑا شہانہ سجنے لگے شاہِ ذوالفقار   عزت عبا، جلال قبا، پیرہن وقار
بالائے سر، عمامۂ اسرارِ کردگار   نعلین وہ کہ دوشِ نبی دیکھے بار بار
سہرا کلاہِ جود پہ حاجت روائی کا
کنگنا بندھا کلائی میں مشکل کشائی کا

حق مانگنے لگے جو ملائک تھے محوِ دید   روح الامیں پکارے، میں شاگرد ہوں رشید
میکال بولے حق سے ہے قربت مجھے مزید   رضواں نے دست بستہ کہا میں بھی ہوں مرید
رخ کی بلائیں لینے کا موقع جو پا گئیں
حوریں ادب سے نیگ جھگڑنے کو آ گئیں

شفقت سے مسکرانے لگے شاہِ ہل اتیٰ   حقداروں کی طرف کو بڑھی رحمتِ خدا
میکال کو دیا شرفِ قربِ کبریا   رضوان کو بہشت کے در کر دیے عطا
جبریل کو ولائے علی کا سبق دیا
حوروں کو شہ کے شیعوں کی خدمت کا حق دیا

لو دھوم سے چلی اسد اللہ کی برات[1]   شمعیں پکارتی تھیں یہ شب ہے شبِ برات
بچے براتیوں کو جہنم سے ہے برات   ناکام حاسدوں کے لیے سورۂ برات
اہلِ نفاق رشک سے بے موت مر گئے
چڑھنے لگی برات تو چہرے اتر گئے

نوشاہ کی رکاب میں حاضر ہیں جاں نثار   غلمان و حور و جن و ملک باندھے ہیں قطار
شادی کے گیت گاتی ہیں حوریں جو بار بار   مشکل کشا کی مدح و ثنا کا بندھا ہے تار
داؤد کی زباں پہ ہیں نغمے زبور کے
ہیں انبیا جلوس میں پیچھے حضور کے

---

[1] چاروں مصرعوں میں یہ قافیہ چار معنوں میں نظم ہوا ہے۔

والفجر چاندنی کا ہے آنچل لیے ہوئے
والتین ڈالی دینے کو ہے پھل لیے ہوئے
واللیل بہر چشم ہے کاجل لیے ہوئے
والشمس آگے آگے ہے مشعل لیے ہوئے
والفتح خوش ہے دیکھ کے حسن شباب کو
والعادیات تھامے ہوئے ہے رکاب کو

ہے گونج طبلِ کلمہ طیب کی تا سما
طاسے خدا کی حمد کے بجتے ہیں جا بجا
گویا شہادتین کا ہے جھانجھ برملا
تکبیر جبرئیل ہے شہنائی کی صدا
نعروں سے گونجتی ہے فضا دو جہان کی
نقارے ہیں در ود کے نوبت اذان کی

برپا ہے جشنِ مرتضوی تا بہ لامکاں
حوروں میں رت جگا ہے سجائی گئی جناں
زہرہ نے اپنے رقص سے باندھا ہے، وہ سماں
خود جھومتا ہے وجد میں طاؤسِ آسماں
بزمِ طرب میں عالمِ بالا شریک ہے
وہ بھی شریک حال ہے جو لاشریک ہے

گھر تک گئی بنی کے جو ان باجوں کی صدا
فرحت سے جھومنے لگیں ازواج مصطفیٰ
اٹھ اٹھ کے دیکھنے لگے اصحابِ با صفا
خوش آمدید کہنے لگی رحمت خدا
قرآن ساتھ ساتھ تھا نغمہ سرائی کو
خود پیشوائے خلق بڑھا پیشوائی کو

پہنچے نبی کے گھر جو امام فلک جناب
نورِ ازل کی مسند زریں بچھی شتاب
تھی چاندنی جو روئے نبی کی بہ آب و تاب
بیٹھے جھکا کے سر کو دو زانو ابوتراب
سامان عقد حضرت مشکل کشا ہوا
دولھا دلھن کا شاہدِ عادل خدا ہوا

قرآں زبانِ حق سے پکارا بصد ادب
ایماں کا سلسلہ ہے، یہ رشتہ بحکم رب
دولھا دلھن خدا و نبی کے ہیں منتخب
رکھتے ہیں دونوں اشرف و اعلیٰ حسب نسب
ان کے یہ کفو ہیں تو وہ ان کی نظیر ہیں
وہ سیدہ ہیں اور یہ جناب امیر ہیں

خطبہ پڑھا نبی نے جو حمد و ثنا کے ساتھ　　آئے ملک بھی نعرۂ صل علیٰ کے ساتھ
باندھا خلیل مہر جو حق کی رضا کے ساتھ　　غل تھا عطا کا جوڑ ملا ہل اتیٰ کے ساتھ

حق کی رضا سے، مرضیِ خیرُ الانام سے
تسبیح پاک کا ہوا رشتہ امام سے

مقبول حق ہوا جو وہ ایجاب وہ قبول　　آئی ندائے غیب مبارک ہو یا رسول
تطہیر کو جو قرب امامت ہوا حصول　　مومن شگفتہ ہوگئے جیسے جناں کے پھول

دل خوش ہوئے جو عقد علی و بتول سے
حق سے ملا ثواب تو خرمے رسول سے

ڈنکے بجے جلوس امامت کے اک طرف　　حُلّے ملے غلاموں کو جنت کے اک طرف
مژدے ہوئے تمام جو نعمت کے اک طرف　　بعثت کو لطف آگئے دعوت کے اک طرف

غل تھا علی کی شانِ ولیمہ تو دیکھیے
دعوت میں قلبِ کفر کا قیمہ تو دیکھیے

محبوب کی خوشی سے خدا شاد ہوگیا　　گھر آج اہلِ بیت کا آباد ہوگیا
تختِ نبی بھی فکر سے آزاد ہوگیا　　ہمسر وہی ہے ایک جو داماد ہوگیا

بیٹے کی جا ہے یہ شہِ معراج کے لیے
ہے سر کا تاج بیٹی کے سرتاج کے لیے

دل سے دعائیں دینے لگے صاحبِ وِلا　　پھولیں پھلیں جہاں میں زہرا و مرتضیٰ
اشعار تہنیت کا ہوا شور جا بجا　　کی مقتضائے حال نے حضرت سے التجا

ہے لطف بوستانِ جناں کی شمیم کا
سن لیجیے حضور یہ سہرا نسیم کا

اسلام کے وقار کا سہرا علی کے سر　　احمد کے افتخار کا سہرا علی کے سر
قدرت کے اختیار کا سہرا علی کے سر　　توحید کردگار کا سہرا علی کے سر

سہرا ہے فرق پاک پہ اسمائے ذات کا
سہرا علی کے سر ہے خدا کی صفات کا

احکام کارساز کا سہرا علی کے سر قدرت کے امتیاز کا سہرا علی کے سر
اسرارِ بے نیاز کا سہرا علی کے سر روزے کا اور نماز کا سہرا علی کے سر
سہرا ہے فرقِ پاک پہ عہد الست کا
سہرا علی کے سر ہے بتوں کی شکست کا

اسلام کی کمائی کا سہرا علی کے سر عالم کی پیشوائی کا سہرا علی کے سر
قدرت کی رونمائی کا سہرا علی کے سر زہرا کی کتخدائی کا سہرا علی کے سر
سہرا ہے فرقِ پاک پہ خالق کی چاہ کا
سہرا ہے سر پہ اشہد ان لا الٰہ کا

تنویر ذوالجلال کا سہرا علی کے سر معبود کے جمال کا سہرا علی کے سر
کفار کے زوال کا سہرا علی کے سر اسلام کے کمال کا سہرا علی کے سر
پایا ہوا نبی سے خدا سے چنا ہوا
نعمت کے خاتمہ کا ہے سہرا بندھا ہوا

تنزیل قل کفیٰ کا ہے سہرا علی کے سر معراج ہل اتیٰ کا ہے سہرا علی کے سر
لاسیف و لافتیٰ کا ہے سہرا علی کے سر تطہیر و انّما کا ہے سہرا علی کے سر
مل کر خدا رسول نے دولھا بنایا ہے
قرآں کا سہرا آل کی کشتی میں آیا ہے

سہرا علی کے سر ہے خدا کے کلام کا سہرا علی کے سر ہے قعود و قیام کا
سہرا علی کے سر ہے محمد کے نام کا سہرا علی کے سر ہے درود و سلام کا
سب کی گرہ کشائی کا سہرا علی کے سر
المختصر خدائی کا سہرا علی کے سر

اک اک کلی پہ سہرے کی کھِلتے تھے انس و جاں جو باندھا اور بازیٔ آتش نے اک سماں
تارے کھِلتے پھول آگ کے، چکر تھا آسماں چھٹتی تھیں اہلِ کفر کے منہ پہ ہوائیاں
شادی میں غم سے کفر جو سینہ فگار تھا
ہر اہلِ نار کا دل سوزاں انار تھا

وعقد کے تمام مراحل ہوئے تمام　　عورات میں ہے آرسی مصحف کا اہتمام
لایا ہے عرش. لوح کا آئینہ لا کلام　　عصمت ادھر ہے بیچ میں قرآں اُدھر امام
آنکھیں رسول کی ہیں علی کی نگاہ میں
عینِ خدا ہے بنتِ نبی کی نگاہ میں

سب رسمیں حدِ شرع میں جب ہو چکیں ادا　　ہر صاحبِ ولا نے سلامی میں دل دیا
لائی جو وحی خلعتِ مرضیِّ کبریا　　قرآں نے بڑھ کے پیش کیا تاجِ اِنَّما
قدرت قلم کو سونپ کے محظوظ ہو گئی
دامن میں آکے لوح بھی محفوظ ہو گئی

جو کچھ تھا جس کے پاس علی پر کیا نثار　　اسلام نے کتاب، شجاعت نے ذوالفقار
بیٹی رسول نے جو عطا کی بصد وقار　　بس دے دیا خدا نے خدائی کا اختیار
مختارِ کائنات یداللہ ہو گئے
نوشاہ کیا بنے کہ شہنشاہ ہو گئے

غلمان و حور و قدسی و ابدال و انبیا　　خدمت میں سب نے پیش کیا تحفۂ ولا
آدم جو لائے نذر کو صَفوَت بصد صفا　　کشتی میں شکر لے کے بڑھے نوحِ ناخدا
بولے خلیلِ رب مری خُلت نثار ہے
خلت کا ذکر کیا کہ امامت نثار ہے

غل ہر طرف ہے تحفۂ ادنیٰ قبول ہو　　ایوب صبر لایا ہے مولا قبول ہو
خالق کے شیر ہیبتِ موسیٰ قبول ہو　　یوسف کا حسن زہدِ مسیحا قبول ہو
سب انبیا کے وصف یداللہ پا گئے
جلوے سمٹ کے مرکزِ اصلی پہ آ گئے

لو اب وداعِ بنتِ نبی کی ہے دھوم دھام　　تھوڑا ہے مہر، کہتے ہیں آپس میں تلخ کام
سرخم کیا علی نے جو سن سن کے یہ کلام　　شرم و حیا سے اور بھی دولھا بنا امام
ناگاہ حکم آیا خدائے عزیز کا
دونوں جہاں ہیں مہر ہماری کنیز کا

بنتِ نبی کا مہر ہے آب و نمک تمام　　پھر ان سے جو عناد رکھے وہ نمک حرام
انصاف اب دلوں میں یہ فرمائیں خاص و عام　　مادر کا مہر نہر ہے بیٹا ہے تشنہ کام
کہتا ہے رحم کھاؤ پیمبر کے واسطے
اک جامِ آب دو علی اصغر کے واسطے

دیکھو جہیزِ دخترِ سردارِ انبیا　　کُل ایک مس کا جام ہے اور ایک بوریا
دو چادریں ہیں تارِ نظر سے جنھیں سیا　　اک مشک، ایک کاسۂ چوبی، اک آسیا
سب ہیں وہ رنگ ڈھنگ جو حق کو پسند ہیں
زیور میں صرف چاندی کے دو بازو بند ہیں

کیوں یارو اِس جہیز کا انجام کیا ہوا　　سب کربلا میں نذرِ سپاہِ جفا ہوا
مشکیزے پر حسین کا بازو فدا ہوا　　تیروں سے مثلِ سینۂ شہ تھا چھنا ہوا
شبیر کربلا میں جو زینب سے چھٹ گئے
چادر بھی بازو بند بھی مقتل میں لٹ گئے

ناقہ منگایا سرورِ گردوں رکاب نے　　دی بڑھ کے طَرِّقُوا کی صدا شیخ و شاب نے
روکی تنات عمِّ رسالت مآب نے　　تھرا کے منہ کو پھیر لیا آفتاب نے
ستّر ہزار حوریں تھیں حلقہ کیے ہوئے
امت کا پردہ پوش تھا پردہ کیے ہوئے

نعرہ یہ تھا نقیبِ جلالت کا بار بار　　خاتونِ دو جہاں کی سواری ہے ہوشیار
زہرا قریبِ ناقہ جو پہنچیں بصد وقار　　بازو پکڑ کے شاہ رسل نے کیا سوار
غل تھا ہٹو کہ جاتی ہے بیٹی رسول کی
دولھا کے گھر چلی ہے سواری بتول کی

دیکھو شکوہِ بنتِ سلیمانِ دو جہاں　　محبوبِ رب، عقب میں سواری کے تھے رواں
ناقہ بڑھا رہے تھے عصا سے بہ عز و شان　　سلمان سا نبی کا صحابی تھا ساربان
یا فاطمہ غلام کا دل تھرتھرا گیا
اس وقت ساربانِ حرم یاد آگیا

سب مرد تھے سواریٔ بنتِ نبی سے دور ہمراہ تھیں زنانِ مدینہ بصد سرور
آگے رسول پاک کی ازواج ذی شعور پیچھے برہنہ تیغیں لیے ہاشمی غیور
ناقہ پہ زوجۂ اسد ذوالجلال تھی
دیکھے اِدھر پرند کوئی، کیا مجال تھی

گردوں کے دور میں یہ سواری تھی یادگار واحسرتا کہ بھول گیا چرخ کجمدار
رونے کی جا ہے دخترِ زہرا کا حالِ زار سر ننگے، بے کجاوے کے ناقہ پہ تھی سوار
واں فاطمہ کے ساتھ رسول قدیر تھے
یاں عابدِ مریض تھے وہ بھی اسیر تھے

واں دم بدم نقیب کے لب پر تھی یہ صدا منہ ڈھانپ لو کہ ناقہ پہ ہے بنتِ مصطفیٰ
یاں تھی قدم قدم پہ منادی کی یہ ندا یہ سر حسین کا ہے یہ زینب ہے بے ردا
دیکھو رسن میں بنتِ شہ دستگیر ہے
عباس نامدار کی خواہر اسیر ہے

پردے میں واں تھی بنتِ شہنشاہِ مشرقین یاں بے نقاب فاطمہ زہرا کی نور عین
واں تھیں مخدرات رجز خواں بہ زیب و زین یاں پڑھ رہا تھا کہف کا سورہ سرِ حسین
کہتی تھی روحِ مریم و حوا دہائی ہے
مشکل کشا کی لاڈلی بندی میں آئی ہے

حوریں وہاں تھیں ساتھ بصد شوکت و جلال یاں فاطمہ کی روح پریشاں کیے تھی بال
پر مارنے کی واں نہ پرندے کو تھی مجال یاں تازیانے مارتا تھا شمرِ بدخصال
عباس تھے مدد کو نہ شاہِ جلیل تھے
خوں بہہ رہا تھا جسم سے شانوں پہ نیل تھے

جب حد سے بڑھ گیا ستمِ شمرِ نابکار منہ کرکے کربلا کو پکاری یہ سوگوار
سوتے ہو کیا ترائی میں عباس نامدار آؤ مدد کو اے علی اکبر پھوپی نثار
سن سن کے شور خواہر بیکس کے بین کا
کروٹ بدل کے رہ گیا لاشہ حسین کا

سُن سُن کے خواہر شہ مظلومؑ کی بکا | واں فاطمہؑ تڑپتی تھیں یاں ہند باوفا
کہتی تھی سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا | ہے صاف صاف یہ تو مری بی بی کی صدا

کب تک ہجوم یاس میں آنسو بہاؤں گی
میں قیدیوں کی دید کو زنداں میں جاؤں گی

اِستادہ ہوگئیں جو تنائیں اِدھر اُدھر | زنداں کی سمت گھر سے چلی ہندِ خوش سیر
بے ہوش و بے حواس و پریشاں و بے خبر | آنکھوں میں اشک اسیروں میں دل راہ پر نظر

تن سوزِ غم سے شمع کی صورت گھلا ہوا
چادر زمیں پہ کھنچتی ہوئی سر کھلا ہوا

پہنچی جو قید خانہ میں ہندِ نکوسیر | دیکھا کہ اک مریض پڑا ہے قریب در
روتا ہے واں کوئی نہ کوئی پیٹتا ہے سر | ہاتھوں سے دل پکڑ کے پکاری وہ نوحہ گر

دم پر بھی بن گئی مگر آفت گھٹی نہیں
تپ میں بھی اس غریب کی بیڑی کٹی نہیں

آنسو بہا کے شانہ ہلایا جو چند بار | اک بار آنکھیں کھول کے بولا نحیف و زار
بیکس کو کیوں اٹھاتی ہو اماں پسر نثار | کیا رو کے مرگیا کوئی معصومِ دلفگار

پیدا ہوئے ہیں اشک بہانے کے واسطے
اٹھتے ہیں ہم جنازہ اٹھانے کے واسطے

وہ بولی سب کی خیر ہے اے زار و ناتواں | میں ہوں کنیز آپ کی مادر نہیں، یہاں
مشتاقِ دید آئی ہوں زنداں کے درمیاں | اتنا مجھے بتائیں اے یوسفِ زماں

اِسم شریف کیا ہے ؟ کہا سوگوار ہے
پوچھا پدر کا نام ، کہا بیدیار ہے

پوچھا کہاں لٹے ہو، کہا حق کی راہ میں | پوچھا یہ کب ، کہا کہ محرم کے ماہ میں
پوچھا یہ کیوں ، کہا کہ محبوں کی چاہ میں | پوچھا پدر کہاں ہیں، کہا قتل گاہ میں

پوچھا جو گھر تو رو کے کہا قید خانہ ہے
پوچھا غذا میں کیا ہے کہا تازیانہ ہے

تم لوگ قید ہو کے جب آئے تھے ننگے سر — دیکھے تھے میں نے آنکھ سے دو سر لہو میں تر
اک فرق میں خدا کی تجلی تھی جلوہ گر — تھی دوسرے میں شان محمدؐ کی سر بسر

اُس دم سے اضطراب میں یہ دلملول ہے
بانو کا ایک لال شبیہِ رسولؐ ہے

یہ کہہ کے ضعف سے جو ہوا چپ وہ ناتواں — روتی ہوئی وہاں سے بڑھی ہندِ خستہ جاں
زانو پہ سر دھرے ہوئے بیٹھی تھیں بی بیاں — تسلیم کر کے خاک پہ بیٹھی وہ قدرداں

بولی جفا پسند نہیں حق پسند ہوں،
کچھ دردِ دل سناؤ کہ میں دردمند ہوں

یہ کہہ کے پھر کنیزوں سے بولی کہ جلد جاؤ — جس سر نے میری جان نکالی ہے اس کو لاؤ
احمدؐ کی شکل ہے کہ نہیں اِن کو بھی دکھاؤ — میں غم زدہ ہوں میری مصیبت پہ رحم کھاؤ

یہ فکر ہے کہ شاہؑ کی حالت نہ غیر ہو
یا اکبر یا شبیہِ پیمبر کی خیر ہو

یہ سن کے اک کنیز گئی اٹھ کے جلد تر — کچھ دیر بعد آ کے پکاری بچشمِ تر
لائی تھی میں جو فرق رُکا خود قریبِ در — شاید یہ وجہ ہو کہ یہاں سب ہیں ننگے سر

ایسے بھی باحیا نہیں دیکھے زمانہ میں
آتا نہیں حجاب سے سر قید خانہ میں

حیران ہو کے کہنے لگی ہندِ باوفا — لوگو کوئی بتاؤ کہ یہ ماجرا ہے کیا
کیسی حیا ہے، کیوں نہیں آتا یہ مہ لقا — اِک دخترِ یتیم نے سر پیٹ کر کہا

کس سے حجاب ہے مرے دل کو خبر یہ ہے
ہاں میں سمجھ گئی مرے عمو کا سر یہ ہے

ہندِ حزیں پکاری ارے کوئی جلد جاؤ — وہ دوسرا جو سر ہے اسی کو اٹھا کے لاؤ
بچی سے پھر کہا کہ میں واری اِدھر تو آؤ — اپنے چچا کا نام و نسب تو ہمیں بتاؤ

وہ بولی کیا بتاؤں کہ عالم ہے کیا مرا
گھٹتا ہے دم رسن میں بندھا ہے گلا مرا

بی بی مرے پدر ہیں شہنشاہِ بیدیار　　عمو کا میرے نام علمدارِ نامدار
اُس نے کہا کچھ اور لقب بھی ہے میں نثار　　وہ بولی یہ غریب وہ صمصام کردگار
بابا ہے تشنہ کام چچا دلکباب ہے
اُن کا شہید اِن کا بہشتی خطاب ہے

یہ ذکر تھا کہ آگیا خولیِ تلخ کلام　　لایا سنانِ ظلم پہ اک فرقِ لالہ فام
زندانِ شام نور سے روشن ہوا تمام　　اُس سر نے دی ندا مرے بیمار السلام
گھبرا کے اہل بیت جو تعظیم کو اٹھے
سجاد کانپتے ہوئے تسلیم کو اٹھے

اس سر سے رو کے کہنے لگی ہندِ باوفا　　اے سر تو بولتا ہے تو یہ بھی مجھے بتا
کس باخدا کی آل ہے کیا نام ہے ترا　　کس باپ کا تو لال ہے کس ماں کا لاڈلا
کیا دخترِ رسولؐ کا لختِ جگر ہے تو
قربان جاؤں کیا مرے آقا کا سر ہے تو

چلّایا کانپ کر یہ سرِ سرورِؑ زمن　　پیاسا مرا خطاب ہے مقتل مرا وطن
مسموم میرا بھائی ہے قیدی مری بہن　　نانا مرا رسولؐ ہے ، بابا ابوالحسنؑ
احمدؐ کی رونے والی کا لختِ جگر ہوں میں
بی بی حسینؑ بے کس و بے پر کا سر ہوں میں

غش ہوگئی یہ سنتے ہی ہند نکوسیر　　زینبؑ سرِ اخی کو پکاری بچشم تر
نام اپنا کیوں بتا دیا یا شاہِ بحر و بر　　اس کا نہیں خیال کہ خواہر ہے، ننگے سر
پوچھے گی ہند کیا تو ہی زہرا کی جائی ہے
بی بی کا گھر اجاڑ کے زنداں میں آئی ہے

۱۹۳۶ء

شہیدِ معرکۂ جہد و ارتقا ہے حسین   نشانِ عظمتِ حق مثلِ مصطفیٰ ہے حسین
بشر کے بھیس میں قرآنِ کبریا ہے حسین   قسم خدا کی عجب بندۂ خدا ہے حسین
عمل سے جیت لیا عزم کی لڑائی کو
= سرِ بریدہ سے سر کر لیا خدائی کو =

عمل حسین سے ہے زندگی حسین سے ہے   دلوں کا درد۔ دلوں کی خوشی حسین سے ہے
عروجِ مرتبۂ بندگی حسین سے ہے   کہ آدمی، بخدا آدمی حسین سے ہے
بغیر جس کے، رسالت کے دل کو چین نہیں
حسین، بعد میں جس کے کوئی حسین نہیں

حسین پیکرِ انسانیت کی جاں تو ہے   زمینِ صبر و تحمل کا آسماں تو ہے
نہ صرف دینِ محمد کی عزّو شاں تو ہے   رہِ حیات میں سالارِ کارواں تو ہے
جہاں کو خوابِ فنا سے جگا دیا تو نے
= بقا کے واسطے مرنا سکھا دیا تو نے =

زہے یہ جذبۂ ہمت، یہ ذوقِ بیداری   نہ ہونے دی بشریّت کی ذلّت و خواری
چلا جو رن کو سجا کر سلاحِ خود داری   سپاہِ ظلم کی تیغوں کو کر دیا عاری
جتا دیا کہ اجل حُریّت کا زیور ہے
دکھا دیا کہ غلامی سے موت بہتر ہے

بیاں ہوں کیا ترے اوصاف اے سخن کے دھنی   بڑھی دفاع کی حد سے نہ جس کی تیغ زنی
امیر و فاقہ کش و قانع و صبور و غنی   مرقعِ حَسَناتِ پیمبرِ مدنی
خودی سے دور۔ خدا سے قریب تھا واللہ
= غریب تھا۔ پہ عجیب و غریب تھا واللہ

بقا کو ظلم کے طوفاں میں تو فنا سمجھا
فنا کو جادۂ انصاف میں بقا سمجھا
تمدن اور تعاون کا مدّعا سمجھا
کہ اپنے درد کو سب خلق کی دوا سمجھا

دیا تھا علم کا آدم نے گو سبق پہلا
مگر کتابِ عمل کا ہے تو ورق پہلا

حیات وہ کہ نہ تھا خوفِ مرگ دامنگیر
وفات وہ، دمِ عیسیٰ کی جس میں تھی تاثیر
صفات وہ، بشریّت کی جن سے ہو تعمیر
ثبات وہ، کہ مصائب کو کر لیا تسخیر

لیے تھا توسنِ ہمت کی باگ پنجے میں
= اجل کو داب لیا صبر کے شکنجے میں =

ہزار غم میں بھی حالت کبھی تباہ نہ کی
وفا کی چاہ میں اولاد کی بھی چاہ نہ کی
بچھڑ گیا پسرِ نوجواں، پر آہ نہ کی
پلٹ کے لاش پہ حسرت بھری نگاہ نہ کی

نہ غم کیا نہ بکا کی نہ اضطراب کیا
حسین، تو نے تو فطرت میں انقلاب کیا

تجھی سے ہے بشریّت کی زیب و زین حسین
تو ہی تو ہے دلِ انسانیت کا چین حسین
نہیں ہے تیری وِلا جن کا فرضِ عین حسین
زباں پہ اُن کی محرم میں ہے حسین حسین

زمانہ سمجھا ہے کچھ کچھ پیام کو تیرے
ابھی تو اور ابھرنا ہے نام کو تیرے

کسی بلا میں بھی ہمت نہ تو نے جب ہاری
دلوں میں کر گئی گھر یہ تری جگر داری
نہ کی جو تو نے مصائب میں گریہ وزاری
شریک غم میں ترے خلق ہو گئی ساری

عدو بھی تیری شہادت کے راز کھولتا ہے
یہ خون وہ ہے کہ جو سر پہ چڑھ کے بولتا ہے

حسین تیری شہادت پیامِ ہستی ہے
شباب و شیب ترا صبح و شام ہستی ہے
ترے وجود سے محکم نظامِ ہستی ہے
نظامِ ہستی و دَورِ دوامِ ہستی ہے

تری بقا کے ہیں دن بے شمار بے حد سال
کہ جس کی ایک گھڑی ہیں یہ سیزدہ صد سال

حسین پاتے ہیں تو نے علی کے سب انداز   حسین تجھ میں ہے سب سیرتِ رسولِ حجاز
حسین تو ہے خدا کا وہ عاشقِ جاں باز   قضا نہ ہونے دی جس نے دمِ قضا بھی نماز
وہ تھی نماز کہ خالق سے ناز کی باتیں
وہ بے نیاز سے راز و نیاز کی باتیں

قلم ہوا دمِ سجدہ جو فرقِ نورانی   یہی ہے نقطۂ اوجِ کمالِ انسانی
عدو بھی کہتے ہیں سن سن کے شانِ قربانی   حسین تو ہے بشر کا شعورِ روحانی
علی کا فخر ہے تو شاہِ انبیا کی قسم
نہیں کسی میں یہ مظلومیت خدا کی قسم

ہے یادگار جو تیرے جہاد کا احوال   وہ حرب و ضرب نہ تھی بر بنائے غیظ و جلال
جہاں کو بلکہ جتانا یہ تھا دکھا کے کمال   علی کی ہم میں ہے طاقت رسول کا اجلال
کسی کے خوف سے کب دل پہ جبر کرتے ہیں
یہ شانِ رحم و کرم ہے کہ صبر کرتے ہیں

کبھی تھا صبر سے تیرے عدو کا دل بے کل   کبھی جبیں کی شکن سے تھی فوج میں ہلچل
مدبروں میں سیاست تری ہے ضربِ مثل   کہ نرم و گرم تھے تیور بمقتضائے محل
وہ پند و وعظ رسولِ قدیر کی صورت
وہ حرب و ضرب جنابِ امیر کی صورت

جہاں میں تیری شہادت سے حق ہے وابستہ   ریاضِ دیں کا ہے تو اک جمیل گلدستہ
ہوا تھا قافلۂ کائنات دل خستہ   دکھا دیا ترے مقتل نے عزم کا رستہ
حیات کو وہ پیامِ عمل دیا تو نے
نظامِ فکر و نظر کو بدل دیا تو نے

حسین تیری شہادت ہے انقلابِ اُمم   ہے تیرے ہاتھ میں عزم و ثبات کا پرچم
ترے وجود کی یہ عظمتیں۔ خدا کی قسم   جبینِ وقت ہے اب تک تری جناب میں خم
مٹے گا خود۔ جو مٹانے کا عزم کرتا ہے
یہ ذکر وہ ہے کہ جتنا دبے ابھرتا ہے

تو ہی ہے ظلم کے پنجے کو موڑنے والا ۔۔۔ یزیدیت کا سرِ نحس توڑنے والا
دَرندگانِ بلا کو جھنجھوڑنے والا ۔۔۔ مصیبتوں کی کلائی مروڑنے والا
پہاڑ سے بھی ثباتِ قدم زیادہ تھا
- دلِ حسین تھا ۔ اللہ کا ارادہ تھا =

وہ دَور جس میں کہ فاسق بنا ہوا تھا امام ۔۔۔ نہ حق کا دین تھا سالم ۔ نہ ملّتِ اسلام
محترمات تھے جائز ۔ امورِ خیر حَرام ۔۔۔ عبادتوں کو نمازی بھی کر چکے تھے سلام
جو شے حجاب کی تھی ۔ بے حجاب جائز تھی
لہو حلال ہوا تھا ۔ شراب جائز تھی

وہ بدعتیں تھیں رَوا دین میں ۔ معاذاللہ ۔۔۔ کہ تذکرے سے بھی جن کے حیا کو ہے اکراہ
نہ تھے رسول ۔ نہ اس دم صحابہؓ ذی جاہ ۔۔۔ بس ایک دَم تھا ترا اے علی کے نورِ نگاہ
ابھر رہا تھا جو فتنہ ۔ دبا دیا تو نے
شہید ہو کے عدو کو مٹا دیا تو نے

کیا وہ کام کہ پایا لقب حسین شہید ۔۔۔ خطاب تیرے عدو کا ہوا یزید پلید
حسین طالبِ نصرت ہے آج پھر توحید ۔۔۔ کہ اس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں لاکھ یزید
نہیں جو فرق حرام و حلال میں باقی
عجب کی جا ہے کہ ماضی ہے حال میں باقی

خزاں کا دَور ہوا گلشنِ شریعت میں ۔۔۔ دخیل ہو گئے کانٹے چمن کی نُزہت میں
نکالتے ہیں جو شاخیں اصولِ مِلّت میں ۔۔۔ روا ہے کب یہ روِش باغباں کی غیبت میں
چمن چمن جو یہ باغی ہیں بار پاتے ہوئے
کلی کلی ہے شگوفوں سے خار کھاتے ہوئے

عجیب تر ہے یہ اندازِ گلشنِ ایماں ۔۔۔ وہی اصول کے پودے فروع کی کلیاں
وہی حدیث ، وہی آیتیں ، وہی قرآں ۔۔۔ مگر فضا ہے نہ وہ جانفزا ، نہ اب وہ سماں
اگر کھلا بھی ہے گلشن تو خوشگوار نہیں
بہار میں بھی ہمارے لئے بہار نہیں

یہ داستانِ اَلم خاص و عام کی سنیے — نظر سے دیکھی ہوئی صبح و شام کی سنیے
نہ داد دیجیے چاہے کلام کی۔ سنیے — یہ شاعری نہیں۔ باتیں ہیں کام کی سنیے

نہ ذکرِ گل نہ بیاں چرخ کی دو رنگی کا
یہ مرثیہ ہے دلیروں کی خانہ جنگی کا

ہوئی ہے فرقہ پرستی کی عام بیماری — خدا کے نام پہ ملّت میں جنگ ہے جاری
جواب دے ہمیں دنیائے زندگی ساری — پیامِ امن ہے مذہب کہ حکمِ خونخواری

خدا کی خَلق کو کیوں آدمی تمام کرے
وہ دین ہی نہیں ہرگز جو قتلِ عام کرے

وہی ہے چشمِ بصیرت میں دینِ ربّانی — جو بغض و فتنہ و شر کا ہو دشمنِ جانی
کرے بحدِ تمدّن، صلاحِ انسانی — تعصبات کے چشموں پہ پھیر دے پانی

بتائے اس کو نظر سے جو امر مشکل ہے
سکھائے صرف عمل سے، یہ حق وہ باطل ہے

وہی ہے دین حقیقت میں انقلاب انگیز — جسے ہو عدل سے رغبت تو ظلم سے پرہیز
ہمیشہ خُلق کا پہلو۔ مجادلہ سے گریز — ہر ایک لفظ ہو رخشِ خیال کو مہمیز

یہ کیا کہ رُخ پہ فقط رنگِ اضطراب آئے
مزہ تو جب ہے کہ روحوں میں انقلاب آئے

وہی ہے دین کہ جس کی ہوں شفقتیں عملی — سزا بھی دے تو بطورِ ہدایتِ ازلی
نظامِ امن کی رہبر تھی ذوالفقارِ علی — چلی ضرور مگر سرکشوں کے سر پہ چلی

خطابِ سیلیِ استاد۔ انتقام نہیں
جہاد جنگِ دفاعی ہے۔ قتلِ عام نہیں

یہ حق کا راز زباں سے تو ہے سبھی کو قبول — کہ اتحاد ہے توحید کے چمن کا پھول
مگر زراہِ عمل ہوگیا ہے یہ معمول — کہ زید و عمرو کی بحثیں ہیں فاضلوں میں فضول

کبھی نماز کے انداز پر جھگڑ بیٹھے
کبھی اذان پر ڈنکے کی چوٹ لڑ بیٹھے

یہ سورما جو الجھتے ہیں رات دن باہم — نبی کے خُلق سے ہیں منحرف خدا کی قسم
بہم تھے جبکہ یہ ذرّے ہَوا تھی صرصرِ غم — بکھر گئے تو ملا خاک میں وفا کا بھرم
جہاں بسائے تھے الفت کے جوش ایسے تھے
دلوں میں گھر تھے یہ خانہ بدوش ایسے تھے

طبیبِ دینِ مسیحا تھے جو بہ ہشیاری — ہوئی نفاق کی اب ان میں عام بیماری
جو شر بڑھانے کی باتیں وہی روا ساری — وہ ناروا ۔ جو پیمبر کی تھی روا داری
نہ وہ خلوص نہ ویسے کہیں نمازی ہیں
دَمِ فرار ہیں آگے اب ایسے غازی ہیں

یہ منچلے جو یگانوں کا خوں بہاتے ہیں — بڑے غیور ہیں غیروں کی مار کھاتے ہیں
جری ہیں ایسے کہ کمزور کو دباتے ہیں — مقابلہ ہو قوی سے تو سر جھکاتے ہیں
یہ مصلحوں کے عدو مفسدوں کے ساتھی ہیں
جو اپنی فوج کچل دے یہ ایسے ہاتھی ہیں

عبادتوں میں بھی ان کے عجیب ہیں انداز — زباں پہ حمد تو دل میں خیال نغمہ و ساز
کبھی بجایا جو باجا کسی نے وقتِ نماز — بپھر کے توڑ دی نیت بگڑ گئے جاں باز
تُلے جہاد پہ حمد و ثنا کو بھول گئے
خودی تو دیکھو نمازی خدا کو بھول گئے

مٹا رہے ہیں وہ خُلقِ حَسَن کا سرمایا — کہ جس سے دینِ خدا کو نبی نے چمکایا
اِسی صفت کا ہے خالق نے وصف فرمایا — اِسی کی شان میں خُلقِ عظیم ھے آیا
اسی سے مِلّتِ احمد کی شان باقی ہے
خدا کی شان نبی کا نشان باقی ہے

اسی کی وجہ سے زندہ ہے ملّتِ اسلام — پیے ہوتے تھے علی ولی اسی کا جام
اسی کے دم سے زمانے میں ہے حَسَن کا نام — اِسی سے تھا تہہِ خنجر حسین کو آرام
فراتِ دہر کا پانی سبھی کو پینے دو
یہی ہے رازِ بقا دوسروں کو جینے دو

نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و خمس و جہاد — تمہیں جو رہ گئے لے دے کے چھ فریضے یاد
غضب کی جا ہے کہ بھولے نبی کا یہ ارشاد — کہ ہے عبادتِ حق بعد۔ پہلے حقِ عباد
ہر ایک اطاعتِ خالق کی ہے قضا ممکن
یہ فرض ہو جو قضا پھر ادا ہے ناممکن

خدائے عزّ و جَل جو کہ ہے رحیم و غفور — جو لاکھ جرم بھی ہونگے تو بخش دے گا ضرور
مگر کیا ہے اگر بندگانِ حق کا قصور — تو پھر ہے اس کی عدالت سے رحم کوسوں دُور
نجات ایسے گناہوں سے زینہار نہیں
قسم خدا کی خدا کو بھی اختیار نہیں

حقوقِ ناس جو ہیں اس قدر عظیم الشاں — بنے کتاب۔ مفصل کریں جو ان کا بیاں
یہ مختصر ہے کہ مشتق ہے انس سے انساں — ہر اِک سے انس جو رکھو بنوا نیسِ زماں
جو یوں رہو تو شرافت کی شان رہتی ہے
کہ جیسے دانتوں کے اندر زباں رہتی ہے

جیو نبی کی طرح تم کو ہے اگر جینا — یہ خُلق تھا کہ عدو سے بھی صاف تھا سینا
نہ اپنے سے تھی عداوت نہ غیر سے کینا — جو آیا جان کے لینے کو اُس کا دل چھینا
ہر اک سے یوں متواضع سدا حضور رہے
انھیں بھی پاس بٹھایا جو حق سے دور رہے

یتیم و بیوہ و محتاج و مفلس و نادار — سبھی کے واسطے دَربار فیض تھا دُربار
جو آتے اہلِ کدورت کبھی پئے تکرار — بچھا کے اپنی عبا دھو دیا دلوں کا غُبار
یہ خُلق دیکھ کے خالق کا دین بڑھنے لگا
جہاں نے کلمہ پڑھا۔ حق درود پڑھنے لگا

نہ ہے خصائلِ اصحاب و آلِ عرش وقار — وہ رحم وجود و عطا وہ تواضع و ایثار
دَمِ جہاد بھی ان غازیوں کا تھا یہ شعار — ہُوا عدو بھی جو سائل تو بخش دی تلوار
نہ خاص تھا کسی بندے سے فیض عام اُن کا
جبھی تو دستِ خدا خَلق میں ہے نام اُن کا

وہ جب نہیں تھے تو ہستی کی کون ہستی تھی
ترقیوں کی یہ بستی عدم میں بستی تھی
گراں تھی حق طلبی، جنسِ کفر سستی تھی
خدا کے گھر میں بھی واللہ بُت پرستی تھی
جو با خدا ہے نہ کیوں ان کو نا خدا سمجھے
بہک بہک کے بھی بندے جنہیں خدا سمجھے

وَلی تھے ایسے کہ مدحت میں اِنَّما آیا
جَرّی تھے ایسے کہ لاسیف و لافتا آیا
کبھی جمال کی حسرت میں وَالضُّحیٰ آیا
کبھی عطا کی تمنّا میں ھَل اَتیٰ آیا
نہ اہلِ دل کہیں ایسے، نہ تھے جَری ایسے
خدا کے نام پہ سر دے دیے سخی ایسے

ہوئے تھے خَلق جو وہ باخدا عطا کے لیے
عطا تھی ان کی ہر اک بندۂ خدا کے لیے
جسے دوا نہ ملی دردِ لادوا کے لیے
ملے مراد کے موتی جب۔ ان سے جا کے۔ لیے
ہُوا کلی کا جو خواہاں۔ اُسے بہار ملی
جو ایک نان کا طالب ہوا قطار ملی

جو خضرِ راہ تھے اُن کی وہ تھی روا داری
جو پیرووں میں ہیں اُن کے یہ اِنکی خونخواری
قدم قدم پہ ہے جنگ و جدل کی تیاری
غضب ہے بھائی سے کرتا ہے بھائی غداری
بچھڑ بچھڑ کے جو آپس میں جنگ کرتے ہیں
مخالفوں کو جلاتے ہیں آپ مرتے ہیں

جو دینِ حق کے معاون ہیں وہ رہیں دلشاد
جو اتحاد کے دشمن ہیں جلد ہوں برباد
بھلا یہ سمجھیں گے کیوں کر محلِّ صلح و جہاد
سیاستِ عَلوی کا سبق نہیں جب یاد
مٹا رہے ہیں یہ ملت کو جنگ کر کر کے
علی نے جس کی بچائی تھی جان مر مر کے

کہے یہ کون عدو گھات میں ہیں نادانو
یہ جنگ چھوڑ دو آپس کی اب کہا مانو
لڑا رہے ہیں جو موذی تم ان کو پہچانو
اِن آستین کے سانپوں کو دوست کیوں جانو
ارے جنہوں نے تمہیں بے چھری حلال کیا
اُنہیں کے دم میں تم اب آ گئے۔ کمال کیا

بھرا ہے درسِ اخوّت سے خود کلامِ مجید　　عمل سے کر گئے اصحاب و آل بھی تائید
جواب دو کہ پھر آپس میں کیوں ہے جنگ شدید　　ہوئی جو تم میں دوئی ۔ سمجھو مٹ گئی توحید
لڑو فروع پہ ناحق نہ مصطفٰے کے لیے
اصولِ دیں کی حفاظت کرو خدا کے لیے

پھرے ہیں حق سے جو کچھ دینِ پاک کے بدخواہ　　لڑاتے رہتے ہیں امت کو یہ معاذ اللہ
بحسبِ مصلحت خود بحرصِ دولت و جاہ　　بنے ہیں سنگِ رہِ اتحاد یہ گمراہ
فساد سے جہلا میں جو نام پاتے ہیں
شگوفہ چھوڑ کے پھولے نہیں سماتے ہیں

فریب دے کے ریاکار کام لیتے ہیں　　حلال کرتے ہیں مالِ حرام لیتے ہیں
کبھی جو خدمتِ قومی کا نام لیتے ہیں　　شکارِ حرص و ہوس ہیں کہ دام لیتے ہیں
جناں کی چاہ نہ حاجت سقر سے ڈرنے کی
انہیں تو فکر ہے دوزخ کو اپنے بھرنے کی

سروں میں گو کہ ہے تعمیرِ قوم کا سودا　　مگر بڑھاتے ہیں جھگڑے بجائے جوشِ وِلا
ہوئی انہیں کے قدم سے یہ کشمکش پیدا　　عمومیت میں مجالس کی جس سے فرق پڑا
نبی کے لاڈلے محسن جو دینِ رب کے ہیں
نہیں کسی کے وہ مخصوص بلکہ سب کے ہیں

کسی گروہ سے کب خاص ہے عزائے حسین　　نظر میں سب کی ہیں وہ برگزیدۂ ثقلین
سوارِ دوشِ نبی کیا نہ تھے بہ زینت و زین　　علی کے ماہ لقا فاطمہ کے نور العین
رسول کہتے تھے میں خوش انہیں کے چین سے ہوں
حسین مجھ سے ہے میرا تو میں حسین سے ہوں

کہا حسین کو جب مصطفٰے نے اپنی جاں　　تو پھر حضور ہی اسلام کی ہیں روحِ رواں
اٹھا تھا کفر کا جب ملکِ شام سے طوفاں　　انہیں نے بڑھ کے سنبھالی تھی کشتیِ ایماں
ہوئے شہید جو امت پہ گھر فدا کر کے
نبی کا دین بچایا خدا خدا کر کے

ہزار ظلم سہے مُنہ سے اُف نہ کی اک بار — کہ تھے مجسمۂ خُلقِ احمدِ مختار،
وفا میں فرد۔ سراپا مروّت و ایثار — خدا کے عاشق جانباز۔ صادق الاقرار
مصیبتوں میں نہ دب کر رہے نہ ڈر کے رہے
مگر زبان سے جو کہہ دیا تھا کر کے رہے

یہی شرف نہیں خالی کہ تھے نبی کے لال — عمل سے اُن کے ہے راسخ دلوں میں جاہ و جلال
اگرچہ گزرے شہادت کو سیزدہ صد سال — مگر قلوب میں بیٹھا ہے سکۂ اقبال
نہیں وہ آج مگر ان کا کام زندہ ہے
جب ان کا کام ہے زندہ تو نام زندہ ہے

جب ان کے غم میں ہو مصروف آہ و زاری میں — تو ان کی شان بھی دکھلاؤ غم گساری میں
مقابلے کی ہوس ہو جو بے قراری میں — حریف حُر کے بنو شوقِ جاں نثاری میں
غضب ہے تم رہِ علم و عمل سے بھاگے ہو
حسین کا تو سپاہی وہ ہے جو آگے ہو

بپا جو کرتے ہو مجلس شہ ہدا کے لیے — اشاعتِ غمِ مظلومِ کربلا کے لیے
نہیں ہے صرف یہ دَم بھر کی واہ وا کے لیے — یہ مدرسہ بھی ہے اک دینِ مصطفیٰ کے لیے
نہیں یہ بزم ہدایت کا باب ہے گویا
حسین علم و عمل کی کتاب ہے گویا

زباں سے کرتے ہو دعویٰ حسینیت کا اگر — دکھاؤ کچھ تو حسینِ شہید کے جوہر
سجو وہ اسلحہ جس پر فدا ہو فتح و ظفر — ثباتِ عزم کی تلوار لو۔ حیا کی سپر
جو حیدری ہو تو ہمت کرو۔ دلیر بنو
بڑھو۔ نہ بڑھ کے ہٹو۔ بڑھتے جاؤ۔ شیر بنو

گھٹا رہے ہو جو آپس کی جنگ میں طاقت — یہ کسب رزق میں گر خرچ ہو۔ مٹے نکبت
اجڑ چکی ہے تمہاری جو قوم کی دولت — اسی لیے تو حزین و ملول ہے ملّت
نہیں جو زر تو کبھی اوج پا نہیں سکتے
بغیر نقد کے سکّہ جما نہیں سکتے

کتابِ رب میں بھی آیا ہے مال کا مذکور　　یہ ہے حیات کی زینت بقولِ ربِّ غفور
گدائی حمد ہے اکثر درِ قبول سے دور　　کہ لب وظیفہ میں سرگرم ۔ دل میانِ تنور
سکوں کے ساتھ میسر نہ ہو جو کھانا بھی
تو بھول جاتے ہیں تسبیح مردِ دانا بھی

جو علم دیکھو تو ہم میں ہر اک ہے فرزانہ　　عمل جو دیکھو تو ہے ذی خرد بھی دیوانہ
یہ ابتری ہے کہ گھر میں نہیں ہے اک دانہ　　پھر اس پہ لطف یہ ہے خصلتیں ہیں شاہانہ
رہی نہ قوتِ احساس خوش مذاقوں میں
پکا رہے ہیں خیالی پلاؤ فاقوں میں

ہمیں غریبوں کی حالت کا کچھ نہیں احساس　　یہ بےحسی ہے حقیقت میں عقل کا افلاس
وہ گرچہ اب نہیں افراطِ زر ہمارے پاس　　مگر گئی نہیں مرجھائے پھول کی بو باس
نہ ذکرِ حال نہ فکرِ مآل سے خوش ہیں
قفس میں رہ کے چمن کے خیال سے خوش ہیں

وہ ذی خرد جو دکھاتے تھے راہِ آزادی　　خلاف عقل ہوئے ہیں رسوم کے عادی
رچاتے ہیں کسی دلبند کی اگر شادی　　تو گھر لٹاتے ہیں بر وقت خانہ آبادی
ادا رسومِ جہالت تمام کرتے ہیں
خدا کے حکم میں شامل حرام کرتے ہیں

اگر ہے بیاہ پسر کا بفضلِ ربّانی　　ضیافتوں میں یہ کرتے ہیں اپنی قربانی
خوشی کے جوش میں ہوتی ہے ایسی مہمانی　　کہ جس کے بعد نہ کنبے کو مل سکے پانی
تباہ ہو کے بھی بربادکن عمل نہ گئے
اگرچہ جل گئی رسّی تمام ۔ بل نہ گئے

بوقتِ رخصتِ دختر ہے بخت کا رونا　　وہ قرض لے کے مہیّا جہیز کا ہونا
وہ ایک گھر کے بسانے کو ایک گھر کھونا　　حرام وہ زر و زیور کی فکر میں سونا
یہ خودکشی ہے سراسر ۔ ادائے فرض نہیں
متاعِ زیست کو گھن لگ گیا ہے قرض نہیں

مقامِ غور ہے اے امتِ حبیبِ خدا
جہیزِ بنتِ رسولِ حجاز تھا کتنا
پیالہ، جوشن، مشکیزہ، آسیا، رِدا
یہ پانچ چیزیں تھیں اور ایک دولتِ عقبیٰ

نہ مال و زر تھا۔ نہ سامان زیب و زینت کا
حیا کا پہنے تھیں زیور۔ لباس عصمت کا

ہم اُن کے شیوۂ صبر و رضا کو بھول گئے
رسومِ بد میں پھنسے۔ ارتقا کو بھول گئے
قدیم وضع کے بندے خدا کو بھول گئے
جدید رنگ کے شیدا حیا کو بھول گئے

برائے نام جو وہ روز و شب نماز میں ہیں
یہ بے حجاب ہمیشہ سرود و ساز میں ہیں

پڑھا جو علمِ زباں۔ بد زبانیاں سیکھیں
بنے ادیب جو فرضی کہانیاں سیکھیں
بقصدِ شعر جو رنگیں بیانیاں سیکھیں
ہوئے کلیمِ زماں۔ لن ترانیاں سیکھیں

ثنائے حُسنِ صنم بے حجاب کرنے لگے
زمینِ شعر کی مٹی خراب کرنے لگے

کہے وہ شعر مٹی جن سے شانِ خودداری
رواج پا گئے افعال ذِلّت و خواری
وہ بزمِ یار وہ غیروں کی گرم بازاری
وہ بسملوں کا تڑپنا۔ وہ گریہ وزاری

گلی میں اس کی ہوں رسوا، یہ کام ہے اپنا
یہی غزل ہے، تو اس کو سلام ہے اپنا

وہ خوش مذاق سلف میں جو تھے فدائے غزل
کچھ اور کہنے کے خواہاں تھے خود بجائے غزل
جبھی تو کہتا ہے غالب جو تھا خدائے غزل
"بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل"

وہ مبتلائے قفس کچھ جو پیش و پس نہ چلا
تڑپ کے قید میں بس رہ گیا کہ بس نہ چلا

یہ گیت دَور میں شاہی کے گائے جاتے تھے
کہ حرّیت کے اثر جب مٹائے جاتے تھے
سرور و عیش کے جلسے سجائے جاتے تھے
پلا پلا کے یہ جذبے دبائے جاتے تھے

نہ اس نشاط کی حاجت نہ اس ترانے کی
ضرورت اب تو ہے جانبازیاں دکھانے کی

سناؤ شعر اب ایسے کہ روح ہو بیدار   خبر ہے کچھ کہ زمانہ ہے برسرِ پیکار
رہِ بقا میں تقابل کا گرم ہے بازار   وہ طبلِ جنگ بجا۔ ہاں سپاہیو ہشیار
ہوائے تند کا جھونکا بصد شتاب آیا
اٹھو اٹھو کہ لبِ بام آفتاب آیا

وہ انقلاب نے رنگِ جہاں بدل ڈالا   مدارِ گردشِ ہفت آسماں بدل ڈالا
ہوا نے ذوقِ بہار و خزاں بدل ڈالا   گلوں نے قاعدۂ گلستاں بدل ڈالا
سکھائے طرز وہ بلبل کو نغمہ خوانی کے
کہ جن سے پھول کھلیں باغِ زندگانی کے

انہیں جلاؤ جو فاقوں کے غم سے مرتے ہیں   عجب بلا میں غریبوں کے دن گزرتے ہیں
نہ محنتوں سے نہ مزدوریوں سے ڈرتے ہیں   یہ بھائی بندوں کے طعنوں کا خوف کرتے ہیں
بڑھے چلو جو انہیں راہ سے لگائے ہوئے
نہ پھر رکیں گے کہ ہیں شیر چوٹ کھائے ہوئے

یہ ننگ و عار ہے کیوں کاروبار سے بیکار   اسے حقیر نہ سمجھو جو تھا سلف کا شعار
زرہ بناتے تھے داؤد نوح تھے نجّار   گواہ اس کا ہے کعبہ خلیل تھے معمار
جفاکشی ہی سے موسیٰ نے برتری پائی
چرانے آئے تھے بھیڑیں۔ پیمبری پائی

نہ تھے کسی کے ملازم وہ خلق کے ہادی   رگوں میں خون کے بدلے بھری تھی آزادی
رعونتوں سے بری۔ انکسار کے عادی   لباسِ فقر میں شاہوں کی شان دکھلا دی
نہ مسندوں پہ نہ تکیوں پہ محوِ خواب ہوئے
زمیں پہ سو گئے پڑ کر۔ ابو تراب ہوئے

وہ دیکھو چشمِ تصور ذرا جھکائے ہوئے   کھڑے ہیں کون پسینے میں یہ نہائے ہوئے
وہ ہیں بغل میں نبی بیلچہ دبائے ہوئے   وہ بوتراب ہیں مٹی کا بوجھ اٹھائے ہوئے
کما رہے ہیں وہ محنت سے شام کی روزی
کہ جن کے ہاتھ میں ہے خاص و عام کی روزی

سنو تو گردشِ دوراں یہ کیا سناتی ہے
یہ کس کے گھر سے صدا آسیا کی آتی ہے
یہ کون صاحبِ عصمت کڑی اٹھاتی ہے
جو چکّی پیس کے شوہر کا غم بٹاتی ہے
نہیں ہے یہ کسی ادنیٰ فقیر کی بی بی
یہ فاطمہ ہے جنابِ امیر کی بی بی

لگے ہیں کام میں اپنے سبھی امیر و کبیر
غضب ہے اُن کی یہ غفلت جو ہیں فقیر و حقیر
یہ اب بھی ہوش میں آئیں تو جاگ اٹھے تقدیر
جو بات بگڑی تو پھر بن نہ آئے گی تدبیر
بہا جو نہر سے ۔ پھر کر نہ پھر وہ آب آیا
کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

نمودِ حشر ہے یارب نبی کی امّت میں
ابھر رہے ہیں مرض چارہ گر کی صورت میں
جو اب بھی رحم نہ کھائے گا تو مصیبت میں
تو پھر امام کو بھیجے گا کیا قیامت میں
یہ انتظار نہ ٹھہرا کوئی بلا ٹھہری
"کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری"

مٹے یہ ہجر کا غم ساقیا شراب پلا
جو مُردہ دل کو جِلا دے وہ مے شتاب پلا
جو غفلتوں کو جلا دے وہ آفتاب پلا
نسیم جوش میں ہے پھول دے گلاب پلا
پلا بھی اتنی کہ لطف ایک بار آ جائے
اڑے چمن میں گلابی بہار آ جائے

وہ آج چشمۂ آبِ بقا ہو پھر جاری
ترے لہو کی قسم ۔ جو ہے روح بیداری
ہر ایک موج میں بہہ جائیں کلفتیں ساری
ہر ایک بوند ہو غفلت کے حق میں چنگاری
وہ مے جو دین کی رگ رگ میں ہے سمائی ہوئی
نبی سے صاحبِ تقویٰ کی پی پلائی ہوئی

وہ مے پلا دے ۔ جو عمّار ذی وقار نے پی
وہ مے جو بوذر و سلمان جاں نثار نے پی
اویس و زید نے تمّارِ نامدار نے پی
اذاں کے وقت بلالِ وفا شعار نے پی
عجیب صاحبِ قسمت وہ پینے والے تھے
نبی کا دور تھا ۔ آیات کے پیالے تھے

وہ مے پلا جو حبیب ملک خصال نے پی   بریر و وہب نے پی بدرِ خوش جمال نے پی
حُر دلیر نے پی۔ عابس و ہلال نے پی   زہیر قین نے پی۔ عوسجہ کے لال نے پی

اسی کے جوش میں کھا کھا کے زخم جھومتے تھے
زمیں پہ گر کے بھی ساقی کے پاؤں چومتے تھے

اسی شراب کے طالب ہیں آج پھر میخوار   کہ جس پہ عون و محمد ہوئے خوشی سے نثار
رہے گا یاد وہ بچپن کا جوش وہ ایثار   قریب نہر کے پیاسے گذر گئے جرار

نہ کم سنوں میں یہ ہمت نہ یہ وفا ہو گی
نہ رُخ کیا سوئے دریا کہ ماں خفا ہو گی

وہ مَے پلا جسے پیتے تھے قاسمِ گلرو   وہ مے کہ جس میں ہے عطرِ عروس کی خوشبو
وہ پاک مے جو ہوئی صبحِ قتل صَرفِ وضو   چھلک گئی تو شفق تھی، ٹپک گئی تو لہو

رہی جو شیشۂ دل میں تو ہوش بن کے رہی
ابل پڑی تو شہادت کا جوش بن کے رہی

پییں گے اب تو یہ میکش وہ جام بے وسواس   عطش میں جس سے تھے سیرابِ ثانی الیاس
بھڑک اٹھی تھی جو ٹھنڈی ہوائے نہر سے پیاس   وفا یہ کہتی تھی پیہم کہ صبر کر عباس

وہ آج پیاسے ہیں۔ دریا تمام ہیں جن کے
انہیں پلا کے پییں گے غلام ہیں جن کے

پلا وہ جام کہ اکبر کا جس سے تھا یہ حال   گڑا جو سینے میں نیزہ، ہوئے نہ غم سے نڈھال
پر اپنے وعدے کا اتنا تھا باوفا کو خیال   کہا یہ شہ سے دمِ نزع بھی بحزن و ملال

الم نہیں جو یہ برچھی ہزار بار چلے
مگر یہ غم ہے کہ صغرا سے شرمسار چلے

بیاں ہو کیا ترے صہبا کی ساقیا تاثیر   جوان و پیر کا کیا ذکر محو تھا بے شیر
کہاں وہ ننھی سی گردن کہاں سہ پہلو تیر   صغیر چپ ہی رہا گو کہ رو دیے شبیر

دکھا دیا کہ بہادر کڑی کو جھیلتے ہیں
علی کے لاڈلے یوں ناوکوں سے کھیلتے ہیں

عجیب مے ہے یہ پروردۂ ذبیح و خلیل　　کہ جس کے نشے میں فرما رہے تھے شاہِ جلیل
لہو کے پینے کو تیغو بڑھو بصد تعجیل　　خدا کی راہ میں پیاسے نے یہ رکھی ہے سبیل
بہا کے خون ۔ سوا میری آبرو کر دو
علی کے لال کو نانا سے سرخرو کر دو

مقامِ غور ہے اے دوستو یہ ظلمِ سیاہ　　وہ لاکھ ظلم کی تیغیں وہ اک علی کا ماہ
وہ فکرِ اہلِ حرم وہ عطش سے حال تباہ　　وہ لاشۂ پسرِ نامراد پیشِ نگاہ
نظر کے سامنے ہر نورِ عین کو مارا
رلا رلا کے عدو نے حسین کو مارا

جبیں کے چومنے کو لاکھ تیر آتے تھے　　خوشی سے تیغوں کو حضرت گلے لگاتے تھے
فرس پہ ضعف کی شدت سے غش جو کھاتے تھے　　کبھی سنبھلتے تھے اور گاہ ڈگمگاتے تھے
پکارتے تھے کمک اب مدد کرو عباس
فرس سے گرتے ہیں مولا اتار لو عباس

اُدھر کھڑی تھیں جو زینب قریب پردۂ در　　یہ نوحہ سن کے تڑپ کر نکل پڑیں باہر
فرس سے گرتے ہوئے شہ نے دی ندا رو کر　　نہ رن میں آئیے گھر کو سنبھالیے خواہر
مریضِ غم کو ہمارا سلام کہہ دینا
سلام کہہ کے یہ غم کا پیام کہہ دینا

ہمارے بعد مصیبت ہو یا ملال رہے　　مگر زباں پہ فقط شکرِ ذوالجلال رہے
پہاڑ غم کے اٹھا کر بھی دل بحال رہے　　یہ امتحان ہے بیٹا ذرا خیال رہے
پسِ وفات بھی ذکرِ حیات رہ جائے
وہ کیجیو کہ بزرگوں کی بات رہ جائے

جو ہم سے اٹھ نہ سکے تم وہ غم اٹھا لینا　　چھنیں حرم کی ردائیں تو سر جھکا لینا
جو تازیانے بھی ماریں شقی تو کھا لینا　　مگر سفینۂ امت کو تم بچا لینا
کوئی بزرگ نہ اب ہے نہ خورد ہے بیٹا
نبی کا دین تمہارے سپرد ہے بیٹا

ہجومِ غم میں حدوں سے بڑھا جو شوقِ وصال　　حسین محوِ عبادت ہوئے بہ استقلال
اٹھے نہ سجدے سے۔ گو کر دیا شقی نے حلال　　نہ تڑپی لاش بھی اعدا نے جب کیا پامال
مگر حرم کی صدا سنتے ہی مچلنے لگے
کسی کا سر جو کھلا کروٹیں بدلنے لگے

ہماری جان ہو قربانِ صبرِ زینِ عبا　　جنھوں نے آنکھ سے دیکھی یہ ماں پھپی پہ جفا
خیامِ پاک میں بے اِذن آ گئے اعدا　　جلا بتول کا گھر چھن گئی حرم کی رِدا
یہ ظلم و جور ہے جائز کہاں زمانے میں
بندھی ہوئی تھی رسن بی بیوں کے شانے میں

دوہائی دیتی تھی یہ بیکسی بحسرت و یاس　　کہاں ہو اے جگر و جانِ کشتۂ الماس
کہاں ہو اے علی اکبر غیور و نیک اساس　　کہاں ہو عون و محمد، کہاں ہو اے عباس
لرز رہی ہے زمیں اب قیامت آتی ہے
اٹھو اٹھو کہ سکینہ طمانچے کھاتی ہے

۱۹۳۹ء

اے کِلک تو مصوّرِ معجز نگار ہے — تیری کشش پہ جذبۂ فطرت نثار ہے
سوکھی سی شاخ رازِ نمو درکنار ہے — کانٹے کی گود میں چمن پُربہار ہے
رنگیں بیانیوں سے یہ گلشن بسائے ہیں
تو نے خزاں کے ذکر میں بھی گُل کھلائے ہیں

کیونکر ملے نہ تجھ کو ریاضت کا اپنی پھل — چلتا ہے راہِ علم و حقیقت میں سر کے بل
ہے گوش پر جو اہلِ نظر کے ترا محل — سرگوشیوں سے کرتا ہے تو مسئلوں کو حل
نوکِ زباں سے دل کی گرہ کھولتا ہے تو
لکھنا فقط کمال نہیں بولتا ہے تو

روزِ ازل سے تو ہے حقیقت کا رازدار — بالائے عرش تیری جلالت ہے آشکار
طے کی ہیں منزلیں رہِ ہستی کی بے شمار — گو دیکھنے میں کاغذی گھوڑے پہ ہے سوار
پہچانتا ہے قدر جو اربابِ فن کی تو
انگلی پکڑ کے چلتا ہے اہلِ سخن کی تو

ہے نغمۂ ربابِ مشیّت تری صریر — یعنی پیامِ کاتبِ قسمت تری صریر
اک ترجمانِ عالمِ فطرت تری صریر — دھیمی سی اک نوائے حقیقت تری صریر
تو لوح پر ہے جلوہ دِہِ بحر و بر کا ہاتھ
رکھا ہے تیرے سر پہ قضا و قدر کا ہاتھ

تو خاکسار بھی ہے۔ جلالت پناہ بھی — عالم کا ہے مُطیع بھی۔ عالم کا شاہ بھی
ظالم بھی تجھ سے کانپتے ہیں دادخواہ بھی — جاری ہے تیرا حکم بھی، ہے بے سپاہ بھی
جو لکھ دے تو۔ اسی سے حکومت کی شان ہے
تیری رقم خزانۂ شاہی کی جان ہے

دونوں جہاں میں تجکو یہ حاصل ہو عزّ و جاہ
تیرے جو ہیں فقیر وہ اوروں کے بادشاہ
موت و حیات، تیرا اشارہ، تری نگاہ
یہ لطف ہے کہ تو ہے سیہ کار و بے گناہ
کاغذ بھی روشنائی بھی اس پر گواہ ہے
قبضے میں صرف تیرے سپید و سیاہ ہے

ہر دم جو مُنہ سے لعل اگلتا ہے بیحساب
دفتر میں کائنات کے تیرا نہیں جواب
کیونکر نہ تجھ کو سمجھیں دو عالم میں انتخاب
محفوظ جبکہ لوح میں ہے صورتِ کتاب
رفعت یہ ہے کہ عرشِ عُلا تک رسائی ہے
حد ہوگئی خدا نے قسم تیری کھائی ہے

ہر شاہ، ہر فقیر کا ہے رازداں قلم
پتھر کی ہے لکیر۔ کرے جو بیاں قلم
بے اِذن رازِ دل نہیں کرتا عیاں قلم
سینہ کوئی شگاف کرے یا زباں قلم
اظہارِ صدق و حق میں اسے ڈر ذرا نہیں
کہنے کو دو زباں ہے مگر دو غلا نہیں

اللہ رے قلم تری توقیر مرحبا
چوما ہے تونے دستِ یداللہ بارہا
اس سے زیادہ اور شرف چاہتا ہے کیا
ہنگامِ نزع خود ترے طالب تھے مصطفٰے
قرطاس کی حدیث سے صاف آشکار ہے
تو دشمنِ علی کے لیے ذوالفقار ہے

لکھتا ہے بار بار جو تو مدحِ مرتضٰی
لاریب تو ہے بلبلِ سِدرہ کا ہم نوا
کھلتی ہیں دو زبانیں جو تیری بصد ادا
ہوتا ہے صاف ان سے عیاں لافتا کا لا
سیکھا ہے رنگ ڈھنگ جو حق کے سفیر کا
گویا ہے تو فقیر جناب امیر کا

اے کِلکِ خوش بیاں ترے اعجاز کے فدا
قلزم بہائے علم کے تونے ہی جا بجا
کیونکر نہ قدرداں ہوں ترے صاحبِ وِلا
دو ہیں زبانیں۔ ایک سخن۔ شانِ کبریا
ہو ایک بھی جدا تو یہ دونوں فضول ہیں
بے فصل جب ملیں تو علی و رسول ہیں

تیرے سبب سے نظم کا رتبہ جلیل ہے
باغِ نسیم رشکِ ریاضِ خلیل ہے
تو سیرِ آسمان میں پرِ جبرئیل ہے
تیری سبیل صاف سوائے السبیل ہے

سر کٹنے پر بھی تجکو صداقت سے کام ہے
تو پیروِ حسین علیہ السّلام ہے

جو مژدۂ عمل کا مبشر ہے وہ حسین
جو مُصحفِ ازل کا مفسّر ہے وہ حسین
جو رازِ بندگی کا مبصّر ہے وہ حسین
جو روحِ زندگی کا مصوّر ہے وہ حسین

ذرّوں پہ لکھ کے خون سے رمزِ حیات کو
رنگیں بنا دیا ورقِ کائنات کو

سر جس کا امتحانِ عمل میں ہوا قلم
منزل بکف ہے راہ میں جس کا ہر اک قدم
ایک ایک سانس جس کی دو عالم کا ہے بھرم
سینہ ہے جس کا لوحِ وفا۔ عرش کی قسم

فطرت کو جس نے زیرِ بجدّ ستم کیا
پانی پہ جس نے صبر کا دفتر رقم کیا

اسلام جس کا بندۂ احساں ہے وہ حسین
کعبہ بھی جس ذبیح پہ قرباں ہے وہ حسین
جو نخلبندِ گلشنِ ایماں ہے وہ حسین
گویا بغیر لفظوں کا قرآں ہے وہ حسین

خاموش ہے تو کن فیکوں کا وقار ہے
جب بول اٹھے مشیّت پروردگار ہے

جسمِ بقا کے زخم کا مرہم حسین ہیں
فطرت کے داغ دھونے کو زمزم حسین ہیں
دنیائے انقلاب کے آدم حسین ہیں
روحِ عمل کے عیسیِ مریم حسین ہیں

سوتے ہوؤں کو خون چھڑک کر جگا دیا
جاگے ہوؤں کو بات پہ مرنا سکھا دیا

انسانیت کا باغِ تمنّا حسین ہیں
اک زندگی کے فیض کے دریا حسین ہیں
انسان کیا بتائے کوئی۔ کیا حسین ہیں
اللہ کی مشیت گویا حسین ہیں

قائم ہے حق کا دین شہِ مشرقین سے
جب تو کہا نبی نے کہ میں ہوں حسین سے

جس وقت تک جہاں میں رسولِ امم رہے
اکثر نبی کے دوش پہ ان کے قدم رہے
یہ پشت پر سوار۔ وہ طاعت میں خم رہے
سجدے میں جامِ عشق پیا اور جم رہے
ثابت ہوا یہ فعلِ رسولِ حجاز سے
مرضی حسین کی ہے مُقدّم نماز سے

دنیا بھلا سکے گی نہ یہ مصطفےٰ کے پیار
وہ عید۔ وہ حسینؑ کی معراجِ افتخار
ناقہ رسول سا مرے مولا سا شہسوار
زُلفِ محمدی کی خدا ساز، وہ مِہار
کھینچا اگر کبھی تو کبھی ڈھیل چھوڑ دی
چاہا جدھر کو۔ باگ رسالت کی موڑ دی

توحیدِ بے نیاز ہے قائم حسین سے
دینِ شہِ حجاز ہے قائم حسین سے
سجدے کا امتیاز ہے قائم حسین سے
سب روزہ و نماز ہے قائم حسین سے
اِن پر ہے ناز بندگیِ بے نیاز کو
دَم ٹوٹنے لگا پہ نہ توڑا نماز کو

وَالشَّفع اِن کی شان میں آیا ہے سربسر
وَالوِتر کے ہیں فرد تو وَالفَتح کے جگر
وَالاَرض کے نہال تو وَالتِّین کے ثمر
وَاللَّیل کے چراغ تو وَالشَّمس کے قمر
وَالفجر ان کا روئے جلالت پناہ ہے
وَالعصر کے شہید ہیں قرآں گواہ ہے

جو ہمصفیرِ کلکِ مشیت ہے وہ حسین
جو نقشبندِ صفحۂ عظمت ہے وہ حسین
جو کاتبِ صحیفۂ فطرت ہے وہ حسین
جو صاحبِ کتابِ شہادت ہے وہ حسین
جس کی ہے موت روحِ بقا جانِ زندگی
سُرخی ہے جس کے خون کی عنوانِ زندگی

یہ جس ولی کی جاہ و جلالت کا حال ہے
اس مرثیہ میں اُس کی ولادت کا حال ہے
گلشن نہال ہیں یہ مسرت کا حال ہے
ہے وجد میں نسیم یہ فرحت کا حال ہے
اُبھرا ہے رنگ بن کے جو حُسن آج آل کا
جلوہ کلی کلی میں ہے زہرا کے لال کا

وہ عید ہے کہ گلشنِ دیں باغ باغ ہے
غنچے کو بیکلی ہے نہ لالے کو داغ ہے
ہر پھول آفتاب کا چشم و چراغ ہے
یثرب کی سرزمیں کا فلک پر دماغ ہے
کانٹوں میں بوئے گلشنِ عنبر سرشت ہے
ایسی بہار ہے کہ مدینہ بہشت ہے

دوشِ محمدی کے مکیں کا ورود ہے
فرشِ زمیں پہ عرش نشیں کا ورود ہے
دینِ مبیں کے حصنِ حصیں کا ورود ہے
زہرا کے گھر حسین حسیں کا ورود ہے
کلمہ کو سرپرست ۔ نبی کو پسر ملا
ہے سربلند تاجِ شفاعت کہ سر ملا

کعبے کے چاند کو پسرِ مہ جبیں ملا
دُرِّ نجف کو گوہرِ عرشِ بریں ملا
یٰسین کو اِک اور امامِ مبیں ملا
چمکا نصیب مہرِ نبوت، نگیں ملا
زہرا کا گھر نمونۂ دارالسّلام ہے
پیدائشِ حسین علیہ السّلام ہے

آتا ہے آج خلق میں وہ تیسرا امام
پڑھتا ہے دینِ حق کلمہ جس کا لا کلام
حرمت بڑھی حرم کی مُصلّے کا احترام
اسود کی شان. حج کا شرف ۔ رکن کا مقام
زمزم کا شور ہے کہ میں ذی آبرو ہوا
کعبہ کو عید ہے کہ منا سرخرو ہوا

حور و ملک میں دھوم ہے جن و بشر میں جشن
دنیا و دیں میں بزمِ طرب خشک و تر میں جشن
عالم میں ضو، جہاں میں خوشی، بحر و بر میں جشن
جنّت میں جشن، مالکِ جنّت کے گھر میں جشن
دونوں جہان میں عید ہے کون و مکاں میں عید
کون و مکاں کا ذکر تو کیا۔ لامکاں میں عید

تکبیر کا ہے غُل کہ شہادت کے دن پھرے
اسلام کا سخن مری عظمت کے دن پھرے
قرآن کا بیاں کہ اشاعت کے دن پھرے
اَخلاق کی ندا بشریّت کے دن پھرے
صدق و صفا پکارے ہمیں قدرداں ملا
بولی زمین صبر ۔ مجھے آسماں ملا

غل ہے کہ آج دینِ خدا کا پھرا نصیب — بخشش پکارتی ہے کہ جاگا مرا نصیب
باطل کے دستِ ظلم سے چھوٹے بلا نصیب — تکمیلِ امرِ حق کا دن آیا خوشا نصیب
ذبحِ عظیم کی جو یہ تفسیر مل گئی
بولے خلیل خواب کی تعبیر مل گئی

یہ فیض آمدِ شہِ عالی صفات ہے — نورِ خدا نقابِ رُخِ کائنات ہے
نوروز کی سحر کہ ولادت کی رات ہے — یہ رات دوستوں کو نویدِ برات ہے
اس شب میں حق نے سب کے گنہ عفو کر دیے
فطرس کو بال و پَر نہ عطا ہوتے ۔ پَر دیے

ذرّے تمام غیرتِ مہرِ منیر ہیں — لیلائے شب کی زلف میں یوسف اسیر ہیں
عیسیٰ بھی محوِ قدرتِ ربِّ قدیر ہیں — موسیٰ کی طرح سنگ بھی روشن ضمیر ہیں
تارے تمام طور کا جلوہ لیے ہوئے
نکلا ہے چاند بھی یدِ بیضا لیے ہوئے

جلوہ یہ ہے امامِ مبیں کے ظہور سے — گردوں بھی جھومتا ہے خوشی کے وفور سے
معمور ذرہ ذرہ ہے خالق کے نور سے — یہ تیسری کا چاند بڑھا شمعِ طور سے
طبقے زمیں کے غیرتِ افلاک ہو گئے
لو جمع آج پنجتنِ پاکؑ ہو گئے

اِک شور ہے ولادتِ شاہِ زماں ہے آج — باغِ جہاں نمونۂ باغِ جناں ہے آج
وہ ہیں تجلیاں کہ زمیں ۔ آسماں ہے آج — ارض و سما بھی دنگ ہیں ایسا سماں ہے آج
غنچے چٹک رہے ہیں جو لب کھولتے ہوئے
یہ معجزے بہار کے ہیں بولتے ہوئے

نشو و نما عجیب فضا لے کے آئی ہے — اِک معتدل لطیف ہوا لے کے آئی ہے
پودوں کی سبز و سرخ قبا لے کے آئی ہے — پھولوں کا عطر بادِ صبا لے کے آئی ہے
دنیا مہک رہی ہے جو بادِ نعیم سے
دامن نسیم کا ہے معطر شمیم سے

خوشبو ہے باغ باغ فضا دیکھ دیکھ کر — خنداں ہیں پھول جوشِ صبا دیکھ دیکھ کر
بلبل فدا گلوں کی ادا دیکھ دیکھ کر — شاخیں نہال اپنی ہوا دیکھ دیکھ کر
لالے کے زخمِ دل کا بھی اب اندمال ہے
دھبّا سا رہ گیا ہے طبیعت بحال ہے

یہ رنگ ہے خوشی سے ہر اک گلعذار کا — باچھیں کھلی ہیں سرخ ہے چہرہ انار کا
اتنا ہے اشتیاق شہِ نامدار کا — گھونگٹ اٹھا ہوا ہے عروسِ بہار کا
ہنگامِ وصل دیکھ کے شاخیں سمٹ گئیں
باہیں گلے میں ڈال کے بیلیں لپٹ گئیں

گلشن میں ہے جو فیض ہوا تا حدِ کمال — لمحے کے جذب سے متاثر ہیں ماہ و سال
فطرت کی وہ امنگ کہ گہوارۂ خیال — بیخود ہیں یوں نہال کہ ہو صوفیوں کا حال
کیفیّت ہوا جو اثر ہے کیے ہوئے
لالے بھی جھومتے ہیں پیالے لیے ہوئے

دلکش ہے یاسمن بھی سمن بھی گلاب بھی — تارے بھی چاندنی پہ نثار آفتاب بھی
خوشبو بھی موتیا میں ہو موتی کی آب بھی — سبزے میں حسن بھی ہے نمک بھی شباب بھی
دنیا کے ہر شجر کو ہرا پیراہن ملا
پیدائشِ حسین سے حسنِ حسن ملا

غنچے وہ بیمثال، شگوفے وہ بیعدیل — خوش رنگ، عطر بار، مرصع، حسیں، جمیل
صوتِ ہزار۔ زمزمہ خواں جیسے جبرئیل — وہ باغ رشکِ خلد کہ دیکھا کریں خلیل
رنگِ حسین سے جو فزوں آب و تاب ہے
جو پھول ہے ذبیح کا عہدِ شباب ہے

دنیا سے بڑھ کے خلدِ بریں میں ہے آب و تاب — سورج مکھی یہاں تو وہاں ہر گل آفتاب
سبزہ یہاں جوان۔ وہاں بختِ کامیاب — یاں عارضی شباب وہاں دائمی شباب
یاں چاندنی کے پھول ہیں، پھولوں کی چاندنی
واں حورِ عیں کی آنکھیں رسولوں کی چاندنی

اللہ رے فیضِ آمدِ فرزندِ بو تراب مُشرک پہ آج قہر نہ کافر پہ ہے عذاب
نارِ سقر ہے آتشِ یاقوت سے خوش آب شعلہ ہر ایک موسمِ سرما کا آفتاب
چنگاریوں کا رنگ جو پھولوں سے مل گیا
دوزخ میں بھی خلیل کا گلزار کھِل گیا

واں آتشِ سقر نے جو یہ گل کھِلا دیا رضواں نے بھی بہشت بریں کو سجا دیا
گل کو قبا، شجر کو مشجّر پنھا دیا جنّت کے ہر چراغ کی لَو کو بڑھا دیا
اک اک روش سے نورِ فلک ماند ہو گیا
جو چاندنی کا پھول کھِلا چاند ہو گیا

مشکل زبسکہ مدحتِ باغِ نعیم ہے اَدنیٰ صفت یہ ہے۔ دمِ عیسیٰ نسیم ہے
مٹّی زمینِ عطر ہے ایسی شمیم ہے خالق سا نخلبند، علی سا قسیم ہے
غلمان و حور چاند سے بھی چار چند ہیں
ایسے ہیں یہ صنم کہ خدا کو پسند ہیں

سن کر نویدِ آمدِ جانِ شہ عرب رَطب اللساں ہے شکر میں جنت کا ہر رُطب
جو غنچہ لب تھے پہلے۔ وہ شیریں زباں ہیں اب ہر موج کی زبان پہ جاری ثنائے رب
ہر نہر بحرِ حُسن میں گویا نہائی ہے
مرجاں کا ہاتھ لال ہے مہندی لگائی ہے

تسنیم و سلسبیل کا پُر کیف وہ سماں ہر لہر میں خوشی کی ترنگیں سی ہیں عیاں
ساقی کی منقبت میں جو کوثر ہے تر زباں موجیں ہیں مضطرب کہ مدینہ کو ہوں رواں
حسرت میں جلوۂ پسرِ بوتراب کی
موسیٰ کی آنکھ بن گئی پتلی حباب کی

کوثر کی موج موج سے آتی ہے یہ صدا اے ساقیِ مئے وَسَقاہُم ترے فدا
خادم کو بھی ہے تشنگیِ بادۂ ولا ڈوبا ہوں تیری چاہ میں اے قلزمِ عطا
اب تو سوال سُن مرے ساقی فقیر کا
میں بھی ہوں اک غلام جنابِ امیر کا

ساقی وہ مے پلا جو ہر اک باصفا نے پی — حکمِ خدا سے رند نے پی پارسا نے پی
دورِ ازل میں شوق سے کُل انبیا نے پی — بزمِ عمل میں خامسِ آلِ عبا نے پی
وہ مے کہ زیرِ تیغ پییں جس کو چَین سے
وہ مے جو مول لی گئی خونِ حسین سے

وہ بادۂ حیات وہ صہبائے لالہ رنگ — مستوں کو جو سکھائے جہاد و عمل کے ڈھنگ
کیفیتوں میں جس کی نرالی ہر اک اُمنگ — قُل قُل کا شور نعرۂ تکبیر و طبلِ جنگ
ساقی جو طفل کو وہ مئے بے نظیر دے
ننھی سی جان کلّۂ اژدر کو چیر دے

وہ مے جو منتخب ہے وفا کی نگاہ میں — گرمی ہے جس سے شعلۂ فریاد و آہ میں
چھوڑیں گے مرتے مرتے نہ ہم قتل گاہ میں — چھڑکا کرتے جائیں گے الفت کی راہ میں
پی پی کے جان دیں گے بقا جان جان کر
عباس کے علم کے پھریرے میں چھان کر

وہ مے جو سر میں صورتِ سودا نہاں ہوئی — سر میں سما کے زینتِ نوکِ سناں ہوئی
نوکِ سناں سے خونِ شفق میں عیاں ہوئی — خونِ شفق سے چشمِ عزا میں رواں ہوئی
ٹپکی جو آنکھ سے تو ہر اک داغ دھو گئی
رومالِ فاطمہ میں گری جذب ہو گئی

وہ مے کہ جس کی حور و مَلک کو ہے جستجو — ہر بوند جس کی چشمۂ کوثر کی آبرو
ایمانِ آب و رنگ تو ارمانِ رنگ و بو — چھونا جسے حرام شریعت میں بے وضو
خالق کے ہاتھ سے شبِ اسریٰ کھنچی ہوئی
پردے میں چھپ کے احمدِ مُرسل کی پی ہوئی

وہ مے کہ جس پہ دل بھی فدا جان بھی فدا — اسلام بھی نثار۔ مسلمان بھی فدا
زاہد کا دین۔ شیخ کا ایمان بھی فدا — شانِ نزول دیکھ کے قرآن بھی فدا
وہ مے کہ جس کے آگے نہ یوسف کی چاہ ہو
ایسی بنی ہو جس پہ خدا کی نگاہ ہو

کھنچی گئی جو شیشۂ تقدیر میں وہ مے / بانٹی گئی جو کاسۂ تدبیر میں وہ مے
چکھی گئی جو سایۂ شمشیر میں وہ مے / چھانی گئی جو چادرِ تطہیر میں وہ مے
جب بن گئی تو رحمتِ ربِّ قدیر ہے
جب کھنچ گئی تو تیغِ جنابِ امیر ہے

وہ مے جو خاص حجلۂ توحید کی بنی / وہ مے جسے پسند کریں بات کے دھنی
وہ مے جو دوستوں کے لیے نعمتِ غنی / وہ مے جو بد مذاق کو ہیرے کی ہے کنی
آجائے جوش میں تو دلوں کی امنگ ہے
اڑنے لگے تو شیخ کے چہرے کا رنگ ہے

ساقی ہماری محفلِ رندانہ اور ہے / یہ ذکرِ خیر اور ہے، افسانہ اور ہے
اپنی شراب اور ہے میخانہ اور ہے / اپنا خُم اور شیشہ و پیمانہ اور ہے
شیشہ دلِ رسولِ خدا۔ خُم غدیر ہے
ساقی کا نامِ پاک جنابِ امیر ہے

وہ مے غدیر کی جو کسی سے چھپی نہیں / جس کو اگر نبی نہ پییں پھر نبی نہیں
انکار اس شراب سے کچھ دل لگی نہیں / دم ہو تو کوئی آئے، کہے میں نے پی نہیں
یہ مے اگر کسی کو نہ دل سے پسند تھی
بخ بخ کی میکدے میں صدا کیوں بلند تھی

ساقی سحر قریب ہے دے میکشوں کو پھول / ہے ساعتِ ولادتِ مہ پارۂ رسولؐ
دایہ کا مثلِ وحی فلک سے ہوا نزول / دائی ہے یا کہ داعیٔ رحمت پئے بتول
جس کی ثنا و مدح میں کوشش فضول ہے
وہ قابلہ کہ قابلِ بنتِ رسول ہے

آئی جناں سے تا درِ حیدر بہ کرّ و فر / حوریں کئی ہزار جلو میں اِدھر اُدھر
دربارِ فاطمہ میں ہوئی جب کہ بہرہ ور / تسلیم کر کے پائینتی بیٹھی جھکا کے سر
فضا کے پاس بخشی جو قدرت نے جا اُسے
خدمت جو حق نے سونپی تھی لائی بجا اُسے

خالق نے فاطمہ کو وہ پیارا عطا کیا
جس نے جہاں میں آتے ہی سجدہ ادا کیا
آغوشِ قابلہ میں نہ شورِ بکا کیا
ہنس ہنس کے جھوم جھوم کے شکرِ خدا کیا
فطرت میں انقلاب کی یہ شان دیکھنا
بسم اللہ دیکھی ہے ابھی قرآن دیکھنا

حجرے سے حورِ خلد یہ کہتی ہوئی چلی
مژدہ ہو یا رسول۔ مبارک ہو یا علی
حق کی تجلّیاں رخِ روشن سے ہیں جلی
مولا ہیں پھول اور یہ نازک بدن کلی
بچہ کلام کرتا ہے خالق کی شان ہے
گویا علی کا لال خدا کی زبان ہے

سارے ہیں رنگ ڈھنگ ہمارے رسول کے
ہمصورت نبی ہیں یہ پیارے رسول کے
زہرا کے چاند ہیں تو ستارے رسول کے
آنکھیں رسول کی ہیں اشارے رسول کے
سن کر خبر علی ولی جھومنے لگے
شبّر لپٹ کے بھائی کا مُنہ چومنے لگے

بولے یہ شاد ہو کے شہنشاہِ بحر و بر
ہم بھی تو دیکھیں دلبر حیدر کا کر و فر
اسما پکاری لاتی ہوں نہلا کے جلد تر
فرمایا پاک ہے یہ گہر صورتِ قمر
آخر کڑی یہ سلسلۂ پنجتن کی ہے
تطہیر منتظر مرے اس گلبدن کی ہے

لے آئی وہ بتول کے یوسف جمال کو
آغوش میں نبی نے لیا نونہال کو
خورشید نے گلے سے لگایا ہلال کو
اپنی زباں چوسانے لگے اپنے لال کو
سب مُنتقل رسول کے علم و عمل ہوئے
گھٹی میں آج ارث کے عقدے بھی حل ہوئے

مڑ کر کہا علی سے کہ یاں آؤ جانِ عم
دیکھو تو میرے لال کو۔ کیسا ہے ذی حشم
جی چاہتا ہے ان پہ ہوں قربان دمبدم
صورت میں حق کا نور ہے قرآن کی قسم
ایسے پسر کا نام کہو، کوئی کیا رکھے
بولے حضور شاہِ رُسل ہیں خدا رکھے

ناگاہ جبرئیل نے آ کر کیا سلام — بولے ۔ حضور کو ہو مبارک یہ لالہ فام
ہے تہنیت کے بعد یہ معبود کا پیام — اپنے ولی کے لال کو ہم نے دیا ہے نام
یکتا مری کنیز کا یہ نورِ عین ہے
ایسے حسیں کا نام مناسب حسین ہے

پیارا سا نام سن کے جو خوش ہو گئے نبی — فرحت سے مسکرا دیے منہ پھیر کر علی
بچے کو جبرئیل نے پیہم دُعا یہ دی — پھولے پھلے رسول کے گلشن کی یہ کلی
نورِ حسین سے ہو اُجالا جہان میں
اس گلبدن کا بول ہو بالا جہان میں

دے کر دعا ۔ علی سے یہ کی بڑھ کے التجا — مولا ۔ غلام خاص ہے یہ عبد باوفا
خلعت خوشی کا کیجیے شاگرد کو عطا — فرمایا جو بھی مانگو ہمیں اس میں عذر کیا
بولے یہ آرزو ہے کہ پالوں حسین کو
جھولا جھلاؤں فاطمہ کے نورِ عین کو

دیکھا علی نے سُن کے جو یہ سوئے مصطفےٰ — بولے رسولِ پاک کہ جبریل مرحبا
تم ہوئیگا نے اِذن کی حاجت تمہیں ہے کیا — رکھنا نگاہ میں کہ یہ ہے نورِ کبریا
سب سے ہمیں جہان میں پیارا حسین ہے
ہم ہیں حسین کے تو ہمارا حسین ہے

اُس دن سے جبریل ہوئے خادم حسین — پالا کیے علی کے پسر کو بہ زیب زین
جاتے تھے خلد میں تو نہ آتا تھا دل کو چین — پھرتا تھا واں بھی آنکھوں میں زہرا کا نورِ عین
سوئے جناں گئے کبھی سوئے چمن گئے
خادم بنے کبھی کبھی خیاط بن گئے

بیت الشرف میں آتے تھے جاتے تھے بار بار — یا خدمت حسین تھی یا وحیِ کبریا
اک دن گئے جناں میں تو پلٹے بصد بکا — آنکھوں میں اشک دیکھ کے بولے یہ مصطفےٰ
جبریل خیریت تو ہے کیوں شور و شین ہے
رو کر کہا یہ محضرِ قتلِ حسین ہے

دل تھام کر پکارے رسولِ فلک وقار　　بچے کی کیا خطا ہے۔ کہو۔ بہرِ کردگار
چوما ہے جو گلوئے حسینؑ ہم نے بار بار　　ہے ہے اُسی پہ ہوگی رواں تیغ آبدار
دکھ سہہ کے ہم نے پالا ہے اس نورِ عین کو
کیونکر تڑپتے دیکھے گا، نانا حسینؑ کو

کی عرض دیکھنے کا محل ہی نہ آئے گا　　اس دم حضور ہونگے نہ زہرا نہ مرتضیٰ
روئیں گے تا بہ حشر محبانِ باوفا　　پوچھا شہید کس لیے ہوگا یہ مہ لقا
اپنے لیے کہ حق کی اطاعت کے واسطے
رو کر کہا کہ بخششِ امت کے واسطے

سر کو جھکائے پاس جو بیٹھے تھے مرتضیٰ　　بیساختہ کہا کہ مرے لال مرحبا
پھر عرض کی شفیعِ اُمم سے کہ میں فدا　　حاضر ہے مُہر لیجیے اے شاہِ انبیا
محضر پہ آہ بھر کے پیمبر نے مُہر کی
احمد کی مہر دیکھ کے حیدر نے مُہر کی

کی عرض جبرئیل نے ہاتھوں کو جوڑ کر　　بلوائیے اب ان کو بھی ہیں فاطمہ کدھر
بے چین ہو کے بولے پیمبر بچشمِ تر　　مر جائے گی تڑپ کے سنے گی جو یہ خبر
کیونکر زباں سے حالِ غمِ دلرُبا کہیں
یا تم کہو بتول سے یا مرتضیٰ کہیں

قدسی نے کی یہ عرض کہ اے شافعِ امم　　یہ ہے رضا تو کہتے ہیں خود فاطمہ سے ہم
نرمی سے آشتی سے سنائیں گے حالِ غم　　تائید کرتے جائیں گے حیدر قدم قدم
ہم بھی کریں گے ضبط۔ امامِ غیور بھی
اتنی ہے التجا کہ نہ روئیں حضور بھی

یہ ذکر تھا کہ آگئیں خود بنتِ مصطفےٰ　　بی بی سے ہاتھ جوڑ کے جبریل نے کہا
خالق کا اک سوال ہے اے اشرف النسا　　وہ شاد ہو کے بولیں میں اس حکم کے فدا
بخشش ہوئی کنیز کو عزت اسی کی ہے
جو کچھ ہے میرے پاس امانت اسی کی ہے

کی عرض حق نے مانگا ہے اک نورِ عین کو
بولیں خوشی سے میں نے دیا دل کے چین کو
لے جاؤ یادگارِ شہِ مشرقین کو
بولے۔ عدو شہید کریں گے حسین کو
یہ سن کے فاطمہ کا جگر تھرتھرا گیا
ہے ہے حسین منہ سے کہا اور غش آگیا

گھبرا کے جبرئیل نے شہپر کی دی ہوا
نبضوں کو دیکھنے لگے محبوبِ کبریا
آنسو چھڑک کے ہوش میں لائے جو مرتضیٰ
پھر سر کو پیٹ کر یہ پکاریں بصد بکا
یارب نہ چھین مجھ سے مرے نورِ عین کو
پالا ہے چکیّ پیس کے میں نے حسین کو

فرمایا مصطفےٰ نے مری جان صبر کر
بیٹی یہ کبریا کا ہے فرمان صبر کر
تو فخرِ ہاجرہ ہے۔ میں قربان صبر کر
امت کی مغفرت کا ہے سامان صبر کر
یہ سنتے ہی بتول نے محضر پہ مہر کی
مادر نے قتل نامۂ دلبر پہ مہر کی

فضّا سے پھر ملک نے کہا اب حسن کو لاؤ
آئے جو وہ تو بولے کہ پیارے قریب آؤ
اس خط پہ مہر کر دو تو پھر کھیلنے کو جاؤ
فرمایا۔ اس کا حال تو پڑھ لیں یہ خط دکھاؤ
کی عرض۔ دین کو ہے ضرورت حسین کی
منظور ہے نبی کو شہادت حسین کی

آنکھوں میں اشک بھر کے پکارا وہ لالہ فام
حکمِ خدا سے کیوں نہ ہمیں پر چلے حسام
نامِ حسین کاٹ کے لکھ دو حسن کا نام
کی عرض کس کو دخل مشیت میں یا امام
جب یہ سنا تو حق کے فدائی نے مہر کی
بھائی کے قتل نامہ پہ بھائی نے مہر کی

منہ چوم کر ملک نے یہ کی عرض میں فدا
پیارے حسین کو بھی بلا لیجیے ذرا
لائے انہیں حسن تو یہ جبریل نے کہا
محضر خدا نے بھیجا ہے لے جانِ مرتضیٰ
لکھا ہے یہ کہ آپ پہ ظلمِ شدید ہوں
مولا۔ خدا کی راہ میں پیاسے شہید ہوں

منظور ہے حضور یہ کلفت ۔ کہا قبول / بولے کہ ہوگی پیاس کی شدت ۔ کہا قبول
کی عرض جاں نثاروں کی فرقت ۔ کہا قبول / پوچھا کہ بھانجوں کی شہادت ۔ کہا قبول
بولا ملک کہ داغ بہتّر کے کم نہیں
فرمایا لاکھ زخم ہوں ایسے تو غم نہیں

بولے لٹے گی دولتِ شبّر ۔ کہا کہ ۔ اور / کی عرض قتل ہوں گے برادر ۔ کہا کہ ۔ اور
بولے کہ مارے جائیں گے اکبر ۔ کہا کہ ۔ اور / کی عرض تیر کھائیں گے اصغر ۔ کہا کہ ۔ اور
بولے رضا تے حق ہے کہ پھر غیر حال ہو
سر شاہ کا سناں پہ ہو، تن پائمال ہو

جنگل میں وقتِ شام جلے فاطمہ کا گھر / سیلی لگائیں بالی سکینہ کو ۔ بدگہر
تپ میں ہو قید بانوئے ناشاد کا پسر / خولی کا "تازیانہ ہو ۔ بیمار کی کمر
کانٹوں پہ راہِ شام میں زین العبا پھرے
آخر یہ شرط ہے کہ بہن بے ردا پھرے

بولے امامِ پاک کہ منظور ہر بلا / بیٹے بھتیجے بھانجے بھائی ہوں سب فدا
اُف تک نہ ہم کریں گے بجز شکرِ کبریا / عابد اسیر ہو کہ سکینہ پہ ہو جفا
لیکن یہ حق سے کہیے کہ اتنا کرم کرے
اک شرط بے ردائیِ زینب کو کم کرے

کی عرض حق کا حکم یہ ہے اے نبی کے چین / جب بن میں لٹ چکیں ۔ حرمِ شاہِ مشرقین
تشہیر تا بہ شام ہو زھرا کی نورِ عین / اس میں ہی پردہ پوشیٔ امت ہے یا حسین
جب یہ سنا تو شاہ نے محضر پہ مُہر کی
رو رو کے بے ردائیِ خواہر پہ مہر کی

بے پردگی کا عہد قیامت سے تھا نہ کم / یہ مرحلہ وہ ہے کہ ٹھہرتے نہیں قدم
چادر کا مسئلہ جو ہر اک غم سے تھا اہم / فطرت کا مقتضا تھا کہ روئے شہ امم
جی چاہتا ہے پوچھوں امامِ غیور سے
کیا اس جگہ کچھ آ گئے ہیں عابد حضور سے

عالم سے صبر سیّدِ ابرار بڑھ گیا — پر حلم میں حسین سے بیمار بڑھ گیا
حیدر سے بھی یہ بیکس و ناچار بڑھ گیا — سب سے حرم کا قافلہ سالار بڑھ گیا
کیا مصطفےٰ یہ آفتِ جانکاہ دیکھتے
سر ننگے ماں بہن کو یداللہ دیکھتے

وا حسرتا وہ شام وہ بیمارِ دلفگار — وہ سر کھُلے نبی کے حرم اونٹوں پر سوار
وہ بیڑیاں وہ طوقِ گراں اور وہ مہار — تلووں میں آبلے تو ہر اک آبلے میں خار
کون و مکاں کا بار ہے اور پُشت خم نہیں
دُرّوں کے نیل مہرِ نبوّت سے کم نہیں

پہنے ہے اے نسیم جو زنجیرِ ناتواں — یہ کشتیٔ نجات کے لنگر ہیں بے گماں
وہ پاؤں جس میں آہ پڑی ہیں یہ بیڑیاں — آ جائے حشر آج نہ ہو گریہ درمیاں
وہ دستِ پاک اونٹوں کی جس میں مہار ہے
پنجے میں اُس کے قوّتِ پروردگار ہے

۱۹۳۶ء

(سنہ ۳۶ء میں روحِ انقلاب کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ نے شائع کیا)

اے انقلاب مژدۂ عزم و عمل ہے تو　　رنگینیِ حیات کے پودے کا پھل ہے تو
تعمیر کائنات نہ صرف آج کل ہے تو　　آدم کو باغِ خلد کا نعم البدل ہے تو
گردش بتا رہی ہے یہ لیل و نہار کی
تو ہے دلیل ہستیِ پروردگار کی

قائم ہے بندوبست جہاں انقلاب سے　　ہنگامۂ بہار و خزاں انقلاب سے
روحِ عمل رگوں میں رواں انقلاب سے　　ہردم ہے چرخِ پیر جواں انقلاب سے
محروم انقلاب جو دورِ حیات ہو
دنیائے آب و گل میں نہ دن ہو نہ رات ہو

ہے عالمِ فنا کی بقا انقلاب سے　　دلچسپ ہے چمن کی فضا انقلاب سے
ہیں دلربا نسیم و صبا انقلاب سے　　خود معتدل ہے آب و ہوا انقلاب سے
فطرت کی حدِ جمود کی زد سے بلند ہے
ہر پھول اس چمن میں تغیّر پسند ہے

عالم جو انقلاب کی تہ میں ہے نو بنو　　یہ منزلِ بقا کا مسافر ہے تیز رو
باطل کی رات میں سحرِ معرفت کی ضو　　ابرِ بہار قلزمِ نشوونما کی رو
پیدا جو انقلاب سے جوشِ نمو نہ ہو
سبزے میں آب و رنگ تو پھولوں میں بو نہ ہو

یہ مہر و مہ یہ لالہ و گل اور یہ رنگ و بو　　سب زندگی کی راہ میں ہیں گرمِ جستجو
ہر خار و خس کو باغ میں ہے حسرتِ نمو　　تبدیلی تمام ہے فطرت کی آرزو
فرسودگی مذاقِ مشیت پہ بار ہے
دورِ خزاں ہی وجہ نشاطِ بہار ہے

جاری یہی ازل سے ہے قانون لم یزل
ممکن نہیں کہ قوت نشو و نما ہو شل
تمہید انقلاب ہے فطرت کا ہر عمل
ہر بیج ایک پھول ہے ہر پھول ایک پھل

اک انقلاب نو کی تمنا لیے ہوئے
ذرے ہیں اپنی گود میں صحرا لیے ہوئے

ہستی کو انقلاب کے دم سے ثبات ہے
دنیا میں ارتقا کی یہ اک کائنات ہے
کس کو تغیرات جہاں سے نجات ہے
بزدل کی موت صاحب دل کی حیات ہے

یہ زندگی ہے روح تفاخر کی زندگی
غازی کا دل جری کا جگر حر کی زندگی

گردش میں کائنات ہے اسے ہو کائنات
جاری ہیں زندگی میں مسلسل تغیرات
ہر شب کے بعد صبح تو ہر دن کے بعد رات
ہر غیب اک ظہور ہے ہر موت اک حیات

آئینہ رکھ کے سامنے بدر و ہلال کا
کھینچا گیا ہے نقش عروج و زوال کا

انساں کہ دو جہاں میں ہے اک عالم کبیر
شکلیں بدل بدل کے بنا پیکر صغیر
تھا ابتدائے خلق میں یہ کس قدر حقیر
پھر طفل سے جوان ہوا اور جواں سے پیر

یہ سلسلہ جو روز و شب و ماہ و سال ہے
دنیا میں انقلاب کی زندہ مثال ہے

تکمیل کائنات عبارت اسی سے ہے
تہذیب و تربیت کی عمارت اسی سے ہے
یعقوب ارتقا کی بصارت اسی سے ہے
سینے میں دل تو دل میں حرارت اسی سے ہے

بیمار ہو جہاں تو مسیحا ہے انقلاب
قوموں کی زندگی کا سہارا ہے انقلاب

یہ حریت یہ جذبۂ بیداری امم
ہر گام پہ ہیں جادۂ ہستی میں پیچ و خم
سب انقلاب ہی کے توابع ہیں بیش و کم
گزرا ہے کاروان تمدن قدم قدم

روحانیت ترقی کامل کا نام ہے
مذہب بھی انقلاب امم کا پیام ہے

اسلام جو ہے سارے مذاہب کا ماحصل ہے یہ بھی انقلاب کا پیغمبر عمل
چونکا کے جس نے خواب تغافل سے بر محل منوا دیا کہ عقل ہے اوہام کا بدل
پیدا یہ انقلاب کے سامان ہو گئے
اک دم میں بت پرست مسلمان ہو گئے

اسلام یعنی منبر توحید کا خطیب فطرت کا سازگار ہے یہ عقل کا نقیب
باطل کی ہر حکایت ناپاک کا رقیب نباض نفس، روح کے امراض کا طبیب
احساس حریت کا الوہی پیام ہے
جب تو خدا کے غیر کو سجدہ حرام ہے

آزادی و اخوت و انصاف و عقل و دیں اسلام کے اصول یہ ہیں صاف و دلنشیں
روح ملوکیت ہے نہ رہبانیت کہیں مافوق عقل کوئی عقیدہ یہاں نہیں
شاہی کا تخت ہے نہ حکومت کا تاج ہے
سکہ خلوص کا تو فقیری کا راج ہے

اک انضباط فرد و جماعت ہے یہ نظام تنظیم ہر نماز سے ظاہر ہے صبح و شام
روزہ جہاد نفس کی ہے اک صلائے عام حج بھی ہے اتحاد کا اک مرکزی پیام
خمس و زکات وجہ اخوت عباد میں
عزم ثبات و مشق وفا ہے جہاد میں

اسلام جس کی شاخ ہیں یہ روزہ و نماز ہے اصل میں اخوت و انسانیت کا راز
یہ دین اک طرف تو ہے روحانیت نواز اور دوسری طرف ہے معیشت کا چارہ ساز
یہ اولیں سبق ہے تمدن کے باب کا
یہ آخری ورق ہے خدا کی کتاب کا

یہ دین جس کے فیض سے عالم ہے بہرہ مند ہے امتیاز نسل و وطن سے کہیں بلند
نوع بشر کو بام ترقی کی اک کمند پابندیاں ہزار پھر آزاد قید و بند
سر سے جو قطع ہوتی ہے وہ سہل راہ ہے
سجدے میں جو ہوتی وہ شہادت گواہ ہے

یہ دین مصطفیٰ ہے اخوت کا ذمّہ دار　　علم و عمل سے دفع جہالت کا ذمّہ دار
حقانیت سے کشف حقیقت کا ذمّہ دار　　صبر و رضا سے طاقت و عظمت کا ذمّہ دار

جس میں جہاد عزم و عمل فرض عین ہے
بانی نبی ہیں۔ جزو متمّم حسین ہے

جو انقلاب عالم فطرت تھا وہ حسین　　جو سرفروش حق و صداقت تھا وہ حسین
جو فاتح جہان شہادت تھا وہ حسین　　جو محرم ضمیر مشیت تھا وہ حسین

صبر و سکون حد سے زیادہ لیے ہوئے
سینے میں کبریا کا ارادہ لیے ہوئے

جو بندگی میں خواجہ دوراں تھا وہ حسین　　جو زندگی میں جذبۂ یزداں تھا وہ حسین
جو تشنگی میں کوثر عرفاں تھا وہ حسین　　جو بیکسی میں حشر بداماں تھا وہ حسین

روشن جو آفتاب قیامت تھا دھوپ میں
گویا شفاعت آئی تھی انساں کے روپ میں

جو پاسبان شرع مطہر تھا وہ حسین　　جو دو جہاں میں عالم اکبر تھا وہ حسین
جو منزل حیات کا رہبر تھا وہ حسین　　جو خون میں شریک پیمبر تھا وہ حسین

احمد کا تھا مثیل، مگر بے مثال تھا
احساس عبدیت میں الوہی جلال تھا

اک آدم جہان وفا خصلت حسین　　یعقوب امتحان بلا سیرت حسین
ایوب صبر و نوح رضا فطرت حسین　　ناز عبودیت بخدا طاعت حسین

بخشا تھا حق نے خود جسے صبر و رضا کا تاج
جس نے فنا کے ہاتھ سے پہنا بقا کا تاج

جو بے نیاز عالم فانی تھا وہ حسین　　جو دو جہاں میں حق کی نشانی تھا وہ حسین
جو روح حریت کی جوانی تھا وہ حسین　　جو اک نئی حیات کا بانی تھا وہ حسین

وہ جس نے زندگی کا قرینہ سکھا دیا
مر کر خدا کی راہ میں جینا سکھا دیا

خلق عظیم کا جو سراپا تھا وہ حسین　　　دین قویم کا جو مسیحا تھا وہ حسین
رمز قدیم کا جو شناسا تھا وہ حسین　　　ذبح عظیم کی جو تمنا تھا وہ حسین
قدرت گواہ جس کی صداقت کے واسطے
حق منتظر تھا جس کی شہادت کے واسطے
جو اک حریف قوت باطل تھا وہ حسین　　　جو زور کردگار کا حامل تھا وہ حسین
مثل نبی جو رہبر کامل تھا وہ حسین　　　قرآں کے ساتھ حق کی جو منزل تھا وہ حسین
کھولی تھی آنکھ جس نے رسالت کی گود میں
جو ہو گیا شہید مشیت کی گود میں
جو روح زندگی کا تکلم تھا وہ حسین　　　جو ساز بندگی کا ترنم تھا وہ حسین
جو شاہد وفا کا تبسم تھا وہ حسین　　　جو قلزم عمل کا تلاطم تھا وہ حسین
ہمت ہر اک نے جس کے مقابل میں ہار دی
جس نے لہو میں ڈوب کے کشتی ابھار دی
وہ کربلا کے بن میں چمن بند کائنات　　　باطل کے اک ہجوم ضلالت میں حق کی ذات
وہ تین دن کی پیاس میں اک چشمۂ حیات　　　وہ دوپہر کی دھوپ میں اک سایۂ نجات
ہستی کو جس نے شوق کا حامل بنا دیا
جو ذرہ چن لیا اسے اک دل بنا دیا
فطرت کی خوبیوں کا کرشمہ بصد جمال　　　قدرت کی عظمتوں کا نمونہ دم جلال
لب چومتی تھی جس کے رسالت کی بول چال　　　قرآں کا دور جس کا مقلد وہ چال ڈھال
خود دار تھا دلیر تھا صابر تھا شیر تھا
ایسا تھا سیر چشم کہ جینے سے سیر تھا
وہ کشتگان خنجر الحاد کا مسیح　　　قرآن بولتا ہوا جس کا لب فصیح
جس نے کیا صحیفۂ انسانیت صحیح　　　خواب خلیل، مرکز قربانی ذبیح
تنہا نہ خود ہی فدیۂ رب کریم ہے
بچہ بھی گود میں ہے تو ذبح عظیم ہے

صدق وصفا میں طاق تو مہر و وفا میں فرد   ہمدرد خلق عرصۂ عزم و عمل کا مرد
پڑھ پڑھ کے آیتیں متواتر دم نبرد   ان کو دوا بتاتا تھا جو دے رہے تھے درد
اس کا یہ انکسار جو حق کو پسند تھا
سرتن کے کٹ چکا تھا مگر سر بلند تھا

احیائے حق کی دل میں تمنا لبوں پہ دم   قید بلا میں پیکرِ آزادی امم
آفت میں یہ ثبات مصیبت میں یہ حشم   لرزاں تھی کائنات نہ کانپے مگر قدم
رگ رگ میں جوش، جوش میں صبر و سکون تھا
حیدر کی تربیت تھی، محمد کا خون تھا

ویرانۂ جہاں میں تمدن کا اک چراغ   وہ ارتقا کا دل تو وہ تہذیب کا دماغ
باغِ وفا کے لالہ و گل جس کے دل کے داغ   شاداب جس کی شبنم خوں سے عمل کا باغ
ہاں اے حسین ظلمت باطل میں حق ہے تو
قرآن انقلاب کا پہلا ورق ہے تو

پروائے درد و کلفت و رنج و بلا نہ کی   احساس غم میں زحمت آہ و بکا نہ کی
کیسی بکا شکایت جور و جفا نہ کی   منہ میں زبان ہوتے ہوئے بد دعا نہ کی
دل کی تڑپ پہ تجکو جو یہ اختیار ہے
تو فطرت جدید کا پروردگار ہے

اے شاہد حریم نیاز اے شہیدِ ناز   اسلام تیرے پرچم عظمت سے سرفراز
تو درسِ عزم کا ہے معلم عمل نواز   خیر البشر کا رمز تو خیر العمل کا راز
یہ اصل ہے جہان میں تیرے اصول کی
سر دے دیا نہ بیعت فاسق قبول کی

کی ہیں قدم قدم پہ جو حق کی رفاقتیں   گھر کر گئی ہیں دل میں حسینی صداقتیں
اے کربلا ملی ہیں تجھے یہ سعادتیں   دب دب کے رہ گئیں ترے حق سو ضلالتیں
فطرت بھلا سکے گی یہ احسانِ کربلا
گہوارۂ عمل ہے بیابانِ کربلا

اے کربلا نشیمن کرب و بلا ہے تو   اے ارض پاک نسخۂ خاک شفا ہے تو
اک کعبۂ طریقت عشق و وفا ہے تو   اک جنت شریعت نشو و نما ہے تو
ہر ذرہ تیرا حق طلب و حق سرشت ہے
تو صبر کی زمیں پہ عمل کا بہشت ہے

اے وعدہ گاہ ذبح عظیم اے حریم ناز   تو حسن کا عراق ہے تو عشق کا حجاز
تو عرش انکسار ہے تو کرسیِ نیاز   تو کائنات شوق میں ہے اک جہان راز
بھاری ہے ذرہ ذرہ ترا مشرقین پر
دونوں جہاں کو ناز ہے تیرے حسین پر

انسانیت تھی جب ستم و جور سے غلام   نوع بشر کو تو نے دیا عدل کا پیام
ہند و عراق و بابل و آشور و مصر و شام   لیں تجھ سے درس عزم و عمل ملتیں تمام
تیری یہ سرزمین حقیقت کی کان ہے
پنہاں یہیں کہیں بشریت کی جان ہے

اے ارض نینوا تری عظمت ہے جاوداں   تو زندگی کی روح ہے تجھکو فنا کہاں
تو ہے جہانِ پیر میں تا حشر نوجواں   گلدستۂ بہار ابد ہے تری خزاں
شورش کو جس قدر تھا ابھرنا ابھر چکی
کیا تجھ کو خوف تجھ پہ قیامت گزر چکی

تیری شہادتیں ابدی کامرانیاں   بچوں کے جوش علم و عمل کی جوانیاں
سینوں کے زخم طاقت پا کی نشانیاں   اسلام کے شباب کی رنگیں کہانیاں
بڑھتا ہوا شکوہ شہیدان کربلا
تاریخ لکھ رہی ہے بعنوانِ کربلا

بالا نہ کیوں ہو تیری کتاب وفا کا بول   تیرے لباس صدق و صفا میں شکن نہ جھول
میزان عدل میں لحد بے زباں کو تول   تیرا یہ ایک ذرہ ہے دونوں جہاں کا مول
یہ گل کہاں تھے گلشن عنبر سرشت میں
تجھ سے ہی یہ بہار گئی ہے بہشت میں

اے سجدہ گاہ خلق تری سرزمیں ہے پاک توحریت پناہ ہے اے کربلا کی خاک
کتنا ترا فسانہ خونیں ہے درد ناک ماتم میں تیرے سارا زمانہ ہے سینہ چاک
گل ہے چراغ عظمت شام و دمشق کا
جذبہ ہے سب کے دل میں مگر تیرے عشق کا

کیونکر نہ ہو حسین کا ماتم جہاں میں عام انسانیت کو یہ بشریت کا ہے پیام
ایسا پیام ہے جو نئے عہد کا نظام ایسا نظام ہے جو مساوات کا امام
ظالم کا غیر ہے نہ یگانہ شریک ہے
مظلوم کا تمام زمانہ شریک ہے

بزم عزا میں ترکِ محبت سے کام کیا آہ و بکا کی صف میں عداوت سے کام کیا
ہمدردیوں کو فقر و امارت سے کام کیا فطری کشش کو مذہب و ملت سے کام کیا
ہر رنگ میں ہے ذکر عزا ہر زبان میں
پابند نے نہیں کوئی نالہ جہان میں

تحریک غم گلا تہ خنجر حسین کا پیغام آہ خاک کا بستر حسین کا
تصویر درد لاشہ بے سر حسین کا اشک آفریں سکوت کا نشتر حسین کا
بچے کا خون منہ پہ شفاعت کے واسطے
ضرب شدید ہے دلِ فطرت کے واسطے

واللہ بے کسی سے عجب کام ہو گیا ضبط فغاں سے شاہ کا غم عام ہو گیا
تشہیر جب یہ قافلہ تا شام ہو گیا قاتل تمام خلق میں بدنام ہو گیا
وہ شوکتیں ہیں اب نہ یزید پلید ہے
زندہ ہے وہ جو راہ خدا کا شہید ہے

ظالم یزید فاسق و بدکار و بدشعار بدنفس بے نماز مغنّی شراب خوار
دیں کے لباس میں سگ دنیائے نابکار بوجہل وقت عہد جہالت کی یادگار
ڈرتا نہ تھا خدا سے خودی کا مرید تھا
ابلیس پر غرور بہ شکل یزید تھا

سلطان ظلم و جور سفیہ و ستم ظریف ‏ ‏ ‏ ‏ ندر گناہ جس کا ہر اک جوہر لطیف
روحِ خبیث پیکر بد عنصر کثیف ‏ ‏ ‏ ‏ اللہ کی زمیں پہ خود اللہ کا حریف
دستِ ریا میں دامن ایماں لیے ہوئے
سینے میں کفر ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے

کھولے ہوئے نفاق کا پرچم بصد غضب ‏ ‏ ‏ ‏ جڑ دینِ حق کی کاٹ رہا تھا عدوے رب
تھی تیغ شر سے ملت مرحوم جاں بلب ‏ ‏ ‏ ‏ کچلا گیا تھا جذبۂ آزادئ عرب
آتا تھا قولِ حق سے جو دھبا شریر پر
پہرے بٹھا دیے تھے صدائے ضمیر پر

پنجے میں نفس کے جو پھنسا تھا ہر اک نفس ‏ ‏ ‏ ‏ ظالم کی سلطنت تھی کہ سونے کا اک قفس
اک لشکر گناہ چپ و راست پیش و پس ‏ ‏ ‏ ‏ حوا کی بیٹیوں کا گنہگار بوالہوس
رہتا تھا اک گناہ کی زد میں ہر ایک رات
سو تازیانے کھانے کی حد میں ہر ایک رات

تھا اس کا دین شاہد و چنگ و رباب و نے ‏ ‏ ‏ ‏ مرغوب تھی نشاط و طرب کی ہر ایک شے
تھا شور بارگاہِ خلافت میں پے بہ پے ‏ ‏ ‏ ‏ مطرب بزن ترانہ و ساقی بیار مے
تازہ بتازہ عیش کی دنیا سجائے جا
ہاں گائے جا امنگ سے، ہاں ہاں پلائے جا

ظالم کے عہد جور میں امت کے تھے امیر ‏ ‏ ‏ ‏ کچھ عالمان بے عمل و مفسد و شریر
آزاد عقل و فہم و نظر، حرص کے اسیر ‏ ‏ ‏ ‏ خود بیں جو تھا امیر تو بے پیر دستگیر
مردہ تھی روحِ قوتِ حس محو خواب تھی
بغض ابوتراب سے مٹی خراب تھی

زہد و وَرَع کا نام بھی لیتا نہ تھا کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ زاہد کا تو سلام بھی لیتا نہ تھا کوئی
نذر خدا طعام بھی لیتا نہ تھا کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ بے مے تمر کا جام بھی لیتا نہ تھا کوئی
فاسق تھا وہ بھی جس کا بڑا اعتبار تھا
حد ہو گئی کہ مفتی دیں بادہ خوار تھا

خارج تھا ان کے سال سے گویا مہ صیام   کرتے تھے دور ہی سے نمازوں کو وہ سلام
خم کا جو تھا قعود تو مینا کا تھا قیام   کرتا تھا بار بار رکوع و سجود جام

سب کی نظر میں بنت عنب کا جمال تھا
مے اک طرف کہ خون شریعت حلال تھا

قانون سلطنت جو رہ حق میں تھا خموش   مفتی تھے مفت خوار تو قاضی قلم بگوش
تھے فیصلوں میں عُذر کے جویا بہانہ کوش   جذبات بیچتے تھے وہ انسانیت فروش

صدق و صفا کی مے سے جو خالی ایاغ تھا
سجدہ بھی ان کا دین کے ماتھے پہ داغ تھا

ایماں فروش سر پہ چڑھا کر طلا کا جھول   کرتے تھے مکر و زور کی میزان میں ناپ تول
باقی تھی کچھ خلوص کی قیمت نہ حق کا مول   غائب ہوا تھا مغز فقط رہ گیا تھا خول

اک شور تھا کہ نعمت لطف یزید لو
دین اپنا بیچ بیچ کے دنیا خرید لو

پیوست تھا جو ان کی رگوں میں سلف کا خوں   ابھرا تھا جاہلیت سابق کا پھر جنوں
مسلم برائے نام تھے اور کام تھے زبوں   اسلام کے اصول تھے غیرت سے سرنگوں

ہوتی تھی لعن آلِ رسولِ کریم پر
جاہل چڑھے تھے منبر خُلق عظیم پر

خطبوں میں مدح آل امیہ کی تھی پکار   تھا گرم منبروں پہ خیانت کا کاروبار
ڈھلتی تھیں صبح و شام احادیث بے شمار   قرآن بے مفسر و تفسیر بے وقار

ہر کور دل امام ہدایت مآب تھا
ہر کور چشم حافظ ام الکتاب تھا

نوع بشر تھی ننگ غلامی سے داغ داغ   پہرے میں تھی زباں تو شکنجے میں تھا دماغ
آزادیٔ خیال کا ملتا نہ تھا سراغ   گل تھا دیار شام میں اسلام کا چراغ

امت ذلیل تھی جو ضلالت کے عیب سے
اک مرد حق نما کی ضرورت تھی غیب سے

وہ مردِ حق نما خضرِ امتِ رسول	مشکل کشا کا لال، جگر گوشہ بتول
باطل کے عہدِ ظلم میں خوددار و با اصول	جیسے کہ سیلِ تند کی زد پر کنول کا پھول
بیتاب جس کا جوش ابھرنے کے واسطے
پالا تھا جس کو عزم نے مرنے کے واسطے

دل تھا ادائے فرضِ شہادت کو بے قرار	سمعِ قبول منتظرِ حکمِ کردگار
آنکھیں وفا کی راہ میں تھیں محوِ انتظار	گردن کو تیغِ تیز کی حسرت تھی بار بار
حق تھا قریب تر جو رفاقت کے واسطے
شہرگ تڑپ رہی تھی شہادت کے واسطے

ناگاہ ظلم و جور کا امڈا جو اک سحاب	پیدا ہوا فضائے شریعت میں انقلاب
آئی ندائے غیب کہ اے جانِ بوتراب	اب وقت آگیا ہے کہ باطل ہو بے نقاب
سر دے کے کفر و شرک کی گردن کو توڑ دے
اٹھ اور اٹھ کے ظلم کا پنجہ مروڑ دے

یہ سن کے شیرِ بیشۂ غم نے کسی کمر	توشے میں صرف حق کو لیا اور کیا سفر
تاریخ کہہ رہی ہے یہ اب تک پکار کر	تھے ساتھ کچھ عزیز، کچھ احبابِ معتبر
گھر سے چلے تھے گھر کے لٹانے کے واسطے
کچھ بی بیاں تھیں قید میں جانے کے واسطے

وہ منزلیں کڑی وہ ہر اک راہ پر خطر	گرمی کی فصل لو کے تھپیڑے کہ الحذر
ناموس کا وہ ساتھ مخالف وہ دشت و در	مرجھا رہے تھے دھوپ میں سب غنچہ ہائے تر
گزرے جہاں سے تازہ مصیبت وہاں ملی
کعبے میں بھی نہ بے وطنوں کو اماں ملی

لیکن بہ ایں مصائب و آفات بے حساب	تھا خضرِ دیں رواں صفتِ عزم کامیاب
اس کاروانِ شوق کی عظمت تھی بے حساب	ہر گام راستی و صداقت کا تھا شباب
ہر اک نفس پیام تھا تازہ حیات کا
ہر سانس مد و جزر تھی بحرِ نجات کا

اللہ رے کاروان جگر گوشۂ بتول   سالار جس کا فدیۂ حق نائب رسول
ناقوں پہ اہل بیت نہ غمگیں نہ دل ملول   صحرا میں کھل رہے تھے ریاضِ وفا کے پھول
لیتے تھے کربلا کے مسافر نہ دم کہیں
رکتے ہیں خضرِ راہ طلب کے قدم کہیں

یوں رہ نورد عزم و عمل تھا یہ کارواں   جس طرح کوئی طالب مہجور و نیم جاں
شوقِ لقا میں کوچۂ دلبر کو ہو رواں   ناگاہ حد منزل مقصد ہوئی عیاں
رک رک کے رہروان محبت نے دم لیے
اٹھ اٹھ کہ خاک پاک نے شہ کے قدم لیے

اترے جو راحلوں سے شہیدانِ امتحاں   تھی ان دنوں غضب کی وہ گرمی کہ الاماں
برسا رہا تھا آگ شب و روز آسماں   ٹھہرے لب فرات مدینے کے میہماں
دم بھی نہ لینے پائے کہ بن تھرتھرا گیا
دریا پہ فوج شام کا طوفان آ گیا

بڑھ بڑھ کے پر غرور پکارے یہ دم بدم   خیمے اٹھاؤ نہر سے اس جا رہیں گے ہم
بپھرے یہ شور سن کے جو عباس ذی حشم   شہ بولے ٹھہرو بھائی مرے خون کی قسم
ہم شر بڑھائیں گے نہ کبھی اپنی ذات سے
کہہ دو۔ اٹھائے لیتے ہیں خیمے فرات سے

اٹھے غریب نہر سے۔ ٹھہری سپاہ شام   جلتی زمیں پہ شاہ کے برپا ہوئے خیام
لائے شقی جو بیعت فاسق کا پھر پیام   بولے شکوہ و شوکت حق سے شہ انام
امید جور فاطمہ کے نور عین سے
یہ تو کبھی ہوا ہے نہ ہوگا حسین سے

سالار فوج نے جو سنا صاف یہ جواب   کھائے وفور غیظ سے ظالم نے پیچ و تاب
چاروں طرف سے گھیر کے مظلوم کو شتاب   تھی ساتویں کہ بند کیا بے وطن پہ آب
سیراب ہو رہے تھے ستمگار نہر سے
محروم تھا نبی کا پسر ماں کے مہر سے

سرشار امتحاں تھے مگر جانِ بوتراب — اس پیاس میں نہ رخ پہ تھی زردی نہ اضطراب
حجت تمام کرنے کو جب مانگتے تھے آب — بے شرم فخر و ناز سے دیتے تھے یہ جواب
جب تک نہ سر یزید کے آگے جھکاؤ گے
رگڑو گے ایڑیاں بھی تو پانی نہ پاؤ گے

سن سن کے یہ خلاف ادب فوج کا کلام — بڑھتے تھے بار بار علمدار نیک نام
غازی کو روک روک کے فرماتے تھے امام — امت پہ اور یہ غیظ و غضب میرے لالہ فام
دین نبی کی لاج تمہارے ہی ہاتھ ہے
اتنا رہے خیال کہ صابر کا ساتھ ہے

سن سن کے یہ کلام امام فلک وقار — بڑھتا تھا دل میں شوق شہادت کا بار بار
مرنے کو طفل و پیر و جواں سب تھے بیقرار — زہرا کے لال تیری قیادت کے ہم نثار
بھیجا جو قتل گاہ میں لب چوم چوم کے
بچے بھی تیغیں کھانے لگے جھوم جھوم کے

ایک ایک کر کے ہونے لگے ذبح دل کے چین — دریا دلی سے گھر کو لٹانے لگے حسین
دم توڑتے تھے آنکھوں کے آگے جو نور عین — سبط نبی کے صبر پہ روتے تھے مشرقین
چہرے پہ ضبط و صبر کی چادر جو ڈال لی
انسانیت کی ڈوبتی کشتی سنبھال لی

پیٹا نہ سر کسی مہ انور کی لاش پر — ماتم کیا نہ قاسم مضطر کی لاش پر
تھاما فقط کمر کو برادر کی لاش پر — یاد آ گئے نبی علی اکبر کی لاش پر
دل سے کہا۔ یہ ظلم بھی سہ لے جہان کا
پیری میں ہم اٹھائیں گے لاشہ جوان کا

مقتل میں گرچہ روح پیمبر تھی نوحہ گر — چشم حسین اشک سے لیکن ہوئی نہ تر
باندھی جواں کی لاش اٹھانے کو خود کمر — انصار کو مگر نہ بلایا پکار کر
اتنا کہا فقط کہ برادر کدھر گئے
عباس کچھ سنا علی اکبر بھی مر گئے

اکبر کے بعد اور بھی محشر بپا ہوا صابر سے چھ مہینے کا بچّہ جُدا ہوا
غنچوں پہ کب یہ ظلم جہاں میں روا ہوا نازک گلا نشانۂ تیرِ جفا ہوا
قائم جفا و جور کی تمثیل ہو گئی
قربانی حسین کی تکمیل ہو گئی

تھی گرچہ الفت پدری سے نہ دل کو تاب فطرت سے لڑ رہا تھا مگر جان بوتراب
دل رو کے کہہ رہا تھا کہ اے دلبر رباب اس امتحان میں بھی ہوا باپ کامیاب
اب تم بھی سنبھلو، ہم بھی کلیجہ سنبھال لیں
ہمت کرو کہ تیر گلے سے نکال لیں

ننھے سے باوفا تری جرات کے میں نثار یوں کھیلتے ہیں تیروں سے حیدر کے گلعذار
اک امتحاں یہ اور ہے اے لال ہوشیار بابا کا دل تڑپ کے نہ کر دیجو بے قرار
کھینچا یہ کہہ کے تیر تو صدمے گزر گئے
آنکھیں پھرا کے اصغر بے شیر مر گئے

بس اے نسیم روک لے خامے کو اب ذرا سن جبرئیل کہتے ہیں واللہ مرحبا
ہٹ کر جو طرز عام سے یہ مرثیہ کہا اس وادی کہن میں یہ جادہ نیا بنا
اک تازہ طرز فکر کا سورج طلوع ہے
دورِ جدیدِ مرثیہ گوئی شروع ہے

۱۹۵۳ء

ضمیرِ کُن فیکوں ہے مزاج دانِ بشر — امین تیرِ قضا و قدر، کمانِ بشر
فساد و ظلم کی تخلیق، امتحانِ بشر — ملائکہ کی جبیں، سنگِ آستانِ بشر
خموش بحثِ غلط میں جو علم پا کے رہا
یہ کبرِ نفس فرشتوں کا سر جھکا کے رہا

قریب تر ہے یہ خالق سے باہمہ دوری — اِسی کی ذات پہ بس سعیِ کُن ہوئی پوری
ظہورِ جلوۂ قدرت بشانِ مستوری — اک اختیارِ مجسم بہ شکلِ مجبوری
ملک کا علم ہے محدود بندگی کے لیے
عمل کا جذبہ مخصوص آدمی کے لیے

نہ کیوں ہو عالمِ اکبر یہ عالمِ پُر کار — کہ جس کی ذات ہے گویا خزینۂ اسرار
وہ جسم سرمۂ چشمِ ملک ہے جس کا غبار — وہ روح امرِ مشیّت کی جو امانت دار
وہ دل جو عرشِ حقیقت ہے حق شعاری سے
وہ نفس جس کا ہے سودا رضائے باری سے

وہ آنکھ عینِ حقیقت ہے جس کی خود نگری — وہ کان، کانِ صداقت بہ وصفِ دیدہ وری
جبیں میں عظمتِ لوح و قلم کی جلوہ گری — مشیّت صمدی ہے بصورتِ بشری
نہیں علیم، مگر عالمِ دو عالم ہے
نہیں قدیر، مگر قدرتِ مجسم ہے

عجیب ذرۂ صحرا طراز اس کا وجود — عجیب قطرۂ طوفاں شگاف اس کی نمود
عجیب جلوۂ جاناں نواز اس کا شہود — خود اپنی ذات میں محدود اور بغیر حدود
جو اپنے عالمِ وہم و گماں میں رہتا ہے
مکاں کی قید میں بھی لامکاں میں رہتا ہے

یہ مُشتِ خاک ہے وہ مایۂ خمیرِ شعور — تمام پیکرِ خاکی ، تمام عالمِ نور
خود اپنی چشمِ تماشا سے گو رہے مستور — مگر یہ غیبتِ مطلق کا رازداں ہے حضور

اگرچہ اہلِ نظر ہے ، ہلاکِ دید بھی ہے
یہ حُسنِ ذات کا شاہد بھی ہے شہید بھی ہے

یہ خاک آدم و حوّا کی جس میں ہے شرکت — ہے دو طرح کی بحدِّ نزاکت و قوّت
قوی ہو گر تو رجُل ہے نحیف تو عورت — جلال اس کا ہے شیوہ جمال اس کی صفت

یہ اور شئے ہے تشدّد سے مرد حاوی ہیں
مگر فضائلِ انسانیت مساوی ہیں

نہ مَرد کو ہے تفوق حیات میں زَن پر — نہ زن ہے منزلِ امکاں میں مرد سے برتر
جُدا جُدا ہیں خصائص الگ الگ جوہر — وہ مردمی ہے یہ عفت وہ علم ہے یہ ہُنر

وہ اِس کی مثل ، یہ اُس کا جواب ہے گویا
کتاب وہ ہے یہ اُمّ الکتاب ہے گویا

یہ فکر ہے وہ تفکر ، یہ ذہن ہے وہ ذہین — یہ عشق ہے تو وہ عاشق یہ حُسن ہے وہ حسین
یہ ہے مکان کی زینت وہ زینتوں کا مکیں — یہ ہاجرہ وہ مہاجر یہ آمنہ وہ امیں

یہ گو عمل میں ادھوری ہے اور وہ سارا ہے
مگر یہ مصحفِ تخلیق ہے وہ پارا ہے

یہ عیش ہے وہ معیشت یہ ساز وہ آہنگ — یہ گل وہ دامنِ گلچیں یہ بوئے گل تو وہ رنگ
یہ انبساطِ دلِ پُر غبار ، وہ دل تنگ — یہ شانِ حسن وہ شانہ یہ آئنہ تو وہ سنگ

قیاسِ عام میں لیلیٰ یہ ہے تو قیس وہ ہے
یہ حسن سے ہے مسلّح وفا سے لیس وہ ہے

یہ جانِ عظمتِ ماضی وہ شانِ صورتِ حال — یہ دل وہ عقل یہ جذبہ وہ حس یہ قال وہ حال
یہ شاعری کی لطافت وہ فلسفے کا کمال — یہ حُور ہے وہ فرشتہ ، جو خوب ہوں اعمال

یہ مصلحت ہے خدا کی وہ مدعا کُن کا
یہ مومنین کی ماں ہے وہ باپ ہے اُن کا

قناعت اِس کی صفت کسبِ زر پہ اُس کی نظر   یہ فالِ نیک وہ تدبیر و عزم کا پیکر
مگر یہ دونوں کے جذبے میں فرق ہے یکسر   کہ ممتا کو فضیلت ہے ہر محبت پر

کھُلے گا زن کا شرف حشر کے قیام کے ساتھ
پکارے جائیں گے جب لوگ ماں کے نام کے ساتھ

اسی رَوِش پہ ہے قائم غرض جہاں کا نظام   کہ مرد و زن ہیں رہِ زندگی میں گام بگام
مگر یہ بات ہے عورت کا خاص منصبِ عام   پلے ہیں دُودھ سے اِس کے ولی رسول امام

یہ حسنِ ظن ہی نہیں وصفِ زن مقرّر ہے
علوئے نفس کا معیار شیرِ مادر ہے

وہ نرم و نازک و کمزور ہے یہ صنفِ جلیل   کہ پنکھڑی سے بھی گل کی پڑے بدن پہ نیل
مگر کہیں کوئی ناموس میں اگر ہو دخیل   تو شیرنی سے نہیں کم پھر اس کی چشمِ جمیل

مصیبتوں میں غضب پُر شکوہ بن جائے
پہاڑ غم کے جو ٹوٹیں تو کوہ بن جائے

قدم قدم جو یہاں مضطرب ہیں بدر و حنین   یہ سب ہیں فتح جو عورت کا عزم ہو مابین
اک امتحانِ رضا و قضا ہیں یہ کونین   رضا کا نام ہے زینبؑ، قضا کا نام حسینؑ

گِنو نفَس بھی فضائل جو اِن کے گِنتا ہیں
وہ ضبطِ نفس ہیں، یہ نفسِ مُطمئنّہ ہیں

ادب کا اب ہے محل ہاں قلم سنبھل کر چل   رواں ہو وادیِ صبر و رضا میں سر کے بَل
یہ اُس کا ذکر ہے پردہ ہے جس کا ضربِ مثل   سخن کے چہرے پہ حرفوں کا ڈال دے آنچل

کلامِ مدح کو دیکھے نظر تو پردے سے
سُنے بھی گوشِ سماعت اگر تو پردے سے

یہ ذہن ہے جو رسا مدحِ مُرتضیٰ کے لیے   کہ جس نے عرش سے مضموں ہزار جا کے لیے
رُکا ہے پاسِ ادب سے یہاں ثنا کے لیے   امامِ عصر مدد کیجیے خدا کے لیے

مری زباں کو روانی عطا ہو کوثر کی
قسم حضورؐ کو تطہیر والی چادر کی

زبان و دل کو میں طاہر کروں گا ہاں ساقی   وہ مے پلا جو ہے تطہیرِ دو جہاں ساقی
رہی جو واجب و ممکن کے درمیاں ساقی   چھپا رکھی ہے وہ پردے کی مے کہاں ساقی

نہاں جو خُم ہے، بصیرت سے کیا نہاں ہوگا
اسی جہاں میں تو ہوگا کہیں، جہاں ہوگا

میں بے حجاب کہوں میرے مہرباں ساقی   ہے اب تو پردۂ غیبت بہت گراں سَاقی
اسی امید پہ جیتے ہیں رند، ہاں ساقی   زمانے بھر کو پلادے گا بارہواں سَاقی

بجائے ختمِ رسلؐ دَور بادہ عام کُنند
اگر پدر نتواند پسر تمام کُنَد

بس اب تو جلد ہو ساقی اِدھر نگاہِ کرم   کہ تیرے ہجر میں ہے نظمِ دو جہاں برہم
زمیں پہ شام و سحر منتظر ہے اک عالم   فلک پہ آنکھوں میں اٹکا ہوا مسیح کا دَم

رہے خیال کہ بس ہو گئی قرار کی حد
ملے نہ حدِّ قیامت سے انتظار کی حَد

پیوں گا ڈٹ کے میں ساقی صراحیاں بھر لے   جو آج جا ہے تو اک دل بنامِ حیدرؑ، لے
بجائے جام یہ حاضر ہے کاسۂ سر، لے   یقیں نہ ہو تو ابھی آ کے اِمتحاں کر لے

خدا گواہ میں غائب پرست ہوں سَاقی
بغیر دیکھے ہوئے جب تو مست ہوں ساقی

جو دم میں دم ہے تو شانِ ظہور دیکھوں گا   کبھی قریب کبھی تجھ کو دُور دیکھوں گا
کبھی بجلوہ گہِ لاشعور دیکھوں گا   مجھے تو ضِد ہے کہ جلوہ ضرور دیکھوں گا

جو زندگی میں مری یاں نہ آئے گا ساقی
میانِ حشر کہاں بچ کے جائے گا ساقی

خمار آنے لگا اب یہ ذکر چھوڑ، پلا   نہ دیکھ شیخِ طریقت کے جوڑ توڑ، پلا
نہ دیر کر کے مرے شوق کو جھنجوڑ، پلا   دِلا کے جام میں اسلام کا نچوڑ، پلا

میں اُس سے کم نہ پیوں گا مرے غنی ساقی
حجابِ غیبتِ کبریٰ میں جو چھنی ساقی

وہ مے جو شمعِ حرم، پاکباز کی صورت   پسندِ حضرتِ باری، نماز کی صورت
سرور، حور کی زلفِ دراز کی صورت   خدا کی لوح میں محفوظ، راز کی صورت
وہ ساغرِ ازلی، دل جو تابناک کرے
وہ بادۂ ابدی، جو بدی سے پاک کرے

میں ایک جام پیمبرؐ کا نام لے کے پیوں   پھر ایک ساقیِ کوثر کا نام لے کے پیوں
جو زہر بھی ہو تو شبّرؑ کا نام لے کے پیوں   لہو کا گھونٹ بھی سرور کا نام لے کے پیوں
پیوں بھی اتنی کہ بہکوں نہ ڈگمگا کے گروں
اگر گروں بھی تو زہرا کے در پہ جا کے گروں

وہ مے پلا جو بھلا دے جہاں کے جور و جفا   پیوں گا کھول کے جی۔ لاکھ محتسب ہو خفا
یہی ہے اب تو مناسب بہ اقتضائے وفا   کہ جامِ دُرِّ نجف ہو سبوئے خاکِ شفا
بہ استقامتِ پا دَور میں فلک کے پیوں
نجف سے پی کے چلوں کربلا میں جھک کے پیوں

شرابِ پاک کا ادنیٰ اثر یہ ظاہر ہو   کہ صاف دل مرا آئینۂ مظاہر ہو
حدودِ پاسِ ادب سے بھی ذہن ماہر ہو   زباں بھی لفظ بھی مضموں بھی پاک و طاہر ہو
علیؑ علیؑ کا وظیفہ پڑھوں سجود کے بعد
ثنائے حضرتِ زینبؑ لکھوں درود کے بعد

شریکِ صبرِ شہِ مشرقین ہیں زینبؑ   کہ عینِ فاطمہؑ کی نورِ عین ہیں زینبؑ
دلِ محمدؐ و حیدرؑ کا چین ہیں زینبؑ   خدا کی راہ میں بالکل حسینؑ ہیں زینبؑ
حسینؑ مردِ رہِ انقلاب ہیں گویا
یہ عورتوں میں عمل کی کتاب ہیں گویا

حسینؑ صبر کا آغاز ہیں تو یہ انجام   حسینؑ دینِ نبیؐ کی بقا ہیں اور یہ دوام
حسینؑ امام، یہ تکمیلِ مدعائے امام   حسینؑ فاتحِ کرب و بلا، یہ فاتحِ شام
انھوں نے قصرِ رعونت جلا کے خاک کیا
یزیدیت کا کلیجہ انھوں نے چاک کیا

مثالِ بنتِ رسولِ قدیر ہیں زینبؑ — نظیرِ فاطمہؑ ہیں بے نظیر ہیں زینبؑ
امیرِ آلِ جنابِ امیرؑ ہیں زینبؑ — شہیدِ راہِ خدا کی وزیر ہیں زینبؑ
نثار دونوں کے ہم باطنی علاقے پر
وہ خطبہ خواں سرِ نیزہ ہیں اور یہ ناقے پر

اٹھے جو بھائی بہن بہرِ حفظِ دینِ کریم — رہِ عمل میں فرائض کو کر لیا تقسیم
کیا اخی نے جو سر دے کے کارِ ذبحِ عظیم — وفا کے پھولوں کی پھیلی بہن کے دم سے شمیم
عدو کا دل جو نہ خطبوں سے ان کے ہل جاتا
شہادتوں کو بغاوت خطاب مل جاتا

جنابِ مریم و سارا کہاں ہیں دیں تو جواب — انھیں بھی ثانیِ زہراؑ ملا نبیؐ سے خطاب
جلالِ حیدرؑ صفدر ہے اِن کے رُخ کی نقاب — جو لب اٹھیں تو علیؑ ہیں، جو چپ رہیں تو کتاب
رہیں خموش تو خود ظلم کو حجاب آیا
زبان کھولی تو کوفے میں انقلاب آیا

جہانِ عزم میں بنتِ بتولؑ ہوں کہ حسینؑ — علیؑ کے دل کی ہیں دھڑکن، نبیؐ کے دل کا ہیں چین
غضب کے بپھرے ہوئے ظلم و جور کے مابین — لیے ہوئے ہیں یہ بارِ حفاظتِ ثقلین
امامِ پاک کتابِ خدا کے حافظ ہیں
یہ عترتِ شہِ لولاک کی محافظ ہیں

سحابِ غم میں ہیں زینبؑ وہ برقِ عزم کی رَو — ہر انقلاب ہے ہلکا سا جس کا اک پرتَو
چراغِ بزمِ مصیبت حسینؑ ہیں تو یہ لَو — جبیں میں اوجِ شہادت کے دو نجوم کی ضو
حسنؑ حسینؑ کی صورت جو ماہ پارے ہیں
مثالِ فاطمہؑ قسمت کے دو ستارے ہیں

یہ اوج بھی نہیں حوا کا یہ حشم بھی نہیں — یہ ساکھ بھی نہیں، مریم کی یہ بھرم بھی نہیں
وہ حریت کا تحفظ کریں یہ دم بھی نہیں — یہ ہیں اسیرِ ستم اور اسیرِ غم بھی نہیں
صداقتیں ہیں رواں بنتِ قلعہ گیر کے ساتھ
یہ قید کچھ نہیں آزادیِ ضمیر کے ساتھ

اگرچہ آلِ کِسا میں نہیں ہے ان کا شمول   مگر یلی تو ہیں پی کر یہ شیرِ بنتِ رسولؐ
وہی علیؑ کی ہے طینت وہی خمیرِ بتولؑ   اسی چمن کی کلی ہیں، حسینؑ جس کے ہیں پھول
یہ کیوں کہوں کہ یہ ایسی ہیں اور ایسی ہیں
بس ایک بات ہے کافی، حسینؑ جیسی ہیں

وہ رُخ جو صورتِ قرآن رسولؐ کو پیارا   کتابِ قلبِ جنابِ بتولؑ کا پارا
وہ مَردمک جو حیا کے نصیب کا تارا   وہ آنکھ عصمتِ زہراؑ کا عین گہوارا
وفا کی روح، تحمل کا اک سراپا ہے
عمل کے آئنے میں فاطمہؑ کا چھاپا ہے

وہ جد رسولِؐ عرب، رہنمائے خیرِ سُبُل   وہ باپ جس کی امامت کا انبیا میں ہے غُل
وہ بھائی جن کا ہے ناقہ نبیؐ سا ختمِ رُسُل   وہ گھر کہ جس میں سبھی گلشنِ خلیل کے گُل
طواف جس کا ملک صبح و شام کرتے ہیں
وہ ماں کہ جس کو محمدؐ سلام کرتے ہیں

حیاتِ پاک کے لمحات اوّل و آخر   تمام وقف رہے امرِ خیر کی خاطر
صحابیہ ہیں یہ اُن کی جو عِلم کے ماہر   نبیؐ، علیؑ، حسنینؑ اور عابدؑ و باقرؑ
کئی اِمام ہیں ایسے جو خورد ہیں ان کے
جبھی تو کارِ امامت سپرد ہیں ان کے

جنابِ ہاجرہ و آسیا کی مخدومہ   نظر میں شرعِ نبیؐ کے امورِ معلومہ
رضائے حق سے رضیّہ، غریب، مظلومہ   رگوں میں بنتِ پیمبرؐ کا خون، معصومہ
جو نص نہیں تو نہ ہو، رِجس ایک دَم بھی نہیں
یہ فاطمہؑ کے برابر نہیں تو کم بھی نہیں

اگرچہ خیرِ نِسا ہیں بتولِؑ نیک نہاد   پر ایک بات میں زینبؑ کچھ ان سے بھی ہیں زیاد
نبیؐ نے اِن کی ولادت کے دن کیا ارشاد   یہ پڑھ کے آئی ہیں سارے علوم بے استاد
رسولؐ، مَردوں میں اُمّیّ بقولِ قُمّیؔ ہیں
یہ عورتوں میں ہیں وہ عالمہ جو اُمّیّ ہیں

علومِ حضرتِ زینبؑ سے کرکے قطعِ نظر — ملی اک اور فضیلت ہر ایک سے بڑھ کر
ادائے فرض میں کردار تھا وہ محکم تر — کہ اعتمادِ امامت نے کرلیا جس پر
امام، گو کہ ہیں زین العبا حسینؑ کے بعد
مگر وصی ہیں یہی شاہِ مشرقین کے بعد

جو بعدِ علم، عمل دیکھنا ہو زینبؑ کا — یہ دیکھ لو کہ اثر اُن کی تربیت کا ہے کیا
جو ایک عون سا فرزند ہے بعونِ خدا — تو اک جنابِ محمدؐ سا لال، صلِّ علیٰ
زمانہ دنگ ہے، بچے وہ کام کرکے مرے
مرے تو موت کو اپنا غلام کرکے مرے

ثنائے حضرتِ زینبؑ ثنائے زہراؑ ہے — نقابِ روئے مبارک ردائے زہراؑ ہے
وہی نگاہِ حقیقت نمائے زہراؑ ہے — رہِ عمل میں یہ بی بی بجائے زہراؑ ہے
جہادِ نفس کیا، قتلِ عام کے بدلے
نبیؐ کے گھر کو سنبھالا، امام کے بدلے

شریکِ معرکۂ دشتِ کربلا زینبؑ — رہِ وفا میں شہادت کا نقشِ پا زینبؑ
دیارِ شام میں عترت کی ناخدا زینبؑ — نشانِ عظمتِ حق، یا حسینؑ یا زینبؑ
رسن میں بندھ کے بھی عقدہ کشا جو ہے سب کا
خدا کا ہاتھ ہے بازو جنابِ زینبؑ کا

یہ وہ ہیں جن کے اشاروں پہ حق کے کام چلے — حرم، انھیں کی قیادت میں صبح و شام چلے
جو رُک گئیں تو نہ عابد بھر ایک گام چلے — ہم ان کو کیا کہیں مرضی پہ جب امام چلے
رسولؐ گو کہ نہیں ہیں یہ رہبری کے لیے
مگر ہیں جزوِ مُتَمِّم پیمبری کے لیے

ہزار غم میں گھری ہیں، ملول بھی یہ نہیں — بسا دیا چمنِ شرع، پھول بھی یہ نہیں
گناہ سے بھی بری ہیں، بتول بھی یہ نہیں — پیامِ حق ہے زباں پر، رسولؐ بھی یہ نہیں
دمِ خطاب و خطابت نبیؐ کی شان بھی ہے
جلال آئے تو حیدرؑ کی آن بان بھی ہے

بیاں ہو کیا شرف و جاہِ بنتِ قلعہ شکن ملی نبیؐ کی زباں ان کو ، فاطمہؑ کا دہن
علیؑ کا طرزِ سخن ، بھائیوں کا خُلقِ حَسن اس ایک تن میں سمائے ہیں پنجتن کے چلن
عجب نہ تھا جو بشر خاص و عام ہو جائیں
نہ ہوتیں پردہ نشیں تو امام ہو جاتیں

نبیؐ کے دین پہ احسان ہے یہ کیا کچھ کم کہ ہیں یہ قافلہ سالارِ کاروانِ حرم
جھکا جو سجدہ گہِ کربلا پہ حق کا عَلم کیا بلند انھوں نے رسولؐ کا پرچم
نشان جس سے ہے باقی رسولِؐ داور کا
ہے اُس نشاں میں پھریرا انھیں کی چادر کا

ہوا جو فاطمہؑ کا لال فدیۂ اِسلام اشاعت اس کی تھی لازم میانِ کوفہ و شام
یہ اِس لیے کہ حکومت کے مفتیانِ کرام تراشتے تھے مسلسل جوازِ قتلِ امام
یہ کہتے تھے کہ وہی درپئے یزید ہوئے
حسینؑ کوہ سے ٹکرا کے خود شہید ہوئے

یہ کربلا ہی سے جاری تھی سازشِ اغیار نکھر کے آئے نہ ہرگز حسینؑ کا کردار
مگر حسینؑ کی ہمشیر! دین تجھ پہ نثار کہ بڑھ کے بن گئی تاریخ کی امانت دار
یہ باب وہ ہے جہاں کوئی سدِّ باب نہیں
سوالِ زینبؑ و زنداں کا کچھ جواب نہیں

امیرِ شام کی جن کو خطا نہیں تسلیم جواب دیں کہ اگر کربلا کا ذبحِ عظیم
نہ تھا یزید کا عزمِ صمیم و عہدِ قدیم تو کیوں یہ سلسلۂ ظلم و جَور کی تعمیم
خزاں کے بعد کھلایا نیا شگوفہ کیوں
جو کربلا تھی یکایک تو شام و کوفہ کیوں

سرِ حسینؑ تھا قرآن خواں بنوکِ سناں تو لب پہ زینبِ کبریٰ کے خطبۂ عرفاں
وہ اک اشارۂ مجمل اور ان کی بات عیاں جو یوں نہ پھول لٹاتیں تو آ چکی تھی خزاں
جہادِ سبطِ نبیؐ بے مآل ہو جاتا
لہو شریعتِ حق کا حلال ہو جاتا

یہی وہ کارِ اہم تھا بحدِّ صبر و رضا　　جو عظمتوں میں شہادت سے کم نہ تھا بخدا
علیؑ کی بیٹی سیاست جہاں کی سمجھ پہ فدا　　خوشی سے دے کے رِدا حق کا رکھ لیا پردا
شریکِ کلمۂ حق لاکلام ہو کے رہیں
شہادتوں کی بقائے دوام ہو کے رہیں

ہجومِ غم میں دلِ بے غبار لے کے چلیں　　حرم کو دشت سے مردانہ وار لے کے چلیں
امانتوں کا پیمبرؐ کی بار لے کے چلیں　　خزاں کے رنگ میں اصلی بہار لے کے چلیں
وہ کام کر گئیں دَورِ حیاتِ فانی میں
ہوئیں شریکِ شہادت یہ زندگانی میں

دیارِ شام میں شمعِ حرم جلا کے پھریں　　کہ حق کے زور سے باطل کا سر جھکا کے پھریں
یہ اِنقلاب بھی ذہنیتوں میں لا کے پھریں　　یزیدِ نحس سے دنیا کا دل پھرا کے پھریں
قلوبِ خلق میں عظمت بٹھا کے سرور کی
سرِ برہنۂ زینبؑ نے یہ مہم سر کی

عجیب کام کیا تم نے مرحبا زینبؑ　　معینِ مقصدِ سلطانِ کربلا زینبؑ
حسینؑ منزلِ حق ہیں تو حق نما زینبؑ　　وہ ابتدائے شہادت تو انتہا زینبؑ
برائے نام شہیدوں کا نام رہ جاتا
جو یہ نہ ہوتیں ادھورا پیام رہ جاتا

وہ پُر شکوہ تھا زینبؑ کا عزمِ لافانی　　کہ تشنگی میں مصائب کو کر دیا پانی
حسینؑ از سرِ نو لَا اِلٰہ کے بانی　　شریکِ کارِ حسینی یہ مریمِ ثانی
رہے گا حشر تک ان کا جلال جلّ اللہ
بشکلِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلا اللہ

زہے فضائلِ ذکرِ جلالتِ زینبؑ　　نبیؐ کو حق نے سنائی بشارتِ زینبؑ
یہ کم نہیں ہے دلیلِ سعادتِ زینبؑ　　حرم کا قافلہ ہے اور قیادتِ زینبؑ
امامِ وقت کو سینے سے ہیں لگائے ہوئے
حسینیت کا عَلم بے تکان اٹھائے ہوئے

مصیبتوں کو اک انعامِ ایزدی جانا خوشی کو غنچۂ نوخیز کی ہنسی جانا
سکونِ قلب کو ہستی ہیں نیستی جانا وفا کی گود میں مرنے کو زندگی جانا
دوائے دیں کے لیے دردِ دل قبول کیا
ہر ایک خار کو ذوقِ نظر سے پھول کیا

وہ حِلم و صبر و تحمل رسولؐ کی صورت ابو ترابؑ کی سیرت بتولؑ کی صورت
وہ ضبطِ غم حسنِ دل ملول کی صورت حسینؑ خوش ہوں تو کھل جائیں پھول کی صورت
امامؑ پر یہ فدا ہیں، امامؑ زینبؑ پر
درود سبطِ نبیؐ پر، سلام زینبؑ پر

اخی کے ساتھ کبھی غم کو غم نہیں سمجھا ستم کو بھائی کی خاطر ستم نہیں سمجھا
علیؑ سے گھٹ کے انھیں ایک دم نہیں سمجھا حسینؑ نے بھی انھیں ماں سے کم نہیں سمجھا
یہ بھائی وہ ہے کہ جانا بہن کو جاں کی طرح
یہ وہ بہن ہے جو بھائی کو روئی ماں کی طرح

اخی کے غم میں تھیں اشکوں سے گرچہ آنکھیں تر جمی ہوئی تھیں نگاہیں مگر فریضے پر
اُدھر وہ سلسلۂ حادثات پیشِ نظر اِدھر حفاظتِ ناموسِ احمدؐ و حیدرؑ
اُدھر یہ فکر کہ منجدھار میں سفینہ ہے
اِدھر کلیجے سے لپٹی ہوئی سکینہ ہے

وہ رن میں خاتمۂ پنجتن وہ حشر کی شام ظہورِ شامِ غریباں ہجومِ لشکرِ شام
خیام جھلسے ہوئے جن میں دل جلوں کا قیام ردائیں سر پہ نہ مقنع، نہ سرپرست امام
یہ بار کس سے اُٹھے شاہِ مشرقین کے بعد
ندا یہ آئی کہ زینبؑ تو ہیں حسینؑ کے بعد

وہ ننھے ننھے سے بچے وہ فاقہ کش سادات وہ قتل گاہ میں لاشوں کے ڈھیر تا بہ فرات
وہ سائیں سائیں کی آواز وہ اندھیری رات علیؑ کی بیٹی تھی پہرے پہ یا خدا کی ذات
شکست کا جو نہ تھا خوف قلبِ خستہ کو
اُٹھا لیا تھا بس اک نیزۂ شکستہ کو

خموش مائیں تھیں، سہمے ہوئے تھے سب اطفال
حرم کے حلقے میں زین العبا تھے غم سے نڈھال
مگر یہ بنتِ یداللہ کا تھا جاہ و جلال
کہ خود حفاظتِ عترت کو بن گئی تھیں ڈھال
الجھ کے لاشوں میں ہر ہر قدم پہ گرتی تھیں
اندھیری رات میں خیمے کے گرد پھرتی تھیں

جو رو دیا کوئی بچہ تو آئیں دوڑ کے پاس
تھپک کے اس کو سُلاتی رہیں بحسرت و یاس
نکل کے خیمے سے باہر پھر آئیں بے وسواس
حرم میں بن گئیں زہراؑ طلایہ میں عباسؑ
یہ حال تھا کہ اک آوازِ تیز پا آئی
سکوتِ دشت میں ٹاپوں کی سی صدا آئی

نظر اُٹھا کے جو دیکھا بدیدۂ قہّار
تو باگ اٹھائے چلا آرہا تھا ایک سوار
بلند کر کے یہ نیزہ پکار اٹھیں اک بار
یہ کون آتا ہے بس روک لے وہیں رہوار
نہ راستہ نہ مقامِ سپاہ ہے بھائی
یہ بارگاہِ رسالت پناہ ہے بھائی

رکا نہ وہ تو پکاریں بدل کے یہ تیور
سُنا نہیں ابھی تو نے میں کہہ رہی ہوں ٹھہر
جو لُوٹنا ہے دوبارہ ہمیں تو لُوٹ مگر
بس اتنی دیر کو دم لے کہ ہو نمودِ سحر
عدو کے ظلم نے بچوں کے ہوش کھوئے ہیں
یہ بھوکے پیاسے ابھی روتے روتے سوئے ہیں

رُکا نہ پھر بھی جو وہ شہسوارِ عرصۂ غم
تو بنتِ حیدرِ کرار ہو گئیں برہم
کہا بغیظ کہ او آنے والے تیز قدم
اُٹھے گا حشر اگر تان لیں گے نیزہ ہم
جسارتوں سے تری، بات دمبدم نہ بڑھے
یہ اب ہے حکم ہمارا کہ اک قدم نہ بڑھے

جب اس پہ بھی نہ مسافر نے حوصلہ ہارا
تو بڑھ کے دخترِ شیرِ خدا نے للکارا
سمجھ لیا ہمیں بالکل ضعیف و بے چارا
جو سورما ہے تو آ، مَیں ہوں معرکہ آرا
علیؑ کی گود کے پالوں کو باک ہی کب ہے
حسینؑ تیرے مقابل نہیں یہ زینبؑ ہے

میں ہوں محافظِ آلِ رسولؐ نیک اساس
مجھے نہ فرض سے غافل کرے گا خوف و ہراس
نہ یہ سمجھ کہ ہوں میں پائمالِ حسرت و یاس
مرے پدر ہیں علیؑ، میرے بھائی ہیں عباسؑ
نہ قید و بند میں مجبورِ شور و شین سمجھ
مَیں عصر تک تھی حسنؑ، اب مجھے حسینؑ سمجھ

یہ سُن کے بھی جو قریب آگیا وہ تیز خرام
انھوں نے بڑھ کے پکڑ لی وہیں فرس کی لجام
کہ اب کسی کو نہیں ہے اجازتِ یک گام
کہ اس کے بعد ہیں ناموسِ مصطفےؐ کے خیام
جلیں مَلک کے بھی پَر، یہ وہ راہِ مشکل ہے
کہ اب قدم کی نہیں سر کے بل کی منزل ہے

لجام تھام کے زینبؑ نہ جب جگہ سے ٹلی
ٹھہر گیا وہیں راکب بہ حکمتِ عملی
گلے میں ڈال کے باہیں وہ صابرِ ازلی
نقاب اُلٹ کے پکارا کہ میں علیؑ ہوں علیؑ
رسولؐ تیرے محافظ ہیں غم نہ کھا بیٹی
میں گردِ خیمہ پھروں تو حرم میں جا بیٹی

اخی کے ساتھ اٹھایا ہے بارِ غم دن بھر
سحر کے ہوتے ہی درپیش شام کا ہے سفر
تمام سوگئی ہے رو کے آلِ پیغمبرؐ
ذرا سی دیر کو سیدھی تو کرلے تُو بھی کمر
کہا کہ سوؤں گی، نبٹوں تو داغ کھانے سے
ابھی تو پشت بھی زخمی ہے تازیانے سے

بس اے نسیم کہ اک شورِ آہ و زاری ہے
دعا کا وقت ہے رقّت ہر اک پہ طاری ہے
ہر ایک آنکھ سے دریائے اشک جاری ہے
حیات غرقِ عطائے جنابِ باری ہے
یہ عرض کر، مری محنت وصول ہوجائے
جو مرثیہ مرا یارب قبول ہوجائے

سنہ ۱۹۳۸ء

اے روحِ حریت شرفِ جسم و جاں ہے تو — اک زندگی وہیں ہے جہاں میں، جہاں ہے تو
احساس بن کے ہر رگ و پے میں رواں ہے تو — بوڑھے کے دل میں ہو تو وہاں بھی جواں ہے تو

اک اک ادا پہ تیری ہزاروں کے جی گئے
تجھ پر جو مر مٹے وہ حقیقت میں جی گئے

سرخی ہے داستان عمل کی ۔ ترا لہو — بچوں کا کھیل دار و رسن تیرے روبرو
اخلاق کے چمن کی ہے تو قوتِ نمو — خود دار تیرے عشق میں پھرتے ہیں کو بکو

پھیکا ہے رنگ دھن میں تری ہر جنون کا
غازہ ہے تیرے رخ پہ شہیدوں کے خون کا

تیرے حضور ہر متکبر ذلیل ہے — فرعون کے ڈبونے کو تو رودِ نیل ہے
نخوت کے بتکدے میں شکوہِ خلیل ہے — تو وحیِ ارتقا کے لیے جبریل ہے

روحِ شبابِ ہستیِ دنیا و دیں ہے تو
جان آفریں خدا تو حیاتِ آفریں ہے تو

بزمِ جہاں کی انجمن آرا ہے حریت — عزت کی زندگی کا سہارا ہے حریت
توحید کے فلک کا ستارا ہے حریت — فطرت کا اک لطیف اشارا ہے حریت

خم ہو تو صرف حق کی سلامی کے واسطے
انساں نہیں بنا ہے غلامی کے واسطے

بے حریت حیات ہے اک نخلِ بے ثمر — مضمونِ نو کا بندِ خموشی میں کیا اثر
بخشے نہ دل کو جذبۂ پرواز تو اگر — نکلے کبھی قفس سے نہ مرغِ شکستہ پر

بندش میں ہے جو نطق وہ کب دلپذیر ہے
نغمہ بھی چیخنا ہے جو بلبل اسیر ہے

مجبوس گر رہے قفسِ لب میں مرغِ آہ — رہ جائے فیضِ عدل سے محروم دادخواہ
زندانِ چشم میں ہے نظر بند جو نگاہ — یکساں ہے اس کو روزِ سفید اور شبِ سیاہ

دُر ہے صدف میں قید تو بے عزّ و جاہ ہے
آزاد ہے تو زینتِ دیہیمِ شاہ ہے

آزاد قیدِ غرب سے سورج اگر نہ ہو — دنیا میں صبحِ نور کبھی جلوہ گر نہ ہو
آزادہ رو چمن میں جو بادِ سحر نہ ہو — پھولوں کا آب و رنگ بہشتِ نظر نہ ہو

جب تک رِہا نہ مَحبسِ گل سے شمیم ہو
گلشن میں خاک عطر فشاں پھر نسیم ہو

ہر قید و بند۔ دہر میں ہے باعثِ زوال — ہالہ نہیں قمر کے لیے زیورِ کمال
پَر بند گر جہاں میں رہے طائرِ خیال — کیا کٹ سکے گا عقل سے پھر بے حسی کا جال

وارستگی کے دَم سے ہی یہ کائنات ہے
دَم بند ہو تو ختم نظامِ حیات ہے

فطرت کی حد میں کفر ہے بندوں میں امتیاز — قدرت کے قاعدے بھی ہیں سب حریت نواز
دربارِ کبریا میں ہے محمود بھی ایاز — ایجاد آدمی ہے یہ فرقِ نیاز و ناز

سوءِ ادب ہے یہ۔ بخدا حق کی شان میں
بندہ نہیں ہے کوئی کسی کا جہان میں

اے حریت تجھی سے قوی ہے ہر اک ضعیف — ذرّے تری زمیں کے ہیں سورج کے ہم ردیف
ناحق نہیں ہے قوتِ باطل تری حریف — ہے خاکِ کربلا سے ترا جوہرِ لطیف

تمہیدِ عزم تو ہے بعنوانِ حُریت
نسبت ہے تجھ کو حُر سے جو تھا جانِ حریت

وہ حُر کہ تھا ہراوّل سلطانِ کربلا — آغازِ داستانِ شہیدانِ کربلا
عنوانِ عزم مطلعِ دیوانِ کربلا — پہلا شہید فاتحِ میدانِ کربلا

اوّل جہادِ نفس میں جس کو ظفر ہوئی
پھر سر فدا کیا تو مہم حق کی سر ہوئی

وہ حر کہ جس کی فطرتِ عالی تھی ارجمند   پابند کر سکے نہ امارت کے جس کو بند
جس کی نظر تھی حرص و ہوس سے کہیں بلند   جو تھا سپاہِ ظلم میں خوددار و حق پسند
پوچھو ثبات اس کا حسینی گروہ سے
یہ کوہ ٹل سکا نہ یزیدی شکوہ سے

وہ حر کہ حریت کی ادا کا شہید تھا   وہ حر کہ جس کا جوہرِ فطرت سعید تھا
وہ حر کہ دل سے مرشدِ حق کا مرید تھا   وہ حر کہ ظاہرا سوئے فوجِ یزید تھا
رن میں ثبوت اپنی صداقت کا دے گیا
پیچھے جو سب سے تھا۔ سبقت سب سے لے گیا

وہ حر کہ قیدِ کفر سے دم میں رہا ہوا   باطل کے ازدحام میں حق آشنا ہوا
عقدہ جو دل کا ناخنِ ہمت سے وا ہوا   حر ہو گیا کہ بندۂ مشکل کشا ہوا
مقصد ملا۔ مراد ملی۔ مدعا ملا
جب مل گئے حسین تو گویا خدا ملا

چہرہ فروزِ معرکۂ کربلا ہے حر   باطل کی ظلمتوں میں حقیقت نما ہے حر
میزانِ عزم۔ رتبہ شناسِ وفا ہے حر   کیا تھا۔ مگر نصیب تو دیکھو کہ کیا ہے حر
جو رات کو شریکِ سپاہِ شریر تھا
وہ دن کو ہمنشینِ جنابِ امیر تھا

حاصل ہوئی جو قربتِ سلطانِ ارجمند   دستِ خدا نے کاٹ دیے غفلتوں کے بند
چمکا ولا کے نور سے یوں طالعِ بلند   بختِ سیاہ۔ دم میں ہوا چاند سے دوچند
مولا کی بارگاہ میں مقبول ہو گیا
لالے کا داغ چاندنی کا پھول ہو گیا

یہ فیضِ الفتِ پسرِ بوترابؑ تھا   داغِ گناہ رشکِ دہِ ماہتاب تھا
شب کو گہن کا چاند وہ خانہ خراب تھا   جس دم سحر نمود ہوئی آفتاب تھا
باوصفِ انفعال عجب آن بان تھی
رخسارِ حر میں سورۂ توبہ کی شان تھی

الفت ملی حسینؑ کی ۔ عرفان مِل گیا صحبت ملی امام کی ۔ ایمان مِل گیا
مقصد میں اہلِ بیت کے مہمان مل گیا سلمان سے یہ تازہ مسلمان مِل گیا

زانو ملا حسینؑ کا دنیائے زشت میں
پہونچا نبی کی آل سے پہلے بہشت میں

جاں دے کے زندگی بھی ملی ۔ دل کا چین بھی ماتم بھی گھر میں شاہ کے تھا شور و شین بھی
روتے تھے اہل بیت بھی شاہِ حنین بھی زہراؑ بھی مصطفےٰ بھی حسنؑ بھی حسینؑ بھی

عزّت ملی یہ شاہ کے دَر سے غلام کو
آئے ہیں نَو امام لحد پر سلام کو

ہے یادگار حر کی یہ جرأت یہ صفدری حق کی طلب میں جان پہ کھیلا یہ حیدری
فوجِ حسینؑ کا ہے ہراول یہی جری حر کا جہاد تھا کہ شہیدوں کی رہبری

خاکِ شفا پہ خوں جو بہا حق کی راہ میں
ہوگا یہی کسی نہ کسی سجدگاہ میں

غازی نے اپنے نفس کو جب تک دی شکست دم بھر کو مطمئن نہ ہوا یہ وفا پرست
منظور تھا جو حق کی حمایت کا بندوبست باطل کے حوصلوں کو کیا ساتھ رہ کے پست

اہلِ نظر میں شہرۂ ذوقِ نگاہ ہے
یہ دین و کفر دونوں کا عینی گواہ ہے

باطل سے مُنہ پھرا کے دکھا دی عمل کی راہ معیارِ حق ہے اس کی شہادت خدا گواہ
ایماں کا نور اُدھر تھا ۔ اِدھر ظلمت گناہ حیران تھا دوراہے پہ یہ بندۂ الٰہ

بھٹکا کیا تلاش کی راہوں میں رات بھر
تولا ہے خیر و شر کو نگاہوں میں رات بھر

باتیں تھیں دل ہی دل میں خود اپنے سے تا سحر باطل یہ ہے وہ حق ۔ یہ شر ہے تو وہ قمر
نفس و ضمیر دونوں صف آرا تھے ہمدگر مائل وہ مال پر ۔ نظر اس کی مآل پر

وہ بولا زر نہیں ہے تو عزت کہیں نہیں
یہ بولا تو حریص ہے انجام بیں نہیں

کہتا تھا نفس خوف ہے انجام کا فضول
دل کا جواب تھا کہ یہ فطرت کا ہے اصول
اُس کو یہ دھیان دولت و اقبال ہو حصول
اِس کو یہ دُھن کہ شہ کی گدائی مجھے قبول
وہ بولا سب جہان میں بندے ہیں دام کے
اس نے کہا کہ سچ ہے علاوہ امام کے

کہتا تھا نفس فرض ہے دولت کی جستجو
دل بولتا تھا فرض کو بھولا ہوا ہے تو
خواہش یہ نفس کی کہ ہے دنیا کی آرزو
دل کا خیال یہ، کہ دَنی ہے یہ فتنہ جو
اصرار، نفس کا کہ مجھے مال چاہیے
دل کی پکار مال نہیں آل چاہیے

اُس نے کہا یہ اہلِ سیاست کی خو نہیں
اِس نے کہا درست ہے۔ میں حیلہ جو نہیں
وہ بولا کیا معاش کی بھی آرزو نہیں
یہ بولا دینے والا ہے رزّاق۔ تو نہیں
اُس کا تھا مشورہ کہ نہ مُنہ پھیر چَین سے
اِس کا تھا فیصلہ کہ ملوں گا حسینؑ سے

اُس نے کہا نہیں ہے جسارت کا یہ محل
اِس نے کہا کہ تو نہ بنا مجھ کو بے عمل
اِس کشمکش میں صبر و سکوں تھا نہ ایک پل
کہتا تھا نفس بیٹھ۔ تڑپتا تھا دل کہ چل
آخر نہ دل نے شر کی اطاعت قبول کی
پہلی تھی یہ شکست یزیدی اصول کی

دل نے کیا وہ نفس سے جم کر مجادلہ
طے ہو گیا وہ باطل و حق کا مباہلہ
دنیا و دیں سے ساتھ پڑا تھا معاملہ
آساں نہیں تھا نار و جناں کا مقابلہ
اتنی تھی چاہ گلشنِ عنبر سرشت کی
دوزخ کی حد میں کھینچ لی سرحد بہشت کی

سیکھے کوئی جہاد کے اِس باوفا سے ڈھنگ
اپنے سے کی حمایتِ مذہب میں پہلے جنگ
لب پر سکوت۔ دل میں شہادت کی تھی امنگ
آتا تھا ایک رنگ تو جاتا تھا ایک رنگ
لَو لگ رہی تھی حق سے جو یادِ امام میں
گھلتا تھا مثلِ شمعِ سحر فوجِ شام میں

یہ صف شکن جو لشکرِ پیماں شکن میں تھا — اُلجھن میں، انتشار میں، رنج و محن میں تھا
کانٹوں میں پھول۔ ماہِ منوّر گہن میں تھا — موسیٰ کی طرح ساحروں کی انجمن میں تھا
یوں اہلِ نار گھیرے تھے اس بے عدیل کو
شعلے لیے تھے گود میں جیسے خلیل کو

اعدا میں گھر گیا تھا جو راہِ وفا کا مَرد — رگ رگ میں تھی لہو کی جگہ حسرت نبرد
آنکھوں میں اشک گرم تو ہونٹوں پہ آہِ سرد — سینے میں سوز۔ سوز میں ہمت فزونِ درد
اک ولولہ جو فکر و تردد کے ساتھ تھا
زانو پہ سر کبھی۔ کبھی قبضے پہ ہاتھ تھا

وہ فکر وہ امنگ وہ امید وہ ہراس — رخ زرد۔ جسم سرد۔ زباں بند۔ دل اداس
تصویرِ غم۔ سکوت کا عالم۔ ہجوم یاس — بیٹھا تو بے قرار جو اٹھا تو بے حواس
پلکیں وہ آنسوؤں کے ستارے لیے ہوئے
عصیاں کی معذرت کے اشارے لیے ہوئے

گو دل پہ چھا رہا تھا عجب صدمۂ فراق — ذوقِ عمل سے جھوم رہا تھا یہ خوش مذاق
آنکھوں میں انتظار۔ نگاہوں میں اشتیاق — الفت میں فرد۔ عشق میں یکتا وفا میں طاق
غم تھا بہت جو ہجرِ شہِ تشنہ کام کا
تسبیحِ اشک پر تھا وظیفہ امام کا

روکے ہوئے تھی رات جو عزمِ وفا کی راہ — دنیائے زشت دیدۂ حق بیں میں تھی سیاہ
جب شمع جھلملاتی تھی ہوتا تھا اشتباہ — نجمِ سحر کو ڈھونڈھتی تھی چرخ پر نگاہ
کہتا تھا دل کہ صبحِ تمنا کدھر گئی
اب کتنی رات باقی ہے کتنی گزر گئی

قابو میں حر کے تھی نہ طبیعت جو منچلی — دل میں مچی ہوئی تھی قیامت کی کھلبلی
ہوتی تھی یادِ شہ میں زیادہ جو بے کلی — گھبرا کے اضطراب میں کہتا تھا یا علیؑ
پہلو نہ تھا جو دردِ جدائی میں چین کا
انگلی سے نام لکھتا تھا دل پر حسینؑ کا

یوں تھا سحر کے واسطے بیتاب و بیقرار　　عاشق کو جس طرح شبِ وعدہ کا انتظار
شبنم صفت تھا رات کے پردے میں اشکبار　　کہتا تھا دیکھ دیکھ کے تاروں کو بار بار
جلدی چمک اٹھے جو ستارا نصیب کا
دیدار ہو سحر کو خدا کے حبیب کا

تھا منتظرِ سحر کا اِدھر حر کہ ناگہاں　　فوجِ خدا میں اکبرؑ غازی نے دی اذاں
اُٹھا پے نماز جری ہو کے شادماں　　خیر العمل نے ذوقِ عمل پر کہا کہ ہاں
بانگِ اذاں سے روحِ وفا بے قرار تھی
ٹوٹے ہوتے دلوں کی وہ گویا پکار تھی

پرجوش وہ اذاں وہ مؤذّن عمل نواز　　دلکش صدا میں جس کی کلامِ خدا کا راز
سوزِ بیاں میں نغمۂ داؤد کا گداز　　گونجا ہوا عراق میں وہ لہجۂ حجاز
غل تھا رسالتؐ اور امامتؑ کی شان ہے
گویا علیؑ کے مُنہ میں نبیؐ کی زبان ہے

واں عازمِ صلات ہوئے شاہِ نیک خو　　حر نے بھی آنسوؤں سے کیا اس طرف وضو
بھائی، پسر، غلام مؤدّب تھے روبرو　　سرخم۔ دلوں میں سجدۂ طاعت کی آرزو
تھا جوش پر جو شوقِ شہادت نماز میں
کی نصرتِ امام کی نیّت نماز میں

واں زیبِ جانماز تھے شہ۔ یاں حرِ جری　　دونوں کے ہونٹ خشک اور آنکھوں میں تھی تری
واں بھی خضوع۔ یاں بھی کلیجے میں تھرتھری　　واں شانِ حیدری تو یہاں عشقِ بوذری
جانِ وفا اُدھر تھا تو اہلِ وفا اِدھر
قبلہ اُدھر تھا۔ طائرِ قبلہ نما اِدھر

فارغ نماز سے نہ ہوا تھا یہ نیک نام　　جو اک شقی نے آکے عقب سے کیا سلام
بولا غرور و کبر کے لہجے میں تلخ کام　　چلیے کہ منتظر ہے امیرِ سپاہِ شام
سجدے سے اب اٹھائیے فرقِ نیاز کو
بندہ نواز۔ عمر پڑی ہے نماز کو

حاضر درِ امیر پہ ہیں سب رسالہ دار — پیشِ نظر ہے نقشۂ میدانِ کار زار
ہے ذکر و فکرِ قتلِ امامِ فلک وقار — صرف آپ کا ہے مجلسِ شوریٰ میں انتظار
فوجیں تلی ہوئی ہیں جدال و قتال پر
اجماع ہو چکا ہے کہ حملہ ہو آل پر

غازی سلام پھیر کے بولا بصد غضب — گدی سے کھینچ لوں گا زباں کچھ کہا جو اب
میں اور بزمِ مشورتِ قتلِ تشنہ لب — کیا جان کر کیا ہے شقی نے مجھے طلب
ناری نے حر کو سمجھا ہے اپنا غلام کیا
میں جنتی ہوں۔ مجھ کو جہنم سے کام کیا

بگڑے جو دیکھے شیر کے تیور دمِ جلال — روباہ کی طرف کو دبک کر گیا شغال
کہتا ہوا یہ زیرِ لب اٹھا یہ خوش خصال — کب تک یہ روز روز کے جھگڑے یہ قیل و قال
لے حر کہاں پھنسا ہے غلامی کے دام میں
آزادیِ دوام ہے بزمِ امام میں

بے خود بنا چکی ہے علیؑ کی وِلا مجھے — پروا نہیں ہے اب تو کسی کی ذرا مجھے
آنے دو لے کے شاہ سے اِذنِ وغا مجھے — اس ابنِ سعدِ نحس نے سمجھا ہے کیا مجھے
ظالم کے لشکروں کا مٹا دوں گا نام تک
حر میرا نام ہے تو بھگاؤں گا شام تک

بھائی نے جب سنا سخنِ عشقِ بوترابؑ — رجحانِ دل کی ہو گئی تائیدِ باصواب
کی عرض یہ ہے قصد تو پھر دیر کیا جناب — چلیے کہ منہ پہ دیں پسرِ سعد کو جواب
یوں بے کہے جو چھپ کے چلے بھی تو کیا چلے
کہہ کر چلیں کہ روکے شقی با وفا چلے

حر نے کہا یہی ہے اگر مقتضائے حال — تاخیر بے محل ہے کہ اب صبر ہے محال
سن کر یہ حکم۔ بھائی، پسر، عبدِ خوش خصال — تینوں سلاح باندھ کے آئے بصد جلال
لے کر خدا کا نام نمازی رواں ہوئے
باطل کا سر کچلنے کو غازی رواں ہوئے

آگے تھا سب کے حر۔ صفتِ شیرِ خشمگیں پیچھے غلام۔ جانِ وفا، حُرّیت قریں
بیٹا سوئے یسار۔ برادر سوئے یمیں سر پر خدا۔ لبوں پہ ثنا۔ دل میں شاہِ دیں
اس شان سے جو حق کے یہ پیارے نظر پڑے
دن میں سپاہِ شام کو تارے نظر پڑے

پہونچے جو روبروئے بنِ سعد یہ جری ہیبت سے پڑ گئی تنِ خودسر میں تھرتھری
دیکھا کہ سر اٹھاتے کھڑے ہیں یہ حیدریؑ سوچا کہ کچھ کہا تو سنوں گا کھری کھری
نظریں بتا رہی ہیں کہ آنکھیں دکھائیں گے
تیوری چڑھی ہوئی ہے، بھلا سر جھکائیں گے

لب کھولنے کی گو کہ نہ حاکم کو تھی مجال لیکن دبی زبان سے بولا وہ بدخصال
کھلتا نہیں کہ بند ہیں کیوں لب، دمِ مقال حیرت ہے ایک رات میں کیا ہو گیا یہ حال
تجھ سے دلیر کو سبب اضطراب کیا
دیکھا ہے شب میں کوئی غم انگیز خواب کیا

بڑھ کر دیا یہ حر نے ستمگار کو جواب دیکھا ہے میرے دیدۂ بیدار نے یہ خواب
جیسے جنابِ ختمِ رُسُل اور ابو ترابؑ آئے ہیں کربلا کی زمیں پر بہ اضطراب
آواز ہے بلند جو زہرؑا کے بین کی
میداں میں گونجتی ہے صدا وا حسینؑ کی

کہنے لگا شقی اس اشارے کو ٹال کر آیا ہے شب میں حاکمِ کوفہ کا نامہ بر
مانگا ہے اُس نے سرورِ کربِ بلا کا سر حیران ہوں کہ کون کرے اس مہم کو سر
لاکھوں میں ہمسرِ شہِ والا نہیں کوئی
صابر سے جنگ مُنہ کا نوالا نہیں کوئی

مشہور ہے عرب کے دلیروں میں تیرا نام لینا ہے تجھ سے مشورۂ قتلِ تشنہ کام
میرا خیال یہ ہے بڑھے گی جو فوجِ شام انکار کر سکیں گے نہ بیعت سے پھر امام
بیعت کا نام سنتے ہی چتون میں بل پڑے
آنکھوں سے حر کی غیظ کے چشمے اُبل پڑے

تن کر کہا خموش ہو، او خانماں خراب　　فاسق کا کیوں مطیع ہو خضرِ رہِ صواب
یہ نار ہے وہ نور۔ یہ ذرّہ وہ آفتاب　　ڈرتا ہے کیا یزید سے فرزندِ بوترابؑ
ممکن نہیں کہ شہ کے ارادے کو روک دیں
پہلے مجھی کو تیرے کمان دار ٹوک دیں

ذکر اس جگہ امامؑ کی طاقت کا کیا ضرور　　خادم سے اُن کے آنکھ ملائے کوئی غیور
میں ہوں ترے قریب وہ ہیں تیرے دل سے دور　　ہاں ہاں ابھی ہو فیصلۂ جنگ بے شعور
آ سامنے۔ کمان اٹھا۔ یا۔ حسام لے
وہ دوں سزا کہ پھر نہ لڑائی کا نام لے

بولا شقی کہ اُف یہ تغیّر۔ یہ انقلاب　　اتنا دُرشت، اور سخنِ نرم کا جواب
ان سازشوں کا دیکھ نتیجہ نہ ہو خراب　　سب سن چکا ہوں قصّۂ عشقِ ابوترابؑ
حر بولا کچھ خطر نہیں کوئی سنا کرے
جیسا سنا ہے تو نے وہی ہو۔ خدا کرے

پوچھا کہ عزم کیا ہے جری نے کہا وغا　　پوچھا سبب۔ کہا کہ ستمگر، تری جفا
پوچھا مآل۔ حر نے کہا شاہ کی رضا　　پوچھا ملے گا کیا تجھے اِس سے۔ کہا خدا
حق تک رسائی آلِ پیمبر کے ہاتھ ہے
حق ہے علیؑ کے ساتھ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے

حر کا جواب سن کے یہ بولا وہ بے حیا　　نوکر ہے جس کا اس کی نہ خدمت سے مُنہ پھرا
منصب کو دیکھ۔ فکر رسالے کی کر ذرا　　دریا میں رہ کے بیَر مگر سے نہیں بجا
بندہ وہی ہے فرض میں جس نے کمی نہ کی
طاعت نہیں ہے یہ جو کبھی کی۔ کبھی نہ کی

حر نے کہا خموش ہو۔ از بانیِ ستم　　طاعت کو کر رہا ہے سُبک بندۂ درم
اس ذہنیت پہ طالبِ بیعت ہے دمبدم　　بندہ ہوں میں تو آل کا اولاد کی قسم
کرتا ہے طعن بندگیِ کردگار پر
تُف ننگِ روزگار۔ ترے روزگار پر

عہدے سے واسطہ نہ مجھے نوکری سے کام
منصب یہ کم نہیں کہ علیؑ کا ہوں میں غلام
لے آپ کر اب اپنے رسالے کا اہتمام
او تارکُ الصَّلوٰۃ تجھے دور سے سلام
جائے حیا ہے سوچنے والے کے واسطے
قرآں سے مُنہ پھراؤں رسالے کے واسطے

تو ہے عدوئے عزتِ محبوبِ کارساز
فاقے بھلے ہیں تیری سلامی سے بے نماز
شہ کا نیاز مند ہے دنیا سے بے نیاز
تجکو جفا پہ ناز ہے مجکو وفا پہ ناز
دنیا یہ ہے۔ طریقتِ دینِ خدا وہ ہے
تیرا یہ راستہ ہے۔ مرا راستا وہ ہے

دیکھا جو شمر نے کہ بگڑتی ہے بات اَب
بولا کہ باہمی یہ کشاکش ہے بے سبب
بازوئے حُر نے بڑھ کے ندا دی بصد غضب
تجکو بڑوں کی بات میں کیا دخل بے اُدب
مابینِ گفتگو جو زباں کھولنے لگا
دَلّال ہے جو بیچ میں تو بولنے لگا

بولا یہ شمر بگڑی ہوئی بات کیا بنے
جو اِن کے فائدے کی کہے وہ بُرا بنے
مانا کہ تم رفیقِ شہِ کربلا بنے
اِس کا بھی ڈر ہے کچھ کہ نہ جانوں پہ آ بنے
یاں کثرتِ سپاہ سے گیتی میں دھاک ہے
فرزند بوترابؑ کے لشکر میں خاک ہے

سن کر یہ لاف۔ حر کے برادر نے دی ندا
بس بس ستم شعار نہ باتیں بہت بنا
پی جائیں گے لہو یہی پیاسے دَمِ وغا
بھاری ہے لاکھ پر یہ اُقلیّت وفا
کثرت اِدھر ہے فوج کی۔ وحدت نُما اُدھر
تیری طرف خدائی ہے ظالم۔ خدا اُدھر

مسلم کے لال خون کے دریا بہائیں گے
زینبؑ کے شیر فوج میں ہلچل مچائیں گے
حیدرؑ کی شان قاسمؑ و اکبرؑ دکھائیں گے
بچے بھی اس گھرانے کے کوسوں بھگائیں گے
عباسؑ میں ہے شانِ شہِ قلعہ گیر کی
تصویر کھینچ دیں گے جنابِ امیر کی

تو واقفِ جلالِ شہ کربلا نہیں　　فرزندِ مصطفیٰ کے تصرّف میں کیا نہیں
کیا فاطمہؑ کا دودھ انھوں نے پیا نہیں　　یا ہاتھوں ہاتھوں زورِ یداللہ ملا نہیں
اُلٹیں جو فرطِ غیظ سے وہ آستین کو
ہاتھوں پہ بے تکان اٹھا لیں زمین کو

نوفل پکارا خیمے میں کب تک یہ گفتگو　　باہر نکل کے آؤ تو چوٹیں ہوں دو، بدو
حر کے پسر نے مڑ کے کہا اُو بہانہ جو　　حاکم کے دبدبے سے ڈراتا ہے ہم کو تو
کِس کا ادب کہ تابعِ افسر نہیں ہوں میں
اندر بھی حوصلہ ہو تو باہر نہیں ہوں میں

خولی نے ہونٹ چاب کے غصّے سے دی ندا　　سب دیکھ لیں گے رن میں چلو تو سہی ذرا
پھر تو غلامِ حر سے تحمّل نہ ہو سکا　　قبضے پہ ہاتھ ڈال دیا۔ جھوم کر بڑھا
یہ کیفیت وفورِ غضب سے تھی شیر کی
غصّے میں اُبلی پڑتی تھیں آنکھیں دلیر کی

حر نے کہا کہ آؤ نہ ردّ و بدل کرو　　کج فہم ہیں شقی۔ نہ ابھی ان سے بل کرو
بے مرضیِ امام نہ جنگ و جدل کرو　　جو دین کا اصول ہے اس پہ عمل کرو
پہلا تو فرض یہ ہے کہ دل شہ کا صاف ہو
تیروں سے چھان دیں گے۔ خطا تو معاف ہو

یہ کہہ کے آنکھ سے جو اشارہ کیا کہ ہاں　　گھوڑے بڑھے کہ کوند گئیں رن میں بجلیاں
ٹاپوں سے گرد اڑ کے گئی سوئے آسماں　　آنکھوں میں دھول جھونک کے غازی ہوئے رواں
کانٹوں میں پھنس کے گل۔ صفت بو نکل گئے
پلکوں کو چیرتے ہوئے آنسو نکل گئے

بل کھا کے ابنِ سعد نے فوجوں کو دی ندا　　کیا دیکھتے ہو۔ لے کے کمانیں بڑھو ذرا
جانے نہ پائیں عاشقِ فرزندِ مرتضیٰؑ　　چلّے چڑھے تو مڑ کے پکارا یہ باوفا
فوجیں لڑیں گی خاک صدائے ضمیر سے
عاشق کا دل بھلا کہیں رکتا ہے تیر سے

ہر سو کڑک رہی تھیں کمانیں جو بے پناہ   ہلتا تھا تا بہ دور بیابان رزمگاہ
بڑھتی تھیں شور کر کے جو فوجیں میانِ راہ   گھبرا رہے تھے واں حَرَمِ شاہ دیں پناہ
اوجھل جو تھی نظر سے امانت بتول کی
بے چین تھی حرم میں نواسی رسول کی

ڈیوڑھی پہ آ کے شہ کو بلایا بصد محن   عصمت سرائے پاک میں آئے شہِ زمن
فرمایا صبر کیجیے لِلّٰلہ اے بہن   وہ چاہیے جو اپنے گھرانے کا ہے چلن
گھبرائیں گی جو آپ تو سب جان کھوئیں گے
روئیں گے جب بزرگ تو بچّے نہ روئیں گے

بولی یہ اشک پونچھ کے وہ غم کی مبتلا   کیا ظالموں سے صلح نہ ٹھہری۔ بہن فدا
بولے امامِ دیں حق و باطل میں صلح کیا   کی عرض اس دیار سے اب اٹھ گئی وفا
مہمان کو ستا کے بھی ظالم خجل نہیں
لاکھوں میں ایک شخص کے پہلو میں دل نہیں

زہرا کی لاڈلی سے یہ بولے شہِ زمن   خالق کی مصلحت میں نہیں جائے دم زدن
دشوار کیا ہے، چاہے اگر ربِّ ذوالمنن   ظلمت میں شب کی چاند نکل آئے اے بہن
ہوتے ہیں بے اصولوں میں کچھ با اصول بھی
کانٹوں کی گود میں نکل آتے ہیں پھول بھی

مصروفِ گفتگو تھے اِدھر شاہِ بحر و بر   حر کے رفیق فوج کے نرغے میں تھے اُدھر
گھیرے ہوئے تھے صاف دلوں کو وہ اہلِ شر   لیکن کسی نے خاک بھی ڈالی ہے چاند پر
ہر گام مثلِ سرخیِ روئے خجل بڑھے
بادل پھٹا۔ ہجوم گھٹا۔ شیر دل بڑھے

فردوس کو۔ سقر سے چلے تھے جو نیک نام   اَعرافِ دین و کفر میں راہی تھے تیز گام
آتے تھے دور سے جو نظر شاہ کے خیام   جھک جھک کے بار بار جری کرتے تھے سلام
آنکھیں تھیں اشک ریز۔ یہ غم سے فراغ تھا
جنّت جو سامنے تھی تو دل باغ باغ تھا

تھے جادۂ وفا میں جو راہی اسیرِ غم　　بڑھتا تھا جوش ہوتی تھی جتنی وہ راہ کم
گھوڑے کو حر جو ایڑ لگاتا تھا دمبدم　　تاریخ ذرّے ذرّے پہ کرتی تھی یہ رقم
جاتا ہے عشقِ شہ میں ملازم یزید کا
یہ ہے ثبوت فتحِ امامِ مجید کا

پہنچے ادھر یہ راہِ طلب میں رواں دواں　　صف بستہ تھا اُدھر شہِ والا کا کارواں
خیمے میں جلوہ گر تھے امامِ فلک مکاں　　ڈیوڑھی پہ شیر اٹھائے ہوئے حیدری نشاں
ہیبت سے کانپتے تھے طبق آسمان کے
در کے قریں ٹہلتے تھے۔ سینے کو تان کے

ناگاہ سامنے کی طرف سے اٹھا غبار　　ٹاپوں نے دی صدا کہ کچھ آتے ہیں شہسوار
عباسؑ نے ڈپٹ کے صدا دی کہ ہوشیار　　یاں خیمہ زن ہے یثرب و بطحا کا تاجدار
ہے بارگاہِ پاک شہِ حق پسند کی
اڑتی ہے گرد تھام لو باگیں سمند کی

گونجا جو غیظ میں اسداللہ کا پسر　　عمّو کے پاس آ گئے اکبرؑ بکرّ و فر
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے جو قاسمؑ نے کی نظر　　بولے عجیب شان سے آتے ہیں یہ ادھر
تیغ و سپر کو کھول کے لائے ہیں ساتھ کیوں
کھلتا نہیں یہ راز کہ باندھے ہیں ہاتھ کیوں

کہنے لگے یہ عون و محمدؐ بصد جلال　　کچھ بھی سہی مگر ہمیں لازم ہے دیکھ بھال
انصار دم کے دم میں ہوئے عازمِ قتال　　تن کر چلے زُہیر۔ چمک کر بڑھے ہلال
نصرت کا شہ کی دن جو دکھایا نصیب نے
کہنی تک آستین چڑھا لی حبیب نے

شیروں کے ہمہمے کی جو پیہم سُنی صدا　　گھبرا گئے حرم کہ یکایک ہوا یہ کیا
عصمت سرا سے آئے جو باہر شہِ ہدا　　دیکھا کہ آ گئے وہ، ابھی جن کا ذکر تھا
نکلی شعاعِ رحم و کرم قلبِ نور سے
دل سے ہوئے قریب کہ آئے تھے دور سے

حر کا تو حال یہ تھا کہ روتا تھا دمبدم　　بھائی۔ پسر۔ غلام تھے پاسِ ادب سے خم
چاروں رہِ وفا میں کھڑے تھے اسیرِ غم　　یہ بارِ انفعال کہ اٹھتے نہ تھے قدم
باندھے ہوئے تھے ہاتھ زباں کھولتے نہ تھے
لب تھرتھرا رہے تھے مگر بولتے نہ تھے

شہ نے کہا کہ اے مرے انصارِ تشنہ کام　　تم جانتے ہو کون ہیں چاروں یہ نیک نام
وہ حر ہے، وہ پسر، وہ برادر ہے وہ غلام　　سب پر خدا کا فضل ہے سب پر مرا سلام
گل جن کے منتظر تھے وہ بلبل یہی تو ہیں
اس فوجِ مختصر کے ہراول یہی تو ہیں

لازم ہے دوستوں کو مرے ان کا احترام　　محضر میں ہیں شریک یہ چاروں فلک مقام
اکبرؑ تو حر کے بیٹے کو لائیں بہ احتشام　　لے آئیں اس کے بھائی کو عباسؑ نیک نام
حر کی طرف حبیب محبت سے جائیں گے
اب رہ گیا غلام، سو ہم اس کو لائیں گے

دیکھا جو حر نے خُلقِ مجسم کا یہ کرم　　آتے ہیں پیشوائی کو خود سرورِ اُمم
عاصی نے دوڑ کر شہِ دیں کے لیے قدم　　رو رو کے عرض کی کہ خجل ہے اسیرِ غم
جانِ شفیعِ روزِ جزا بخش دیجیے
وہ باگ تھامنے کی خطا بخش دیجیے

شفقت کے ساتھ بولے امامِ ملک خصال　　سر کو اٹھا۔ گلے سے لپٹ۔ قلب کو سنبھال
گریہ نہ کر۔ اداس نہ ہو۔ دور کر ملال　　مسرور تیرے آنے سے ہے مصطفےٰ کی آل
موقوف کر خدا کے لیے شور و شین کو
رونے سے تیرے ہوتی ہے ایذا حسینؑ کو

کی حر سے درگزر جو امامِ غریب نے　　بخشی خطا خدا نے۔ خدا کے حبیب نے
بڑھ کر گلے میں ڈال دیں باہیں حبیب نے　　بچھڑے ہوؤں کو خوب ملایا نصیب نے
فرزندِ نوجواں سے جو اکبرؑ لپٹ گئے
عباسؑ اس کے بھائی سے بڑھ کر لپٹ گئے

سبطِ نبی نے ہاتھ بڑھائے سوئے غلام — قدموں پہ آنکھیں ملنے لگا وہ فلک مقام
یہ حال تھا اِدھر کہ اٹھا پردۂ خیام — فِضّا ہوئی حرم سے برآمد بہ احترام

کی عرض پاس آکے امامِ انام سے
حر کی طلب ہے خیمۂ عرش احتشام سے

مولا سے اِذن لے کے جو آیا قریبِ دَر — زینبؑ اُدھر حجاب کے تھیں۔ لونڈیاں اِدھر
خم ہو گیا سلام کو۔ ڈیوڑھی کو چوم کر — فِضّا نے عرض کی کہ وفادارِ نامور

یہ برکتیں ہیں نصرتِ آلِ رسول کی
تجکو دعائیں دیتی ہیں بیٹی بتولؑ کی

فرماتی ہیں کہ یہ ترا احساں نہیں ہے کم — کھائی ہے تو نے نصرتِ شبیرؑ کی قسم
غربت میں غمزدوں کا ہوا تو شریکِ غم — مجبوریوں سے اپنی پشیماں ہیں حرم

دشتِ بلا میں وہ سر و ساماں نہیں رہے
ہم قابلِ ضیافتِ مہماں نہیں رہے

جو حال ہے حرم کا نہیں تجھ سے کچھ نہاں — فاقے سے تین دن کے ہیں خود تیرے میزباں
فرطِ عطش سے بالی سکینہ ہے نیم جاں — یہ قحطِ آب ہے کہ بلکتا ہے بے زباں

غش چند بار ہنسلیوں والے کو آئے ہیں
آنسو چھڑک کے ہوش میں اصغرؑ کو لائے ہیں

رونے لگا یہ سن کے وہ شیدائے پنجتن — بولا بہ اشک و آہ کہ مخدومۂ زمن
اپنوں سے اور ذکرِ ضیافت دمِ محن — مجکو خجل نہ کیجیے فرما کے یہ سخن

جینے سے دل ہے سیر فدائے امام ہوں
مہمان غیر ہوتے ہیں میں تو غلام ہوں

فِضّا سے بولیں سن کے یہ مخدومۂ انام — کہہ دے مری طرف سے کہ اے حُرِّ نیکنام
تو محسنِ بتولؑ ہے اے عاشقِ امام — زینبؑ کے دل سے پوچھے کوئی تیرا احترام

تو باوفا ہے ثانی الیاس کی طرح
میں تجھ کو بھائی کہتی ہوں عباسؑ کی طرح

روحِ نبی گواہ ہے شاہد ہے کبریا
اپنوں میں کر چکے تجھے شاملِ شہِ ہدیٰ
بولا یہ سب ہے فیضِ درِ آلِ مصطفےٰ
توبہ ہوئی قبول ۔ ملے شاہِ کربلا
تنہا کیا معاف نہ سبطِ رسول نے
خود بخش دیں تمام خطائیں بتولؑ نے

حیرت سے بولیں خواہر سلطانِ دوجہاں
فضّا یہ پوچھ تو ۔ تجھے اماں ملیں کہاں
کی عرض ۔ صبح خواب میں تھا میں کہ ناگہاں
زہراؑ نظر پڑیں مجھے کوفہ میں نیمجاں
پوچھا ۔ وہاں بتولؑ کو کس کی تلاش تھی
روکر کہا کہ گود میں مسلم کی لاش تھی

پوچھا کہ تجھ سے پھر مری اماں نے کیا کہا
بولا یہ حر کہ شہ کے مصائب کا ماجرا
آتا تھا میں کہیں سے کہ بی بی نے دی ندا
اے حر بھٹک رہا ہے کہاں اس طرف تو آ
معلوم ہے یہ غم کی خبر مشرقین کو
پالا ہے چکی پیس کے میں نے حسینؑ کو

افسوس دَورِ چرخ سے میرا وہ لاڈلا
نرغے میں ظالموں کے ہے بے آب بے غذا
تیغیں لیے شریر ہیں آمادۂ جفا
گھیرا ہے تو نے ۔ تو ہی مرے لال کو بچا
ہو عُذر خواہ ۔ جانِ امیرِ حُنین سے
کر دی ہے میں نے تیری سفارش حسینؑ سے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ عاشقِ غفور
بولیں دبی زبان سے یہ زینبؑ غیور
پھر کیا ہوا ۔ کہا کہ نہ پوچھیں بس اب حضور
تھا کچھ ردا کا ذکر ۔ اعادہ ہے کیا ضرور
ہوتے ہمارے ایسی جسارت محال ہے
عصمت سرا تک آئے یہ کس کی مجال ہے

بنتِ علیؑ پکاریں کلیجے کو تھام کر
ہونا ہے جو کچھ آہ مرے دل کو ہے خبر
بابا سے سن چکی ہوں یہ سب حالِ مختصر
جیتے رہیں حسینؑ کھلے جا ہے میرا سر
اماں بتولؑ کو مری چادر کی فکر ہے
مجکو تو صرف اپنے برادر کی فکر ہے

افسوس بعدِ عصر کہاں تھے یہ باوفا — بے اذن جب خیام میں در آئے اشقیا
زہراؑ کے گھر میں لوٹ مچی وا مصیبتا — بنتِ علیؑ اسیر ہوئیں۔ چھن گئی ردا
محوِ فغاں تھی آل رسولِؐ قدیر کی
سرکار لٹ رہی تھی جنابِ امیر کی

زینب پکارتی تھیں کہ لوگو کوئی بچاؤ — اے حُرؓ نامدار کہاں ہو مدد کو آؤ
اکبرؑ، کدھر گئے مرے سر پہ ردا اڑھاؤ — عباسؑ، بازوؤں میں رسن آکے دیکھ جاؤ
آئے نہ تم اگر مری امداد کے لیے
پھر میں نجف کو جاؤں گی فریاد کے لیے

بس اے نسیمؔ حشر ہوا روک لے قلم — اب عرض کر خدا سے کہ اے ربِّ ذو الکرم
جرأت بھی اور وفا بھی عطا کر ہمیں بہم — تجھ کو ہرا دلِ شہ مظلومؑ کی قسم
جانباز و سرفروش و بہادر کا واسطہ
آزادیٔ خیال بھی دے حُرؓ کا واسطہ

سنہ ۱۹۴۲ء

نظرثانی : سنہ ۱۹۶۱ء

بادۂ شوق سے لبریز ہے پیمانۂ دل گرمیِ آتشِ غم شمعِ عزاخانۂ دل
مجھ کو دنیا نظر آتی ہے جو بیگانۂ دل دل سے پہروں میں کہا کرتا ہوں افسانۂ دل
شوق میں گوش بر آواز جو دل ہوتا ہے
دردِ اِن پیار کی باتوں میں مخل ہوتا ہے

میرے پہلو میں ہے دل رسمِ وفا کا پابند چارۂ غم کے لیے شدّتِ غم سے خورسند
اِس کا دامن ہو نہ کیوں گردِ کدورت سے بلند پسِ پردہ ہے اسے آلِ عبا سے پیوند
کیوں نہ ہستی میں ہو مانوس، غمِ دنیا سے
اس کا رشتہ ہے پیمبرؐ کے ذوی القربیٰ سے

فکرِ ذاتی سے ہو کیا یہ دلِ مضطر دلگیر فکرِ ملّت میں ہے مصروف عزائے شبیرؑ
دردِ انساں سے تڑپ جائیں نہ کیوں قلب وضمیر فاضلِ طینتِ اربابِ عمل سے ہے خمیر
نقدِ دل، دولتِ ایماں سے ملا ہے مجھکو
یہ گہر گنجِ شہیداں سے ملا ہے مجھکو

دل کی دولت سے ہوں سرکارِ محبت میں غنی دُھن عمل کی ہے جسے، بات کا یہ ہے وہ دَھنی
خلق کرتی ہے جو کلفت یہ مری طعنہ زنی مجکو سمجھاتا ہے دل، ایک نہ سُن پنجتنی
ڈھونڈھ وہ نقشِ قدم جس کا طلبگار ہے تو
غم کا کیا غم شہِ صابر کا عزادار ہے تو

کبھی چھڑ جاتا ہے ملّت کا جو افسانۂ غم دل مجھے دیتا ہے پہلو سے تسلّی ہردَم
میں جو کہتا ہوں جماعت کی ہیں زلفیں برہم دل یہ کہتا ہے سنو جائیں گی قرآں کی قسم
میں جو کہتا ہوں اماں کب ہے ان آفات کے بعد
دل یہ کہتا ہے کہ دن ہوتا ہے ہر رات کے بعد

میں جو کہتا ہوں کہ اب بازوئے تدبیر ہے شل   دل یہ کہتا ہے کہ عباسؑ سے لے درسِ عمل
مَیں جو کہتا ہوں کہ دنیا میں مچادوں ہلچل   دل یہ کہتا ہے بدلنا ہے تو اپنے کو بدل

مَیں جو کہتا ہوں مری بزم تو بس روتی ہے
دل یہ کہتا ہے کہ ہر اشکِ عزا موتی ہے

مَیں جو کہتا ہوں ترقی کی کوئی آس نہیں   دل یہ کہتا ہے، نہ ہو، پھر بھی مجھے یاس نہیں
مجکو شکوہ کہ مری بزم میں احساس نہیں   دل کو دعویٰ کہ غلط، حق کا کسے پاس نہیں

تیری ملّت نہ فقط خود ہی سنبھل سکتی ہے
یا علیؑ کہہ کے زمانے کو بدل سکتی ہے

میں جو کہتا ہوں، کبھی غنچۂ خاطر نہ کھلا   دل یہ کہتا ہے، یہی ہے روشِ اہلِ وفا
میرے ہونٹوں پہ ہے بے مہریِ قسمت کا گِلا   دل یہ کہتا ہے کہ غم ہے بشریت کا صلا

مجکو قسمت سے شکایت ہے دلآزاری کی
دل یہ کہتا ہے، یہ تمہید ہے بیداری کی

مجکو یہ فکر، ریاضت کا ثمر کیا ہوگا   دل کا یہ ذکر، تغافل سے مگر کیا ہوگا
میں ہوں بسمل کہ بہ ایں بندشِ پَر، کیا ہوگا   دل ہے قائل کہ بجز فتح و ظفر کیا ہوگا

میرا کہنا، یہی زنداں ہے تو جی چھوٹے گا
دل کا ایما کہ تڑپ، جب تو قفس ٹوٹے گا

شدتِ یاس سے ہوتا ہوں جو میں شعلہ بجاں   دل یہ کہتا ہے کہ اُمیّد پہ قائم ہے جہاں
میں جو کرتا ہوں کبھی تذکرۂ عہدِ خزاں   دل یہ کہتا ہے، خزاں باغِ تمنا میں کہاں

مَیں فسردہ ہوں کہ ہیں خار چمن زاروں میں
دل شگفتہ ہے کہ گل بھی ہے انھیں خاروں میں

ذکر آجاتا ہے طولِ شبِ ہجراں کا اگر   دل دِکھاتا ہے مجھے جلوۂ سلمائے سحر
بے حسی کا کبھی انجام جو سوچا دم بھر   دل پکارا کہ نکل آتے ہیں پتھر سے شرر

دھیان جب ملّتِ مُردہ کا مجھے رہتا ہے
تُخرِجُ الحُیَّ مِنَ الْمَیِّتِ دل کہتا ہے

پوچھتا ہوں جو کبھی مشغلۂ عہدِ شباب　　ناز سے پڑھتا ہے دل سیرتِ اکبرؑ کی کتاب
میں جو کہتا ہوں کہ پیری کی مصیبت ہے عذاب　　دل یہ کہتا ہے کہ ہے کرب و بلا عین صواب
تو حسینی ہے مصائب کے مقابل تن جا
عہدِ پیری میں حبیب ابنِ مظاہر بن جا

مجکو آتا ہے جو طفلی کے مشاغل کا خیال　　دل سناتا ہے مجھے عونؑ و محمدؑ کی مثال
میں جو کہتا ہوں کہ کیا ہے بشریت کا کمال　　دل یہ کہتا ہے فقط پیرویِ سیرتِ آلِ
ان کے اخلاق سے محروم کوئی دور نہیں
دین و دنیا یہیں ملتے ہیں کہیں اور نہیں

مجکو امید میں کر دیتی ہے نکبت جو اداس　　دلدہی کرتا ہے رہ رہ کے دلِ وقت شناس
تلخ[illegible] مٹاتا ہے دمِ حسرت و یاس　　اس کی لفظوں میں حلاوت ہے تو باتوں میں مٹھاس
نیند اڑ جاتی ہے ہنگامِ سخن راتوں میں
لگ گئی آنکھ کبھی اک روز انھیں باتوں میں

بند [illegible] ہوئیں محوِ تماشا اک بار　　خواب دیکھا وہ نرالا کہ ہوا دل بیدار
خواب، تعبیر درآغوش و حقیقت بہ کنار　　حسنِ یوسف بہ اثر، خوابِ زلیخا بہ کنار
سیر، گردوں کی ہوئی، چشمِ بصیرت جاگی
سوتے سوتے مری سوئی ہوئی قسمت جاگی

سیرِ نیرنگیِ افلاک جو تھی مدِّ نظر　　رقص پر زہرہ و ناہید کے ماری ٹھوکر
نظرِ بد سے بھی مریخ و زحل کی بچکر　　بالا بالا مہ و انجم سے کیا میں نے گذر
دم بدم راہ تھی پُر پیچ تو دم لیکے بڑھے
یعنی ادریس و مسیحا کے قدم لیکے بڑھے

تیز ہوتی تھی جو ہر دم تپشِ دل میری　　خود بڑھاتی تھی مجھے راہ میں مشکل میری
بزمِ انجم سے بہت دور تھی محفل میری　　ماورائے مہ و خورشید تھی منزل میری
مضطرب ترکۂ آدم کی سیاحت کے لیے
گرمِ پرواز تھا کھوئی ہوئی جنت کے لیے

چٹکیاں لیتی تھی دل میں جو تمنائے ارم
پرِ جبریلِ امیں تھا مرا ایک ایک قدم
گو مجھے یاد تھا جنت سے ہُبوطِ آدم
شوق پھر بھی چمنِ خلد کا ہوتا تھا نہ کم
جس سے نکلا تھا بڑی دھوم سے رسوا ہو کر
جا رہا تھا اسی محفل میں، خودی کو کھو کر

میں جہاں تھا بخدا اور ہی کچھ تھا وہ جہاں
کیف و کم کا کوئی جادہ، نہ زمانہ، نہ مکاں
اپنے دل پر مجھے رہ رہ کے یہ ہوتا تھا گماں
اک سفینہ ہے محیطِ ابدیّت میں رواں
اُف وہ نادیدہ حقائق کی مثالی دنیا
بے خودی دل کی تھی خالی وہ خیالی دنیا

حیرت انگیز مناظر تھے صد اسرار بدوش
نہ کوئی صوت و صدا تھی نہ کوئی جوش و خروش
ہوشمندی کا تقاضا وہ جمالِ مدہوش
عالمِ ہُو وہ حقیقت کی فضائے خاموش
کون ہے، کیا ہے، کہاں ہے مجھے معلوم نہ تھا
لامکاں اور مکاں کا کوئی مفہوم نہ تھا

جلوہ ریزی کے پُر اسرار نظارے دیکھے
جو بصیرت نے عقیدت کے سہارے دیکھے
دُور سے نور کی آنکھوں کے اشارے دیکھے
جو مقدر کو پلٹ دیں وہ ستارے دیکھے
ظلمتیں دھوپ میں تاروں کی جلی جاتی تھیں
شبِ معراج کے سانچے میں ڈھلی جاتی تھیں

تھا اسی منزلِ حیرت میں ابھی گرمِ سفر
ناگہاں غیب سے کوئی یہ پکارا کہ سقر
یہ صدا سنتے ہی تھرّانے لگے قلب و جگر
رہ گیا خون بھی دہشت سے رگوں میں جم کر
سیلِ آتش کے تلاطم میں سفینہ آیا
خواب میں، یاد ہے مجھکو کہ پسینہ آیا

کیا بتاؤں کہ وہ نظارہ تھا کس درجہ مہیب
نہ کوئی مونس و غمخوار، نہ محبوب و حبیب
عقرب و مار کی پُرہول وہ اشکالِ عجیب
دُور کے حلقۂ آتش نظر آتے تھے قریب
اِس بُرے وقت میں اک بات بھلی یاد آئی
آپ کو بھول گیا نادِ علیؑ یاد آئی

یا علیؑ کہہ کے قدم جوں ہی اُٹھایا اک بار ۔۔۔ اب جو دیکھا تو وہی نارِ سَقر تھی گلنار
لِللہ الحمد وہ نظارۂ فرحت آثار ۔۔۔ جنّتِ دیدہ و دل ، خلدِ نظر ، حدِّ بہار
وہ فضا تھی کہ زمانے میں کسی جا نہ مِلے
جیتے جی خلد مِلی ، مر کے مِلے یا نہ مِلے

کوئی بولا ، یہی جنّت ہے بصد جاہ و حشم ۔۔۔ ابنِ آدم کے لیے اِرثِ جنابِ آدم
جس کے دروازۂ عالی پہ یہ کلمہ تھا رقم ۔۔۔ بے عمل کوئی درِ خلد پہ رکھے نہ قدم
اس مکاں میں کس و ناکس کی مُدارات نہیں
طلبِ حق کا صلہ ہے کوئی خیرات نہیں

گو کہ اِس عالمِ حیرت میں نہ تھے ہوش بہم ۔۔۔ تھا مگر دل میں تپاں ولولۂ سیرِ ارم
در کے اندر ابھی رکھنے بھی نہ پایا تھا قدم ۔۔۔ ناگہاں آئی اک آواز کہاں جاتا ہے تھم
کھینچ لائی ہے تصوّر کی جسارت تجکو
داخلے کی نہیں جنت میں اجازت تجکو

بولا مَیں ، کون ہے یہ مانعِ ایوانِ ارم ۔۔۔ آئی آواز کہ یہ میں ہوں نگہبانِ اِرم
مسکرا کر یہ کہا میں نے کہ رضوانِ اِرم ۔۔۔ مجھ پہ ممنوع ہے کیوں سیرِ گلستانِ اِرم
اہلِ جنّت کو ہے ماضی کا تصوّر باقی
کیا ابھی ہے بنیٔ آدم سے تنفّر باقی

میری اس طنز پہ رضواں نے صدا دی یہ وہیں ۔۔۔ اہلِ جنت کی کوئی تجھ میں علامت ہی نہیں
عرض کی میں نے کہ یہ شکلِ تقدس آئیں ۔۔۔ یہ مرا خرقۂ اسلام یہ پیراہنِ دیں
داغِ سجدہ ہے عیاں جَبہَۂ نورانی پر
نقش ہے زہد و ورع کا مری پیشانی پر

میرے چہرے پہ نظر ڈال کے رضواں نے کہا ۔۔۔ بارک اللہ یہ پُر مکر لباسِ تقوی
سجدۂ زہدِ ریائی کا جبیں پر دھبّا ۔۔۔ ظاہری شکل و شباہت کی کشش ، کیا کہنا
روح بھی پاک ہے کیا جامۂ تقویٰ کی طرح
دل بھی پُر نور ہے ریشِ رُخِ زیبا کی طرح

سُن کے یہ طعنۂ جانکاہ ہوا دل جو کباب میں نے دامن کو جھٹک کر کہا، سنیئے تو جناب
اللہ اللہ سخنِ نرم کا یہ سخت جواب کیا نہیں علم میں بندے کی نمازوں کا حساب

نہ کوئی عابدِ شب خیز و مُصلّی ہوں میں
گھر کی مسجد ہے کہ جس کا مُتولّی ہوں میں

میں یہ سمجھا تھا عبادت کا تو کچھ ہوگا اثر مگر اللہ رے اُس نیک فرشتے کی نظر
مجھ سے بولا، یہ دلیلیں ہیں فروعی یکسر اَصل پر زَعمِ تقدس میں لگا دی ٹھوکر

حق جو بندوں کے ہیں واجب وہ چُکائے تم نے
یا فقط ڈھونگ ہی تقویٰ کے رَچائے تم نے

ناقدانہ کبھی طاعت پہ نظر بھی ڈالی ایک سجدہ بھی نہ تھا مکر و ریا سے خالی
یہ تو عالم ہے نمازوں کا جنابِ عالی رہ گیا صَوم، وہ اسلاف کی تھی نقالی

پاؤں کب جادۂ تسلیم و رضا پر رکھّا
روزے رکھے بھی تو احسان خدا پر رکھّا

مقصدِ صَوم کا اک دن بھی ہوا کچھ احساس بھوک کا فاقہ کشوں کی بھی کیا ہے کبھی پاس
کَب ہوئے سوختہ جانوں کے تصوّر سے اُداس تم کہاں اور کہاں گردِ غبارِ افلاس

وقتِ افطار گدا کا کبھی عقدہ کھولا
پھر مزہ یہ ہے کہ لذّات پہ روزہ کھولا

چار آنکھیں تو ذرا کیجیے اے نیک صفات بے حساب آپ کے سر پر نہیں کیا بارِ زکات
وہ سیاحت کے لیے حج کی تمنّا دن رات خمس تک میں ہے شش و پنج، کہاں کی خیرات

کب جہاد آپ نے تن کر صفتِ شیر کیا
نہ سہی یہ تو کبھی نفس کو بھی زیر کیا

سُن کے یہ لفظ کہا میں نے یہ ہو کر بیباک کب نہ تھے ہم ہنرِ جنگ میں چُست و چالاک
سرکشی اب بھی کرے کوئی جو زیرِ افلاک دَم میں خاک وہ اُڑائیں کہ جَری چاٹیں خاک

معرکے آج بھی لاکھوں سے پڑا کرتے ہیں
غیر تو غیر ہیں اپنوں سے لڑا کرتے ہیں

سُن کے دعوے یہ جہالت کے لقلبِ آگاہ ہنس کے رضواں نے کہا مجھ سے کہ ماشاءاللہ
آپ کی بُرّشِ شمشیر پہ دنیا ہے گواہ خانہ جنگی ہے دلیلِ حشم و عظمت و جاہ
مرحبا، عزم و حمیّت کے سبق یاد تو ہیں
آپ غازی نہ سہی آپ کے اجداد تو ہیں

کچھ بزرگوں کی شجاعت پہ نظر ہے کہ نہیں خون میں عزم کی گرمی کا اثر ہے کہ نہیں
جھک کے پہلو میں تو دیکھو وہ جگر ہے کہ نہیں بے خبر ہو کہ خبردار، خبر ہے کہ نہیں
دین سرسبز ہوا ذوقِ نمو سے اُن کے
سرخرو آج ہے اِسلام لہُو سے اُن کے

تیغ اُن کی تھی وہ بیباک کہ پتھر کاٹے کفر کی توڑی کمر، چیرے جگر، سر کاٹے
نیزہ و تیر قلم کر دیے، مِغفر کاٹے طائرِ روح پھڑکتے ہی رہے پر کاٹے
اُس کی دہشت سے تو خود موت بھی تھرّاتی تھی
جب وہ پھر چمکتی تھی اُس وقت قضا آتی تھی

تم میں لیکن وہ اِرادوں کی جوانی نہ رہی نام جس سے ہے سلف کا وہ نشانی نہ رہی
روحِ جرأت کی وہ ہنگامہ فشانی نہ رہی خوں وہی ہے مگر اس خوں میں روانی نہ رہی
وہ بھی لڑتے تھے مگر حق کی حمایت کے لیے
تم بھی لڑتے ہو مگر جہل و حماقت کے لیے

رگِ علمی پہ جو یہ سُن کے لگا اک نشتر جل گیا غیظ سے میں بھی صفتِ شمعِ سحر
آستینوں کو چڑھا کر یہ پکارا بڑھ کر مجھ سے علاّمہ پہ یہ جہل کی تہمت یکسر
اہلِ بینش کو بھی کیا جاہل و اعمیٰ سمجھا
کیا کہا، پھر تو کہو تم نے مجھے کیا سمجھا

شعرا میں ہے فصاحت کا مری شہرۂ عام کون ہے جس کو مرے حسنِ بیاں میں ہے کلام
لو گِنو تو سہی بندے کی تصانیف کے نام ہنس کے بولا کہ یہ تقویٰ کی تجارت ہے تمام
عمر بھر پرورشِ نفسِ دَنی کرتے رہے
راہبر بنتے رہے راہزنی کرتے رہے

میں پکارا کہ مرا کام ہے قومی خدمت   واعظانہ ہے مرا رنگِ سخن بے حجت
بولا رضوان کہ بس رہنے بھی دیجے حضرت   منہ سے خدمت کو جتایا تو جزا بھی رخصت
طلبِ جاہ کی منبر پہ یہ سب گھاتیں تھیں
وعظ و تبلیغ کہاں وہ تو فقط باتیں تھیں

غلط اندیش ہر اک فکر تو ہر راہ تھی کج   سعیِ دنیا میں قوی، راہِ خدا میں اَعرج
منبرِ مدح و ثنا پر وہ نرالی سج دھج   زورِ تقریر میں بپھرے ہوئے طوفاں کی گرج
یوں تو کہنے کو سبھی کچھ تھا مگر خاک نہ تھا
خاکساری کا تماشا تھا، اثر خاک نہ تھا

گو کہ رضواں کے یہ طعنے تھے بصیرت افروز   تیر کی طرح ہر اک طنز حسیں تھا دلدوز
میں نہ تھا پھر بھی کسی بات سے عبرت اندوز   نہ حیا تھی نہ خجالت، نہ کوئی ساز نہ سوز
مضحکہ خیز دلائل پہ نہ شرماتا تھا
بے حیائی کا تقاضا تھا کہے جاتا تھا

مُدعی تھا کہ مُسلّم مری عالی نسبی   ناز ہے مجکو سیادت پہ بأمّیِ وَ اَبی
بولا رضوان کہ اے ہاشمی و مُطّلبی   فخرِ اسلاف ہے بے حسنِ عمل بے اَدبی
اہل بن جائیں، یہ ہر گام نظر میں رکھیے
پسرِ نوح کا انجام نظر میں رکھیے

سُن کے یہ طعن جو دل کھانے لگا پیچ و تاب   مصلحت بولی کہ نرمی سے مناسب ہے جواب
ناز سے میں نے کہا بندۂ حیدرؑ ہوں جناب   قاسمِ نار و جناں ہے مرے مولا کا خطاب
دل جو عشقِ اسداللہ کا دیوانہ ہے
قبر کی شمع ہے یہ، خلد کا پروانہ ہے

بولا رضواں کہ سر آنکھوں پہ ولائے حیدرؑ   آ گئے بابِ جناں تک یہ اسی کا تھا اثر
ظاہرا عشق کا دعویٰ جو نہ ہوتا لب پر   پھونک ہی دیتا ابھی راہ میں دوزخ جل کر
غیر بھی غم میں پکارے تو بچا دیتے ہیں
عشقِ ناقص کا بھی فیاض صلا دیتے ہیں

اب رہے وہ جو حقیقت میں وِلا کے ہیں اسیر   دوست کے دوست مُعاند کے عدو بے تقصیر
باعمل، اہلِ ولا، نیک سِیَر، پاک ضمیر   جب وہ آتے ہیں سوئے خلد بفیضِ شبیرؑ

لبِ قدرت سے خود آتی ہے صدا آنے دو
در گزر کا ہے محل در سے گزر جانے دو

تم ہی منصف ہو تمھاری ہے کہ میری ہے خطا   میں نے روکا تو قدم خود ہی تمھارا نہ اُٹھا
جذبۂ حُبِّ علیؑ دل میں جو ہوتا سچّا   نہ جھجکتے نہ ٹھٹکتے نہ ٹھہرتے بخدا

عشقِ صادق ہے جنھیں وہ کہیں جھکتے ہی نہیں
بڑھ کے مانندِ مشیّت کبھی رُکتے ہی نہیں

آؤ بڑھ جاؤ جو طاقت نے دیا ہو نہ جواب   سُن کے یہ طعن، کہا میں نے بگڑ کر کہ جناب
میہماں سے یہ سخن اور یہ جگر سوز خطاب   کچھ تو ملحوظ رہیں خُلقِ نبیؐ کے آداب

یہ سلوک آپ کا جنّت کے تمنّائی سے
آپ واقف ہی نہیں طرزِ پذیرائی سے

وہ پکارا، اِسی ضد نے تو کیا تجھ کو حقیر   چھوڑ دے اب بھی تو بن جائے بگڑتی تقدیر
عَرَقِ شرم سے دھو نامۂ جرم و تقصیر   ورنہ یہ حجّت و تکرار ہے سب بے تاثیر

روسیاہی نہ مٹے گی کبھی اس غازے سے
گر یہی ہٹ ہے تو ہٹ خلد کے دروازے سے

سُن کے یہ کلمۂ تحقیر جو غیرت جاگی   سحرِ ابلیس مٹا چشمِ حقیقت جاگی
باتوں باتوں میں جو احساس کی قوت جاگی   صفتِ طالعِ حُر خواب میں قسمت جاگی

پھر گئی آنکھوں میں عصیاں کی سیاہی توبہ
منہ سے بے ساختہ نکلا کہ الٰہی توبہ

فیضِ توبہ سے جو تلبیس کا جادو ٹوٹا   پھر نہ طاعت پہ وہ تھا ناز نہ وہ زہدِ ریا
خون، اخلاص کا رہ رہ کے رگوں میں دوڑا   آئی آواز کہ رضواں یہ ہے قائم بہ رضا

لاکھ مانع ہوں تو مانے گا کسی طور نہیں
شاعرِ آلِ محمدؐ ہے کوئی اور نہیں

یہ صدا سن کے کھلی ناز سے شاعر کی زباں — میں ہوں تلمیذِ خداوندِ رحیم و رحماں
حق نے بخشا ہے بہ ہر رنگ مجھے زورِ بیاں — مرثیہ حُیت ، غزل فرد ، قصیدہ ذیشاں
طبعِ آزاد تقیّد پہ رضامند نہیں
بخدا مجھ پہ کسی بیت کا در بند نہیں

رزم لکھوں تو نگاہوں میں پھرے نقشۂ جنگ — بزم لکھوں تو جمے محفلِ اعدا میں بھی رنگ
نصرتِ حق کی جو بھر دوں دلِ ملت میں امنگ — ہم ردیفوں کا ہو باطل کے ابھی قافیہ تنگ
نظمِ دلدوز کا خنجر جو رواں ہو جائے
قطع اک قطعہ سے منکر کی زباں ہو جائے

میرے شعروں سے ہوئی حق کی حمایت سو بار — چل گئی ہے مرے مصرعوں سے عدو پر تلوار
خندق و بدر و اُحد پر جو کہے ہیں اشعار — پھول ہیں مدحِ شجاعت کے جو باغی کو ہیں خار
حالِ خیبر صفِ اعدا میں بہ تفصیل پڑھا
اُڑ گئے رنگ جو ذکرِ پرِ جبریلؑ پڑھا

اِس قدر کیوں نہ مؤثر ہو مری نظم سلیس — فیضِ جبریلؑ مرے ذہنِ رسا کا ہے جلیس
میرا اُستاد دمِ فکرِ سخن ، طرزِ انیسؒ — وہ انیس ایک جو تھا خالقِ ہر رنگِ نفیس
برگِ گل میں ہوں وہ اک نخلِ برومندِ سخن
خسروِ مملکتِ نظم ، خداوندِ سخن

میرا کیا منہ ہے جو فردوس کی کھینچوں تصویر — غازیوں کا وہ محل ، جہدِ عمل کی تعمیر
سازِ تزئینِ مکاں ذوقِ مکیں کی تفسیر — در پہ لٹکی ہوئی حیدرؑ کی دو دھاری شمشیر
دبدبہ وہ کہ قدم ڈر کے فرشتا رکھّے
چوبداروں میں عصا دوش پہ موسیٰؑ رکھّے

طاق و محراب میں تھا صاف کمانوں کا جو خم — حور و غلماں کی نگاہیں بھی نہ تھیں تیر سے کم
اُف وہ ابروئے کشیدہ کی کشش کا عالم — جذبۂ حق طلبی جاگ اُٹھے ، حق کی قسم
تھے قبالے جو ملکِ عیشِ دوامی کے لیے
عملِ خیر بھی حاضر تھے سلامی کے لیے

چاندنی کی وہ زمیں رشکِ سریرِ دَولت　　　نورِ وحدت کے منارے وہ نشانِ عظمت
وہ ستونوں کی قطاریں بجلال و رفعت　　　جیسے صف بستہ جوانانِ کشیدہ قامت
رعب طاری تھا نظارے کا نظر بازوں پر
نام کندہ تھا درِ علم کا دروازوں پر

اللہ اللہ وہ چمن زارِ ارم کے منظر　　　وہ تجلّی کہ نگاہوں کو نہ تھی تابِ نظر
وہ چھلکتی ہوئی پُرنور شرابِ کوثر　　　نخلِ طوبیٰ میں وہ حیدرؑ کی ولایت کے ثمر
فَادْخُلُوهَا کی بشارت جو صبا لاتی تھی
وَاشْرِبُوا کی لبِ کوثر سے صدا آتی تھی

جام میں دیدۂ مخمور کا جلوہ دیکھا　　　ہر روِش شاہدِ مستور کا جلوہ دیکھا
بھر گئے زخم جو انگور کا جلوہ دیکھا　　　ہر شجر میں شجرِ طور کا جلوہ دیکھا
سازو ساماں تھے خدا سازِ دل افروزی کے
سبز پودے علمِ سبز تھے فیروزی کے

چادرِ نور کی بوٹی وہ سنہری دیکھی　　　جس کی رنگت کہیں ہلکی کہیں گہری دیکھی
کہیں دوہری تو کہیں بیل اکہری دیکھی　　　فرشِ کمخواب پہ سونے کی سمہری دیکھی
خود وہ کھو جائے جو طوبیٰ کا سماں پا جائے
چھاؤں جس کی وہ گھنیری ہے کہ نیند آجائے

سائباں سایۂ الطافِ خداوندِ قدیر　　　فرش پا اطلس و استبرق و دیبا و حَریر
سبز اور سُرخ وہ ایوان کہ جن پر تحریر　　　قصرِ پُرنورِ حسنؑ، بیتِ جنابِ شبیرؑ
آئنے دنگ ہیں اسکندرِ دوراں کی قسم
آیتیں نقش بدیوار ہیں قرآں کی قسم

وہ ہر اک شیشۂ رنگیں سے اُبلتا ہُوا نور　　　ساغرِ نور میں وہ جلوۂ صہبائے طہور
وہ ہر اک رنگ سے یک رنگیٔ قدرت کا ظہور　　　وہ سوادِ شبِ گیسو، وہ بیاضِ رُخِ نور
پھول کھِل کھِل کے یہ کہتے ہیں تری شان اللہ
غنچہ غنچہ گُلِ تسبیح ہے۔ سبحان اللہ

ایک کیاری میں عجب رنگ کے دیکھے پودے　　پھول جن کے ہیں سفید، اُن پہ گلابی دھبّے
خون جیسے کسی غازی کی رگوں میں دوڑے　　سبز پتّوں کے پھریرے پہ لہو کے چھینٹے
جعفری رنگ جو شاخوں میں ہے گلکاری کا
گُلِ عبّاس نمونہ ہے وفاداری کا

کچھ عجب موسمِ دلکش کے رموز و اسرار　　کچھ عجب وقت کہ ہر وقت سراپا انوار
کچھ عجب شب ہے کہ جس پر سحرِ عید نثار　　کچھ عجب دن ہے کہ جس میں شبِ اسریٰ کا نکھار
دیکھ کر سبزۂ بالیدہ کو نیند آتی ہے
رات کی جاگی ہوئی اوس گری جاتی ہے

وہ فضا ہے کہ دلِ زار بھی مایوس نہیں　　بُوئے گُل بھی قفسِ برگ میں محبوس نہیں
واں کے دلبر بھی تو اغیار سے مانوس نہیں　　اتنی بے داغ وہ بستی ہے کہ طاؤس نہیں
ڈالی ڈالی پہ جو رضواں نے نظر ڈالی ہے
زرد پتّی کوئی ہوگی تو کتر ڈالی ہے

لبِ تسنیم کلیلوں میں وہ سرشار طیور　　چُپ رہیں جب تو ہیں توریت جو بولیں تو زبور
غوطے کھا کھا کے جو اُڑتے ہیں بصد لطف و سرور　　پھڑپھڑاتے میں برستا ہے پَر و بال سے نور
خود گرے بھُن کے بہشتی جو طلب گار ہوئے
کھا لیا جب تو پھر اُڑ جانے کو طیّار ہوئے

سبز پوشانِ ارم کا وہ لبِ جُو منظر　　خضر اِستادہ ہوں جس طرح کسی چشمے پر
موجیں بیتاب کہ جن پر یہ گماں ہے یکسر　　روح مستوں کی تڑپتی ہے بروئے کوثر
کہتی ہے خنکیِ ساحل دلِ نورانی سے
پیاس اک عمر کی بجھتی ہے اسی پانی سے

سلسبیل آبِ رواں پہنے ہوئے رشکِ چمن　　دودھ پیتے ہوئے بچّے کی طرح پاک لبن
گُلِ رنگیں کا وہ جلوہ وہ کلیِ غنچہ دہن　　وہ پیمبرؐ کی جوانی، یہ علیؑ کا بچپن
نام پھولوں پہ محمدؐ کا جلی لکھا ہے
صاف پہلو میں محمدؐ کے علیؑ لکھا ہے

الفتِ آلِ محمدؐ کا ہے ذوق اِتنا عام   کوئی لیتا ہوا گزرا جو یداللہ کا نام
گل نے صلوٰت پڑھی شاخ جھکی بہرِ سلام   ہو گئے اک نگہِ مہر سے غلمان غلام
حور شرما کے پکاری کہ میں قربان گئی
جانے والے اِدھر آ، جان چلی، جان گئی

وہ لبِ حور کہ غنچوں کی نزاکت صدقے   زلف و عارض پہ شب و روز کی طاعت صدقے
صفِ مژگاں پہ فرشتوں کی جماعت صدقے   وہ قیامت قد و قامت کہ اقامت صدقے
یہ ادا صورتِ دلکش کی غضب ڈھاتی ہے
جیسی ہم چاہتے ہیں ویسی ہی بن جاتی ہے

ان حسینوں کے وہ غرفوں سے اشاراتِ حسیں   ماہ رُو، عربدہ جُو، غالیہ مُو، زہرہ جبیں
پیکرِ حسن و نزاکت، نمکین و شیریں   اُن کی تعریف ان الفاظ میں ممکن ہی نہیں
لاکھ مضمون تراشے کوئی مدحت کے لیے
استعارے ہیں سب اظہارِ حقیقت کے لیے

ایک تو ایسے حسیں دوسرے حسنِ تنظیم   مل کے ان سب سے بڑھا ولولۂ جہدِ عظیم
وجد انگیز وہ کھلتے ہوئے غنچوں کی شمیم   صحن میں جس سے صبا مست تو ڈیوڑھی پہ نسیم
ذہن میں عشقِ زلیخا کا جواب آنے لگا
درِ جنّت پہ پہنچتے ہی شباب آنے لگا

شوق نے مجکو بڑھایا جو بصد جوش و خروش   بولا رضوان کہ اے شاعرِ ہنگامہ فروش
بے خبر، خواب میں ہے تُو، یہ نہیں عالمِ ہوش   حسرتِ جنّت و کوثر ہے تو برخیز و بکوش
عالمِ خواب میں فردوس کی تصویر یہ ہے
کام لے دیدۂ بیدار سے، تعبیر یہ ہے

یہ سخن سُن کے جو ٹوٹا وہ طلسمِ غفلت   کیا بتاؤں جو ہوئی قلبِ حزیں کی حالت
آنکھیں مل کر جو نظر کی بہ نگاہِ حسرت   نہ وہ جنّت ہے نہ رضوان نہ بحث و حجّت
کشمکش ہے نہ کشاکش میں سفینہ باقی
غیرتِ بے عملی کا ہے پسینہ باقی

ہاں مگر خواب کی منزل سے بہت دُور کہیں — محوِ فریاد ہیں کچھ لوگ بہ آوازِ حزیں
درد انگیز وہ نالے وہ بیانِ غمگیں — شور وہ سینہ زنی کا کہ لرزتی ہے زمیں
خاک اُڑاتی ہوئی خود بادِ صبا آتی ہے
دُور سے ہائے حسینا کی صدا آتی ہے

ناگہاں ہاتفِ غیبی نے بصد درد کہا — اُٹھ عزادارِ حسینی کہ یہ ہے فصلِ عزا
خلوتِ غم سے نکل مجلسِ شبیرؑ میں آ — مجتبیٰؑ روتے ہیں گریاں ہیں جنابِ زہراؑ
خود نبیؐ اور علیؑ آہ و بُکا کرتے ہیں
رونے والوں کو نہ غم ہو یہ دعا کرتے ہیں

ہو نہ یہ چشمِ کرم اہلِ عزا پر کیونکر — اُس کو روتے ہیں یہ سب کوئی نہ رویا جس پر
اُس کو روتے ہیں جو دریا پہ رہا تشنہ جگر — اُس کو روتے ہیں رُلاتے تھے جسے باقیِ عمر
اُس کو روتے ہیں کہیں جس کی عزا ہو نہ سکی
جس کے لاشے پہ کبھی جی بھر کے بہن رو نہ سکی

کیوں نہ روئیں کہ ہے زہراؑ کی تمنا یہ عزا — کیوں نہ روئیں کہ محمدؐ کا ہے وعدہ یہ بُکا
پڑھ کے محضر کو وہ بیٹی کا نبیؐ سے کہنا — آپ جب ہوں گے نہ شبیرؑ نہ شہِ عقدہ کشا
کون پھر روئے گا بابا مرے جانی کے لیے
کم سے کم ماں تو رہے اشک فشانی کے لیے

بولے احمدؐ کہ نہ غمگیں ہو مری راحتِ جاں — غیب سے ہوں گے مسافر کی عزا کے ساماں
روئیں گے سینہ و سر پیٹ کے اہلِ عرفاں — حشر تک ہوگی ترے لال پہ فریاد و فغاں
وعدہ احمدؐ کا بہرحال وفا ہونا ہے
ہم کو تصدیقِ پیمبرؐ کے لیے رونا ہے

ہم اُسے روتے ہیں ہر شادی و غم میں اوّل — جس کے صدقے میں مِلا ولولۂ عزم و عمل
دینِ احمدؐ کی بقا جس کی دلیرانہ اجل — دستِ زخمی نہ ہوئے جس کے دمِ مرگ بھی شل
جس نے تسبیح پڑھی، گھر کے ستمگاروں میں
جس نے تکبیر کہی تیغوں کی جھنکاروں میں

وہ جو اسلام کا معصوم تو معتوب یزید   جو تہِ تیغِ ستم حافظِ قرآنِ مجید
وہ نمازی و مصلّی وہ فدائے توحید   ہو گیا عصر کے جو سجدۂ آخر میں شہید
زورِ حق سے کمرِ ظلم و شقاوت توڑی
دم بھی ٹوٹا تو نہ باندھی ہوئی نیت توڑی

وہ تمناسائے وفا واقفِ ہر درد و الم   بیشۂ صبر و تحمل کا گرسنہ ضیغم
جس کے پالے ہوئے بچوں میں یہ تھا جذبۂ غم   سینے نیزوں پہ رکھے دیتے تھے وہ اہلِ ہمم
بوڑھے بیتاب کہ جلدی سوئے مقتل جائیں
اس پہ مچلے ہوئے بچے کہ ہم اوّل جائیں

تھے بہت شوقِ شہادت میں جو غازی دلگیر   بڑھ کے کھانے لگے تیغ و تبر و خنجر و تیر
سیر چشمی سے لٹانے لگے گھر کو شبیرؑ   دودھ کی فاطمہ زہراؑ کے یہی تھی تاثیر
ساتھ میں لائے تھے جن کو وہ مسافر نہ رہے
دوست بچپن کے حبیب ابنِ مظاہر نہ رہے

ناز تھا جن پہ رفاقت کو وہ یاور بچھڑے   نوجوانوں کے سوا چند گلِ تر بچھڑے
عون سے شیر، محمدؐ سے دلاور بچھڑے   بیوۂ مسلمِ مظلوم کے دلبر بچھڑے
غنچہ لب ذبح ہوئے خوں سے زمیں لال ہوئی
لاش تک قاسمؑ ناشاد کی پامال ہوئی

کون سہ سکتا ہے وہ ظلم جو صابر نے سہا   پاسِ خودداریِ جذبات ہر اک غم میں رہا
سامنے آنکھوں کے خوں قوتِ بازو کا بہا   تھام لی صرف کمر وا اسفا تک نہ کہا
کٹ گئے ہاتھ نہ تھرّائے مگر پائے حسینؑ
علم و مشک ترائی سے اٹھا لائے حسینؑ

ہائے غربت میں بچھڑ جائیں وہ نازوں کے پلے   جو نہالِ چمنِ حسن نہ پھولے نہ پھلے
مائیں دم توڑتے دیکھا کریں اور بس نہ چلے   باپ دل تھام کے رہ جائے پھوپی ہاتھ ملے
کس نے یہ گردشِ دوراں کا تماشا دیکھا
بیاہ کے بدلے جواں لال کا لاشا دیکھا

رَن میں جب شاہ کے دلدار نے برچھی کھائی   گھر کے نو لاکھ میں جرّار نے برچھی کھائی
بھوک اور پیاس میں ناچار نے برچھی کھائی   ثانیِ احمدؐ مختار نے برچھی کھائی
غل اُٹھا خاتمۂ فوجِ شہِ پاک ہوا
ماں کا دل چھد گیا، بابا کا جگر چاک ہوا

برچھی کھاتے ہی کچھ اس طرح سے اکبرؑ تڑپے   زیں پہ سنبھلا نہ گیا، خاک پہ گِر کر تڑپے
باپ کے قلب و جگر گو کہ برابر تڑپے   پھر بھی صابر تھے کچھ ایسے کہ نہ سرور تڑپے
دل سنبھالے ہوئے رن کو شہِ دلگیر چلے
ننگے سر برہنہ پا حضرتِ شبیرؑ چلے

دل یہ کہتا تھا مبارک مرے جانی اکبرؑ   آج مقبول ہوئی نذرِ جوانی اکبرؑ
لب یہ کہتے تھے کہ نانا کی نشانی اکبرؑ   ابھی ٹھہرے رہو اے احمدؐ ثانی اکبرؑ
یہ تمنّا نہیں باتیں دمِ رخصت کر لوں
صرف اکبار پیمبرؐ کی زیارت کر لوں

اے مرے گھر کے اُجالے تمھیں ڈھونڈوں میں کہاں   نہ تو آنکھوں میں بصارت نہ مرے تن میں تواں
دشتِ غربت میں کمر توڑ گئے بھائی جاں   رن سے قاسمؑ کو ذرا بھیج دو بابا قرباں
ٹھوکریں راہ میں کھاتا ہوں سنبھالو بیٹا
نہر پر سوتے ہیں عمّو کو بلا لو بیٹا

ہائے وہ مرگِ جواں اور وہ مظلوم پدر   آہ بیتاب تھی، آنسو بھی تھے بے چین مگر
اشک پی جاتے تھے یہ کہہ کے شہِ تشنہ جگر   حق پہ قربان ہیں لاکھوں ہوں جو اکبر سے پسر
ناگہاں ضعف سے تھرّا کے سرِ خاک گرے
کھا کے ٹھوکر کسی زخمی پہ شہِ پاک گرے

تنِ بسمل سے لپٹ کر یہ پکارے مولا   تو مرا لال ہے یا اور کسی کا بیٹا
چونک کر غش سے کہا اُس نے کہ اے مردِ خدا   اپنے فرزند کا کچھ نام بتایا نہ پتا
بولے شبیرؑ کہ ہم صورتِ پیغمبرؐ ہے
نام ناشاد و جواں مرگ علی اکبر ہے

یہ سخن سنتے ہی بسمل نے تڑپ کر یہ کہا السّلام اے جگر و جانِ علیؑ و زہراؑ
بولے شہ کون۔ مرے لال، کہا ہاں بابا باپ نے پوچھا کہاں زخم لگا ہے بیٹا
بولا فرزند کلیجے پہ سناں کھائی ہے
الفراق اے شہِ دیں ہونٹوں پہ جاں آئی ہے

دل میں رہ رہ کے کھٹکتی ہے سناں بابا جاں یہ نکل جائے تو ہو نزع کی مشکل آساں
پسرِ فاطمہؑ نے سُن کے یہ پُر درد بیاں کھینچ لی پھیر کے منہ سینۂ اکبرؑ سے سناں
بولے اکبر کہ مرے صابر و شاکر بابا
وقتِ رحلت ہے خدا حافظ و ناصر بابا

کہتے کہتے یہ سخن، شیر کا منکا جو ڈھلا بولے شبیرؑ وصیت تو کرو کچھ بیٹا
عرض کی ہوش میں آئیں جو اخی زینِ عبا ان کو فدوی کا یہ پیغام سنا دے فضّا
غم رہے آپ کو یا حال پریشان رہے
پر مری اماں کے پردے کا ذرا دھیان رہے

یہ سخن سُن کے رخِ پاک پہ زردی چھائی گود میں باپ کی بیٹے نے شہادت پائی
ناگہاں خیمے کی جانب سے یہ آواز آئی کس طرف ہیں مجھے اکبر سے ملاؤ بھائی
وقتِ آخر تو جواں لال کو رخصت کرلوں
مجھ کو سہرا نہ دکھایا یہ شکایت کرلوں

میرے ماںجائے کی پیری کا سہارا ہے کہاں اے زمیں بول مرا راج دلارا ہے کہاں
اے فلک کچھ ہے خبر آنکھوں کا تارا ہے کہاں تو ہی اے نہر بتا پیاس کا مارا ہے کہاں
غم سے تڑپا یہ صدا سُن کے جری کا لاشہ
رہ گیا کانپ کے ہمشکلِ نبیؐ کا لاشہ

صبرِ ایوب ہو اس باپ کی ہمت پہ فدا جس نے منکے کو جواں لال کے ڈھلتے دیکھا
اُف نہ کی منہ سے غم و نوحہ و فریاد تو کیا سر اُٹھا کر سوئے افلاک کہا شکرِ خدا
تیری تائید سے قابو میں رہا دل یارب
امتحاں کی یہ بڑی سخت تھی منزل یارب

اپنے نانا کی عبا ڈال کے پھر میّت پر لاش اُٹھانے کو کسی دلبرِ حیدر نے کمر
ناگہاں پڑ گئی عبّاسؑ کے لاشے پہ نظر آہ کر کے یہ پکارا اسدِ حق کا پسر
اُٹھ گئے سارے مددگار ہمارے بھیّا
کچھ خبر ہے تمھیں اکبر بھی سدھارے بھیّا

کون اب دل کو سنبھالے یہ بتاؤ عبّاسؑ چاہنے والوں کو مقتل سے بلاؤ عبّاسؑ
قاسم و عون و محمّد کو بھی لاؤ عبّاسؑ نہر پہ سوتے ہو کیا چین سے آؤ عبّاسؑ
دشت کی دھوپ میں ہے شیرِ ژیاں کا لاشہ
ہم اُٹھاتے ہیں ضعیفی میں جواں کا لاشہ

رہ گیا لاشۂ عبّاس تو کروٹ لے کر لاش بیٹے کی اُٹھا لائے شہِ جن و بشر
یا علیؑ شیرِ خدا ، فاتحِ بابِ خیبر آپ اشجع ہیں کہ یہ آپ کا مظلوم پسر
میں بھی اک بات کہوں اب جو ہے ثابت مولا
درنہیں یہ ہے جواں بیٹے کی میّت مولا

اب قلم روک نسیم اور یہ کر حق سے دُعا واسطہ اکبرِ ذی جاہ کا اے ربِّ ہُدا
استقامت وہ جوانوں کو ہمارے ہو عطا ہر قدم یاد ہو عزم و عملِ کرب و بلا
موت کے سامنے گھبرائیں نہ یہ ڈر کے رہیں
اپنا سینہ تری ملّت کی سپر کر کے رہیں

نظرثانی: ۱۹۴۳ء / ۱۹۶۲ء

(۱۹۵۳ء میں فلسفۂ غم کے عنوان سے امامیہ مشن لاہور نے، اور اس سے پہلے ۱۹۴۵ء میں شیعہ اسکول جونپور نے شائع کیا)

غم ہے تحریکِ عمل غم ہے سرانجامِ عمل — غم کی تلخی بشریت کے لیے جامِ عمل
غم ہے احساس اور احساس ہے پیغامِ عمل — غم سے محروم ہے جو دل وہ ہے ناکامِ عمل
نظمِ فردا کے لیے۔ عزم کا ڈھانچا یہ ہے
جس میں ڈھلتے ہیں رضا کار وہ سانچا ہے

ہے مشیت کا عطیہ خلشِ نشترِ غم — چشمِ ظاہر میں ستم۔ دیدۂ باطن میں کرم
جوششِ عیش و طرب ہے کوئی لمحہ کوئی دم — غم۔ رفیقِ دل و جاں ہے۔ ابدیت کی قسم
بحرِ آفات کا جاں بخش کنارا ہے یہی
ڈوبتے کے لیے تنکے کا سہارا ہے یہی

ہے یہی محفلِ ہستی کا ازل سے دستور — غم کے احساس سے کمتر ہو مسرت کا شعور
آدمی ہوتا ہے جب حد سے زیادہ مسرور — فطرتِ غم کا وہیں غیب سے ہوتا ہے ظہور
دل کے لبریز پیالے جو چھلک جاتے ہیں
اشک ہنستی ہوئی آنکھوں سے نکل آتے ہیں

شادی و غم کا یہ ہے باغِ جہاں میں معمول — اشک بہہ جاتے ہیں شبنم کے۔ اگر ہنستے ہیں پھول
نغمۂ عیش کے مخصوص ہیں اوقات و اصول — بلبلِ زار کے نالے ہیں ہمیشہ مقبول،
عشق رسمی نہ رہے۔ حسن رواجی نہ رہے
نکہتِ گل میں جو آشفتہ مزاجی نہ رہے

فطرتِ عشق تو مشہور ہے خود درد نواز — حسنِ معصوم بھی ہے زیورِ غم سے ممتاز
چرخ پر مہرِ درخشاں۔ ہمہ تن سوز و گداز — دل کے اک داغ پہ مہتابِ جہاں تاب کو ناز
دامنِ چاک گریباں میں سحر پلتی ہے
شمع بھی زینتِ محفل ہے اگر جلتی ہے

ہم نے مانا طرب انگیز طبیعت ہے سرور   جوش کھاتا ہے لہو جس سے۔ وہ غم کا ہے وفور
قہقہہ جا کے کسی حد پہ ٹھہرتا ہے ضرور   غم مگر روح کے ہمراہ ہے تا حدِّ شعور
دل میں جو درد رکھے عاقل و فرزانہ ہے
جو ہنسا کرتے ہیں سب کہتے ہیں دیوانہ ہے

نظمِ عالم سے ہے دلدوزیٔ غم کا اثبات   تپش اندوز ہے دن اور سیہ پوش ہے رات
غم سے تحریک میں رہتے ہیں ہمیشہ جذبات   یہ جو مٹ جائے تو رک جائے ابھی نبضِ حیات
ہے خوشی دل کا سکوں اور سکوں خوابِ عمل
غم خلش اور خلش جنبشِ مضرابِ عمل

عیش وہ جام کہ مستی کا اثر لاتا ہے   غم وہ خنجر کہ دل و روح کو تڑپاتا ہے
لاکھ میٹھی ہو خوشی دل ہے کہ بھر جاتا ہے   غم چھڑکتا ہے نمک بھی تو مزہ آتا ہے
داند آنکس کہ بہ پہلو دل غمگیں دارد
صبر تلخ است و لیکن بر شیریں دارد

گریۂ غم سے ہے یوں فطرتِ انساں شاداب   جس طرح قطرۂ شبنم سے شگفتہ ہو گلاب
دل بہت ہوتا ہے جب دردِ نہاں سے بیتاب   اُف کے شعلے پہ تڑپتا ہے عمل کا سیماب
عیش جاگے ہوئے جذبے کو سُلا دیتا ہے
درد۔ سویا ہوا احساس جگا دیتا ہے

اشک اور آہ سے ممکن نہیں دنیا میں مفر   گلشنِ دہر میں روتا ہوا آتا ہے بشر
دستِ دایہ میں نہ روئے کوئی مولود اگر   عین شادی میں گہر بار ہو چشمِ مادر
رونے والوں کو نہیں، وجہِ ندامت رونا
نوعِ انساں کے ہے جینے کی علامت رونا

زندگی جن کی نظر میں ہے حیاتِ عشرت   جو تبسم کو سمجھتے ہیں متاعِ راحت
خندۂ گل کو تو دیکھیں وہ بچشمِ عبرت   گلِ رعنا کی ہنسی۔ برقِ بلا کی دعوت
پایا ہنسنے کا صلہ۔ خوب گلِ رنگیں نے
مسکرایا وہ جونہی توڑ لیا گلچیں نے

خندہ و گریہ ہے گو لازمۂ نوعِ بشر — ماتم و عیش میں اک فرق نمایاں ہے مگر
مسکراہٹ ہے عرض۔ اشکِ عزا ہے جوہر — وہ تصنّع یہ حقیقت۔ وہ توقع یہ ثمر

فلسفی کوئی بھی ہو۔ غم کا وہ ہمراز نہیں
دل کا جذبہ ہے بُکا، عقل کی پرواز نہیں

غم بہر حال ہے رازِ بشریت کا امیں — غمِ جاناں۔ غمِ انساں۔ غمِ دنیا۔ غمِ دیں
تپشِ دل سے ہے خالی کوئی ذی روح کہیں — ہاں وہی غم سے تہی ہے جسے احساس نہیں

لاکھ بے حس ہو کوئی۔ اس پہ بھی غم طاری ہے
انتہا یہ ہے کہ پتھر میں بھی چنگاری ہے

آدمی ہوتا ہے جب حد سے زیادہ دلتنگ — اشک بن جاتے ہیں بیداریِ فطرت کی اُمنگ
یہ بدل دیتے ہیں ہستی کے خدوخال کا رنگ — صاف ہو جاتا ہے آئینۂ احساس کا زنگ

قلب یوں اشکِ مسلسل سے سنور جاتے ہیں
جیسے بارش میں چمن دُھل کے نکھر جاتے ہیں

آنکھ میں آتے ہیں جب دل سے چھلک کر آنسو — بن کے سیماب تڑپتا ہے رگ و پے میں لہو
واقعہ یہ ہے کہ ہیں اشک وہ زندہ جادو — جن میں فطرت کے جھلکتے ہیں ہزاروں پہلو

بہتے بہتے کبھی عارض پہ جو آجاتے ہیں
دل میں یہ مردمِ بینا کے سما جاتے ہیں

دیکھ لے دیدۂ بینا۔ یہ گہر ہیں انمول — رول۔ یہ اشک نہیں۔ گوہرِ نایاب ہیں رول
راز کھُل جائیں گے فطرت کے ذرا آنکھ تو کھول — تولنا ہے تو فقط نوکِ مژہ پر انہیں تول

بے زباں ہیں۔ یہ زبانِ دلِ آشفتہ ہیں
صدفِ قلب کے گویا دُرِ ناسفتہ ہیں

علمِ نفسِ بشری کا ہے تقاضا پیہم — ڈوب جا بحرِ الم میں تو ملے فطرتِ غم
بارگاہِ احدی میں جو سرِ عجز ہے خم — جذبۂ غم کی بدولت ہے۔ مشیت کی قسم

عیش میں زُہد بھی معبود سے پھر جاتا ہے
غم میں کافر کو بھی اللہ ہی یاد آتا ہے

نشۂ عیش سے جب روح بشر ہو سرشار — عقل و ادراک پہ طاری ہو جوانی کا خمار
ہمہ تن ولولۂ زلف و مذاقِ رخسار — ساغر عیش بکف لیلئ عشرت بکنار
ایسے عالم میں جو دل غم میں کہیں گِھر جائے
وہ لگے سیلی احساس کہ مُنہ پھر جائے

جتنا ہوگا۔ یہ غم و درد کا گہرا احساس — نام سے بھی طرب و عیش کے آئے گا ہراس
قصدِ عصیاں پہ یہی قلب کو ہوگا وسواس — جیسے بیٹھا ہے کوئی ٹوکنے والا مرے پاس
سرکشی حق سے جہاں نفسِ دَنی کرتا ہے
غم گناہوں کی وہاں بیخ کنی کرتا ہے

جو یہ کہتے ہیں کہ گریہ ہے شجاعت کے خلاف — اُن کا یہ دعویِ باطل ہے حقیقت کے خلاف
یہ نہ فطرت کے مخالف ہے نہ عادت کے خلاف — ہاں اگر ہے تو یہ مستی و غفلت کے خلاف
عشقِ پُر جوش میں ذوقِ دلِ حساس بھی ہے
ہم بھی اے کاش وہاں ہوتے یہ احساس بھی ہے

نظمِ قدرت کے ہیں یہ راز بھی کیا معنی خیز — جذبۂ غم کو ہیں فطرت کے مناظر مہمیز
دردِ فرقت کی کسک ہوتی ہے گلزار میں تیز — چاندنی باعثِ تسکیں ہے۔ مگر غم آمیز
دل کی دھڑکن سی نجومِ فلک افروز میں ہے
غم۔ وہ نغمہ ہے کہ ہر ساز میں ہر سوز میں ہے

یہ عطیہ ہے بقدرِ طلب اہلِ ہمم — تنگ ظرفوں کے مقدر میں کہاں نعمت غم
کیا خس و خار کریں جورِ خزاں کا ماتم — غنچہ و گل پہ ہے گلچیں کی فقط چشمِ کرم
پھول تو پھول ہیں۔ کانٹے ہیں یہ کس دن کے لیے
نہ بہار ان کے لیے ہے نہ خزاں ان کے لیے

موجِ کجرو کو نہیں حلقۂ گرداب کا ڈر — اپنی والا گہری سے ہیں بلاؤں میں گہر
فکرِ جوہر میں تراشے نہیں جاتے پتھر — یہ تو ہیرے کا کلیجہ ہے۔ زمُرّد کا جگر
غم ہے اتنا ہی سوا۔ جس کا شرف جتنا ہے
خار پھولوں میں بھی ہیں۔ عطر میں بھی فتنا ہے

مورِ بے مایہ نہیں دامِ بلا میں نخچیر — یہ تو شاہین کی قسمت کی ہے ۔ ہُما کی تقدیر
کب ہے سوزن کے مقدر میں بکُش اور بگیر — موت کے مُنہ میں در آتی ہے چمکتی شمشیر

دستِ صیّادِ جفا جو نہیں ماتم کے لیے
غم ہمارے لیے زیبا ہے تو ہم غم کے لیے

غم کی تحریک سے گو روحِ عمل ہے توأم — پھر بھی ہر غم سے نہیں گیسوئے فطرت برہم
مر مٹے راہِ خدا میں جو شہیدانِ ستم — غیر فانی ہے جو ماتم تو انہیں کا ماتم

پائیداری کی کوئی حد ہے نہ اندازہ ہے
آج تیرہ سو برس بعد یہ غم تازہ ہے

بھول سکتا ہے کوئی کرب و بلا کا احوال؟ — زخمِ تن ۔ تشنہ لبی ۔ موت ۔ غمِ اہل و عیال
مامتا ماؤں کی وہ فدیۂ عرفانِ کمال — روشِ صبر سے وہ باپ کی فطرت پامال

نوکِ خنجر سے ہر اک دل کی گرہ کھلتی تھی
اِن جفاؤں کی ترازو میں وفا تُلتی تھی

امتحانِ بشریّت کی یہی ہے میزان — خوف اور بھوک زر و مال و گھر کا نقصان
جان کیا مال ہے ۔ اولاد کا خطرہ ہر آن — صبر ایسے میں ہے تکمیلِ بشر کی پہچان

شکوے کرتے ہی نہیں غم کی فراوانی کے
کارنامے ہیں یہی جذبۂ ایمانی کے

مرضیِ حق کی بشارت ہے اُسی کی خاطر — جان دے یوں جو فقط دینِ نبی کی خاطر
آپ غم جھیلے ۔ زمانے کی خوشی کی خاطر — دل کے ٹکڑوں سے کرے ظلم شقی کی، خاطر

غیر شبیر ۔ تو ایسا کوئی جرّار نہیں
غم کے حلقے میں ہے اور غم میں گرفتار نہیں

کون شبیر ۔ وہ خورشیدِ ضیا بارِ عمل — گلِ بُستانِ علی ۔ نزہتِ گلزارِ عمل
پیکرِ صبر و سکوں ۔ کوہِ گراں بارِ عمل — خود بڑا اسرار ۔ مگر محرمِ اسرارِ عمل

جو محمد بھی ہے اور حیدرِ کرّار بھی ہے
صبر کی ڈھال بھی ہے حلم کی تلوار بھی ہے

کون شبیر۔ وہ اک آئینۂ ذات وصفات
تشنگی جس کی ہے سیرابیٔ گلزارِ حیات
زندگی جس کی ہے اخلاص کی اک نہرِ فرات
بیکسی جس کی ہے اک فوجِ ظفر موجِ ثبات

کلمۂ حق کی ہے بنیاد شہادت اس کی
جب تو مانی ہے نبوت نے امامت اس کی

پیکرِ علم میں جو روح عمل ہے وہ حسین
تا اَبد خلق میں جو نورِ ازل ہے وہ حسین
جس کا غم عقدۂ تقدیر کا حل ہو وہ حسین
جس کا دم خونِ شریعت کا بدل ہو وہ حسین

جس کے سجدے سے جبیں وفن کی تابندہ ہے
جب تک اسلام ہے زندہ وہ یہاں زندہ ہے

زیر دستوں پہ نہ جابر نہ زبردست سے زیر
سیر چشمی کا یہ انداز کہ جینے سے بھی سیر
نازپروردۂ زہرا اسداللہ کا شیر
وہ مجاہد وہ سپاہی وہ دلاور وہ دلیر

دبنے والا نہ کسی سے نہ اکڑنے والا
ظلم کو صبر کی رستی میں جکڑنے والا

جانِ زہرا و علی شانِ رسولِ مدنی
فقر میں دولتِ اخلاقِ پیمبر سے غنی
مالکِ صبر و رضا وارثِ شمشیر زنی
سوز۔ سادنت۔ جری جرأت وہمت کا دھنی

ظلم سے دب کے نہ ظالم سے کبھی ڈر کے رہا
منہ سے حق بات جو کہہ دی تھی اسے کر کے رہا

وہی غازی، وہی جانباز، وہی ذبحِ عظیم
جس کا اک فدیۂ ادنیٰ پسرِ ابراہیم
باخدا مظہرِ اسرارِ خداوندِ حکیم
مالکِ ہستیِ جاوید۔ نہ حادث نہ قدیم

جو رسالت کی سعادت ہے۔ سعید ایسا ہے
جو مشیّت کی شہادت ہے۔ شہید ایسا ہے

ہے اسی فدیۂ برحق کی دعا کا یہ اثر
آج باطل کا کوئی زور نہیں ہے حق پر
لاکھ میداں میں صف آرا ہوں یزیدی لشکر
اب نہ وہ شان نہ شوکت نہ سر پر وہ افسر

کیا کسی کو سپہ شام سے عشق آج بھی ہے
یوں تو ہونے کو کہنے لیے شہر دمشق آج بھی ہے

کیوں نہ ہو زندہ جاوید عزائے شبیر — اک یہی تو ہے حیاتِ ابدی کی تفسیر
ذکرِ قاتل سے کہاں ہوتی ہے دل کی تسخیر — ذوقِ ہمدردیِ مقتول کا ہے عالمگیر
وقت ہر درد کی تاثیر گھٹا دیتا ہے
جذبۂ ماتمِ مظلوم بڑھا دیتا ہے

حق پرستی کا جو شیوہ ہے بزیرِ شمشیر — ہے اسی درس کی تکمیل عزائے شبیر
کس قدر ہے بخدا شاہ کا غم پُرتاثیر — جس کی تدبیر میں سرگرم مذاقِ تقدیر
جوش یہ ہے دلِ خُلّت کے عزاداروں میں
کود پڑتے ہیں دہکتے ہوئے انگاروں میں

یادِ خنجر میں جو ہوتے ہیں زیادہ بے چین — سر پہ تلواریں لگاتے ہیں دمِ شیون و شین
کر کے زنجیر کا ماتم یہ تولّائے حسین — سرخرو خوں میں نہا کر ہیں جہاں کے مابین
یہی زنجیر ہے دوزخ کی رہائی کے لیے
سلسلۂ خوب ملا عقدہ کشائی کے لیے

نہ انہیں زیست کی پروا ہے نہ مرنے کا خطر — کیوں نہ ہو۔ اُس کے ہیں پیرو جو مجاہد تھا نڈر
جس کی تعلیم نے بچوں پہ کیا تھا یہ اثر — سر کٹانے کے لیے دشت میں تھے خاک بسر
نازشِ حوصلۂ خنجرِ قاتل ٹھہرے
ناز یہ تھا کہ ہم اس ناز کے قابل ٹھہرے

ان دلیروں کا ہے غم دین کی شوکت کے لیے — لڑ گئے موت سے جو حق کی حفاظت کے لیے
صرف بخشش کے لیے ہے نہ شفاعت کے لیے — یہ تمدّن کا سبق ہے بشریّت کے لیے
اسی غم نے تو محبّت کی ترازو بخشی
اسی ماتم نے ہمیں قوّتِ بازو بخشی

غم سے ہم کو وہ ملا ولولۂ خودداری — موت ہے جس کے سبب اپنی نظر میں پیاری
بس اسی غم میں دلوں پر ہے یہ جذبہ طاری — سرِ تسلیم ہے خم جو بھی رضائے باری
رونے والے۔ غمِ شبیر میں جی کھول کے رو
دل کو میزانِ محبت میں مگر تول کے رو

رو - کہ یہ اشک ہیں تسبیحِ عمل کے گوہر
رو - کہ یہ گریۂ پیہم ہے بصیرت پرور
رو - کہ ہنسنا ہی نہیں مقصدِ تخلیقِ بشر
رو - کہ خنداں ہیں کج اندیش ترے گریہ پہ
جن کی بیگانہ روش خلق کو رُلواتی ہے
آج ان کو ترے رونے پہ ہنسی آتی ہے

غیر تھے پہلے تو اربابِ ولا سے بیزار
اب تو اپنے بھی ہیں کچھ رسمِ عزا سے بیزار
ہاتھ ماتم سے خفا - آنکھ بکا سے بیزار
دعویِ عشقِ نبی - آلِ عبا سے بیزار
اُلفتوں کا یہ تراشا ہے نیا شیوہ خوب
باپ کے دوست اور اولاد کے دشمن کیا خوب

عذر یہ ہے کہ یہ ہنگامۂ فریاد و فغاں
عہدِ حاضر میں نہیں اہلِ ہمم کے شایاں
مُنہ بناتے ہیں جو ہوتا ہے عقائد کا بیاں
آیتوں میں جو چُنیں ہے تو حدیثوں میں چُناں
وہ صدا حق ہے جو بے تار چلی آتی ہے
وہ غلط عرش سے جو نادِ علیؑ آتی ہے

مادیت کو جو ہے ان کی نظر میں ترجیح
ذکرِ اصلاح پہ مرتے ہیں یہ ملت کے مسیح
بو علی کا جو سنیں قول تو فرمائیں صحیح
معجزہ ہو جو علی کا تو یہ جانیں تفریح
اعتقادات کو کمزور کیے جاتے ہیں
زندگی کہہ کے سوئے موت لیے جاتے ہیں

ذہن ان کو جو سُجھاتا ہے رَہِ ناہموار
وقت کی اس کو یہ ہر وقت بتاتے ہیں پکار
کون عاقل ہے جو اس بات پہ ہوگا تیار
وقت کا ہو جو تقاضا تو بدل دو کردار
بات بدلیں گے وہی ذات کے جو بیٹے ہیں
وقت کا ساتھ وہ دیں وقت کے جو بیٹے ہیں

مجلسِ درد ہے یہ بزمِ کلامی تو نہیں
پختگی کی ہے جگہ ذوق کی خامی تو نہیں
وقت کو دیکھیں گے ہم کوفی و شامی تو نہیں
وقت دم بھر کا ہے مہماں دوامی تو نہیں
اَبَدِیَت تو عقیدے کی صفت، ذاتی ہے
وقت اک موج ہے جو آتی ہے اور جاتی ہے

ذکرِ جاوید کہاں وقت کی تقریر کہاں　　یادِ مظلوم کہاں بحث گلوگیر کہاں
ان مباحث میں غم و درد کی تاثیر کہاں　　یہ نہیں جب تو بھلا مجلسِ شبیر کہاں
مادی فکر، کوئی ذکرِ حقیقت تو نہیں
بزمِ ماتم ہے یہ میدانِ سیاست تو نہیں

اک نئے رنگ سے بہتر ہے کہ ہو ذکرِ شہید　　جوش کھاتا رہے دریائے مضامینِ مفید
غم کے مقصد میں نہ شامل ہو مگر ذوقِ جدید　　نظریہ کا تغیر ہے دنیا کی تمہید
چشمِ خونبار سے توام ہے خیالِ مجلس
آہ و زاری ہے بہر حال مآلِ مجلس

قابلِ غور ہے یہ بعض مجالس کا نظام　　جن کا آغاز حسین اور تمدن انجام
نہ عقائد سے غرض ہے نہ بکا سے کوئی کام　　یہی مجلس ہے تو اس مرثیہ خوانی کو سلام
ضمن میں آئے مصائب تو پڑھے دب دبکے
آپ کے حال پر آنسو نکل آئے سب کے

جب کوئی نکتہ دلچسپ زباں پر آیا　　جس نے مجلس کی طبیعت کو ذرا گرمایا
داد لوگوں سے ملی۔ اجرِ فصاحت پایا　　بہرِ تسلیم جھکے۔ ختمِ سخن فرمایا
حسرتیں آئی تھیں فردوس سے کیا کیا لے کر
فاطمہ اُٹھ گئیں اشکوں کی تمنا لے کر

یوں الٹتے ہیں جو تاریخِ زمانہ کے ورق　　منظرِ غم پہ نہ روئیں نہ رلائیں مطلق
ذکرِ تاثیر و تاثر کا نہیں ان کو حق　　سنگدل۔ سیرتِ مظلوم سے کیا لیں گے سبق
عصرِ حاضر روشِ آلِ عبا کیا جانے
مرغِ آزاد اسیری کا مزا کیا جانے

اتنی اصلاح بھی جائز کہ ثناخوان و خطیب　　ذکرِ سیرت میں تاسی کی دلائیں ترغیب
یہ طریقہ ہے مگر مجلسِ ماتم کا عجیب　　کم ہو حالِ شہدا۔ بیش خیالِ تہذیب
گر یہی رنگ ہے تہذیب کے دیوانوں کا
پھر تو اللہ ہی حافظ ہے عزاخانوں کا

یہی انداز رہا ذوقِ تمدّن کا اگر — مجلسیں ختم ہوئیں قوم کی اصلاحوں پر
نہ فقط جذبۂ تبلیغ کو پہنچے گا ضرر — اپنے اس طرز میں ہیں اور بھی خطرے مضمر
حد سے ہم مجلسِ غم کی جو نکل جائیں گے
پھر تو قانون کے تیور بھی بدل جائیں گے

ہے ابھی تک تو یہ اربابِ حکومت کا خیال — اپنے مظلوم کو رونا ہے مجالس کا مآل
ختم ہو جائے گا جب گریہ و ماتم کا سوال — ہو گی ہر بزمِ عزا غیر کے جلسے کی مثال
دخل دے بیٹھیں گے حکام عزا خانوں میں
قفل پڑ جائیں گے تبلیغ کے کاشانوں میں

رونے والے روشِ غم پہ رہے تیرا عمل — شورِ گریہ سے زمانے میں مچا دے ہلچل
لاکھ دنیا یہ کہے جائے کہ رفتار بدل — تو مگر اپنی جگہ سے صفتِ کوہ نہ ٹل
جان و دل ہیں غمِ شبیر میں کھونے کے لیے
تو نہ روئے گا تو کون آئے گا رونے کے لیے

جن کی نظروں سے حقیقت ہے عزا کی مستور — منعِ بُکا پر جو ہنسیں وہ تو نہ ہونا رنجور
کہتے ہیں رونے رُلانے میں تصنّع ہے ضرور — واہ کیا فہم و نظر رکھتے ہیں۔ چشم بد دور!
لاکھ مجبور ہمیں کیجیے کب روتے ہیں
چوٹ جب قلب پہ لگ جاتی ہے تب روتے ہیں

جو نہ مقصودِ غمِ دلبرِ حیدر سمجھے — مصلحت کلمۂ اَبکا کی وہ کیونکر سمجھے
اشک تمہیدِ عمل ہیں۔ دلِ مضطر سمجھے — جو نہ سمجھے تو خدا سمجھے پیمبر سمجھے
عزمِ اصلی تو ہے اعمال میں سرگرمی کا
اک بہانہ ہے بُکا دل کے لیے نرمی کا

جن کا شیوہ ہے بہر حال مخالف ہونا — سمجھے مفہوم تَبَاکی یہ تکلف رونا
نقدِ فرصت ہے عبث، بحثِ غلط میں کھونا — خود زرِ علم کے نقّاد پرکھ لیں سونا
جبکہ آنسو نہ بہیں۔ خلق کی عادت ہے یہی
غم کے ماحول میں انسان کی فطرت ہے یہی

ہے تباکی سے یہ مقصود کہ اربابِ عزا　　مجلسِ غم میں سُنیں غور سے ذکرِ شہدا
جس طرح موت کے گھر میں کوئی پڑھنے کو گیا　　مرنے والے کے عزیزوں میں ہُوا شورِ بکا

آہ و فریاد وہاں دل سے جو ٹکراتی ہے
شکل رونے کی بناتا نہیں، بن جاتی ہے

نکتہ چینو! تمھیں معلوم ہے مفہومِ ریا　　یعنی وہ طاعتِ حق جس میں نہ ہو صدق و صفا
حرصِ زر یا ہوسِ جاہ میں تسبیحِ خدا　　دین کا کام بہ اُمّیدِ حصولِ دُنیا

یاں تباکی میں ریا کیا ہے؟ تصنّع کیا ہے
چند اشکوں کے سوا زر کی توقّع کیا ہے

اس روایت کی وضاحت ہو اگر مدِ نظر　　ترجمہ یہ ہے کہ جو روئے اور رلائے دم بھر
یا شریکِ غمِ سرور ہو بہ قلبِ مضطر　　ہے یہ واجب کہ ہوں وا اُسکے لیے خلد کے در

مگر اُس کے کہ حق شاہ کا پہچان بھی لے
رو کے جس کے لیے دے جان اُسے جان بھی لے

دور ہے جس کی نظر سے یہ عزا کا پیغام　　اس کی لفظوں پہ کرے غور بہ ادراک تمام
یاں تباکی جو ہے مشروط بعرفانِ امام　　عقل کہتی ہے کہ ہے عارفِ صادق کا کلام

یوں تو رونے کو عدو کھینچ کے خنجر روئے
رونا ان کا ہے کہ جو سوچ سمجھ کر روئے

ایسی فطرت ہے نرالی غمِ شہ کی بخدا　　شمر کو بھی جو رلا دیتی ہے بے قصدِ بکا
جس سے ہو سکتا ہے قاتل پہ محبّ کا دھوکا　　اس روایت نے کیا نور سے ظلمت کو جدا

دامنِ جامۂ عرفاں میں اگر جھول نہیں
رونے والے کے پھر اشکوں کا کوئی مول نہیں

مَن بَکیٰ میں ہے جنھیں بحث و نظر کی عادت　　حکمِ اَبکیٰ کو جو کہتے ہیں خلافِ فطرت
ضد تباکی سے جنھیں، اور بکا سے نفرت　　مضحکہ جن کی نظر میں ہے وجوبِ جنّت

زورِ تقریر سے جلسوں کو ہلا دیتے ہیں
شرطِ عرفاں کو روایت میں بھلا دیتے ہیں

نفسِ مطلب سے وہ اس بحث میں ہو کر غافل حق کی تکذیب میں لاتے ہیں کلامِ باطل
عزمِ معصوم تو یہ ہے کہ وہی ہیں عاقل معرفت جن کو ہے حقِ شہدا کی حاصل
جن کے آنسو شرفِ خونِ وفا جانتے ہیں
حق تو یہ ہے کہ وہی حق کو بھی پہچانتے ہیں

یہ روایت ہے تصنّع کی حدوں سے بالا ہے جو مشروط بہ عرفان امام والا
دل یہ کہتا ہے مگر جوشِ عقیدت والا جس نے ہے فطرت اسلام کو دیکھا بھالا
وہ بھی مومن ہے جو دل سے بہ تاسّف روئے
وہ بھی حق پر ہے جو ازراہِ تکلّف روئے

معترض ہے جو تکلّف پہ نگاہِ کوتاہ حق کے اسرارِ عبادت سے ہے غافل گمراہ
چند ہی ایسے تو ہیں بندۂ مومن واللہ طاعتِ حق پہ جو مائل ہیں بقلبِ آگاہ
غیر عارف کو عبادت کا جو پھل ملتا ہے
ہر تکلّف پہ اُسے اجرِ عمل ملتا ہے

احترامِ رمضاں سے ہو عیاں یہ صفت یہ تصنّع بھی ہے مفروض خدا کی طاعت
صوم ہو یا کہ نہ ہو۔ پھر بھی زراہِ حرمت فرض ہے یہ کہ ہو روزے کی بظاہر صورت
شکل ایسی جو بناوٹ سے بنا لیتا ہے
بخدا اس کو خدا اس کی جزا دیتا ہے

رمضاں کا تو یہ رتبہ یہ فضیلت یہ حشم ہدفِ طعن بنے فدیۂ توحید کا غم
شکل روزے کی بنائیں تو ہو خالق کا کرم شکل رونے کی بنائیں تو سراسر ہو ستم
واں تصنّع بھی عنایت کا سبب ہو جائے
اِس جگہ اشک بھی ٹپکے تو غضب ہو جائے

بعض اربابِ زمانہ کی یہ سنیے جدت کلمہ گو کہتے ہیں ذکرِ شہدا کو بدعت
گو کہ مانے ہوئے ہیں سبطِ نبی کی عظمت جہلِ علم اس کا ہے موجب کہ یہ رکھ دی تہمت
سب وہ بے سود ہے جو فکر و نظر رکھتے ہیں
علمِ قرآں نہ حدیثوں کی خبر رکھتے ہیں

تھی نہ میلاد کی عہدِ نبوی میں محفل ۔۔۔ پھر بھی اسلام میں اس کو عظمت ہے حاصل
خود ہیں اس بات کے شامی و سیوطی قائل ۔۔۔ ہے یہ بدعتِ حسنہ، حسنِ عمل میں داخل

لوگ نانا کی جو محفل کو بجا کہتے ہیں
ہم بھی مجلس کو نواسے کی رَوا کہتے ہیں

بدعتیں ایسی ہزاروں ہیں بحدّ ایماں ۔۔۔ جو نہیں موجبِ تحریف مفاد قرآں
عہدِ حضرت میں نہ تھا ان کا کہیں نام ونشاں ۔۔۔ ذکر حرمت کا ہے کیا بعض تو واجب ہیں یہاں

جدّتیں ایسی ہر اک عہدِ حکومت میں ہوئیں
چند وہ بھی ہیں جو ایامِ خلافت میں ہوئیں

سنت حضرتِ فاروق سے سب ہیں آگاہ ۔۔۔ آپ نے کی تھی مُقرّر فُقہا کی تنخواہ
یہ اذاں میں ہیں مِنَ النَّوم کے بانی واللہ ۔۔۔ جذبۂ ذوقِ عمل پر ہے تراویح گواہ

گو کہ یہ آپ کے احکام کہے جاتے ہیں
پھر بھی منجملۂ اسلام کہے جاتے ہیں

صاف لکھا ہے یہ عثمانِ غنی کی نسبت ۔۔۔ آپ نے جمعہ کو دیکھا جو ہجوم خَلقت
شوق میں بھر کے موذّن سے یہ بولے حضرت ۔۔۔ خوب ہے آج تو تکرارِ اذاں کی بدعت

مسجدوں میں یہ نئی بات وہاں ہوتی تھی
تیسرے دَور میں دوبارہ اذاں ہوتی تھی

کیوں ہے نظروں میں ان احکام کی آخر توقیر ۔۔۔ دفترِ عہدِ رسالت میں یہ کب ہیں تحریر
جو یہ کہتے ہیں کہ بدعت ہے عزائے شبیر ۔۔۔ کیا ان احکامِ خلافت کی کریں گے تکفیر؟

یا تو ہر حکم کو کہہ دو کہ یہ ناجائز ہے
ورنہ مانو سرِ مجلس کی عزا جائز ہے

بعض کہتے ہیں یہ ازراہِ دلیل وحجّت ۔۔۔ خُلفَا کا بھی طریقہ ہے نبی کی سنّت
یہ اگر سچ ہے تو کیوں ابنِ عمر نیک صفت ۔۔۔ اِس مِنَ النَّوم کو کہتے تھے بدر کی بدعت

نہ کسی غیر سے منقول حکایت یہ ہے
ترمذی جیسے مُحدّث کی روایت یہ ہے

بدعتیں چند ہیں سارے علما کو تسلیم — جیسے پاروں میں کتاب اَحَدی کی تقسیم
جمعِ آیات، پھر اعراب کی اُن پر ترقیم — نقش گل بوٹوں کے مسجد میں بہ حُسنِ تنظیم
طوف کعبہ کے عوض۔ عقل ہے اس چکّر میں
کیسے یہ چار مصلّے ہیں خدا کے گھر میں

بدعتیں جبکہ یہ جائز ہیں بحکمِ عُلَما — عَلَم و تعزیۂ شہ میں قباحت پھر کیا
شکل روضے کی یہ ہے اور وہ علَم کا نقشا — دونوں تصویریں ہیں بیجان کی دونوں ہیں روا
کیوں کہیں ہم کہ ہمارا ہی بیاں کافی ہے
پر بخاری کی روایت تو یہاں کافی ہے

خود بخاری کے مولّف نے کیا ہے ترقیم — زرہ و مرکب و شاہی کی ہے واجب تعظیم
آہ شاہوں کے شعائر کی تو اتنی تکریم — عَلَم و تعزیۂ شاہ سے یہ بغضِ قدیم
کیوں نہ ہو۔ اُن کے خزانوں سے صِلا ملتا ہے
جُز خدا۔ دین کے سلطان سے کیا ملتا ہے

ہے مدارج میں یہ مضمون وضاحت سے رقم — ایسے اعمال بکثرت ہیں۔ شریعت کی قسم
شوکتِ دیں کے سبب آج ہیں نظروں میں اہم — ورنہ مکروہ سمجھتے تھے انہیں۔ پہلے ہم
کیا عزائے شہدا قابلِ اکرام نہیں
شان اس کی سببِ شوکتِ اسلام نہیں

بعض رکھتے ہیں یہ سامانِ عزا پر الزام — اس میں کفّار کے فعلوں سے تشابُہ ہے تمام
گر ہے تشبیہ و تماثل کے لیے حکم یہ عام — پھر تو خود شبہ میں پڑ جائیں گے کفر و اسلام
صورتِ مومن و کافر میں کوئی فرق نہیں
فرق باطن کا ہے۔ ظاہر میں کوئی فرق نہیں

کم نہیں مسلم و کافر کا یہ رشتہ زنہار — ہے اِدھر ہاتھ میں تسبیح اُدھر ہے زُنّار
یہ وضو کرتے ہیں۔ اشنان سے ان کو سروکار — دھیان اور گیان وہاں۔ جذب و سکوں اِن کا شعار
نقش قشقے کا وہاں کفر کی پیشانی پر
مُہر سجدے کی یہاں جبہۂ نورانی پر

بات تو ایک ہے۔ گو ایک نہیں طرزِ بیاں — شورِ ناقوس اُدھر ہے تو اِدھر شورِ اذاں
اعتکاف اِن کی طرف۔ ترکِ جہاں اُن کے یہاں — ان کو اَسود سے غرض۔ بت کی پرستش ہے وہاں

شکل تو ملتی ہے۔ گو ان کا طریقہ کج ہے
یاترا وہ جسے کہتے ہیں وہ اپنا حج ہے

ظاہرا بادۂ عرفاں کے ہیں دونوں پیاسے — یہ جو زمزم سے ہیں سیراب۔ تو وہ گنگا سے
ہے عبادت سے کہیں کام کہیں پوجا سے — اِن کو یثرب سے عقیدت ہے انہیں متھرا سے

ہے جو تفریق تو بس نسبتِ روحانی کی
ورنہ جو بھینٹ کی صورت وہی قربانی کی

جب یہ ثابت ہے کہ جائز ہے تشابہ ایسا — جس پہ صدیوں سے مسلماں ہیں عامل بخدا
پھر عزادارئ مظلوم سے پرخاش ہے کیا — تعزیہ۔ صورتِ تابوتِ جنابِ موسیٰ

کفر سے جس میں تشابہ وہ قدرنا جائز
جو رسولوں سے مشابہ وہ عمل نا جائز

یہ بھی فرماتے ہیں اکثر۔ کہ عزاخانۂ شاہ — ہے وہ بدعت کہ روایات نہیں جس کی گواہ
آنکھوں والوں نے جو یعقوب سے پھیری ہو نگاہ — لب پہ قرآں ہے۔ نہیں بیتِ حزَن سے آگاہ

رشکِ یوسف کی مجالس کا جو کاشانہ ہے
ترجمہ "بیتِ حزَن" کا یہ عزا خانہ ہے

خود "مدارج" کے مصنف نے کیا ہے تحریر — فاطمہ تھیں جو بہت ہجرِ پدر میں دلگیر
نالۂ درد کے شاکی تھے امیر اور فقیر — غم کدہ گھر سے کیا دور علی نے تعمیر

واں پدر کے لیے گریاں تھیں جو ویرانے میں
یاں پسر کے لیے روتی ہیں عزا خانے میں

امتِ ختمِ رُسل میں ہے یہ بعضوں کا خیال — آہ و فریاد نہیں حق کی شریعت میں حلال
رَدّ میں ہم اپنی طرف سے کوئی کیوں لائیں مثال — جبکہ قرآں میں ہے خود گریۂ یعقوب کا حال

قولِ معبود سے جب شانِ بکا ظاہر ہے
اس کی عظمت سے جو انکار کرے کافر ہے

کس کو معلوم نہیں شانِ جنابِ آدم — دو صدی فرقتِ حوا میں بہے اشکِ الم
خاک اڑاتے ہوئے پھرتے تھے بصد صورتِ غم — وہ جو روئیں بھی تو حق ۔ روئیں بھی گر ہم تو ستم
جرم کیا گر شہدا کو کوئی مضطر روئے
کر کے ماتم غمِ حمزہ میں پیمبر روئے

راویِ صدق بیاں نے یہ لکھا ہے بہ قسم — مرثیہ شہ کا کیا ابنِ ہبا نے جو رقم
خواب میں کہہ گئے خود اس سے رسولِ اکرم — حق نے بخشا تجھے انصارِ حسینی کا حشم
ابنِ جوزی کی جواہر سے یہ دُر پایا ہے
موتی جھوٹا نہیں سچوں نے یہ فرمایا ہے

قول ہے صاحبِ جامع کا یہ ہے صاف عیاں — عہدِ ثانی میں ہوئے قبر میں خالد جو نہاں
عورتیں پیٹ کے سر کرتی تھیں پُر درد بیاں — بال تھے بکھرے ہوئے چاک تھے جیب و داماں
کچھ بھی اس طرزِ عمل میں جو قباحت ہوتی
پھر تو دُرّوں سے خلیفہ کے قیامت ہوتی

ہے بخاری میں یہ اک حادثۂ غم مذکور — غمزدہ ایک تڑپتا تھا پیمبر کے حضور
نوچتا تھا جو وہ بالوں کو بقلبِ رنجور — منع کر دیتے نبی کچھ بھی یہ ہوتا جو قصور
وہی ماتم ہے نہ تھے جس کے پیمبر مانع
ہم نہ مانیں گے جو ہوا مّتِ خود سر مانع

عینِ ایماں ہے مسلماں کے لیے حق کی قسم — یہی گریہ ۔ یہی زاری ۔ یہی ماتم ۔ یہی غم
بیہقی نے بھی یہ تحقیق کیا ہے یہ رقم — خود نواسے کے لیے روئے رسولِ اکرم
چاہو تصدیق اگر اور کسی عالم سے
پوچھ لو ترمذی و دیلمی و حاکم سے

ان بزرگوں نے لکھا ہے زِرَہِ خیر و صواب — اُمِّ سلمہ نے یہ عاشور کو خود دیکھا خواب
شدتِ غم سے رسولِ دوسرا ہیں بیتاب — خاک آلودہ جو زُلفیں ہیں تو آنکھیں پُر آب
غمِ شبیر میں سلطانِ اُمم روتے ہیں
ہے اسی خواب کی تعبیر کہ ہم روتے ہیں

یا تو مانو کہ یہ راوی ہیں سراسر کاذب   یا جو رونے کا مخالف وہ مُقرر کاذب
یا پھر سارے کتابوں کے ہیں دفتر کاذب   یا یہی کہہ دو کہ ازواجِ پیمبر کاذب
اب تو یہ مان لو شبیر کو حضرت روئے
جب نبی روئے تو سنت ہے کہ امت روئے

ہیں جو رونے کی فضیلت کے جہاں میں منکر   شرف گریہ ہے خود ان کی کتب سے ظاہر
کوئی مظلوم سے جلنے کا سبب بھی آخر؟   یہ تو وہ غم ہے کہ جس غم میں ہیں گریاں کافر
نیم جاں غم سے بھلا جان نہ کھوئے کیونکر!
کوئی مرجائے کسی کا تو نہ روئے کیونکر

مرنے والا بھی پھر ایسا کہ محمد کا جگر   تشنہ و بیکس و مظلوم و غریب دبے پَر
جس نے اِک دن میں سہے داغ بہتّر دل پر   چل گیا جس کے گلے پر دمِ سجدہ خنجر
ذکر ماتم کا تو کیا فکرِ کفن ہو نہ سکی
جس کے لاشے پہ بھی جی بھر کے بہن رو نہ سکی

گر کبھی قید میں دکھیا نے کیا قصدِ بکا   خولی و شمر کے دُرّوں سے ہوا حشر بپا
اشک آنکھوں کے رُکے جسم سے خوں بہنے لگا   رہ گئی تھام کے دل خواہر شاہ شہدا
مطمئن ہو کے نہ زندان میں دم بھر روئی
قید سے چھوٹ کے نانا کی لحد پر روئی

پھر مدینہ میں اسیرانِ ستم آتے ہیں   سختیاں جھیل کے پابندِ اَلَم آتے ہیں
فاقہ کش۔ اہلِ عزا کشتۂ غم آتے ہیں   گھر لُٹا کر شہ بیکس کے حرم آتے ہیں
یوں سفر میں نہ عزیزوں سے چھٹے گا کوئی
یوں جہاں میں نہ لُٹا ہے نہ لُٹے گا کوئی

راہ میں اہلِ حرم رو کے یہ چلاتے ہیں   اے مدینے تجھے ہم چھوڑ کے غم کھاتے ہیں
شہ سے چھٹنے کی یہ غیرت ہے کہ تھراتے ہیں   پاؤں اٹھتا نہیں۔ ہم جیتوں سے شرماتے ہیں
یہ ندامت ہے کہ سر پر شہِ عادل نہ رہے
ہائے ہم منہ کے دکھانے کے بھی قابل نہ رہے

کوئی کہتی ہے کہ ہے ہے مرا پیارا نہ رہا کوئی کہتی ہے مرا راج دلارا نہ رہا
دل کی تسکین ضعیفی کا سہارا نہ رہا ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا
کوئی کہتی ہے کہ سو طرح کے غم کھاؤں گی
اب میں اس شہر میں پیاروں موئی کہلاؤں گی

دشت میں فاطمہ کے لال کو میں کھو آئی قاسم و اکبر ناشاد کو بھی رو آئی
لاشِ عباس پہ منہ آنسوؤں سے دھو آئی ہائے کیوں جیتی ہوئی پھر کے میں گھر کو آئی
مال و زر کچھ نہ رہا لٹ کے اِدھر کو پلٹی
ہاتھ خالی میں یداللہ کے گھر کو پلٹی

ہائے یاد آتا ہے اپنا وہ وطن سے جانا وہ علمدار کا پردے کو قناتیں لانا
وہ جواں لال کا محمل کے قریں پہنچانا وہ مرے بھائی کا ناقے پہ مجھے بٹھلانا
پردہ داری کے لیے عون تھے اور قاسم تھے
سب قناتوں پہ نگہبان بنی ہاشم تھے

ہائے ماں جائے تمہیں آج میں پاؤں کیونکر فکر ہے سوئے وطن پاؤں بڑھاؤں کیونکر
میرے شبیر میں تمہیں ڈھونڈھ کے لاؤں کیونکر آج میں اپنی تمہیں شان دکھاؤں کیونکر
بھانجے بھی نہیں بیٹے بھی برادر بھی نہیں
سر پہ جز سایۂ عابد کوئی چادر بھی نہیں

کیوں نہ ہر بار یہ صدمہ مرا دل تڑپاتے شبیر دنیا سے اٹھے اور نہ پھوپی مر جائے
حیف صد حیف کہ تقدیر یہ دن دکھلائے بھائی کو کھو کے یہ ہمشیر وطن میں آئے
آنکھوں کے سامنے کنبے کا لہو بہہ جاتے
سب کے رونے کو یہ پابند محن رہ جاتے

زندہ رہ کر میں عزائے شہِ صفدر میں رہوں شیر جنگل میں ہوں۔ میں خانۂ حیدر میں رہوں
عمر بھر یادِ شہِ بیکس و بے پر میں رہوں بھائی جس گھر میں نہ ہوں ہائے میں اس گھر میں ہوں
کیا قیامت ہے کہ آنکھوں سے یہ محشر دیکھوں
خاک اڑتے ہوئے مسند کی جگہ پر دیکھوں

گرچہ پہلے بھی ہمیشہ میں غم وہم میں رہی　　رات دن رنج ومصیبت میں رہی غم میں رہی
میری تقدیر سدا خواب کے عالم میں رہی　　آہ وزاری میں رہی شیون وماتم میں رہی
باپ کو ماں کو رسولِ دوسرا کو روئی
دس برس تک حسنِ سبز قبا کو روئی

ان کے ماتم میں تو یوں دھیان بٹا لیتی تھی　　اٹھ کے قاسم کو کلیجے سے لگا لیتی تھی
باپ کی یاد میں جب اشک بہا لیتی تھی　　بھائی عباس کو میں پاس بٹھا لیتی تھی
میرے رونے کی مصیبت کو جو سن پاتے تھے
گھر میں آکر شہِ دیں خود مجھے سمجھاتے تھے

پھر یونہی دل کو میں تسکین دیا کرتی تھی　　علی اصغر کو بھی پیار کیا کرتی تھی
کبھی گودی میں سکینہ کو لیا کرتی تھی　　کپڑے اکبر کے کسی وقت سیا کرتی تھی
لاکھ صدموں کے عوض خونِ جگر پیتی تھی
ان کے ہی بیاہ کی حسرت میں تو میں جیتی تھی

اب کہو دل کو میں کس طرح سنبھالوں بھیا　　کس کی باتوں میں غم ورنج کو ٹالوں بھیا
علی اکبر کو کہاں سے میں بلا لوں بھیا　　کس کی شادی کا اب ارمان نکالوں بھیا
غیر سجاد کوئی لختِ جگر پاس نہیں
مگر اس کے بھی تو جینے کی مجھے آس نہیں

دل تڑپتا ہے کہ کچھ تم سے یہ دکھیا پوچھے　　آپ بیمار ہے عابد سے کوئی کیا پوچھے
گھر کو جاتے ہوئے یہ دخترِ زہرا پوچھے　　کیا کہوں اکبر واصغر کو جو صغرا پوچھے
کیا غضب آئے گا جس وقت کہ گھر جاؤں گی
ماں نے عباس کو پوچھا تو میں شرماؤں گی

انھی باتوں میں وہ مغموم چلے جاتے ہیں　　غم سے خاموش کبھی اور کبھی چلاتے ہیں
حالتیں دیکھ کے رہگیر بھی غم کھاتے ہیں　　غیر شخصوں کی زباں پر بھی یہ ذکر آتے ہیں
گرچہ دنیا میں ہمیشہ نہ رہے گا کوئی
پر یہ ایذا نہ سہی ہے نہ سہے گا کوئی

ظلم سہنے سے وہ شان اور وہ شوکت نہ رہی | تابش مہر سے چہروں کی وہ رنگت نہ رہی
رُخ پہ وہ حُسن وہ انداز وہ صورت نہ رہی | خوف کھا کھا کے صغیروں کی وہ عادت نہ رہی

غیر بھی ان کی طرف دیکھ کے غم کھاتے ہیں
دور سے سیلیوں کے نیل نظر آتے ہیں

راہ میں گر کسی رَہ گیر نے بڑھ کر پوچھا | کس کے ماتم میں سیہ پوش ہوئے اہلِ عزا
بولے سجادِ حزیں۔ کیا کہیں اے مردِ خدا | ہائے مارے گئے سب۔ ذکر کریں کس کس کا

تشنہ و بیکس و مضطر کے عزادار ہیں ہم
ایک دو کیا کہ بہتّر کے عزادار ہیں ہم

گر کوئی کہتا کہ فرمایئے سردار کا نام | ہم کو بتلایئے تو قافلۂ سالار کا نام
جس جگہ لٹ گئے اس وادیِ خونخوار کا نام | رو کے کہتے تھے۔ مٹا بیکس و ناچار کا نام

ہم لُٹے جس میں اسے دشتِ بلا کہتے ہیں
اپنے سردار کو شاہِ شہدا کہتے ہیں

ہائے وہ رنج والم اور وہ سجاد غریب | بہر تسکینِ حرم۔ غم سے وہ احوال عجیب
کبھی کلثوم کے پاس اور کبھی زینب کے قریب | دونوں پھوپھیوں کی وہ ہر بار فغاں۔ ہائے نصیب

بھائی کی یاد دلِ زار کو تڑپاتی ہے
لو مدینہ کی عمارت وہ نظر آتی ہے

کبھی زینب کی فغاں تھی کہ میں قرباں سجاد | کس طرح جاتے مدینے میں یہ نالاں سجاد
دل سنبھلتا نہیں صدمے سے مری جاں سجاد | سونا گھر دیکھ کے مر جائیں گی پھوپیاں سجاد

عمہ صدقے ہمیں بے موت نہ مارو بیٹا
گھر نہ جاؤ ہمیں جنگل میں اتارو بیٹا

سن کے یہ اونٹ سے سجادِ دل افگار اُترے | محوِ ماتم حرم سیدِ ابرار اترے
اپنے ناقوں سے غریبوں کے عزادار اترے | آنکھیں ملتے ہوئے بچے بھی سب اکبار اترے

دشتِ پُر خار میں پیاسوں کے محبا و ٹھہرے
خیمے برپا ہوئے۔ جنگل میں مسافر ٹھہرے

اپنا مُنہ ڈھانپ کے شبیر کو اک رونے لگی　　خاک پر بیٹھ کے بے شیر کو اک رونے لگی
نوجواں اکبرِ دلگیر کو اک رونے لگی　　اپنا سر پیٹ کے تقدیر کو اک رونے لگی
کوئی اپنے پسرِ ماہ لقا کو روئی
کوئی بابا کے لئے کوئی چچا کو روئی

واں مدینے میں کسی نے یہ خبر پہنچائی　　روضۂ جد پہ اب آتی ہیں علی کی جائی
کوئی چلّایا بہت پاس سواری آئی　　یہ خبر سنتے ہی دلشاد ہوئے شیدائی
عورتیں کہنے لگیں دخترِ کرار پھری
شور مردوں میں ہوا۔ عترتِ اطہار پھری

نوجوانوں کو یہ شادی تھی کہ اکبر آئے　　کوئی کہتا تھا کہ عباسِ دلاور آئے
غل یہ لڑکوں میں ہوا دلبرِ جعفر آئے　　بچے ہنس ہنس کے پکارے علی اصغر آئے
دھوم ہر گھر میں مچی بنتِ بتول آتی ہے
پیشوائی کو چلو آلِ رسول آتی ہے

یہ خبر شہر میں ہر سمت جو مشہور ہوئی　　دخترِ شاہ بھی شاداں ہوتی مسرور ہوئی
ہجر کا داغ جدائی کی بلا دور ہوئی　　تپ جو ہر وقت جلاتی تھی وہ کافور ہوئی
ہنس کے دادی سے کہا لو مرے بھیا آئے
سب مرض دور ہوئے آج مسیحا آئے

قافلے میں سبھی زہرا کے گُلِ تر ہوں گے　　بھائی ہمشکلِ پیمبر علی اکبر ہوں گے
میرے عباس چچا آپ کے دلبر ہوں گے　　میرے عاشق مرے پیارے علی اصغر ہونگے
ننھے بھائی مرے شیدا ہیں یہ سب جانتے ہیں
دیکھوں اب بھی علی اصغر مجھے پہچانتے ہیں

چار جانب جو یہ فرحت کی گھٹائیں چھائیں　　شاد ہوتی ہوئی عورات محلّہ آئیں
دخترِ شاہ کے پاس آکے یہ سب چلّائیں　　فاطمہ تم کو مبارک کہ مرادیں پائیں
فرطِ غم میں یہ خوشی۔ عید سے بڑھ کر ہو گی
آج پردیسیوں کی دید میسّر ہو گی

کوئی صغرا سے یہ بولی کہ نہ اب دیر لگاؤ   بی بی اب اٹھ کے ذرا گھر میں نیا فرش بچھاؤ
ہم بھی خدمت کے لیے آئے ہیں کچھ کام بتاؤ   آبداروں سے کہو آبِ خنک جلدی لاؤ
تشنہ لب سب ہی محمد کے نواسے ہوں گے
دن ہیں گرمی کے۔ سفر دور کا۔ پیاسے ہوں گے

اُس طرف فاطمہ کے گھر یہ خوشی ہے پیہم   اِس طرف عابدِ مضطر ہیں اسیرِ غم و ہم
دست بستہ وہ حضوری میں بشیرِ جزلم   آپ کا رو کے یہ ارشاد کہ اے اہلِ ہمم
سب کے دل پر غمِ سرور کا اثر پہنچا دو
میرے آنے کی مدینے میں خبر پہنچا دو

اس خدا دوست نے جس وقت یہ ارشاد سُنا   نوحہ گر خاک بسر مسجدِ احمد میں گیا
دی صدا اہلِ مدینہ کو بصد آہ و بکا   تم جہاں رہتے ہو یہ شہر ہے اُجڑا لُٹا
دشتِ غربت میں امام ازلی قتل ہوئے
خاک اُڑاؤ کہ حسین ابنِ علی قتل ہوئے

بن میں لُٹ کر حرمِ شاہِ ہدا آئے ہیں   قید سے چھٹ کے اسیرانِ بلا آئے ہیں
سر پہ وارث جو نہیں محوِ بکا آئے ہیں   آل کو لے کے فقط زینِ عبا آئے ہیں
یادِ ماضی نے بہت دل کو جو تڑپایا ہے
شہر سے دور قیام آپ نے فرمایا ہے

غل اٹھا ہائے ہدایت کا یہ انجام ہوا   نذرِ شمشیرِ جفا ہادیٔ اسلام ہوا
شہر میں چار طرف آل کا غم عام ہوا   خانۂ فاطمہ صغرا میں تو کہرام ہوا
رو کے کہتی تھی۔ خبر کیا یہ زبانی آئی
ہائے کنبے کے عوض گھر میں سُنائی آئی

مجھ کو ماں بہنوں سے پھوپھیوں سے ملاؤ۔ لوگو   بھیّا عابد کی مجھے شکل دکھاؤ۔ لوگو
مجھ سے روٹھے ہیں ذرا چل کے مناؤ۔ لوگو   میں بھی چلتی ہوں وہاں راہ بتاؤ۔ لوگو
ہائے کس بات پہ بیمار سے مُنہ موڑ لیا
کیا خطا مجھ سے ہوئی جس پہ کہ گھر چھوڑ دیا

بی بیاں بولیں کہ تم گھر سے نہ جاؤ صغرا   اپنی دادی کے چلن کو نہ بھلاؤ صغرا
اپنے عمو حنفیہ کو بُلاؤ صغرا   ہم فدا۔ ٹھیک خبر ان سے منگاؤ صغرا
ناگہاں خود وہ سوئے عابدِ ذیجاہ چلے
خاک اڑاتے ہوئے سب دوست بھی ہمراہ چلے

مضطر و مضطرب الحال و ملول و دلگیر   کبھی اکبر کا تاسّف کبھی ذکرِ شبیر
محوِ غم بادلِ مجروح بحالِ تغیّر   ساتھ وہ نوحہ کناں محسنِ سادات بشیر
بڑھ کے یہ محوِ فغاں زینِ عبا سے لپٹے
دوڑ کر عابدِ بیمار چچا سے لپٹے

دیر تک رو کے محمد نے یہ عابد سے کہا   فاطمہ بیٹھ کے مر جائے گی اے زینِ عبا
ایک تو مرگِ پدر۔ دوسرے کنبے سے جدا   یہی بہتر ہے کہ اب گھر کو چلو۔ بہرِ خدا
سر جھکا کر یہ کہا۔ بنتِ علی سے کہیے
مجھ کو کیا عذر ہے پر آپ پھوپھی سے کہیے

رو کے وہ بولیں کہ کس طرح سے گھر جاؤں میں   بھائی کو کھو کے عزیزوں سے نہ شرماؤں میں
اس پہ یہ قہر کہ لاشہ بھی نہ دفناؤں میں   گھر کی جو زیب تھے اب ان کو کہاں پاؤں میں
اب کبھی گھر کی طرف رُخ نہ کروں گی بھیّا
میں اسی دشت میں رو رو کے مروں گی بھیّا

کس طرح غمکدۂ بنتِ پیمبر میں رہوں   بھائی کو کھو کے مکانِ شہِ صفدر میں رہوں
کوئی وارث نہ ہو میں خانۂ حیدر میں رہوں   پھر کہو کس کے سہارے پہ میں اس گھر میں رہوں
رو کے وہ بولے کہ اچھا نہ ابھی گھر چلیے
پُرسہ دینے کے لیے قبرِ نبی پر چلیے

سن کے یہ دشت سے مغموم و دلافگار چلے   خیمے اونٹوں پہ لدے۔ شہ کے عزادار چلے
محملوں میں شہِ مظلوم کے زوّار چلے   سوئے روضہ حَرَمِ احمدِ مختار چلے
ہموطن دل پہ شہیدوں کا الم لے کے چلے
آگے سجاد۔ سیہ ایک عَلَم لے کے چلے

بین کرتی ہوئی جاتی تھی یہ بنتِ زہرا — ہائے مظلوم اخی میں تیری غیرت کے فدا
جس طرح وقتِ سفر اونٹ پہ بٹھلایا تھا — اب اسی طرح مجھے آکے اُتارو بھیا
اسی صورت سے مزارِ شہِ دیں تک پہنچی
نوحہ کرتی ہوئی روضہ کے قریں تک پہنچی

قبرِ احمد پہ جو آئے یہ اسیرانِ بلا — پیٹ کے سر کو ہوئے ضعف سے غش زینِ عبا
رو کے زینب یہ پکاری کہ دوہائی نانا — یا نبی آپ کی امت نے ہمیں لوٹ لیا
بھائی مارے گئے اور عترتِ اطہار لُٹی
شہ کا دربار لُٹا آپ کی سرکار لُٹی

ظالموں نے مرے بھیا کی قبا بھی لوٹی — بارگاہِ حرمِ شیرِ خدا بھی لوٹی
قید بھی مجھ کو کیا میری ردا بھی لوٹی — شہ کی دستار بھی مسند بھی عبا بھی لوٹی
پرزے پرزے یہ مرے بھائی کا جامہ لیجے
خوں میں ڈوبا ہوا اپنا یہ عمامہ لیجے

ناگہاں شور ہوا باپ کی شیدا آئی — محوِ ماتم وہ مریضِ شہِ والا آئی
لو وہ روتی ہوئی ہم صورتِ زہرا آئی — بی بیو حشر ہوا فاطمہ صغرا آئی
پاس آکر نہ وہ ماں سے نہ چچی سے لپٹی
دوڑ کر قبرِ پیمبر پہ پھوپھی سے لپٹی

رو کے چلائی۔ میں واری شہِ صفدر ہیں کہاں — اے پھوپھی جلد کہو آپ کے دلبر ہیں کہاں
قاسم و اکبر و عباسِ دلاور ہیں کہاں — کوئی بتلاؤ مرے ننھے برادر ہیں کہاں
ہیں کدھر چھوٹی بہن یہ تو بتاؤ لوگو
مجھ کو نادانِ سکینہ سے ملاؤ لوگو

رو کے زینب نے کہا ہائے لُٹا گھر بی بی — ذبح مقتل میں ہوئے سبطِ پیمبر بی بی
مر گئے اکبر و عباسِ دلاور بی بی — تیر کھا کر ہوئے بسمل علی اصغر بی بی
قید خانے میں فلک نے یہ جفا کی صغرا
سیلیاں کھا کے سکینہ نے قضا کی صغرا

ناگہاں آکے یہ فضّہ نے خبر دی رو کر بی بیو آتے ہیں اب بنتِ علی کے شوہر
یہ سخن سنتے ہی زینب نے کہا پیٹ کے سر جلد آجاؤ مرے عون و محمّد ہو کدھر
فرطِ غیرت سے عجب حال ہے میرا بچّو
تم کو پوچھیں تو کہو۔ اُن سے کہوں کیا بچّو
بَن میں منہ اشکوں سے دھو آئی کہوں گی کیونکر تم کو پردیس میں کھو آئی۔ کہوں گی کیونکر
خوں بھرے لاشوں پہ رو آئی۔ کہوں گی کیونکر گھر کو صاحب کے ڈبو آئی۔ کہوں گی کیونکر
کیسے سمجھاؤں گی تغیّر جو حالت ہو گی
نیل شانوں کو جو دیکھے تو قیامت ہو گی
ناگہاں شوہرِ زینب بدلِ زار آتے محوِ غم لختِ دل جعفر طیّار آتے
شہ کی فرقت میں جو مغموم و دلافگار آتے سر کو نہوڑاتے ہوئے جانبِ بیمار آتے
بڑھ کے شبیر کے نازوں کے پلے سے لپٹے
ہائے سجاد کہا اور گلے سے لپٹے
رو کے بولے مرے فرزند میں تم پر قرباں حیف مارے گئے غربت میں امامِ دوجہاں
رو کے عابد نے کہا ہائے مرے عمو جاں آپ کا گھر بھی لُٹا ہو گئے بچے قرباں
آہ بھر کر کہا غم اُن کا نہ کھاؤ بیٹا
میں فدا اُن کے لیے دل نہ کڑھاؤ بیٹا
وہ پسرِ دلبرِ شبر سے زیادہ تو نہ تھے میرے بچے علی اکبر سے زیادہ تو نہ تھے
بھائی عباسِ دلاور سے زیادہ تو نہ تھے گرچہ کمسن تھے پر اصغر سے زیادہ تو نہ تھے
ذکر کیا اُن کا غلامِ پسرِ زہرا تھے
جب حسین اٹھ گئے پھر عون و محمد کیا تھے
اُن کے پُرسے کی مری جان ضرورت کیا ہے میں بھی قرباں ہوں۔ بچوں کی حقیقت کیا ہے
یہ تو بتلاؤ مگر تم کو اذیت کیا ہے کسی پہلو تمہیں راحت نہیں۔ کلفت کیا ہے
غم تمہارا دلِ بیتاب کو تڑپاتا ہے
پشت پر ہاتھ ہر اک بار یہ کیوں جاتا ہے

بولے سجاد نہ کچھ پوچھیے اے عمو جان — ہم پہ جو ظلم ہوئے آہ وہ کیونکر ہوں بیاں
رو کے بولے کہ بھلا کچھ تو کہو میں قرباں — سر جھکا کر کہا خود دیکھ لیں حضرت یہ نشاں

تن سے زخمِ ستمِ فرقۂ بدعت نہ گئے
آج تک پشت سے دروں کے جراحت نہ گئے

پشت دیکھی تو کہا ہائے یہ کیا اے سجاد — یہ مرض اور یہ صدمے یہ بلا اے سجاد
یہ تنِ زار یہ دروں کی جفا اے سجاد — تم نے کیا صبر کیا ہے بخدا اے سجاد

عرض کی اور بھی اک زخم عیاں ہے عمو
طوقِ آہن کا گلے میں بھی نشاں ہے عمو

وہ گلا چوم کے بولے کہ میں قرباں سجاد — فخرِ یوسف ہو وقارِ مہِ کنعاں سجاد
یہ کڑی جھیل نہ سکتے شہِ مرداں سجاد — مگر اک فکرِ غضب کی ہے مری جاں سجاد

گرچہ گھر لٹ گیا کس کس کی شہادت نہ ہوئی
پر نبی زادیوں کی تو کوئی ذلت نہ ہوئی

رو کے چلائے کہ جب شاہ پہ تلوار پھری — ہائے ہم سے نگہِ چرخِ ستمگار پھری
ننگے سر آلِ پیمبر سرِ بازار پھری — بال بکھرائے ہوئے زینبِ ناچار پھری

یہ غضب سن کے نہ سنبھلا گیا تھرا کے گرے
شوہرِ بنتِ علی خاک پہ غش کھا کے گرے

بس نسیم جگر افگار کہ ہے شورِ بکا — فاطمہ روتی ہیں مجلس میں یہ ہے وقتِ دعا
عرض کر بارگہِ حق میں کہ ربِ دوسرا — بخش دے میرے اب و جد کو طفیلِ شہدا

دونوں دیندار بھی تھے زہد و ابرار بھی تھے
مرثیہ گو بھی تھے ذاکر بھی عزادار بھی تھے

سنہ ۱۹۳۹ء

قید میں یوسفِ زہراؑ کا ثنا خواں ہوں میں   بزمِ زنداں کے لیے شمعِ شبستاں ہوں میں
ظلمِ اشرار سے خائف نہ ہراساں ہوں میں   حُرؑ کے مانند غلامِ شہِ ذی شاں ہوں میں
قید خانے میں جو ذکرِ شہدا کرتا ہوں
گھر میں فرعون کے موسیٰ کی ثنا کرتا ہوں

یہ، وہ مدحت ہے جو تا روزِ جزا باقی ہے   قید کی یاد بھی ساتھ اس کے سدا باقی ہے
علمِ خالق میں جو ذکرِ شہدا باقی ہے   پھر تو یہ مدح و ثنا بعدِ فنا باقی ہے
شاد کیونکر نہ دمِ مرثیہ خوانی ہوں میں
ہاں مرا نام تو قائم ہے، جو فانی ہوں میں

رمز بھی ہے یہ سخن، رمز کی توضیح بھی ہے   بحر بھی، کوزہ بھی، اجمال بھی، تشریح بھی ہے
پردے پردے میں کنایہ بھی ہے تلمیح بھی ہے   مدح کی مدح بھی تسبیح کی تسبیح بھی ہے
وہ بھی ہے والۂ و شیدا جو فلک والا ہے
صورتِ شورِ اذاں قول مرا بالا ہے

ہو نہ کیونکر مرے مصرعوں کا مہِ نو ہالا   ہے مسلسل یہ سخن دُرِّ نجف کی مالا
شاہ نے چشمِ عنایت سے جو دیکھا بھالا   آبرو بڑھ گئی مدّاح کی بالا بالا
انبیا سنتے ہیں یہ نظم۔ ولی سنتے ہیں
سب سے اعلیٰ یہ شرف ہے کہ علیؑ سنتے ہیں

سُست بندش ہے کوئی اور نہ مضامیں نظری   فردِ ہر بیت مرصّع ہے تو ہر بات کھری
ہر رباعی کے ہیں دو شعر نمازِ سحری   پنج سورہ مرا خمسہ ہے۔ میں اثنا عشری
شاہ، شیدا ہے مسدّس کا۔ گدا شیدا ہے
کیسے بندے۔ مرے بندوں کا خدا شیدا ہے

گُلِ مدحت کی جو ہے قید میں خوشبو ساری — صاف ظلمات میں ہیں نور کے چشمے جاری
کیوں مرے دَم سے خرابے میں نہ ہو گلکاری — ہوں نسیمِ چمنِ مدحِ رسولِ باری
بوئے اخلاص سے بستہ جو مرا بستا ہے
جو ورق دیکھیے فردوس کا گلدستہ ہے

میرے پھولوں سے گلستاں کو ملی آبادی — مرثیہ پڑھ کے ہزاروں کو جناں دلوادی
مدحتِ عقدہ کُشا کا جو ہوں طبعاً عادی — قید ہونے سے مجھے اور ملی آزادی
ہو کے فکروں سے الگ شہ کی ثنا کرتا ہوں
حقِ غلامی کا کھُلے بند ادا کرتا ہوں

جبکہ ہوتی ہے بپا قید میں بزمِ شبیرؑ — شہ کے مدّاح کی ہو جاتی ہے دونی توقیر
ڈھیر اینٹوں کا قرینے سے لگاتے ہیں اسیر — اک نیا بنتا ہے منبر صفتِ خمِ غدیر
ذکرِ شبیرؑ کی رفعت کا قرینہ دیکھو
کلمہ گو یو مری معراج کا زینہ دیکھو

رشکِ فردوس ہے یہ بزمِ شہِ فیض مآب — جس میں تکیے ہیں نہ مسند ہے نہ فرشِ کمخواب
حسنِ اخلاص سے سرشار قلوبِ احباب — نہ تکلف نہ تصنّع نہ تبرک نہ گلاب
عشق میں مست ہیں ہو حق کے مچانے والے
خاک پر بیٹھے ہیں دھونی کے رمانے والے

کیا بیاں کیجیے اس مدح و ثنا کا پایا — جس نے زنداں میں بھی اعزاز عطا فرمایا
اٹھ کے ذاکر ابھی منبر پہ نہ آنے پایا — عرش بولا کہ ٹھہر جاؤ، میں کرسی لایا
میں پکارا تری کیا اصل ہے کیا پایا ہے
ورَفَعنا لکَ ذِکرَک، تو یہاں آیا ہے

میں جو عالم میں تولاّئے علیؑ کا ہوں اسیر — بوریا مجھ کو ہے زنداں میں سلیماں کا سریر
میرے حق میں ہے یہاں خاک پہ سونا اکسیر — بوترابی ہوں زمیں ہے مری فطری جاگیر
وسعتِ دامنِ رحمت ہے یہ کونا میرا
دین تکیہ ہے مرا۔ عشق بچھونا میرا

میں بنارس کے خرابے میں ہوں دلشاد کمال   غمِ احباب نہ کچھ فکرِ عیال واطفال
ترکِ لذات سے تکلیف نہ فاقوں کا ملال   دال ملتی ہے غذا میں، جو قناعت پہ ہے دال
ڈالتے ہیں جو بہت ظلم کے بانی پانی
دال بھی شرم سے ہو جاتی ہے پانی پانی

حال کیا کیجیے زنداں کی غذا کا تحریر   پاؤں میں جس نے نقاہت کی پنھا دی زنجیر
بھوک اڑ جاتی ہے جاتے ہیں جو مطبخ میں اسیر   صورتِ طینتِ بدذات ہے آٹے کا خمیر
سبزیاں تلخیٔ ایام کا غم کھاتی ہیں
روٹیوں کا ہے جگر داغ۔ جلی جاتی ہیں

رستمِ وقت یہاں کے ہیں جو سارے عمّال   مثل مردے کے اکڑتے ہیں یہ بدذات کمال
لوگ کہتے ہیں۔ الٰہی ہمیں زنداں سے نکال   لب پہ آتا ہے مرے شیخِ حزیں کا یہ مقال
از بنارس نہ رَوَم معبَدِ عام است ایں جا
ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است ایں جا

عمر بھر قید کا واللہ نہ بھولے گا مزا   جس میں آزاد ہیں سب عاشقِ شاہِ شہدا
یا علیؑ کے کبھی نعرے ہیں کبھی بزمِ عزا   کبھی مجلس کبھی ماتم کبھی حیدرؑ کی ثنا
مدحتِ آل کا دن رات جو دَم بھرتے ہیں
خاص جو کام خدا کا ہے وہ ہم کرتے ہیں

یاں نظر بند محبت کے جو ہیں متوالے   سر فروشوں میں ہیں یہ خَلق کے دیکھے بھالے
خاک پر بیٹھے ہیں کھولے ہوتے کمبل کالے   اک نظر دیکھ لے تو بھی مرے کملی والے
عاشقِ آل ہیں۔ حیدرؑ کے تولّائی ہیں
تیرے یوسف کے خریدار یہ سودائی ہیں

مجتمع ہیں جو یہاں عاشق شاہِ مدَنی   ان میں کُل ہند کے شامل ہیں شجاعت کے دھنی
ہیں ہر اک گوشے کے دو چار یہاں پنجتنی   دل میں ہے جوشِ ولا۔ ولولۂ بت شکنی
کیوں جگر دار نہ ہوں حق کے وَلی کے بندے
کچھ فراری تو نہیں۔ سب ہیں علیؑ کے بندے

جس نے کفار کی ہستی کو مٹایا۔ وہ علیؑ جس نے اسلام کو اسلام بنایا وہ علیؑ
جس نے سوئی ہوئی دنیا کو جگایا۔ وہ علیؑ جس نے جاگے ہوئے فتنے کو سلایا وہ علیؑ
جس کے مانند کوئی ایک بھی جرّار نہیں
کرّ و فرّ دیکھیے۔ کرّار ہے۔ فرار نہیں

وہ علیؑ۔ تھا جو محمدؐ کے گھرانے والا جَم کے ہنگام وغا رنگ جمانے والا
تن کے مرحب سے تہمتن کو۔ دبانے والا بڑھ کے جو لیں دَرِ خیبر کی ہلانے والا
نام سے جس کے جن و انس لرز جاتے ہیں
گو ملک دور ہیں۔ پَر خوف سے تھرّاتے ہیں

یا علیؑ کے جو ہیں نعرے سحر و شام یہاں رُعب سے کانپتے ہیں منتظمین زنداں
سربکف صورت عباسؑ ہیں ملت کے جواں تن کے اب تیر بنے۔ پیر جو تھے مثلِ کماں
طفل بھی قید ہیں کچھ۔ اپنے اب و جد کی طرح
شیر ہیں سینہ سپر عونؑ و محمد کی طرح

اُلفت شیرِ خدا کا جو پیے ہیں بادہ جان دینے پہ ہیں یہ طفل حسین آمادہ
کوئی نازوں کا پلا ہے تو کوئی شہزادہ باپ دادا کی طرح قید کے ہیں دلدادہ
آنکھیں کہتی ہیں کہ بچوں میں ہر اک غازی ہے
کھیل کا کھیل ہے۔ جانبازی کی جانبازی ہے

بہر امداد ہے خالق کی حمایت کافی دل بڑھانے کو یداللہ کی اُلفت کافی
نورِ نجم العلما بہر ہدایت کافی ناصر الملت والدین کی نصرت کافی
فکر کیا ہے۔ جو نہیں مہدیِ غائب۔ حاضر
مطمئن خود ہے مُنیب۔ ایسے ہیں نائب حاضر

ان کے ایما سے جو یاں آئے ہیں سب پنجتنی قید خانے کی تکالیف میں بھی دل ہے غنی
سُن لے اب کھول کے کانوں کو یہ دنیائے دَنی ہم بنارس میں یہ ہیں۔ کچھ دور نہیں بت شکنی
خاک کر دیں گے ہر اک کفر کے کاشانے کو
ہم نے کعبہ تو بنا چھوڑا ہے بُت خانے کو

گو کہ بیمار ہے یہ عبدِ مسیحائے زماں ہے مگر فیض سے مولا کے وہی تاب و تواں
سات دانے جو بغل میں نکل آئے ہیں یہاں سوزِ سینے کا مرے ۔ ان کی ہے سوزش سے عیاں
یہ نہ لالے ہیں نہ شعلے ہیں نہ انگارے ہیں
فلکِ عشق کے ساتوں یہی سیارے ہیں

قید میں ہیں مرے دلسوز جو یہ آتش بار وہ حرارت ہے کہ جلتا ہے تنِ زار و نزار
سرعتِ نبض جو ہوتی ہے زیادہ ہر بار تپ نہ سمجھو مرے دل کا یہ نکلتا ہے بخار
لطف آجائے جو ایسے ہی گزر جاؤں میں
زندگی ہو جو اسی قید میں مرجاؤں میں

ہو گیا قید میں بیمار جو یہ عبدِ حقیر اُلفت زین عبا کی ہے یہ ادنیٰ تاثیر
عشق ہو جائے مکمل جو پہن لوں زنجیر ساتھ کنبے کے کیا جائے مجھے بھی تشہیر
تازیانے بھی جو کھاؤں تو نہ فریاد کروں
غش سے جب آنکھ کھلے مدحتِ سجاد کروں

مصحفِ منزلِ یٰسین مبیں ہیں سجاد خضرِ وادیِ عرفان و یقیں ہیں سجاد
خاتمِ صبر و تحمل کے نگیں ہیں سجاد چار معصوموں کے سجادہ نشیں ہیں سجاد
خلق میں جیسے علیؑ ہیں شہِ لولاک کے بعد
ہو بہو ایسے ہیں یہ پنجتنِ پاک کے بعد

صلح میں ہیں یہ حسنؑ ۔ صبر میں شاہِ شہدا حلم میں نفسِ نبیؐ ۔ خُلق میں محبوبِ خدا
عیسیِ دردِ مصیبت ۔ تپِ عصیاں کی دوا خود مریض اور مریضوں کے لیے خاکِ شفا
دمِ عیسیٰ جو دہن میں ہے زباں کی صورت
معجزے ہاتھ میں ہیں نبضِ رواں کی صورت

مثلِ شبیر جو راضی برضا ہیں سجاد زندگی میں بھی شریکِ شہدا ہیں سجاد
ہر بُنِ مُو سے جو مصروفِ دعا ہیں سجاد تن مصلے پہ ہے اور پیشِ خدا ہیں سجاد
نہ ملے اور کو ایسا نہ ملا ہے بیٹا
باپ ہے آلِ عبا ۔ زینِ عبا ہے بیٹا

عمر مولا کی ہوئی حق کی عبادت میں بسر
ایسے معصوم کا عابد نہ لقب ہو کیونکر
صَدَفِ صبر کے دُر۔ بحرِ شہادت کے گہر
تین اماموں کے جگر۔ آٹھ اماموں کے پدر

تا قیام آپ کے صدقے میں جہاں قائم ہے
ان کے قائم سے نماز اور اذاں قائم ہے

وارثِ دبدبہ و نزدِ خداداد علیؑ
حریت بخش جہاں۔ یوسفِ آزاد علیؑ
ضامنِ نسل نبیؐ ۔ آدم اولاد علیؑ
خود بلا میں پہ بلاؤں کے لیے نادِ علیؑ

غیر بھی کہتے ہیں سُن سُن کے وظیفہ ان کا
دین و دنیا کی ضمانت ہے صحیفہ ان کا

حُجّتِ ہستی معبود وجودِ ذی جود
ان سے توحید کی بود اور نبوت کی نمود
ایسے بندے کہ مباہات کرے رَبِّ ودود
یہ، وہ گُل ہیں کہ محمدؐ بھی پڑھیں جن پہ درود

ایک جَد ان کے نبیؐ ۔ ایک ولی۔ باپ امام
بیٹے پوتے بھی امام آپ کے۔ اور آپ امام

حق کے محبوب کے پیارے کے دلارے یہ ہیں
آل کی ڈوبتی کشتی کے سہارے یہ ہیں
قمرِ فاطمہؑ کی آنکھ کے تارے یہ ہیں
چاند کے چاند۔ ستارے کے ستارے یہ ہیں

کیوں نہ ہو دافعِ ظلمت یہ شہِ بدر کا چاند
جس کا پوتا بھی جہاں میں ہے شبِ قدر کا چاند

فلکِ صبر و تحمل کے یہ ہیں ماہِ تمام
حلم میں آئنۂ علمِ رسولِ اسلام
ایک تو ہمنامِ علیؑ ۔ دوسرے حق کے ہمنام
تیسرے عترتِ محبوبِ خدا۔ چوتھے امام

جن کے نانا ہیں محمدؐ یہ ولی ایسے ہیں
جن کا بیٹا بھی محمدؐ ۔ یہ علیؑ ایسے ہیں

وارثِ احمدِ مختار۔ امیرِ کونین
کوکبِ اوجِ وفا۔ ماہ شہ بدر و حنین
سورۂ عماد بھی دیکھا کرے وہ نور العین
حسنؑ پاک کے داماد۔ علیؑ بن حسینؑ

ثانیِ حیدرِ کرار ہیں۔ احمدؐ کی قسم
یہ علیؑ چوتھے خلیفہ ہیں۔ محمدؐ کی قسم

ایسا دادا ہے کہ جس کی ہے شجاعت مشہور
ایسی دادی کہ دو عالم میں طہارت مشہور
ماں وہ ہے، جس کے گھرانے کی عدالت مشہور
باپ وہ۔ جس سے محمدؐ کی رسالت مشہور
ایسا نانا ہے جسے وحیِ خدا آتی ہے
قید میں عقدہ کُشا ہیں یہ شرف ذاتی ہے

نائبِ ختمِ رسل ہیں یہ امام اَزَلی
خود ولی اور ولیعہد محمدؐ سا ولی
چمنِ صبر کے گل، باغ شفاعت کی کلی
نورِ عین نبوی نرگسِ بیمارِ علیؑ
سب سے آگے رہِ تسلیم میں بیمار بڑھا
شکر بڑھتا ہی گیا جس قدر آزار بڑھا

وہ جبیں نور میں جو غیرتِ ماہ کنعاں
وہ لب پاک، جو گویا ہے کتاب یزداں
وہ زباں جس پہ یہ ہے بلبلِ سدرہ کو گماں
پنکھڑی پھول کی رکھی ہے میانِ قرآں
یاد آتا ہے خدا۔ رُخ میں جلالت ایسی
ایک مصحف میں نہیں نور کی صورت ایسی

ہے زباں موجۂ دریائے کمالاتِ سلف
دہن پاک ہے عمّانِ رسالت کی صدف
وہ چمکتے ہوئے دنداں گہر دُرجِ شرف
آبرو جس سے ہے تسبیح کی۔ وہ دُرِ نجف
جو کہے دُرِ عدن عشق میں وہ کچا ہے
قلزمِ علم کے موتی جو کہے سچا ہے

حق نے بخشی ہے انہیں سیرتِ زیبا کیا خوب
آب اشکوں کا، تو دُردوں کی غذا ہے مرغوب
صبر میں نوحِ غریباں ہیں رضا میں ایوّب
قید میں یوسفِ کنعاں۔ تو بکا میں یعقوب
فخرِ صالح بھی ہیں عترت کے شتربان بھی ہیں
خود ہوا کو بھی ترستے ہیں سلیمان بھی ہیں

وجہ آزادی دیں ہیں یہ اسیرِ زنداں
قفس جور و جفا میں نفسِ مَن داماں
کورِ باطن کی حکومت میں ضمیرِ قرآں
طوق و زنجیر میں جکڑی ہوئی وحیِ یزداں
یہ نہ ہوتے تو رسالت نہ امامت ہوتی
بعد شبیرؑ کے ہوتی تو قیامت ہوتی

ایسا عابد کہیں دیکھا نہ عبادت ایسی | مفتخر جس پہ ہے طاعت بھی اطاعت ایسی
نخل اسلام کا قامت ہے اقامت ایسی | آج تک دین ہے سرسبز ریاضت ایسی
روز و شب ذکر سے شاداں دلِ ناشاد ہوا
اتنے سجدے جو کیے نام ہی سجّاد ہوا

اس کی کیا مدح ہو ہر درد کا جو ہے شافی | وصف اتنے ہیں کہ ممکن ہی نہیں وصّافی
ہیں حدیثیں سندِ زہد و ورع میں کافی | لو بخاری بھی سہی۔ گر نہ ہو کافی وافی
اہلِ تاریخ نے اس بات کو دہرایا ہے
موتی جھوٹا نہیں سچّوں نے یہ فرمایا ہے

اژدہا بن کے بڑھا ایک دن ابلیس ادھر | لے لیا پاؤں مصلّے پہ دہن کے اندر
بل پڑا ماتھے پہ عابدؑ کے نہ بگڑے تیور | بعدِ تسبیح کہا۔ مار خدا کی تجھ پر
لعن سنتے ہی انہیں زین عبا مان لیا
پوتے حیدرؑ کے ہیں۔ موذی نے بھی پہچان لیا

اپنے بیگانے ہیں سب قدر شناس مولا | آج تک حجِ ہشام اس کا ہے شاہد بخدا
سنگِ اسود کو جو بوسے کو سیہ کار بڑھا | تھی وہاں کثرتِ مردم سے نہ تل دھرنے کی جا
لاکھ کوشاں تھے خدم۔ پر نہ جگہ پاتا تھا
شاہ قدموں میں فقیروں کے گرا جاتا تھا

ناگہاں دور سے آیا نظر اک مردِ خدا | بر میں کہنہ تھی عبا۔ دست مطہر میں عصا
چار سو اس کے رُخِ پاک کی پھیلی جو ضیا | ابرِ مجمع کا پھٹا۔ راہ کھلی۔ شور گھٹا
جس نے دیکھا یہی بولا مرا دل جاتا ہے
ایک سے پوچھتا تھا ایک، یہ کون آتا ہے

دشمنِ آلِ نبیؐ تھا جو ہشام خودسر | بن گیا جان کے انجان عدوئے حیدرؑ
مشتعل بغض کے شعلوں سے جو اس کا تھا جگر | دے دیے چھینٹے فرزدق نے قصیدہ پڑھ کر
تھا یہ مطلب کہ خدم سے نہ حشم سے پوچھو
تم بصیرت سے ہو محروم تو ہم سے پوچھو

یہ وہ ہے جس کی طریقت سے ہے واقف بطحا — حرم و کعبہ ہیں عارف تو شناسا دنیا
تھا جو سب خلق سے بہتر یہ پسر ہے اس کا — پاک بھی صاف بھی مشہور بھی اہل التقویٰ

یہ نشانی بخدا احمدِ مختار کی ہے
صلوات اس پہ سدا خالقِ غفار کی ہے

نام اس کا ہے علیؑ۔ جد ہیں رسول اکرمؐ — راہ یاب اس کے ہیں انوارِ ہدایت سے امم
حمزہ و جعفر طیار قتیل و ضیغم — ہیں اسی کے تو چچا اس کی محبت کی قسم

دلِ زہراؑ۔ جگرِ ابن ابی طالبؑ ہے
جن کی شمشیرِ دو دم موت پہ بھی غالب ہے

کیا مضر ہے ترا کہنا کہ یہ ہے کون بشر — تو نہ پہچانے مگر جانتی ہے دنیا بھر
بوسہ دینے کو وہ آیا ہے جو ہو جائے خبر — چوم لے نقشِ قدم خاک پہ اسود گر کر

کچھ نہیں دور کہ وہ اس کے جو پاس آئے گا
دیکھ کر دستِ مبارک یہ لپٹ جائے گا

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته — والبیت یعرفه والحل والحرم
هذا ابن خیر عباد الله کلهم — هذا التقی النقی الطاهر العلم

هذا الذی احمد المختار والده
صلی الاله علیه ما جری القلم

هذا علی رسول الله والده — امست بنور هداه تهتدی الامم
هذا الذی عمه الطیار جعفر والـ — مقتول حمزة لیث حبه قسم

هذا ابن سیدة النسوان فاطمة
وابن العلی الذی فی سیفه سقم

ولیس قولک من هذا بضائره — العرب تعرف من انکرت والعجم
لو یعلم الرکن من جاء یلثمه — لخر یلثم منه ما وطا القدم

یکاد یمسکه عرفان راحته
رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

کہتے ہیں سب قرشی دیکھ کے ان کو یہ بات　　منتہائے کرم و فضل انہیں کے ہیں صفات
حامِلِ بارِ مصیبت زدگاں ان کی ذات　　ان کی نعمات میں سیرت کی طرح لطفِ نبات

ابن زہرا ہیں جو تو نے نہیں پہچانا ہے
ان کا نانا ہے جسے ختمِ رُسُل مانا ہے

ہے ہدایت کی چمک صبح جبیں سے پیدا　　ظلمتیں کھوتی ہے سورج کی طرح جس کی ضیا
اصل ہیں آپ کے شجرے کی رسولِ دوسرا　　نیک خو نیک سیر پاک نسب صلِّ علیٰ

قولِ اسلاف کا حاصل جو سخن ہے ان کا
پھول ہی جھڑتے ہیں جس سے وہ دہن ہے ان کا

ازلی فضل و شرف حق نے کیا ان کو عطا　　لوح میں صاف ہے محفوظ یہ فرمانِ قضا
جس کی ہتھیلی ہے مہک۔ ہاتھ میں ایسا ہے عَصَا　　ناک اونچی ہے حیا داروں میں صورت زیبا

ان کا نانا ہے رسولانِ سلف میں اولیٰ
جس کی امّت بھی ہے اوروں سے شرف میں اولیٰ

اذا راته قریش قال قائلها　　الیٰ مکارم هٰذا ینتهی الکرم
حمال اثقال اقوام اذا فدحوا　　حلو الشمائل تحلوا عنده النعم

هٰذا ابن فاطمة ان کنت جاهله
بجده انبیاء الله قد ختموا

ینشق نور الهدیٰ عن صبح غرته　　کالشمس ینجاب عن اشراقها الظلم
منشقة من رسول الله نبعته　　طابت عناصره والخیم والشیم

ان قال قال بما یهوی جمیعهم
وان تکلّم یوماً زانه الکلم

اَللّٰه شرّفه قدما و فضّله　　جریٰ بذٰلك فی الواحه القلم
فی کفه خیزران ریحه عبق　　من کفّ اروع فی عرنینه شمم

من جدّه دان فضل الانبیاء له
وفضل امته دانت له الامم

۔ عام جن کی ہے عطا۔ ہاتھ ہیں وہ ابرِ کرم — نقص ذرہ نہیں، گو صرف عطا ہیں پیہم
نیک خو ایسے کہ غصے کا نہیں ڈر اک دم — کیوں نہ ہو ان کی ہیں زینت کرم و علم بہم
گر کبھی غیظ میں اعدا کی جفا لاتی ہے
شیر تو چیز ہے کیا موت بھی تھراتی ہے

کس کی گردن پہ نہیں بارِ میانِ خلقت — ان کے اسلاف کی یا خاص انہیں کی نعمت
کیوں نہ وعدے کے ہوں سچے کہ ہیں عالی طینت — عزم میں حزم ہے شامل تو سخا میں وسعت
نقطۂ اوج جو اس اہلِ حشم نے پایا
دینِ حق میں نہ عرب نے نہ عجم نے پایا

کفر و دیں ان کے گھرانے سے عنادا در ولا — مغفرت قرب میں جن کے ہے وہ ایسے ملجا
جب پڑے قحط تو ہیں فیض کے بادل گویا — جب پڑے رن تو وہی رن میں ہیں شیرِ ہیجا
اہلِ تقویٰ کا جو ہو ذکر تو وہ اولیٰ ہیں
بہتر از خلق کو پوچھو تو وہی مولیٰ ہیں

۔ کلتا یدیہ غیاث عمّ نفعهما — یستوکفان ولا یعروهما عدم
سهل الخلیقة لا تخشی بوادره — یزینه الخصلتان العلم والکرم
اللیث اهون منه حین تبغضه
والموت ایسر منه حین یهتضم

ای الخلائق لیست فی رقابهم — لاوّلیة هذا اوله نعم
لا یخلف المیعاد میمون نقیبته — رحب الفناء اریب حین یعتزم
ینمو الی ذروة العز التی قصرت
عن نیلها عرب الاسلام والعجم

من معشر حبهم دین وبغضهم — کفر وقربهم منجی ومعتصم
هم الغیوث اذا ما ازمة ازمت — واللیث لیث الشری والباس محتزم
ان عد اهل التقی کانوا ائمتهم
او قیل من خیر خلق الله قیل هم

۵ سب سے ماقبل ہیں مابعدِ خدا۔ ان کے نام   ہر سخن کا وہی آغاز۔ وہی ہیں انجام
ان کی الفت سبب دفع ہموم و آلام   نعمتیں جن کی کنیزیں ہیں تو احساں ہے غلام

کس میں ہمت ہے سخاوت جو دکھائے ان کی
لاکھ فیاض بنے حد کو نہ پاتے ان کی

دستِ فیاض کو ہوتا نہیں عسرت سے زوال   پاس ہو یا کہ نہ ہو مال برابر ہے مآل
ہے وہ مابینِ قریش ان کے مکانوں کا جمال   جو مصائب میں سہارا ہے مسائل میں مثال

خود صحابہ بھی طلبگار مدد رہتے ہیں
وہ چھپاتے ہیں چھپایا کریں ہم کہتے ہیں

رعب وہ چشم حیا میں کہ جھکے چشم جہاں   مسکرائیں جو نہ یہ کب ہے سخن کا امکاں
آشنا لا سے ہوئی صرف تشہد میں زباں   یہ نہ ہوتا تو نہیں آپ کی ہو جاتی ہاں

عام احسان جو ان کا پئے جمہور ہوا
غم مٹا۔ فقر اٹھا۔ رنج والم دور ہوا

---

۵ مقدم بعد ذکر الله ذکرهم   فی کل بدءٍ ومختوم به الکلم
یستدفع الشر والبلوی بحبهم   ویسترق به الاحسان والنعم

لا یستطیع جواد بعد غایتهم
ولا یدانیهم قوم" وان کرموا

لا ینقص العسر بسطاً من اکفهم   سیّان ذٰلك ان اثروا وان عدموا
بیوتهم من قریش یستضاء به   فی النائبات وعند الحکم ان حکموا

مواطن قد علت فی کل نائبة
علی الصّحابة لم اکتم وان کتموا

یغضی حیاءً ویغضیٰ من مهابته   فما یکلم الّا حین یتبسّم
ما قال لا قطّ الا فی تشهده   لولا التشهد کانت لاءه نعم

عم البریة بالاحسان فانقشعت
عنها العنایة والاملاق والعدم

٭ قرشی نسل سے ہیں آپ کے آبائے کرام
اک نبی ایک علی جو کہ ہے بعد ان کے امام
جس کی توقیر پہ شاہد ہیں جو سوچیں خود کام
خندق و بدر و اُحد اور شکست اصنام
آپ کو جانا ہے مولا۔ عرفاتے رب نے
پایا ہے دین خدا گھر سے انہیں کے سب نے

ہاں نسیم چمنستانِ رسولِ اکرم
آج مولا سے ملا تجھ کو فرزدق کا حشم
شاہ سے بارہ ہزار اس نے جو پائے تھے درم
تیری محنت کا صلہ بارہ اماموں کا کرم
دمبدم تو جو شہ دیں کی ثنا پڑھتا ہے
لطف یہ ہے کہ خدا صلِّ علیٰ پڑھتا ہے

اے زہے منزلتِ نورِ نگاہ شبیرؑ
معنیٰ حلم کی گویا ہے سراپا تصویر
یوں ہوتے شام میں یہ طوق پہن کر تشہیر
بن گئی کشتیٔ اسلام کا لنگر زنجیر
یہ جو خاموش رہے موذیوں کا دم نکلا
ان کی زنجیر سے زنجیر کا ماتم نکلا

کیوں نہ ہوں خلق سے اعلیٰ یہ امامِ ازلی
ان کے پوتے بھی علیؑ خود بھی علی جد بھی علیؑ
وہ بھی مولائے جہاں، یہ بھی دو عالم کے ولی
فرق دونوں میں ہے اتنا کہ وہ گل ہیں یہ کلی
آگے پیچھے ہیں رواں دونوں یہ ایمان کے چاند
مرتضیٰ ماہِ رجب ہیں تو یہ شعبان کے چاند

مولدِ یوسفِ آزادِ علیؑ پڑھتا ہوں
وجد کا حال بہ امداد علیؑ پڑھتا ہوں
کبھی صلوات کبھی نادِ علیؑ پڑھتا ہوں
یا علی آؤ کہ میلادِ علیؑ پڑھتا ہوں
لو مری نظم کے سننے کو ولی آ پہنچے
طبع بھی ہو گئی اعلیٰ کہ علیؑ آ پہنچے

٭ ابائه من قريش في ارومتها
محمدٌ وعليٌّ بعده علم
بدر له شاهد والشعب من احد
والخندقان ويوم الفتح ان علموا
من يعرف الله يعرف اولوية ذا
فالدين من بيت هذا ناله الامم

اے گلو قاسمِ جنت کی سواری آئی رُت پھری۔ پھول کھلے فصلِ بہاری آئی
بہرِ گلگشت جہاں رحمت باری آئی پھول تو پھول چکے۔ اب مری باری آئی
ہاں نسیم آج دکھادے جو روش ذاتی ہے
ہر کلی کھِل کے کہے بوئے شمیم آتی ہے

آج عالم کا مسرت سے عجب عالم ہے گل بھی بشاش ہیں بلبل بھی خوش وخرم ہے
دمبدم باعثِ فرحت جو صبا کا دم ہے سجدۂ شکر میں ہر شاخ خوشی سے خم ہے
شور و غل ہے کہ تری شان کے قربان اللہ
غنچہ غنچہ گل تسبیح ہے سبحان اللہ

خلد کی آب فزوں تر ہوئی، پھولوں کی بہار قصر کے نقش ونگار اور نگاروں کا سنگھار
دیدۂ نرگسِ شہلا کے مسیحا بیمار پھول مانند حسین ابن علی۔ گلُ رخسار
ہر کلی کھِل کے جو یا عقدہ کشا کہتی ہے
کھُل کے جنت کی ہوا صلِّ علیٰ کہتی ہے

زعفرانی وہ ہزارے کہ مسرت انگیز وہ ہوا روح فزا جس سے فضا عنبر بیز
وہ ہر اک بیل دل آویز وہ شاخیں گل ریز گل بھی غنچے بھی نئے۔ غنچہ دہن بھی نوخیز
کون سا پھول چنیں، ایک پہ اک غالب ہے
رنگِ میلاد علیؑ ابن ابی طالب ہے

جو شجر ہے وہ مے حسن سے مستانہ ہے حورِ فردوس دولھن۔ قصرِ جلو خانہ ہے
جشن میلاد ہے یا جلسۂ رندانہ ہے کہیں بادہ، کہیں شیشہ، کہیں پیمانہ ہے
دورِ قرآں ہے۔ جدھر آج نظر مڑتی ہے
الفتِ ساقیٔ کوثر کی شراب اڑتی ہے

طربِ انگیز وہ منظر وہ فضا روح فزا آج تک جس کے تصور میں بھی آتا ہے مزا
مجلس شہ میں محب کھاتے ہیں جنت کی ہوا دور سے گوشِ عقیدت میں یہ آتی ہے صدا
مے کشو بڑھ کے مۓ ناب کے پیمانے لو
صورت شمع ہنسو۔ خلد کے پروانے لو

ہاں مرے ساقیِ مہوش کوئی ساغر دینا　　فاقہ مستوں کو مئے طاہر دا طہر دینا
عطرِ کوثر کا۔ نہ تسنیم کا جوہر دینا　　آج تو بادۂ وحدت کا مقطر دینا
صاف مۓ ایسی ہو ساقی، ترا سینہ جیسے
ایسی خوشبو ہو محمدؐ کا پسینہ جیسے

تو ازل سے مرا قلقل کا سنانے والا　　میں قدیمی ترا ہوں حق کا مچانے والا
چار پشتوں سے ہوں پھیری جو لگانے والا　　بے مۓ ناب پیے میں نہیں جانے والا
نامِ عابدؔ کی مجھے بھیک عطا ہو ساقی
اب بُرا حال ہے۔ میکش کا۔ بھلا ہو ساقی

کشتیِ مے سوئے تسنیم بہا دے ساقی　　جلد بیڑے کو مرے پار لگا دے ساقی
اپنی جنت کا بھی اک دور دکھا دے ساقی　　خود پیوں گا مجھے کوثر پہ بٹھا دے ساقی
بار ساغر نہ اٹھے گا ترے مستانے سے
ہیں جو کمظرف وہ مے پیتے ہیں پیمانے سے

وہ پلا جام کہ مہتاب ہے جس کا ہالا　　جو ازل سے ہے ترے رند کا دیکھا بھالا
میں تو انسان ہوں جبریل بھی ہے متوالا　　مجھ سے بھی پہلے وہ پیتا رہا بالا بالا
جانِ تعمیر ہے یاں جو بھی خراباتی ہے
لبِ مینا سے بھی حق حق کی صدا آتی ہے

پرتو نورِ ازل، جامِ ضیا بار پلا　　جس کا قطرہ ترا کوثر ہے وہ زخار پلا
جان کر مجھ کو بھی الفت کا خریدار پلا　　اپنے یوسف کا تصدق سرِ بازار پلا
طالبِ اجرِ رسالت دلِ دیوانہ ہے
جانِ حاضر ہے سرِ دست۔ یہ بیعانہ ہے

دل قوی ہو۔ جو یہ مے، خوف و خطر میں پی لیں　　پھر نہ رہزن کا حذر ہو۔ جو سفر میں پی لیں
کبھی مسجد میں کبھی راہگزر میں پی لیں　　بے تکلف کبھی اللہ کے گھر میں پی لیں
رال اپنی تو ٹپکتی ہے اسی بادے پر
جس کو سجاد پییں بیٹھ کے سجادے پر

قدرداں جس کے ہیں سلطانِ حجازی وہ شراب　　جس کا ساقی ہے خداوندِ مجازی وہ شراب
مے کوثر سے بھی جو لے گئی بازی وہ شراب　　عین روزے میں پییں جس کو نمازی وہ شراب

انبیا جس کا عبادت میں بھی دم بھرتے ہیں
جس سے خود بانی اسلام وضو کرتے ہیں

عربی ہو، نجفی ہو، مدنی ہو۔ ساقی　　فاطمی اور حسینی حسنی ہو ساقی
مختصر یہ کہ مئے پنجتنی ہو ساقی　　مدتوں پردۂ غیبت میں چھپی ہو ساقی

جس کو پی کر مے کوثر کا قبالہ مل جائے
اور تو ایک طرف بانٹنے والا مل جائے

ساقیا جان نکلنے کو ہے پردے سے نکل　　وعدہ فردا کا سہی۔ آج تو دل ہے بے کل
نہ ہٹا گیسوئے غیبت کا جو رخ سے بادل　　کاکُلِ شاہدِ اسلام میں پڑ جائیں گے بل

حشر ہوگا شبِ فرقت کی سحر ہونے تک
"کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک"

مژدہ اے بادہ کشو بخت ہمارا چمکا　　مے پرستی کو اٹھو صبح کا تارا چمکا
قلزم زہد و عبادت کا کنارا چمکا　　صبرِ ایوب کی قسمت کا ستارا چمکا

غل ہوا وادیِ غربت کا سہارا آیا
منزلِ صاحبِ والنجم میں تارا آیا

خلق میں آتے ہی معصوم نے سجدہ جو کیا　　بڑھ کے آغوش میں بچے کو امامت نے لیا
چوم کر رُخ کو پکاری یہ محمد کی ضیا　　یہ چراغ حرم پاک خدا کا ہے دیا

لال بانو کو ملا خیر ورا کے گھر میں
طاقِ کسریٰ کی جلی شمع خدا کے گھر میں

ہو بہو رُخ سے جو دادا کا تجمل تھا جلی　　نام پوتے کا رکھا حیدر صفدر نے علی
گردشِ چشم پکاری کہ یہ مہرو ہے ولی　　تلخیِ صبر ہے اس لال کو مصری کی ڈلی

حلم چہرے سے ٹپکتا ہے۔ بُکا آنکھوں سے
گریۂ حضرتِ یعقوب گرا آنکھوں سے

خواہرِ سیّد والا نے کہا ۔ لو بھائی چاند سا لال یہ خالق نے دیا ۔ لو بھائی
اپنے فرزند کو گودی میں اٹھا لو بھائی گھر کو آباد کریں گے انہیں پالو بھائی
وہ خوشی ہے کہ ہر اک محوِ دعا ہوتا ہے
آج دیکھیں ہمیں کیا نیگ عطا ہوتا ہے

مسکرانے لگے یہ سُن کے امامِ والا بولے شفقت سے کہ لے لیجیو پھر ۔ جلدی کیا
سن کے یہ ہو گئیں خاموش جو بنتِ زہرؐا بولیں کلثوم کہ حق تو ابھی لیں گے بھیا
کیجیے بھول عطا ۔ دولت و زر کے بدلے
دیجیے ہم کو یہی لال گہر کے بدلے

شہ نے خوش ہو کے دیا لال ۔ انھوں نے پالا یوں بلا گرد رہیں جیسے قمر پہ ہالا
تھیں جو عابدؑ پہ فدا مثلِ امامِ والا مصحف زانوئے اقدس تھا مرادوں والا
رات دن فضلِ خدا سے جو سن و سال بڑھا
قد و قامت صفتِ شوکت و اقبال بڑھا

شاملِ حال جو ہر دم تھی خدا کی تائید ہو گیا فخر گھرانے کا یہ فرزندِ سعید
باپ شبیرؑ سا ، بیٹا بھی ہو عابد سا رشید دونوں شعبان کے مولود ، محرم کے شہید
وہ کیا کام جو دنیا میں کسی سے نہ ہوا
اس طرح صبر ۔ نبیؐ اور علیؑ سے نہ ہوا

گو کہ دل پر غمِ انصار اٹھایا شہ نے داغِ عباسِ علمدار اٹھایا شہ نے
اپنی طاقت سے سوا بار اٹھایا شہ نے لاشۂ اکبرِ جرّار اٹھایا شہ نے
پھر بھی ممکن یہ نہ تھا آپ یہ محشر دیکھیں
مجمعِ عام میں زینب کو کھلے سر دیکھیں

بڑھ گئے حلم میں سجاد مریض و دل گیر ماں ۔ پھوپی ۔ ہو گئیں سب سامنے آنکھوں کے اسیر
شوق میں بخششِ امت کے پہن لی زنجیر سارباں بن کے ہوئے ساتھ حرم کے تشہیر
دمبدم ضعف و نقاہت سے جو گر جاتے تھے
تازیانے کبھی کھاتے کبھی غش کھاتے تھے

دیکھ کر نیزے پہ سر باپ کا روتے تھے اگر ظلم کرتے تھے شقی نوکِ سناں سے ان پر
رُخ پہ ماں بہنوں کے جاتی تھی جو بلوے میں نظر سر جھکا لیتے تھے بس تھام کے ہاتھوں سے جگر
شام تک دشتِ ستم سے یہ دلِ زار گئے
خاک بازار کی چھانی سرِ دربار گئے

چرخ کا دیکھ کے نیرنگ میانِ دربار غم نصیبوں کو ملا گوشۂ زنداں میں قرار
وہ مریضِ غمِ فرقت وہ مکاں تیرہ و تار در و دیوار شکستہ کہیں عقرب کہیں مار
رحم کھاتا تھا نہ کوئی نہ بکا سُنتا تھا
ایک تو ہند حزیں۔ ایک خدا سُنتا تھا

ہند کہتی تھی ارے کون یہ جاں کھوتا ہے جس کی فریاد کو سُن سُن کے قلق ہوتا ہے
غمزدہ وہ ہے کہ شب کو بھی نہیں سوتا ہے دل مرا پھٹتا ہے صدمے سے یہ جب روتا ہے
کون بیوہ ہے جو یوں اشکوں سے منہ دھوتی ہے
جس طرح اپنے جواں لال کو ماں روتی ہے

بولی اک لونڈی نہ غم کھائیے بی بی میں فدا یاں کسی کے ہیں حرم قید جو کرتے ہیں بکا
ہند بولی کہ یہ ہیں کون، کہو بہرِ خدا وہ نہ ہو بات کہیں، جس کا مجھے ہے کھٹکا
خواب میں رات جو زہرا مرے گھر آئی تھیں
خاک چہرے پہ ملے برہنہ سر آئی تھیں

مجھ سے فرماتی تھیں کچھ راہِ خدا دے مجکو ظالموں سے سرِ شبیر دلا دے مجکو
بال بکھرائے ہوں چادر تو اڑھا دے مجکو ہند اب قید سے لِلّٰہ چھڑا دے مجکو
دیس میں تیرے مصیبت میں گرفتار ہوں میں
یوں لٹی ہوں کہ بہتر کی عزادار ہوں میں

میں ابھی جاؤں گی زنداں میں کنیزو آؤ چوبداروں سے کہو لائیں قناتیں، جاؤ
کھانا پانی بھی اسیروں کے لیے منگواؤ ان غریبوں سے بھی ہاں جلد اجازت لاؤ
لاکھ قیدی سہی مہماں تو ہمارے وہ ہیں
پاس لازم ہے کہ دکھ درد کے مارے وہ ہیں

لونڈیوں نے جو یہ زنداں میں خبر پہونچائی قیدیوں کے رُخِ پُرنور پہ زردی چھائی
رو کے زینبؑ نے کہا۔ ہائے قیامت آئی جلد آؤ۔ مجھے دامن میں چھپا لو بھائی
خاک پر بیٹھی ہوں منہ ڈھانپے ہوئے بالوں سے
ہند دیکھے گی مجھے قید میں ان حالوں سے

بے نوائی پہ مری گر وہ ترس کھائے گی ڈھانپنے کو مرے بالوں کے ردا لائے گی
میں بھی بیٹی ہوں سخی کی مجھے شرم آئے گی بی بیو مجھ سے یہ ذلت نہ سہی جائے گی
یا خدا۔ قیدیوں میں ماتم تازہ دیکھے
ہند یاں آئے تو زینبؑ کا جنازہ دیکھے

یاں بہاتے تھے حرم سن کے یہ نالے۔ آنسو اُدھر آتی تھی وہ دل چاک بکھرے گیسو
تا بہ زنداں درِ شاہی سے وہ پہرہ ہر سو لونڈیاں چار طرف بیچ میں ہند خوش خو
وسوسے دل میں جو تھے، فکر میں جان کھوتی تھی
خواب کے دھیان میں مُنہ ڈھانپے ہوئے روتی تھی

درِ زنداں پہ جو آئی وہ کنیزِ شبیرؑ ایک بیمار کو دیکھا کہ ہے کلفت میں اسیر
نیمجاں غش میں جو تھا بستۂ طوق و زنجیر عطر اشکوں کا چھڑک کر یہ پکاری دلگیر
مُنہ سے بولو، مجھے کچھ حال سناؤ اپنا
جاں بلب غم سے ہوں میں نام بتاؤ اپنا

غش سے چونکا یہ صدا سن کے جو پابندِ بلا کھول کر آنکھ کہا۔ نام ہے قیدی اپنا
اس نے پوچھا جو مرض، بولے فراقِ شہدا رو کے بولی کہ دوا کیا ہے۔ کہا آہ و بکا
بسترِ خاک پہ، غش آکے، لِٹا دیتا ہے
دردِ دل اٹھ کے مصلّے پہ بٹھا دیتا ہے

اس نے پوچھا کہ خطا کیا ہے۔ کہا حق طلبی پوچھا شاہد ہے کوئی۔ بولے باتیؑ دابی
پوچھا ہمدرد کوئی ہے۔ تو کہا روحِ نبیؐ پوچھا تسکیں کوئی دیتا ہے۔ کہا تشنہ لبی
بولی وہ صبح سے کھانے کو بھی کچھ پایا ہے
بولے ہاں، کیوں نہیں، دُرّہ تو ابھی کھایا ہے

پوچھا ناصر ہے کوئی، بولے چھری سب پہ چلی
پوچھا پھر کون ہے غمخوار، کہا نادِ علیؑ
پوچھا سر پر کوئی وارث ہے، کہا حق کے ولی
پوچھا مادر کا ہے کیا نام، کہا کوکھ جلی
بولی دل تھام کے وہ، باپ کو کیا کہتے ہیں
رو کے فرمایا کہ مذبوحِ قفا کہتے ہیں

پوچھا دلسوز ہے اب کون، کہا دلشکنی
پوچھا کیا درد کا درماں ہے کہا سینہ زنی
پوچھا مذہب کو تو فرمایا کہ ہیں پنجتنی
اس نے پوچھا جو وطن کو تو پکارے مدنی
بولی گھبرا کے محمدؐ کا پسر خیر سے ہے
بولے عزّ و شرفِ خیرِ بشر خیر سے ہے

پوچھا اک شہ کے برادر ہیں، کہا ہاں عباسؑ
مرتبے میں وہ ہوئے فخرِ جناب الیاسؑ
پوچھا عابدؑ کا ہے کیا حال، کہا دل ہے اداس
آجکل تپ میں گرفتار ہیں وہ نیک اساس
پوچھا اکبرؑ کی دلھن آئی گھر آباد ہوا
بولے پروان چڑھے باپ کا دل شاد ہوا

ہند نے جب خبرِ آلِ پیمبرؐ پائی
شکر کرتی ہوئی رانڈوں کی طرف کو آئی
بعد مجرے کے یہ تقریر زباں پہ لائی
ہموطن ان کے ہو تم جن کی ہوں میں شیدائی
بے ردائی کی نہ فاقوں کی مصیبت جھیلو
نذرِ شبیرؑ یہ کھانا، یہ ردائیں لے لو

خواہرِ شہ نے کہا رو کے بحالِ مضطر
اس عنایت کی جزا دے تجھے ربِّ اکبر
مستحق جو ہیں کھلا ان کو یہ کھانا خواہر
ہم یونہی قید میں دلشاد ہیں دُرّے کھا کر
یہ ردائیں تری بخشی ہوئی کیونکر اوڑھیں
جن کا وارث نہ کفن پائے وہ چادر اوڑھیں

پھٹ گیا ہند کا دل سنتے ہی زینبؑ کی صدا
آ گئی کانوں میں آوازِ جنابِ زہرؑا
رو کے چلائی کہ تم کون ہو بی بی میں فدا
ڈھنگ خاتونِ قیامت کے ہیں سارے بخدا
بولیں زینبؑ کہ یہ شک تیرا ہے بے جا بی بی
خلد سے قید میں کیا آئیں گی زہرؑا بی بی

پیٹ کر سر کو پکاری وہ ملول و مضطر — فاطمہ آپ نہیں، ان کی مگر ہیں دختر
بولیں زینبؑ کہ بھلا قید ہوئیں وہ کیونکر — جن کا عباسؑ سا بھائی۔ علی اکبرؑ سا پسر
وارثِ منزلتِ بنتِ پیمبرؐ۔ وہ ہیں
دو اماموں کی بہن۔ ایک کی دختر وہ ہیں

ہند چلائی کہ مرتی ہوں جلا دو بی بی — رُخ سے یہ خاک بھرے بال ہٹا دو بی بی
میں نہ مانوں گی مجھے شکل دکھا دو بی بی — تم کو زہراؑ کی قسم نام بتا دو بی بی
سر جھکا کر کہا ہاں فاطمہؑ کی جائی ہوں
اپنے ماں جائے کو کھو کر ترے گھر آئی ہوں

ہو گئے ذبح اخی اور نہ مجھے موت آئی — میرے اکبرؑ نے جواں ہوتے ہی برچھی کھائی
ذکر کس کس کا کرے تجھ سے علیؑ کی جائی — ایک عابدؑ کے سوا سب نے شہادت پائی
گھر محمدؐ کا جلا عترتِ اطہار لُٹی
کربلا میں مرے ماں باپ کی سرکار لُٹی

بس نسیم اب کہ ہوئے حشر کے ظاہر آثار — غم سے کھاتے ہیں عزادار پچھاڑیں ہر بار
یوں تڑپتے ہیں غلامانِ امامِ ابرار — جس طرح طائرِ بسمل کا کلیجا ہو فگار
سب یہ مظلوم کے عاشق ہیں دعا دے ان کو
ماتمِ شاہ کی اللہ جزا دے ان کو

۱۹۳۵ء

جنت کی آرزو ہے نہ خوفِ سقر مجھے
کافی ہے آستانۂ اثنا عشر مجھے
ملتے ہیں روز مدح کے گلہائے تر مجھے
سمجھو چمن میں شکلِ نسیمِ سحر مجھے
وارفتۂ ثنائے شہِ خاص و عام ہوں
بندہ خدا کا ہوں تو علی کا غلام ہوں

جو عرش کے سریر کی رونق ہیں وہ علی
بعد از رسولِ پاک جو برحق ہیں وہ علی
جو مصدرِ صفات سے مشتق ہیں وہ علی
یعنی جو عینِ قادرِ مطلق ہیں وہ علی
دونوں جہاں میں جلوہ نمائی علی کی ہے
بندے سے پوچھیے تو خدائی علی کی ہے

اہلِ نظر پہ مرتبہ مولا کا ہے جلی
باغِ قدم کے گل ہیں محمد۔ تو یہ کلی
ہم کیا ہیں جبکہ اس کا ہے قائل ہر اک ولی
بعد از خدا رسول ہیں۔ بعد از نبی۔ علی
شاخ ان کو جانیے نہ انھیں اصل مانیے
جب مصطفےٰ نہ ہوں تو بلا فصل مانیے

بعد از علی۔ رسول کے ثانی ہیں مجتبیٰ
صُلحِ حدیبیہ کی نشانی ہیں مجتبیٰ
محبوبِ مصلحت کی جوانی ہیں مجتبیٰ
ٹھہرا ہوا حسام کا پانی ہیں مجتبیٰ
تازہ جوان کے دَم سے کرم کا چمن ہوا
خُلقِ نبی کا نام بھی خُلقِ حسن ہوا

ظاہر ہے رتبۂ حَسَنِ آسماں مقام
کنیت رسولِ پاک سے پائی۔ خدا سے نام
قرآں کا یہ شرف ہیں، حَرَم کا یہ احترام
اِک تو نبی کے نورِ نظر۔ دوسرے امام
نانا نبی سا۔ باپ امیرِ حُنین سا
ماں فاطمہ سی۔ قوّتِ بازو حُسین سا

شبّر کے بعد شاہِ مدینہ حسین ہیں — دریائے معرفت کا سفینہ حسین ہیں
سرمایۂ عمل کا خزینہ حسین ہیں — علمِ نبی کے اوج کا زینہ حسین ہیں
باطل کا سر کچل کے عجب کام کر دیا
اسلام کو حسین نے اسلام کر دیا

کیا کیا بیاں کریں شرفِ شاہِ مشرقین — جن کا لقب ہے محسنِ دینِ خدا حسین
زہرا کے لال احمد و حیدر کے نورِ عین — مثلِ نبی مثالِ علی جانِ مصطفین
بیٹھیں جو بزم میں تو رسولِ قدیر ہیں
جب تیغ کھینچ لیں تو جنابِ امیر ہیں

سبطِ نبی کے بعد وہ بیکس امام ہے — جو زہد میں نمونۂ خیر الانام ہے
حق کے لیے جو قیدیِ زندانِ شام ہے — یوسف بھی کہہ رہے ہیں کہ بندہ غلام ہے
زنجیر میں جو پاؤں ہے جانِ بتول کا
لنگر لیے ہے کشتیِ دینِ رسول کا

دورِ فلک سے گو کہ یہ بیکس اسیر ہے — لیکن وصیِ شاہِ بشیر و نذیر ہے
حلّالِ مشکلاتِ امیر و فقیر ہے — بازو بندھے ہوئے ہیں مگر دستگیر ہے
دم سے اسی کے باغِ نبی باغ باغ ہے
یہ لال اہلِ بیت کے گھر کا چراغ ہے

زین العبا کے بعد ہیں باقر شہِ انام — نازاں ہے جن پہ علمِ نبوت بلا کلام
جابر نے ان کو ختمِ رسل کا کہا سلام — نامِ خدا ملا ہے انہیں بھی نبی کا نام
ہیں لال دخترِ حسنِ سبز فام کے
پوتے امام کے ہیں۔ نواسے امام کے

دکھلا دیا حضور نے خُلقِ پیمبری — غم سہ کے عاصیوں کو کیا نار سے بری
جعفر کو ان کے بعد ملا تاجِ حیدری — کہلائے پیروانِ یداللہ جعفری
صدقے دہن پہ صدقِ رسالت مآب ہے
مانندِ صبح آپ کا صادق خطاب ہے

اٹھے جہاں سے جب یہ محمد کے نور عین　　بیٹھے نبی کے تخت پہ موسیٰ بہ زیب و زین
تھے حلم میں یہ زینِ عبا۔ صبر میں حسین　　کاظم تھا نام پاک۔ لقب شاہِ کاظمین
پنہاں نہیں ہے خلق سے رتبہ جو پایا ہے
الکاظمین دیکھ لو قرآں میں آیا ہے

حق کی رضا سے آپ کے نائب ہوئے رضا　　جن کو جہاں میں ضامنِ ثامن لقب ملا
صلِّ علیٰ مزارِ شہِ دیں کا مرتبا　　روضہ سے ان کے ارضِ خراساں ہے کربلا
مثلِ حسین، یہ بھی امامِ غریب ہیں
مولا غریب ہیں پہ عجیب و غریب ہیں

یہ ہوں جو ہمکلام تو شمشیر بول اٹھے　　حق کی زباں ہیں کاتبِ تقدیر بول اٹھے
مداح کا قلم دمِ تحریر بول اٹھے　　یہ حکم دیں تو بلبلِ تصویر بول اٹھے
طوطی حمد صاف پکارے علی علی
قالیں کا شیر اٹھ کے ڈکارے علی علی

بعد از رضا۔ سمیِ محمد۔ تقی ہوئے　　بچپن میں جانشینِ علی ولی ہوئے
پیروِ تقیِ پاک کے سب متقی ہوئے　　حاسد جلے۔ جب ان کے مناقب جلی ہوئے
آمادہ امتحان پہ دل سنگ ہو گئے
ماہی کے معجزے سے مگر دنگ ہو گئے

طفلی سے تھا شبابِ رسالت جو رونما　　عباسیوں میں جم کے رہا رنگ آل کا
سیرت کا بچپنے میں دکھایا وہ معجزا　　مامون ماننے لگا اپنوں کا ذکر کیا
بعد آپ کے۔ جہان کے ہادی نقی ہوئے
دسویں امام خلق میں جو تھے علی ہوئے

رخصت سرائے دہر سے جس دم ہوئے نقی　　نائب ہوئے حضور کے دنیا میں عسکری
القاب جن کے ہیں حسن و ہادی و زکی　　دیں کی ہے جن کے پھول سے کھیتی ہری بھری
ہے آسرا انھیں کا پسر۔ مومنین کا
حافظ کتاب کا تو محافظ ہے دین کا

وجہ بقائے خلق۔ حسن کا ہے لالہ فام — باقی ہے جس کی ذات سے قرآں بلا کلام
قائم کے دم سے حق کی عبادت کو ہے قیام — دینِ نبی کی جان ہے در پردہ یہ امام
غیبت کے باوجود یہ شانِ حضور ہے
فانوس میں چراغ ہے۔ محفل میں نور ہے

کب تک رہے گا مہرِ امامت حجاب میں — ہل چل مچی ہے دینِ رسالت مآب میں
جو منتظر ہیں ان کے ہیں دل اضطراب میں — مشکوک جو ہیں جان ہے ان کی عذاب میں
کعبہ سیاہ پوش فلک نیلہ پوش ہے
حد ہوگئی فراق میں قرآں خموش ہے

الیاس چاہ میں ہیں گرفتار اک طرف — تکتے ہیں راہ خضر طلبگار اک طرف
ادریس زندگی سے ہیں بیزار اک طرف — عیسیٰ پڑے ہیں عشق میں بیمار اک طرف
ڈھونڈا ہزار دشت و دَر و کوہسار میں
اصحاب کہف بیٹھ رہے تھک کے غار میں

ملتا نہیں جو غیب نشیں کا کہیں سراغ — سونی ہے اب زمین تو گردوں ہے سبز باغ
سورج ہے دل کباب قمر کے ہے دل میں داغ — مکّہ ہے بے مکیں تو مدینہ ہے بے چراغ
سب منتشر ہیں، حال سبھی کا تباہ ہے
قرآں کے انتشار پہ صورت گواہ ہے

ہے روز و شب اصولِ ہدایت کو انتظار — وحدت کو اشتیاق عدالت کو انتظار
مسند نشیں کا تختِ رسالت کو انتظار — فرقِ نبی کا۔ تاجِ امامت کو انتظار
حسرت ہے سب کو مہدیِ دیں کے ظہور کی
حد ہے کہ منتظر ہے قیامت حضور کی

لیجیے خبر فروع کی اے جانِ بوتراب — اب روزہ و نماز سے غافل ہیں شیخ و شاب
مولا زکات و خمس پریشاں ہیں بے حساب — حج اک طرف، جہاد بھی کھاتا ہے پیچ و تاب
مرجھا رہے ہیں پھول جو دینِ رسول کے
شاخیں ہیں انتظار میں اصلِ اصول کے

جانِ نبی کے ہجر میں دل ہیں جو بے قرار — ابتر ہے کشتگانِ محبت کا حالِ زار
اتنا سا خواب ہی میں بتا دیجے ایک بار — کب تک کریں حضور کے آنے کا انتظار
نبضیں بھی ڈوبنے لگیں منکا بھی ڈھل گیا
آنکھیں کھلی رہیں گی اگر دم نکل گیا

پھرتا ہے یوں تلاش میں ہر دم دلِ اسیر — جس طرح سوئے واحدِ غائب پھرے ضمیر
یوں غار میں نہاں ہے نبی کا مہِ منیر — جیسے ہے نور دیدۂ مردم میں گوشہ گیر
بے جا ہے شک وجودِ امامِ حجاز میں
نیت کو دیکھتی ہیں کب آنکھیں نماز میں

اٹھے گا جب حجاب امامِ ملک صفات — پائیں گے نورِ شہ میں دو عالم رہِ نجات
مولا کی ذات خَلق میں ہے مژدۂ برات — ہے جب تو ان کا روزِ ولادت شبِ برات
اس رات میں جو دید کی امید ہو گئی
خوش ہو کے دونوں وقت ملے عید ہو گئی

اس رات کے طفیل میں امت کے دن پھرے — اسلام کا نصیب شریعت کے دن پھرے
تختِ نبی کا بخت، امامت کے دن پھرے — یہ لطف ہے کہ شب میں رسالت کے دن پھرے
محویتوں میں رات کی ظلمت جو کھو گئی
قدر اس قدر بڑھی کہ شبِ قدر ہو گئی

زہرہ ریاضِ چرخ میں رشکِ چمن بنی — پھیلی وہ چاندنی کہ فضا سیمتن بنی
فیضِ شبِ برات سے گیتی دلھن بنی — یہ گل کھلا کہ شمع کی لو گلبدن بنی
پنہاں تجلیاں ہیں گلوں کی قباؤں میں
گھر گھر چراغ جلتے ہیں تاروں کی چھاؤں میں

خالق کی شان بازیِ آتش سے ہے عیاں — ہیں پھلجھڑی کے گل ثمرِ نخلِ کہکشاں
مہتاب مثلِ خوشۂ پروین ہے گلفشاں — وہ چرخ کی ہے ضَو کہ ہے چکر میں آسماں
تاروں کو بے فروغ اناروں نے کر دیا
جلوہ قمر کا گرد غباروں نے کر دیا

حسنِ شب برات جو ہر دم مزید ہے
لیلائے شب کا جامۂ کہنہ جدید ہے
ہے رات کا یہ رنگ کہ دن محوِ دید ہے
قرباں ہو صبحِ عید بھی اب کیا بعید ہے
جلوہ جو عرش تک ہے ہر اک سنگ و خشت کا
دنیا سے آج رنگ ہے پھیکا بہشت کا

یہ رات ہے جہاں میں شبِ طاعت و درود
فرشِ زمیں پہ چاندنی ہے مائلِ قعود
سبزے کی جانماز پہ شبنم کا وہ سجود
وہ ڈوبنا نجوم کا وہ صبح کی نمود
لیلائے شب حجاب سے روپوش ہو گئی
ہر شمع کانپ کے خاموش ہو گئی

باغِ جہاں میں مہدیِ دیں کا ورود ہے
ہر شاخ و برگ محوِ رکوع و سجود ہے
نوکِ زبانِ خار جو حمد و درود ہے
غنچوں کی بھی چٹک میں صدائے درود ہے
آمد سنا جو دی ہے امامِ کریم کی
چٹ چٹ بلائیں لیتی ہیں کلیاں نسیم کی

پُر کیف ہے سماں بھی۔ ہوا خوشگوار بھی
سو بلبلیں بھی ایک جگہ ہیں۔ ہزار بھی
خوش رنگ بھی ہیں غنچہ و گل مشکبار بھی
رگ رگ میں ہے شباب بھی جوشِ بہار بھی
مہکی ہوئی جو روحِ نبی کی شمیم ہے
یہ حال ہے کہ جامے سے باہر نسیم ہے

ساقی اب انتظار ترا دل پہ شاق ہے
وہ مے پلا جو دافعِ کفر و نفاق ہے
اس کے لیے ہے پھول جو الفت میں طاق ہے
اس کی نظر میں خار ہے جو بد مذاق ہے
کہتا نہیں حرام بھی شیخ، اور حلال بھی
لیکن مزہ یہ ہے کہ ٹپکتی ہے رال بھی

ساقی پلا دے وہ مئے میخانۂ علی
جس سے ہزار رنگ کے جلوے ہوں منجلی
ادریس کو یہ شک ہو کہ جنت کی ہے کلی
یوسف کو ہو گمان کہ مصری کی ہے ڈلی
الیاس سر چڑھائیں۔ خضر آبرو کریں
عیسیٰ ہیں منتظر کہ ملے تو وضو کریں

بزمِ الست کی جو نشانی ہے وہ شراب　　جو خضرِ معرفت کی جوانی ہے وہ شراب
ایماں کا جوش جس کی روانی ہے وہ شراب　　تسنیم جس کے سامنے پانی ہے وہ شراب
ہر بوند سلسبیل کا گویا جواب ہے
کوثر عرق عرق ہے لبن آب آب ہے

ساقی کی نذر کو جو میں ایمان بدست ہوں　　دنیا سے بے خبر ہوں کہ مستِ الست ہوں
ظاہر پرست میں نہیں غائب پرست ہوں　　یہ ولولہ ہے دل میں کہ بے دیکھے مست ہوں
بسمل ہوں، گو نیام میں پوشیدہ سیف ہے
ساقی کے پاس سے ہے مرے دل میں کیف ہے

جو اِنّما کا قندِ مکرر ہے وہ شراب　　جو مدعائے دینِ پیمبر ہے وہ شراب
جو رازِ کائنات کا جوہر ہے وہ شراب　　قرآنِ پاک کا جو مقطر ہے وہ شراب
وہ آب و تاب ہے کہ خجل جس سے فجر ہے
نعمت کا خاتمہ ہے رسالت کا اجر ہے

ساقی تری تلاش میں ہم جا بجا گئے　　مکّے گئے، مدینے گئے، کربلا گئے
بستی سے کاظمین کی مشہد میں آ گئے　　ارضِ نجف میں بہرِ دُرِ بے بہا گئے
اب سامرا کی خاک جبیں پر لگائیں گے
غائب کے انتظار میں دھونی رمائیں گے

وہ مے پلا جو حسبِ محل جا بجا بنی　　گہ قُل کفیٰ بنی تو کبھی ھل اتیٰ بنی
روح الامیں کو جبکہ ملی لافتیٰ بنی　　ساقی نے جب نماز میں پی اِنّما بنی
کم ظرف نے جو پی تو گلوگیر ہو گئی
زہرا کے گھر میں آیۂ تطہیر ہو گئی

ساقی یہی ہے دورِ مے ارغواں کا وقت　　یعنی ظہورِ نورِ امامِ زماں کا وقت
دنیا و دیں کے واسطے امن و اماں کا وقت　　جمعہ کی صبح، نیمۂ شعباں، اذاں کا وقت
کیونکر کہوں کہ گود میں نرجس کی چاند ہے
چہرے میں ہے وہ نور کہ سورج بھی ماند ہے

نرجس کی آنکھیں ہو گئیں روشن، حسن کا گھر خالق نے عسکری کو دیا چاند سا پسر
مُنہ چوم کر پکاری امامت بکرّ و فر دیکھو جبیں میں نورِ محمد ہے جلوہ گر

یہ ہے وہ ماہ۔ نقص ہے جس میں نہ داغ ہے
اسلام میں خدا کا دیا یہ چراغ ہے

قرآں زبانِ حال سے بولا بہ افتخار ہے نخلبندِ باغِ شریعت یہ گلعذار
اسلام فخر و ناز سے کہتا تھا بار بار یہ پھول ہے نبی کے چمن میں سدا بہار

از دستِ ظلم حافظ ایں ربّ اکبر است
دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

باغی جو تاک میں تھے لگے خار کی طرح پنہاں حضور ہو گئے ستّار کی طرح
مخفی ہیں چشمِ خلق سے اسرار کی طرح قائم ہیں نورِ ایزدِ غفّار کی طرح

مشکلکشائے خلق جو لیل و نہار ہیں
در پردہ اسمِ اعظمِ پروردگار ہیں

غیبت سے او حریف خرد بدگماں نہ ہو قائم نہ ہوں جہاں میں تو قائم جہاں نہ ہو
قرآں کا نام آلِ نبی کا نشاں نہ ہو لٹ جائیں منزلیں جو کوئی پاسباں نہ ہو

پردے میں وہ نہاں ہے جو وجہ ثبات ہے
ظلمات ہی میں چشمۂ آبِ حیات ہے

برباد ہو زمیں جو امامِ زماں نہ ہو مٹّی کا ڈھیر ہے وہ جسد جس میں جاں نہ ہو
پھر دین ہو رواں جو یہ روحِ رواں نہ ہو پنہاں نہ ہو تو حق کی حقیقت عیاں نہ ہو

آثار سے عیاں بھی نظر سے نہاں بھی ہے
حجّت میں جیسے جیم نہاں بھی عیاں بھی ہے

مہدی نہ ہوں تو خلق میں امن و اماں نہ ہو پھر تا قیام کعبۂ رب میں اذاں نہ ہو
دنیا میں دینِ خالقِ کون و مکاں نہ ہو بن آئے شیخ کی جو یہ سیّد نہاں نہ ہو

کس کو ہے دخل مصلحتِ کردگار میں
مثلِ نبی امام بھی پنہاں ہے غار میں

پنہاں اگر نہ ہو یہ محمد کا لالہ فام　　کردیں عدو شہید مٹے مصطفیٰ کا نام
کلمہ ہو پھر نبی کا نہ اللہ کا کلام　　رخصت ہو بس نماز تشہد کرے سلام
جب دین ہی نہ ہو تو رسالت فضول ہے
واللہ یہ امام بجائے رسول ہے

یارب وہ دن دکھا کہ دلوں کو سرور ہو　　کفر و نفاق و شرک زمانے سے دور ہو
گیتی کے ذرّے ذرّے میں وحدت کا نور ہو　　جس کا یہ سب ظہور ہے اس کا ظہور ہو
جلوہ ہو چار سمت محمد کے ماہ کا
عَالم میں غل ہو اَشہَدُ اَن لا الٰہ کا

قرآں کا دَور آل کی صورت انہی سے ہے　　نام خدا نشانِ رسالت انہی سے ہے
نقارۂ اذاں کی اقامت انہی سے ہے　　ڈنکا نبی کا دین کی نوبت انہی سے ہے
مسند نشینِ حضرت خیر الانام ہیں
خاتم کی مثل کیوں نہ ہوں آخر امام ہیں

وہ نور یہ ظہور وہ رحمت تو یہ اماں　　وہ ہیں جسد یہ فرق وہ ہیں نطق یہ زباں
اُن کا مقام عرشِ خدا اِن کا لامکاں　　وہ اوّلِ وجود تو یہ آخر الزماں
اِن سے نبی کے دین کی زینت سوا ہوئی
واں ابتدا ہوئی تھی یہاں انتہا ہوئی

اسلام کا وہ دل تو یہ ایماں کا ہیں جگر　　وہ آنکھ ہیں یہ نور وہ پُتلی ہیں یہ نظر
ہاشم کے وہ پسر یہ شہِ بدر کے قمر　　گویا خلیل کی وہ دعا ہیں تو یہ اثر
خود تول لیں نظر میں جو شیدائے آل ہیں
وہ آمنہ کے لال یہ زہرا کے لال ہیں

وہ ظلِّ ذوالجلال ہیں یہ مظہرِ جلیل　　رحمت کی وہ سبیل یہ مختار سلسبیل
یہ نور وہ سراج یہ کعبہ تو وہ خلیل　　نانا بھی بے مثال۔ تو اسا بھی بیعدیل
سب انبیا سے فضل و شرف میں بڑھے ہوئے
احمد ہیں بے پڑھے، یہ محمد پڑھے ہوئے

اُن سے خدا کا نام ہے اِن سے بھی ہے نمود　　وہ باعثِ وجود ہیں یہ شاھدالوجود
وہ کلمۂ الٰہ تو یہ حجتِ ودود　　دونوں کا نام پاک محمد، پڑھو درود
یوں ایک ہیں یہ بارگہِ بے نیاز میں
دو رکعتیں ہیں جیسے سحر کی نماز میں

رتبے میں انبیا سے ہیں افضل شہِ ہُدا　　ہیں جب تو حکم رب سے مسیحا کے مقتدا
وہ ہیں اگر خدائے نصاریٰ کے دلربا　　یہ اس کے لال ہیں جو نصیری کا ہے خدا
یہ غار میں وہ چرخ پہ ہیں اِن کی چاہ میں
پلّہ گراں اِنہی کا ہے تولو نگاہ میں

ہمنام بھی نبی کے ہیں شاہِ انام بھی　　جرأت میں بوتراب کے قائم مقام بھی
رشکِ بلال عید بھی ماہِ تمام بھی　　عیسیٰ کے پیشوا بھی ہمارے امام بھی
اب کیا کہوں کچھ ایسے ہی اوصاف پائے ہیں
کُل انبیا کے بعد ہدایت کو آئے ہیں

مثلِ کریم یہ بھی ہیں بندوں کے کارساز　　خالق ہے جاں نواز تو یہ بھی ہیں دلنواز
قائم ہیں آپ بھی جو ہے قیوم بے نیاز　　اتنا سا فرق ہے وہ حقیقت ہے یہ مجاز
حیدر میں یہ صفت نہ رسالت مآب میں
یہ بھی حجاب میں ہیں خدا بھی حجاب میں

حاصل فصاحتِ شہِ خیرالورا بھی ہے　　زُہدِ بتول زورِ شہِ لافتا بھی ہے
خُلقِ حسن بھی صبرِ شہِ کربلا بھی ہے　　سجاد کا خضوع بھی آہ و بکا بھی ہے
باقر کا علم سینۂ شاہِ زمن میں ہے
گویا زبانِ جعفرِ صادق دہن میں ہے

کاظم کا حلم بھی ہے رضا کی رضا بھی ہے　　زہدِ تقیِ پاک بھی ہے اتّقا بھی ہے
مثلِ نقی کرم بھی ہے جود و سخا بھی ہے　　بیٹا حسن کا محسنِ دینِ خدا بھی ہے
سارے سلف کے رنگ ہیں اس لالہ فام میں
چودہ مزے ہیں ایک امامت کے جام میں

اثنا عشر میں فرد ہے یہ شاہِ دیں پناہ　　مہدیِ دیں امامِ زماں حجتِ الٰہ
دَورِ علی ہے غیر مکمل بغیرِ شاہ　　ناقص رہے گا سال نہ ہو بارھواں جو ماہ
وجہِ کمال ہے یہ امامِ مبیں کا چاند
وہ تیرھویں کا چاند تو یہ چودھویں کا چاند

ان کو خلاصۂ کتبِ ماسبق کہوں　　یا نعمتِ وجود کا اعلیٰ طبق کہوں
برحق کہوں کہ مثلِ علی عینِ حق کہوں　　یا آخری کتابِ نبی کا ورق کہوں
پھر بارھویں امام کو اللہ کیا کہیں
جب پہلے پیشوا کو نصیری خدا کہیں

وجہِ ثباتِ کون و مکاں ہے یہی مکیں　　کھوئے گا ظلم و کفر کی ظلمت یہ مہ جبیں
پھولے پھلے گی شرع کی کھیتی زمیں زمیں　　یہ ہے وہ اصل جس کی ہیں شاخیں اصولِ دیں
غیبت نہ ہو تو نخلِ بقا گلفشاں نہ ہو
سرسبز کیا ہو جڑ، جو زمیں میں نہاں نہ ہو

غیبت کا بھید خالقِ یزداں سے پوچھیے　　پردے کی بات احمدِ ذیشاں سے پوچھیے
غائب کا حال مصدرِ ایماں سے پوچھیے　　منزلِ امامِ عصر کی قرآں سے پوچھیے
حق آئے گا تسلط باطل مٹائے گا
ناحق کی بحث کیا یہی حق ہے کہ آئے گا

یاں لفظِ حق سے خالقِ یزداں نہیں مراد　　خضر و خلیل و موسیِ عمراں نہیں مراد
داؤد و نوح و عیسیِ دوراں نہیں مراد　　کیا ان کا ذکر احمدِ ذیشاں نہیں مراد
آئے سبھی مگر ابھی باطل کا دَور ہے
جو حق کا مدعا ہے وہ حق کوئی اور ہے

سوچو جو ہوں رموزِ الٓمٓ یاد　　معنی ہیں جس کے آلِ محمد بہ استناد
ہے ذٰلِکَ الکِتَاب جو ہادی پئے عباد　　لَا رَیبَ فِیہ مہدیِ غائب سے ہے مراد
مانو نہ مانو ہم تو اک آیت سناتے ہیں
جو متقی ہیں غیب پر ایمان لاتے ہیں

عیسیٰ کو مانتے ہیں مسلماں، نہاں ہیں وہ　　الیاس کو بھی کہتے ہیں ہاں ہیں، جہاں ہیں وہ
مہدی کو ہم جو کہتے ہیں قائم نہاں ہیں وہ　　ہم سے سوال کرتی ہے دنیا کہاں ہیں وہ
ہم کیوں نہیں امامِ زماں سامرا میں ہیں
سیدھا سا یہ پتا ہے کہ علمِ خدا میں ہیں

سوچو بغور حور و ملک، ہیں بہم کہاں　　غلماں کہاں ہیں، کوثر و خلد و ارم کہاں
ہیں رف رف و براقِ شفیعِ امم کہاں　　کس جا ہے عرش، کرسی و لوح و قلم کہاں
ان سب کا جس دلیل سے ثابت شہود ہے
روشن اسی سے مہدیِ دیں کا وجود ہے

کچھ بول اے امام کے منکر جواب میں　　کس جا ہیں جن۔ کہ ذکر ہے جن کا کتاب میں
پوچھے کوئی جو ہستی شیطاں کے باب میں　　کہہ دے گا بے حجاب کہ وہ ہے حجاب میں
خود کو نقابِ پردۂ غیبت کیے ہوئے
ابلیس ہے رگوں میں سرایت کیے ہوئے

اے منکرو نسیم رواں ہے، کہاں ہے وہ　　گل کی شمیم عطر فشاں ہے، کہاں ہے وہ
پنہاں بشر کے جسم میں جاں ہے کہاں ہے وہ　　خلاقِ دو جہاں بھی نہاں ہے کہاں ہے وہ
کہتے ہو آج قائمِ آلِ عبا نہیں
کیا اعتبار کل کو یہ کہہ دو خدا نہیں

قرآن و آل ساتھ ہیں دنیا میں لاکلام　　شاہد ہے یہ خبر کہ ہیں قائم شہِ انام
لو صاف اب سنو سببِ غیبتِ امام　　پنہاں عدو کی گھات میں ہیں وارثِ حسام
پائیں گے جب کہ حکم خدائے مجید کا
لیں گے یہ انتقام حسینِ شہید کا

امت نے جس کو خوں میں ڈبویا وہی حسین　　جو بعد ذبح دھوپ میں سویا وہی حسین
کوئی نہ جس کی لاش پہ رویا وہی حسین　　گھر جس نے حق کی راہ میں کھویا وہی حسین
سر دے دیا۔ نبی کا مگر نام رکھ لیا
حق تو ہے یہ حسین نے اسلام رکھ لیا

سب کچھ نثارِ دینِ شفیعِ امم کیا — باطل کے سامنے نہ مگر سر کو خم کیا
راہِ عمل میں پاسِ وفا ہر قدم کیا — اوروں کو روئے۔ اپنے پسر کا نہ غم کیا
قدرت کے باوجود عدو کو سزا نہ دی
قاتل کو شیر خوار کے بھی بد دعا نہ دی

تاریخ داں بتائیں کہ آدم سے تا بہ حال — مارا گیا کوئی چھ مہینے کا نونہال
ایسی کوئی خطا تو نہ تھی آب کا سوال — جس کی سزا میں تیر سے گھایل ہو شہ کا لال
مٹی نہ دی کبھی کسی بیٹے کو باپ نے
گاڑا زمیں میں اپنے کلیجے کو آپ نے

بچے کو ذبح کر کے بھی مانے نہ اہلِ شر — برسائے تیر جانِ محمد پہ بے خطر
لاکھوں شقی اُدھر تھے تو اک بے وطن اِدھر — سیراب وہ۔ یہ تشنہ لب و سوختہ جگر
واں شوقِ جاہ و مال سپاہوں کے سامنے
یاں نوجواں کی لاش نگاہوں کے سامنے

دنیا کی حرص اُدھر تھی۔ اِدھر عزم جاوداں — نیزے وہاں تھے سینۂ سبطِ نبی یہاں
سر پر پڑی حسام جگر میں گڑی سناں — زہرا سے پوچھیے کہ وہ برچھی لگی کہاں
تن سے لہو نکل گیا جتنا نکل سکا
لیکن پہاڑ اپنی جگہ سے نہ ٹل سکا

بھالے چبھو چبھو کے یہ کہتے تھے بد زباں — بیعت قبول کیجیے اب بھی تو ہے اَماں
سینے کو رکھ کے نوک پہ نیزوں کی بے تکاں — کہتے تھے شہ کہ خوب کیے جاؤ امتحاں
اپنا لہو اصول سے پیارا نہیں مجھے
انسانیت کا خون گوارا نہیں مجھے

سُن کر نبی کے لال کا یہ عزم مستقل — پاس آگئے سنبھال کے حربے وہ سنگدل
بارش ہوئی حسین پہ تیغوں کی متصل — زہرا نے اپنے دودھ کا حق کر دیا بحل
گھوڑے سے خاک پر پسرِ مصطفےٰ گرا
آندھی اٹھی زمین پہ عرشِ خدا گرا

آگے جفائے چرخِ کہن اور کیا کہوں — سورج کو لگ رہا ہے گہن اور کیا کہوں
سجدے میں ہیں امامِ زمن اور کیا کہوں — ڈیوڑھی سے دیکھتی ہے بہن اور کیا کہوں
ذکرِ خدا ہے لب پہ شہِ مشرقین کے
خنجر چمک رہا ہے سرہانے حسین کے

زینب پکارتی ہیں کہ عباس جلد آؤ — میں ہاتھ جوڑتی ہوں مرے بھائی کو بچاؤ
کیا سو رہے ہو عون و محمد خبر تو لاؤ — بچو مرے اخی کے عوض گردنیں کٹاؤ
آتے نہیں ہو تم بھی جو امداد کے لیے
میں سر کھلے نکلتی ہوں فریاد کے لیے

فریاد کا جو نام سنا شہ نے ایک بار — پھر تو نہ قلب کو تہِ خنجر رہا قرار
جنبش ہوئی لبوں کو پکارے بحالِ زار — مظلوم کی بہن میں ترے عزم کے نثار
گر بد دعا سے شمر سزا آج پائے گا
سجاد کس کو صبر کے جوہر دکھائے گا

یہ کہتے کہتے رک جو گئی یک بیک صدا — سر پیٹ کر زمیں پہ گریں بنتِ مرتضیٰ
گردوں سے جبرئیل نے پیہم یہ دی ندا — کرب و بلا میں ذبح ہوئے شاہِ کربلا
بس اے نسیم بھائی سے ہمشیر چھٹ گئی
زہرا کا گھر رسول کی سرکار لٹ گئی

ختم شد